بسم اللہ الرحمن الرحیم

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا

جہانِ امام ربانی

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم چہارم

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

ناظر فنی
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم (الفاتحہ)
ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا،

جہانِ امامِ ربّانی

گوہر تابدار

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم چہارم

مرتبین
صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی
محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام .... جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
مرتبین .... صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نظرِ ثانی .... محمد عالم مختار حق
اقلیم .... چہارم (کامل سیٹ سات جلدیں)
تصحیح .... علامہ محمد ظفر احمد نقشبندی، علامہ رضوان احمد مسعودی، مولانا جاوید اقبال مظہری، مولانا علی انور بگھیو مسعودی، محمد عبدالستار طاہر مسعودی، مولانا اقبال احمد اختر القادری، مقصود حسین قادری، سیدہ حنا مسعودی، سیدہ صبا مسعودی، سیدہ سمیعہ شاہد، سیدہ ربیعہ شاہد
حروف ساز .... سید شعیب افتخار مسعودی، سید سلمان افتخار، حبیب احمد، سید محمد انیس مسعودی
طابع .... جاوید اقبال مظہری
مطبع ....
طباعت ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء
اشاعت .... اوّل (ایک ہزار)
ناشر .... امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
ہدیہ ....

ناشر
امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
اے-۱، پلاٹ نمبر ۲۳، اسٹیڈیم لین نمبر ۴، خیابان شمشیر، فیز 7، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، فون ۵۸۴۰۹۹۳-۰۲۱
(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

- ☆ ادارۂ مسعودیہ......۲/۶‘ ۵_ای‘ ناظم آباد کراچی_فون ۰۲۱_۶۶۱۴۷۴۷
- ☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز......ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔اے۔جناح روڈ، کراچی‘ فون ۰۲۱_۲۲۱۳۹۷۳
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز......۱۴-انفال سینٹر، اردو بازار‘ کراچی_فون ۰۲۱_۲۶۳۰۴۱۱
- ☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل......پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد‘ کراچی_فون ۰۲۱_۴۹۲۶۱۱۰
- ☆ المختار پبلی کیشنز......۲۵_جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی، فون ۰۲۱_۷۷۲۵۱۵۰
- ☆ فرید بک اسٹال......۳۸-اردو بازار، لاہور_فون ۰۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
- ☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

- ☆ Khalifa Muhammad Yahya, Roza Shareef, Sirhind, District Fatehgarh, Pin code-140406. (INDIA) Ph:01763-30144.
- ☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmed, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6, (INDIA)
- ☆ Mr. Masood Ahmed Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers New York-10701 (U.S.A)
- ☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlands B67 7JD. (U.K)
- ☆ Mawlana Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Rizvia, 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi 110006, (INDIA)
  Ph: 23264524.
- ☆ Abdul Aziz Siddiqui, 20 Chatripura, Main Road, Indoor
  (M.P) INDIA.

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

☆☆

محی الدین اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ علیہ الرحمۃ
کے نام

☆……جنہوں نے برصغیر میں پہلی بار نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نافذ کیا

☆……جنہوں نے فقیری میں شاہی کی

☆……شریعت کے سامنے نہ باپ کو باپ سمجھا نہ بھائی کو بھائی جانا

☆……جو خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے دامن سے وابستہ ہو کر بن سنور گئے

☆……جن کے شہزادے اور شہزادیاں آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے

☆……جو اپنی معاش خود کماتا تھا

☆……جو اپنے دشمنوں پر رحم کرتا تھا

☆……جس کی قبر شریف پر شاہانہ ہیبت برس رہی ہے

(مرتبین)

☆……☆……☆

بحضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِہٖ
حَسُنَتْ جَمیعُ خِصالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہان امام ربانی

اقلیم چہارم

گردن نہ جھکی جن کی سلاطین کے آگے
آخر کو جھکے خود ہی جہانگیر و جہاندار
(تاؔج)

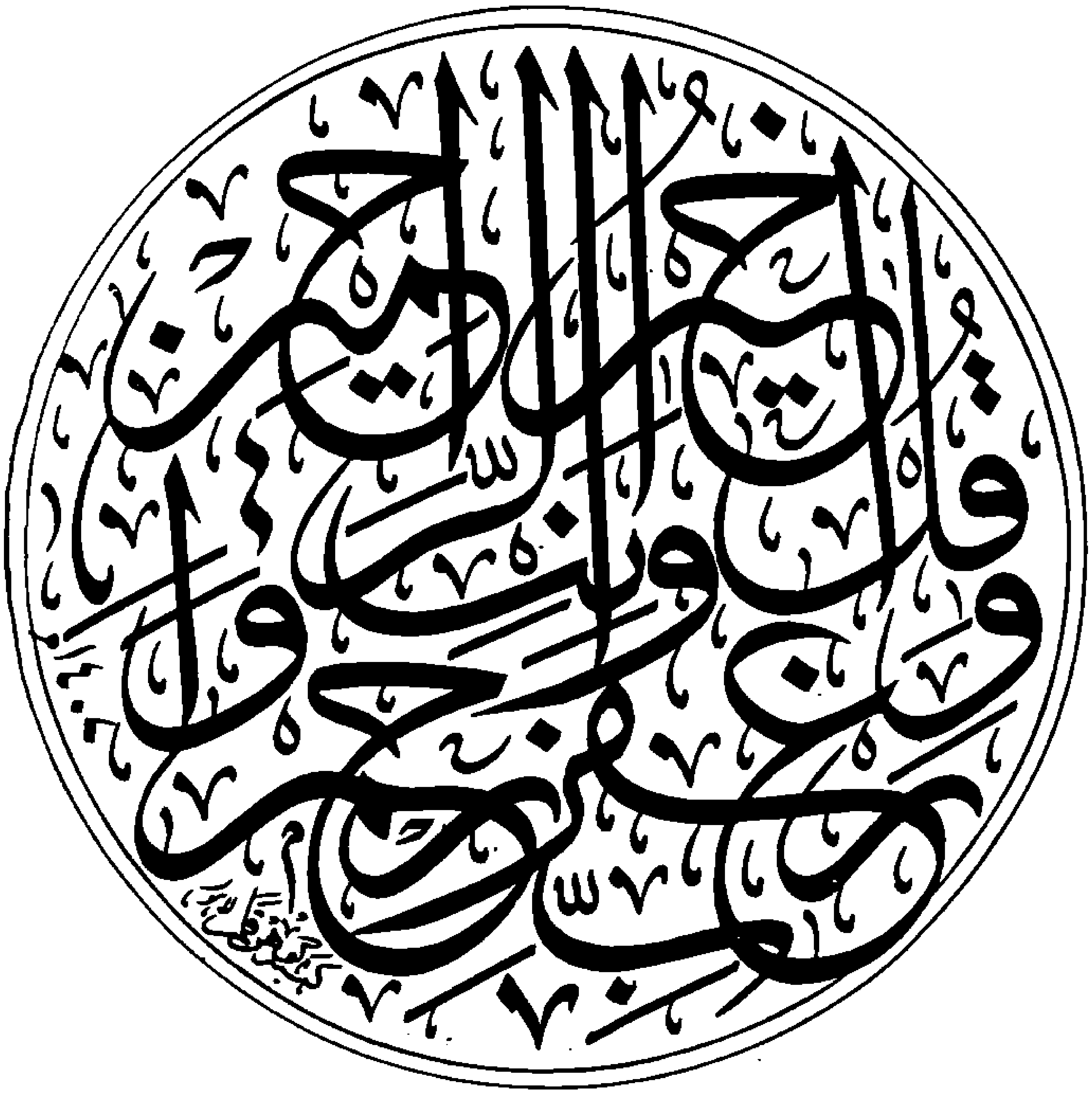
وقل رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقلیم چہارم

☆☆

- ...... نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم   امام احمد رضا محدث بریلوی   ۱۳
- ...... مناقب   نظام الدین سرہندی، عبدالاحد وحدت
  خواجہ احمد حسین، قمر یزدانی   ۱۷
- ...... ابتدائیہ   ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری   ۲۵
- ...... تأثرات   حکیم محمد سعید، پروفیسر عزیز احمد
  پروفیسر خورشید حسین، پروفیسر محمد عارف اظہر
  پروفیسر محمد رضا خان، پروفیسر محمد اسلم   ۲۷

کشورِ اوّل

- ...... آفتابِ شرف   محمد ابوالشرف مجددی   ۳۳
- ...... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی   شاہ ابوالحسن زید فاروقی   ۵۰
- ...... حضرت مجدد الف ثانی   کوثر نیازی   ۵۸
- ...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی   نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی   ۶۳
- ...... حضرت مجدد مطلعِ تاریخ پر   آبادشاہ پوری   ۶۵
- ...... اکبر و جہانگیر اور مجدد الف ثانی   قاضی ظہور احمد اختر   ۱۰۱

کشورِ دوم

برصغیر میں حق و باطل کے معرکے …… پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ۱۵۷

دو قومی نظریہ اور حضرت مجدد الف ثانی …… پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ۱۷۲

حضرت مجدد الف ثانی اور دو قومی نظریہ …… پروفیسر محمد اسلم ۱۸۴

برصغیر میں دو قومی نظریہ کی بنیاد اور تحریک مجدد الف ثانی …… سردار علی احمد خان قادری ۱۹۱

کشورِ سوم

خاندان مجدد کا زرّیں کردار …… سردار علی احمد خان قادری ۲۸۵

شیخ احمد سرہندی، سلسلہ مجددیہ کا نقطۂ آغاز اور سلطنت مغلیہ پر اس کے اثرات …… پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بیولر سالم عبداللہ، مترجم: ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی ۳۰۶

حضرت مجدد اور محمد علی جناح …… محمد بخش مسلم ۳۱۴

سرمایۂ ملت کا نگہبان …… ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی ۳۱۵

حضرت مجدد دانشوروں کی نظر میں …… پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۳۲۰

کشورِ چہارم

حضرت مجدد الف ثانی کا سفر آخرت …… خواجہ بدرالدین سرہندی، مترجم: اعزاز الدین احمد ۳۳۹

اشک باری و دل فگاری …… خواجہ محمد ہاشم کشمی ۳۵۲

…… تاریخہای وصال حضرت مجدد — خواجہ محمد ہاشم کشمی ۳۵۳

…… حضرت مجدد کے سلسلہ عالیہ کے حضرات قدسیہ — خواجہ بدرالدین سرہندی، مترجم: اعزاز الدین احمد ۳۵۴

…… مشائخ نقشبندیہ مجددیہ — مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی ۳۶۷

…… وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی ۳۷۹

…… خواجہ محمد معصوم، مقاماتِ آدمیہ کی روشنی میں — صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد ۳۸۷

…… خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب عالم گیر کے تعلقات پر ایک نظر — پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری ۳۹۲

…… مکتوبات معصومیہ، شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام اور مکتوبات خواجہ محمد سیف الدین، شاہ اورنگ زیب عالمگیر، شہزادہ محمد معظم اور شہزادی روشن آراء کے نام — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۴۰۱

…… تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانی — مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی ۴۷۱

…… حضرت مجدد اور علماء عصر — ڈاکٹر سراج احمد خاں ۵۰۹

…… حضرت مجدد کے معاصر علما و مشائخ سے اختلاف کا تحقیقی جائزہ — ڈاکٹر محمد انصار خاں نقشبندی ۵۵۰

کشورِ پنجم

…… سلسلۂ مجددیہ کے نامور شیخ مرزا مظہر جان جاناں — ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری ۵۷۱

…… حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی — علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری ۵۸۸

- ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی …… شاہ رؤف احمد مجددی ٦٠٥
- مولانا شیخ خالد نقشبندی …… ڈاکٹر مہیند خت معتمدی
  مترجم: الحاج محمد یونس باڑی مظہری ٦١٦
- نگارخانہ …… ٦٢٣
- مرقعات …… ٦٢٨

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نعتِ رسولِ مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

کس کے جلوہ کی جھلک ہے ، یہ اُجالا کیا ہے ؟
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے ؟

ہم ہیں اُن کے ، وہ ہیں تیرے ، تو ہُوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے ؟

اُن کی اُمت میں بنایا ، اُنھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ "ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے"؟

بے بسی ہو جو مجھے پرسشِ اعمال کے وقت
دوستو! کیا کہوں ، اس وقت تمنا کیا ہے ؟

کاش فریاد مری سُن کے یہ فرمائیں حضور
"ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے؟"

"کون آفت زدہ ہے، کس پہ بَلا ٹُوٹی ہے؟"
"کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے؟"

"کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجے مری؟"
"کیوں ہے بے تاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے؟"

"اُس کی بے چینی سے ہے خاطرِ اقدس پہ ملال"
"بے کسی کیسی ہے؟ پوچھو، کوئی گزرا کیا ہے؟"

یُوں ملائک کریں معروض کہ "اک مجرم ہے"
"اُس سے پرسش ہے، بتا تُو نے کیا، کیا کیا ہے؟"

"سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہیں پیش"
"ڈر رہا ہے کہ خُدا حُکم سُناتا کیا ہے!"

۱۹۰۲

"آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل!
"بندہ بے کس ہے شہا، رحم میں وقفہ کیا ہے؟"

اب کوئی دم میں گرفتارِ بلا ہوتا ہوں"
"آپ آ جائیں، تو کیا خوف ہے! کھٹکا کیا ہے!"

سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد "ٹھہرنا کیا ہے؟"

"کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو؟"
"ہم بھی تو آ کے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے؟"

اُن کی آواز پہ کر اُٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں "اب مجھے پروا کیا ہے!"

"لو وہ آیا مرا حامی، مرا غمخوارِ اُمم"
آ گئی جاں، تنِ بے جاں میں، یہ آنا کیا ہے!"

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمائیں "ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے؟"

"بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا"
"کیسا لیتے ہو حساب؟ اس پہ تمہارا کیا ہے؟"

چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں "محکوم ہیں ہم"
"حکمِ والا کی نہ تعمیل ہو زُہرہ کیا ہے؟"

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اُٹھے شور کہ، واہ!
"چشمِ بد دُور ہو، کیا شان ہے، رُتبہ کیا ہے"!

صدقہ اِس رحم کے، اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے!

اے رضؔا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار!
بُلبُلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مخمس درشان حضرت مجدد الف ثانی

خواجہ نظام الدین سرہندی

(۱۲۰۴ھ.....۱۲۷۲ھ)

ای شہنشاہِ ھدیٰ محبوبِ درگاہِ احد
مادرِ گیتی نزادہ مثل تو نیکو ولد
......مقبول خاص حضرتِ حیّ الصمد
یک نگاہِ برمنِ مسکین کہ غمہا شدزحد
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

مي کنم ہر لحظہ بر درگاہ تو سوزوفغان
زانکہ من دیگر ندارم تکیہ جز تو درجہان
آمدم برآستانت گریہ و افغان کنان
ھست دردم از تضرع ہائے بیحد کل آن
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

چون توئی قیوم و قطب و غوث رب کبریا
سایل درگاہ تو محروم کے گردد شہا
از تو یا بدھر کس اقبال صد فرِّ ہما
کن تلطف برمن دل خستہ از بہر خدا
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

از تو شد مسرور و خوش یکسر ہمہ قلبِ حزین
مرجع دلہا توئی اي غوث رب العالمین
مہبط انوار ایزد مطلع نور یقین
برزبان جاری ست مارا از رسوخ دل ہمیں
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
مثل قمری طوق در گردن نشان دارم مدام
درمیان بندہ کیست اي شہِ عالي مقام
کار عالم یافتہ از لطف و فیضت انتظام

یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
من نہ دارم حامی و پشت و پناہ جز تو دگر
از حوادث لالہ سا گشتیم بسِ داغ جگر
غیر درگاہست شہا دیگر ندارم درنظر
بنمایم درد و جان خویش ھر شام و سحر
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
ہمچو مجنون در غم لیلیٰ ز عشقت در بدر
در بیابان جنون گردیدہ ام شام و سحر
از تلطف ہائی خود ای بادشاہی بحروبر
سوی این کلب ضعیف مذنب احقر نگر
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

هر یکی دارد بدرگاه یکی امیدها
من ندارم غیر درگاهست دگر یاالتجا
---از در عالی قدر کس بینوا
--نا امید ام شہِ ارض و سما
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
مبتدی در راه تو باشد بر---
زآنکہ حق ممتاز کردت درمیان---
پس نواز شہا نما از فیض خود براین گدا
چونکہ وردم ہست دایم ازسر صدق و صفا
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
فرد یزدانی توئی ای شاه باز ملک و جان
ظل رحمانی توئی ای کاشف سرنہان
ہست حال من بہ پیشت یک بیک کلی عیان
دار مارا از بلاہائی جہان اندر امان
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد
طاقت من طاق گشتہ از جفائی روزگار
گشت ام آواره وَ مضطر بسی بے اعتبار
غیر ذات پاک تو دیگر نہ دارم دوست دار
---میکنم جان و دل خود---
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

خلوتت درانجمن آمد ز فضل ذوالمنن
درطریق عالی تو شد سفر اندر وطن
روئی پاکت در شمایل آمده مثل حسن
ده رہائی تو مرا اي شمع دین از ہرمحن
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

سنت نبوی سراسر از تو آمد درادا
عمر تو شد احمدی مانند عمر مصطفیٰ
احمد ثانی توئی ای رہبر ہر دوسرا
نائب برحق توئی چون از رسول مجتبیٰ
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

آنکہ تو ہمرنگ احمد فیض تو چمن فیض او
کن منور قلب مارا اي شہہ فرخندہ خو
در مکانم گر بخوانی ہست اینم آرزو
حمد و للہ منہ سگ کوئی تو ہستم موبمو
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

ہر زمان دارد نظامؔی بردرت این التجا
دہ مرادم جملگی ای گوہر کان سخا
حاصلم گردان زلطف خویش کلي مدعا
مشکلاتم حل نما ای مظہر سرِّ خدا
یا مجدد الف ثانی پیر غمخوارم مدد

نوٹ: یہ منقبت پروفیسر امین اللہ علوی زید لطفہٗ نے نقل کر کے ارسال فرمائی ہے۔ اس میں بعض مقامات پر الفاظ رہ گئے، بعض مقامات پر پڑھے نہیں گئے، ہم نے من وعن کمپوز کرائی ہے تا کہ یادگار رہے اور کسی فاضل کے پاس مکمل ہو تو ہم کو عنایت فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں مکمل صحیح متن محفوظ ہو جائے۔ (مرتبین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

منقبت

حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت علیہ الرحمہ

☆☆

بگو داستان ز احمد نقشبند
کہ داری دل از داغ مہرش سپند

گزشتہ بیک گام زیں نہ طبق
ز قدوسیان بردہ گوئے سبق

بہندوستان گرچہ دارد مقام
ببالائے ہفتم فلک ماندہ گام

مربع نشین و مسدس سرا!
براہش جبیں سودہ ہفتم سما

نگیں گشتہ در حلقۂ اولیاء
چو در انبیاء خاتم الانبیاء

(از کتاب چار چمن مصنفہ حضرت وحدت، قلمی، کتب خانہ حافظ مجددی، کراچی)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قصیدہ درشانِ امام ربانی

خواجہ احمد حسین خاں نقشبندی مجددی

☆

دکھا دے اے خدا روضہ مجدّد الف ثانی کا
کہ ہوں مدت سے میں شیدا مجدد الف ثانی کا

امامِ علمِ ربانی علیمِ سرِ پنہانی
بیاں کس منہ سے ہو رتبہ مجدد الف ثانی کا

جنابِ غوثِ اعظم نے کہا ایک دن بجے ڈنکا
مجدّد الف ثانی کا مجدد الف ثانی کا

نہیں ممکن کہ ہم کچھ لکھ سکیں توصیف میں ان کی
حدیثوں میں بیاں آیا مجدد الف ثانی کا

خدا کے دوست ہیں وہ رسول اللہ کے نائب ہیں
اُنہی نے خود لقب بخشا مجدد الف ثانی کا

شہنشاہوں کو کیا نسبت ہے اس در کے گداؤں سے
کہ ان کے سر پہ ہے سایہ مجدد الف ثانی کا

خودی کے نشہ کو کھو کر خدا کو پالیا اس نے
کہ جس نے پی لیا پیالہ مجدد الف ثانی کا

شریعت اس میں کامل ہے طریقت اس میں حاصل ہے
طریقہ ہے دُرِ بیضا مجدد الف ثانی کا

انا الحق کہہ اٹھے بعضے مشائخ جوشِ وحدت میں
کسی نے ظرف کب پایا مجدد الف ثانی کا

پلائے خم کے خم اس نے کیا مست والست آخر   نہ بہکا کوئی متوالا مجدد الف ثانی کا
ندیمِ حق نے دی ہے جو رکھے اسرار سر بستہ   یہی ہے راستہ سیدھا مجدد الف ثانی کا
طریقِ احمدی ہے احمدِ مرسل نے بخشا ہے   اویسِ ہند ہے رتبہ مجدد الف ثانی کا
ہوے وہ مسند آرائے ولایت ظاہر و باطن   الم نشرح بنا سینہ مجدد الف ثانی کا
ملا شجرِ طریقت کا،ہم صدیق و حیدر کا   نسب فاروقِ اعظم کا مجدد الف ثانی کا
حیا و حلم عثمانی کیا حق نے عطا ان کو   بنا احمد مسمیٰ کیا مجدد الف ثانی کا
طریقِ صابری میں ہیں وہ سجّادہ اب و جد کے   لکھوں کیا رتبۂ اعلیٰ مجدد الف ثانی کا
طریقِ قادری کا فیض پایاشہ سکندر سے   ہے جامع مشربِ والا مجدد الف ثانی کا
طریقِ نقشبندی میں فیضِ خواجہ باقی ہے   بنا ہے سینہ گنجینہ مجدد الف ثانی کا
خلیفہ اور بھی ہیں خواجہ باقی باللہ کے   مگر سب سے فزوں پایہ مجدد الف ثانی کا
دقائق سے ہوے واقف حقائق کے ہوے کاشف   تمیزِ عبد و رب حصّہ مجدد الف ثانی کا
جھلک سے اک تجلی کی ہوے موسیٰ زخودرفتہ   ہے ذاتِ بحت نظارہ مجدد الف ثانی کا
نگاہِ فیض سے دیتے ہیں وہ جذب وسلوک اکدم   ہے سکر و صحو یکجا مجدد الف ثانی کا
کہا احمد نے انوارِ ولایت دیکھ کر ان کے   کہ ہے جلوہ الٰہی کا مجدد الف ثانی کا

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نذرِ محبت

بخدمت گرامی مرتبت حضرت مجدد الف ثانی

قمر یزدانی

☆☆

اے عالمِ اسلام کی شخصیت خوددار   اللہ نے بخشی ہے تجھے دولتِ کردار
دل تیرا مئے عشقِ محمد ﷺ سے تھا سرشار   اور تیری نظر رمز شناسِ شہِ ابرار ﷺ
تھے لرزہ براندام تیرے سامنے اشرار   باطل کے مقابل تُو رہا صورتِ کہسار
تھا سینۂ بے کینہ معارف کا خزینہ   تھا محرمِ اسرار ترا دیدۂ بیدار
کہتے ہیں تجھے لوگ الف ثانی مجدد   تھی تیری جبیں حُسنِ عقیدت سے ضیا بار
تو دینِ محمد کا تھا بیباک مبلّغ!
اللہ رے حق گوئی تری جرأتِ گُفتار

تو شمع صداقت ہے تو قندیلِ محبت   اور دم سے ترے راہِ شریعت ہے پُرانوار
لاثانی تفقّہ میں تدبّر میں بھی یکتا   تو نرغۂ اعدا میں شریعت کا علمدار
"گردن نہ جھکی تیری جہانگیر کے آگے"   تھا تیرا عمل جرأتِ بیباک کا شاہکار
اِک ولولۂ تازہ دیا اہلِ نظر کو!   تُو منزلِ عِرفان کا ہے قافلہ سالار
تاحشر برستے ہی رہیں تیری لحد پر!   اللہ کے الطاف وعنایات کے انوار
اللہ کرے شرفِ قبول ان کو عطا ہو!
نذرانۂ اخلاص قمر کے ہیں یہ اشعار!

(آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدیم اور جدید ادوار کی عظیم شخصیت ہیں، ان کے افکار و نظریات نے عالم اسلام کو متاثر کیا ہے...... عظیم انسان ہی عظیم تاثیر رکھتے ہیں، ان کی عظمت اس تاثیر میں پنہاں ہوتی ہے...... ضرورت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی جیسی عظیم شخصیت کا بھرپور تعارف کر دیا جائے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید

۲۰۰۲ء میں اچانک تحریک ہوئی، امام ربانی فاؤنڈیشن قائم ہوئی فوراً کام شروع ہوا...... بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گیا کہ کام کرنے والے خود حیران ہو گئے...... یہ سب اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا جو ہم پر ہوا۔

''جہان امام ربانی''، اقلیم چہارم (چوتھی جلد) آپ کے پیش نظر ہے اس کی فہرس شروع میں دے دی گئی ہے جبکہ اقلیم پنجم کی فہرس اس جلد کے آخر میں شامل ہے...... اقلیم چہارم سے قبل اقلیم اول، دوم اور سوم بعض قارئین کی نظر سے نہ گزری ہوں گی، ان کی سہولت اور آگاہی کے لیے ان جلدوں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے......

اس سے قبل پیش کی گئی اقلیم اوّل میں تقدیم، ابتدائیہ اور افتتاحیہ کے بعد کشورِ اوّل میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منقبت، احادیث مبارکہ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں متقدمین و متاخرین علماء و صوفیہ کے تاثرات اور مثنوی در شانِ حضرت مجدد شامل ہیں...... کشورِ دوم میں تصوف ...... کشورِ سوم میں اکابر نقشبندیہ پر مقالات ہیں...... کشورِ چہارم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی حیات اور اُن کے تاثرات پر مقالات ہیں...... کشورِ پنجم میں سرہند شریف کا تعارف،

حضرت مجدد کے حالات زندگی، آپ کے امتیازات، خانقاہ شریف کا علمی ماحول، آپ کا لباس وحلیہ شریف کے علاوہ نگارخانہ (بعض مقالہ نگاروں کا مختصر تعارف) اور مرقعات بھی شامل ہیں......

اقلیم دوم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشورِ اول میں ماہ وسال، مکتوبات کی تخریج احادیث، فقہی خدمات، عربی زبان وادب میں خدمات پر مقالات ہیں......کشورِ دوم میں سنت، بدعت، ذکر الٰہی، مسلک امام ربانی اور آپ کے معمولات شامل ہیں......کشورِ سوم میں علم لدنی، جذبہ وسلوک، تعلیمات تصوف، تزکیہ نفس، صحو وسکر، علم النفسیات، علم الکائنات پر مقالات ہیں......کشورِ چہارم میں ''مجدد الف ثانی'' اور ''منصب قیومیت'' پر مقالات ہیں جبکہ کشورِ پنجم، عرفان کے مجتہد اعظم، نظریہ وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود، ابن عربی اور امام ربانی کے نظریات کا تقابل اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم سوم میں نعت ومناقب اور ابتدائیہ وتاثرات کے بعد کشورِ اول میں تعارف شیخ احمد سرہندی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور)، مجدد نامہ، مقامات مجدد، مقام مجدد، مقامات روحانی کی جھلکیاں، ملی اور دینی خدمات پر مقالات ہیں......کشورِ دوم میں اثبات نبوت، حضرت مجدد کی اصلاحی وتجدیدی تحریک، عقیدہ ختم نبوت اور وسیلہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مقالات ہیں......کشورِ سوم میں امام ربانی کا رسالہ ردِّ روافض، تقلید ائمہ مجتہدین اور رفع سبابہ پر مقالات ہیں......کشورِ چہارم میں حضرت مجدد کا طریقہ ایصالِ ثواب، عقائد ومعمولات، تعلیمات ومسلک، طریقۂ نماز وطہارت اور انداز تعلیم وتبلیغ پر مقالات ہیں جبکہ کشورِ پنجم، علم اور علماء حضرت مجدد کی نظر میں، حضرت مجدد کے تعلیمی افکار، ارشادات' ملفوظات، کرامات امام ربانی اور نگارخانہ ومرقعات پر مشتمل ہے......

امید ہے قارئین ظاہری وباطنی فیوض وبرکات سے مستفیض ہونگے، دورانِ استفادہ جو بھی فروگزاشت نظر سے گزرے، ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشن میں درست کرلیا جائے......

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
کراچی

۲۷ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
۱۲ر اکتوبر ۲۰۰۴ء

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاثرات، حکیم محمد سعید دہلوی

(چانسلر ہمدرد یونیورسٹی، کراچی)

☆☆

شیخ احمد سرہندی فاروقی امت کے انھیں اکابر میں ہیں جن کی تجدیدی خدمات کی تاریخ بہت مبسوط ہے، انھوں نے اپنے وقت کے فکری اور اعتقادی محاذ پر ایک اولوالعزم مجاہد اور عظیم مفکر و مبلغ کی حیثیت سے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا احاطہ چند الفاظ میں ممکن نہیں۔ اُن کے تجدیدی اقدامات نے دین کے خلاف سر اٹھانے والے بیشمار فتنوں کا سدِّ باب کیا ہے۔

انھوں نے اپنے عہد میں وحدت ادیان کے اس فتنے کی بھی سرکوبی کی، جو حکومتِ وقت کی پشت پناہی میں ایک ہمہ گیر اعتقادی، فکری اور تہذیبی ارتداد کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس طرح ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو انھوں نے اس خطرۂ عظیم سے بچانے کی مؤثر اور کامیاب سعی کی۔

ان کا اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی بالادستی قائم کی اور اس ریاضت و مجاہدہ کو جس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہو ایک فتنہ قرار دیا، اس طرح جوگ اور سنیاس کے رجحان پر ضرب لگائی۔ وحدت الوجود کے اس فلسفیانہ اور متصوفانہ نظریے کا پرزور ابطال کیا جس سے متاثر ہو کر اس عہد کے علمی تجربات اپنا اسلامی مزاج کھو بیٹھے تھے۔

میرے نزدیک اُن کی تجدید کا مرکزی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے نبوت محمدی اور اس کی ضرورت و اَبدیت پر اہلِ ایمان کے دلوں میں اعتقاد راسخ پیدا کیا۔ عملی طور پر قرآن و سنت کو معیار تحقیق تسلیم کرنے کے لیے انھوں نے جو انقلابی اور اصلاحی اقدمات کیے میرے خیال میں وہی اُن کی سعی تجدید دین کے روشن ترین پہلو ہیں۔ اس خدمت کی بناء پر بلاشبہہ وہ الف ثانی کے مجدد ہیں، اور ان کا وہ عظیم الشان کارنامہ جس کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا تاریخ تجدید کے زرّیں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

(پروفیسر عبدالباری صدیقی: مکتوبات امام ربانی بحیثیت مآخذ ایمانیات، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء، ص۲۲۔۲۳، پیش لفظ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تأثرات

☆☆

پروفیسر عزیز احمد

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نگارشات اور آپ کی اثرات نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار اور الحاد کو روکا آپ نے مذہب کی حرکیت اور تصوف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کیا...... اسلامی ہند میں مذہبی متصوفانہ فکر اسلامی کے سلسلے میں آپ کی خدمات نہایت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں۔ (عزیز احمد: اسٹڈیز ان اسلامک کلچر، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۷۰)

پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

حضرت مجدد الف ثانی نے دین الٰہی اور بادشاہ اکبر کے ہندو احیائیت کی طرف میلان طبع کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کی جس سے ایوان حکومت لرز اٹھے اور ان تمام طاغوتی طاقتوں کے تاروپود بکھر گئے جنہوں نے اکبر اور جہانگیر کے اردگرد تانابانا بن کر انہیں اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ (نور اسلام، مجدد نمبر، حصہ دوم، ص ۲۵۳، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۸۰)

پروفیسر محمد عارف اظہر

مغلیہ دور کے مشہور فرمانروا اکبر نے نیا دین ایجاد کر کے اس کی باقاعدہ تبلیغ شروع کر دی تھی اور اسلام سے آنکھیں پھیر کر شریعت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گیا تھا...... حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی غائر نظر سے حالات گرد و پیش کا جائزہ لے کر اصلاح احوال کا کام شروع کیا اور ملک کی مذہبی اور معاشرتی حالت کو شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے کوشاں ہوئے۔ (نور اسلام، مجدد نمبر، حصہ دوم، ص ۱۰۴، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۷۹)

پروفیسر محمد اسلم

اکبر کے آخری ایامِ زندگی میں اس کے حواریوں میں سے...... ایک ایک کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کے مرنے سے شاہی دربار میں جو خلا پیدا ہوا اسے پر کرنے کے لئے راسخ العقیدہ امراء آگے بڑھے، ان میں مرتضیٰ خاں شیخ فرید بخاری پیش پیش تھے۔ ان امراء نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدد الف ثانی ''جرگہءمدان دولت اسلام'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان امراء کی کوشش اور ہمت سے اسلام کو کافی حد تک تقویت پہنچی...... شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی تحریک احیاءِ دین کے روحِ رواں تھے۔ یہ دونوں بزرگ ان امراء کو بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور ترویج شریعت کیلئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے...... جہانگیر کی تخت نشینی سے گو اسلام کو سنبھالا مل گیا لیکن اکبر کا لگایا ہوا زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اتنی جلدی مندمل نہیں ہو سکتا تھا، اس کام کیلئے کسی مردِ حق کی ضرورت تھی۔

آخر آمد آن یارے کہ ما می خواستیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ کام حضرت مجدد الف ثانی سے لیا اور ان کی اصلاحی تحریک سے اسلام کو ہندوستان میں صحیح مقام مل گیا۔

(محمد اسلم: دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۲۴۰ـ۲۴۲، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۷۱ـ۷۲)

پروفیسر محمد رضا خان

اصل مذہب کی جگہ طفلانہ توہم پرستی یا بے کیف بے پروائی نے لے لی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی بندشیں ڈھیلی پڑ جانے کے باعث ملک میں عیاشی بداخلاقی اور لادینیت عام ہوگئی، اگر حضرت مجدد الف ثانی اور اورنگ زیب بعد میں نہ آتے تو مذہب اسلام محض طفلانہ اوہام کا مجموعہ بن کر رہ جاتا، اکبر کے وقت میں بھی پکے مسلمانوں نے اکبر کی مخالفت کر کے اپنی مذہبی شیفتگی کا ثبوت دیا۔ (تاریخ مسلمانان عالم، ص ۶۹۷، بحوالہ ختم نبوت، ص ۷۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ اکبر اور امام ربانی

☆☆

محیِ دیں شیخِ احمد بے گماں
طبق حال عہدِ خود کردہ بیاں
ورنہ ہر دو حال را شامل بُدند
ہر دو در فقر و ولا کامل بُدند
ہر دو از اسرارِ جاں آئینہ دار
ہر دو از عرفانِ حق گنجینہ دار
ہر دو نجمِ ثاقب و نورِ ہدیٰ
قبلۂ ما، شمعِ بزمِ مصطفیٰ
ہر دو باشند آفتابِ اوجِ دیں
زندگی بخشِ قلوبِ متقیں

(چوہدری غلام غوث صمدانی: مثنوی صمدانی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۱)

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ اوّل

نائب خیرالوریٰ، اے مخزن فضل و کمال
مہر بر لب ہے ترے آگے جہانگیری جمال
(آسی)

١٩١٩

٣٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اکبر بادشاہ اور حضرت مجدد الف ثانی

☆☆

چوں دگر فرسود رنگ اسلام را
داد شرکت باخدا اصنام را
دینِ قیم شد سپردِ ناقصاں
مصلحت در دستِ ناقص شد زیاں
وحدتے کان است اصلِ اتحاد
پیش طبعِ نارسا آرد فساد
رنگِ کفر و شرک شد درسِ وجود
دینِ قیم را سیاست در ربود
بہرِ استیصالِ آئینِ فضول
آں مجدد وارثِ دینِ رسول
درسِ توحیدِ شہودی باز گفت
رجسِ کفر از مسجد و ایواں بُرفت

(چوہدری غلام غوث صمدانی: مثنوی صمدانی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۱)

☆......☆......☆

١٩٢٠

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

جناب غوث اعظمؓ نے کہا ہے آپکے حق میں
کہ رتبہ ہے بہت اعلیٰ مجدد الفِ ثانی کا

قصیدہ درمدح

امام الطریقت، پیشوائے حقیقت، مطلع انوار لاہوت، منبع انہار جبروت، الفانی فی اللہ والباقی باللہ، محیی معالم الطریق بعد درُوسہا، ومظہر آیات التوحید بعد افول اقمارہا وشموسہا، نائب رحمۃ للعالمین، جامع طریقۃ الاولین والاٰخرین، حضرت امام ربانی، مجدّد الف ثانی، شیخ احمد فاروقیؓ، سرہندی،
رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنّا

مسمّٰی بہ

آفتاب شرف

تالیف لطیف

حضرۃ العلامۃ البحر القمقام رئیس الفضلاء عریف الکملاء، حامی الشریعۃ المحمدیۃ، ہادی الطریقۃ الاحمدیۃ، وحید السلف فقید الخلف مولانا الشاہ محمد ابو الشرف المجدّدی المعصومی المظہری الدہلوی ثم المدنی
لازالت شموس افاضاتہ بازغہ

باہتمام کمترین خاکپائے بزرگان دین سید ابو البشر محمد بشیر الدین
کان اللہ لہٗ ولوالدیہ، قاضی ہوڑہ

در مطبعہ زبدۃ الہند واقع کلکتہ طبع گردید

آفتابِ شرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرحبا[1] کس شان سے نکلا فلک پر آفتاب
خسرو اقلیم انجم شاہِ خاور آفتاب
نیرِ اعظم جہاندارِ فضائے آسماں
مالکِ اورنگِ فیروزی فلک فر آفتاب
مسند آرائے بساطِ انجم و گردوں سریر
زینت و زیبایشِ فرشِ مشجر آفتاب
مشعلِ روشن چراغِ عالم افروزِ سحر
شمعِ نورانی ضیا آرا منور آفتاب
ضوفشاں مہرِ درخشاں نورِ لمعانِ برق ساں
چترِ زر طاسِ طلا سونے کا پتر آفتاب
شمعِ طورِ چرخ قندیلِ سحر گاہِ افق
آتشِ بیدود شعلہ نارِ مجمر آفتاب
روکشِ بلور و گوہر غیرتِ الماس و دُر
رشکِ یاقوت و عقیق و لعلِ احمر آفتاب
آسماں پر سب ستاروں میں بلند اختر حسیں
باغ میں گلہائے انجم کے گلِ تر آفتاب
بحرِ اخضر میں چراغِ راہ مینارِ بلند
کشتیٔ افلاک کا پُر نور لنگر آفتاب
سطحِ نیلی پر نمایاں کرتی ہی موجِ شعاع
بحرِ ذخارِ فلک کا ہے شناور آفتاب

---

[1] ممدوح کے پیر بزرگوار حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں ۱۲

بادۂ ناب و مے و ساقی و صہبا و شراب
اور قدح کاسہ پیالا جام ساغر آفتاب
آفتابِ بزم۔ پرتو اُس کا ہر شمع و چراغ
آفتابِ رزم۔ سارے اُسکے جوہر آفتاب

مطلع

جوشن و طوقِ طلائی خُود و مغفر آفتاب
چار آئینہ زرہ۔ شمشیر۔ بکتر آفتاب
خنجر و تیغ و سنان و نیزہ و گُرز و سپر
اور چھُری برچھی کٹاری تیر نشتر آفتاب
زرق برق افواج سے خیرہ ہوئی جاتی ہے آنکھ
لیکے آیا ہے شعاعوں کا وہ لشکر آفتاب
مشتری زہرہ عطارد قوس اسد سب ہمرکاب
اور سوا ان کے بھی کتنے ماہ پیکر آفتاب
افسرانِ فوج بدر و انجم و ماہ و ہلال
خُودِ زریں سر پہ رکھے سب کا افسر آفتاب
فوج کے افراد تابش نور اُجالا روشنی
جن کا ہر ہر فرد تھا اپنے محل پر آفتاب
ہاتھ میں بجلی کا کوڑا زیرِ ران اسپ سحاب
رایتِ انجم علمبردارِ لشکر آفتاب
شرق کے میدان میں اک معرکہ درپیش ہے
غرب کی جانب سے آیا ہے نکلکر آفتاب
سرحدِ اہلِ صفا پر ظلمتوں کا ہے ہجوم
آج کرے گا مگر یہ معرکہ سر آفتاب
بدر گولہ گولیاں انجم تفنگ و توپ کی
اور خود تیغِ ہلالی کا ہے جوہر آفتاب
ماہِ تاباں بنگیا ہے منجنیقِ آتشیں
ہو رہا ہے سُرخ گُرزِ کوہ پیکر آفتاب
اس کے پرتو کا یہ میدانِ دغا میں رنگ ہے،
ہو گئے ہیں سب کے سب شیر و غضنفر آفتاب
جس کے جوہر بجلیاں بنکر اُڑا ئیں سر بسر
ہے وہ صیقل کردہ اک شمشیر و خنجر آفتاب
اُس طرف مدِ مقابل شرق میں نجمِ زحل
تیرہ باطن نحس کوکب اور مکدر آفتاب
اس کی سُرخی اور تیزی کی فقط یہ ہے نمود
تا بہ آہن بنا ہے گرم ہوکر آفتاب

٨

فوج کے سردار حوت و عقرب و ثور و جدی
کیا انہیں کوئی کہے گا خاک پتھر آفتاب
ساتھ ساتھ اندھیر ظلمت تیرگی دودِ سیاہ
خواب میں بھی جن کے آئینگے نہ اختر آفتاب
ثور کے ہیں سینگ اور عقرب کے نیش اُنکے سلاح
ڈالتا ہے جن پہ نظریں مسکرا کر آفتاب
فوجوں کے آتے ہی میداں میں صفیں جمنے لگیں
اپنے اپنے قلبِ لشکر میں رہا ہر آفتاب
آگئے بہرِ تماشا ابر و برق و رعد بھی
اب زحل منصور ہوگا یا مظفر آفتاب
رعد نے فوراً گرج کر ابتدائے جنگ کی
برق چمکی ابر سے نکلا تڑپ کر آفتاب
وہ زحل کا دیکھو گردش میں ستارہ آگیا
جا پڑا وہ اُس کے اوپر کھا کے چکر آفتاب
وہ بڑھا فوجوں کو اپنی لے کے ظالم تیرہ بخت
نور برساتا وہ آپہونچا چمک کر آفتب
بدر نے گولے تو انجم نے چلائیں گولیاں
تیغ سا چمکا ہلالِ ماہ پیکر آفتاب
منجنیقِ ماہِ تاباں سے جھلس کر رہ گئے
زعم میں اپنے بنے تھے جو مسخر آفتاب
سوئے ظلمت تھا اُجالا تھی اندھیرے پر ضیا
تیرگی پر نور جب چمکا دُھویں پر آفتاب
وہ شعاعوں نے ہر اک کو بڑھ کے چھلنی کر دیا
کس غضب کے لایا تھا یہ تیر و نشتر آفتاب
ظلمتِ شب نے جو گھیرا آکے آندھی کی طرح
روزِ روشن کی طرح نکلا چمک کر آفتاب
ثور کو پھاڑا اسد نے پنجۂ پُر زور سے
چھوڑتا کیا اس کو یہ تیرا غضنفر آفتاب
قوس کے اِک تیر میں دونوں چھدے عقرب جدی
حوت و سرطاں بُھن گئے آیا جو جل کر آفتاب
سب ستاروں میں زحل کا تھا ستارہ نحس تر
خود چمک کر اُس پہ پہنچا سعدِ اکبر آفتاب
دفعتہً اُکھڑے قدم اعدا میں بھاگڑ پڑ گئی
بھاگنے والوں پہ جھپٹے ماہ اختر آفتاب
اُس طرف ظلمت اِدھر اندھیر اُدھر پہنچا دُھواں
کر دیا فوجِ زحل کو تو نے ابتر آفتاب
خوب کرنوں سے گرائیں دشمنوں پر بجلیاں
خوب ہی چمکائے تو نے اپنے جوہر آفتاب

۹

وہ لگائی آگ جل جل کر ہر اک اُڑنے لگا
بنگیا کوئی پتنگا کوئی اخگر آفتاب
کچھ نہیں حاجت تجھے تیر و تفنگ و تیغ کی
فیصلہ کرتے ہیں تیرے گرم تیور آفتاب
الغرض اِن سب نے اُن سب کو مٹا کر رکھدیا
ہوگیا دشمن پہ منصور و مظفر آفتاب
پھر دبیرِ چرخ نے بھی صفحۂ افلاک پر
فتح کا جھنڈا اُڑایا جس میں اختر آفتاب
معرکہ سر ہوگیا دم بھر میں۔ پھیلی روشنی
نور کی محفل تھی جس میں جلوہ گستر آفتاب
جم گئی بزمِ طرب۔ جنگل میں منگل ہوگیا
جمع تھے بدر و ہلال و ماہ و اختر آفتاب
باغِ عشرت میں دلِ انجم کی کلیاں کھِلگئیں
ہوگیا فرطِ مسرت سے گُلِ تر آفتاب
وجد میں زہرہ شرفؔ کی یہ غزل گانے لگی
جس کا ایک اک شعر روشن ماہِ انور آفتاب

غزل

حُسن کی تابش سے ہے عارض ترا گر آفتاب
ہم کو پھونکے دیتا ہے کیوں اے ستمگر آفتاب
مہروشِ ساقی کے پرتو سے فلک ہے میکدہ
ہے مئے لعلیں آفتاب اور جام و ساغر آفتاب
آتشِ دل کی ہیں عالم سوز سب چنگاریاں
ہے اسی دریائے آتش کا سمندر آفتاب
جب کہا میں نے کہ میں مشتاق ہوں دیدار کا
ہاتھ سے اپنے بتایا اُس نے اوپر آفتاب
بام پر آکر نقاب اُس نے اُلٹ دی کہکے یوں
اب فلک چمکائیگا کیا اِس سے بہتر آفتاب
کیا گرانیوالی ہے جادو نگاہی بجلیاں
ہو رہی ہے کیوں تری چشمِ فسونگر آفتاب

میں ہوں زیرِ بام بیخود کہتے ہیں وہ بام سے
اب جگا دو سوتے سے آیا شرفؔ پر آفتاب

دیکھتا تھا یہ سماں اِک دیکھنے والا وہاں
اور حیراں تھا کہ ہے یہ کون انور آفتاب

غرب سے نکلا ہے یہ کیوں کیا قیامت آگئی
شرق کا ہے کس لئے بیتاب و مضطر آفتاب
معرکہ کیسا ہوا۔ کیوں لڑ گئے آپس میں یہ
ایک میداں میں ہوئے دو جمع کیونکر آفتاب
میں چمک اُٹھا یہ کہکر۔ لو اُٹھاتا ہوں حجاب
سب پہ ہو جائیگا آئینہ ابھی ہر آفتاب

مطلع

ہند میں تھا گو جلال الدین اکبر آفتاب
تھا غبارِ طبع سے لیکن مکدّر آفتاب
عدل و انصافِ سیاسی کا تھا غلبہ دین پر
یوں چمک تھی جیسے ہو بدلی کاندر آفتاب
چھا گئی تھی ہند میں اک تیرگی الحاد کی
ابرِ تیرہ میں رہا کرتا تھا اکثر آفتاب
زندقے کی تھی بلائے ناگہاں آئی ہوئی
رِفض کے شعلوں کا دکھلاتا تھا منظر آفتاب
بیربر فیضی ابو الفضل اور ٹوڈرمل انیس
نور کی جا آگ برساتے یہ اخگر آفتاب
اور بھی انکی طرح تھے ہم نشین و ہم جلیس
اور بھی رکھتا تھا کتنے یار و یاور آفتاب
بڑھ چلی تھی ہر طرف تاریکیِ کفر و ضلال
ہو چلا تھا آسماں پر بھی مکدّر آفتاب
کالی کالی تھیں گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی
رو رہا تھا منہ پہ رکھے دامنِ تر آفتاب
اہلِ بدعت شاد شاد اور اہلِ سنت تنگدل
اِک طرف نور اک طرف تھا نارِ مجمر آفتاب
ظاہر و باطن کی اقلیمیں تھیں بے نور و ضیا
چاہئے تھا دو سمائے سلطنت پر آفتاب
تھی ضرورت ایک ہادی کی جو ایسا مہر ہو
جس کی عالمگیر ضو سے چمکے گھر گھر آفتاب
غیرتِ حق کو کہاں ہوتا گوارا یہ بھلا
جسکے دستِ کُن میں ہیں مہتاب اختر آفتاب
یک بیک پردہ اُٹھا روشن ہوئے کون و مکاں
جلوۂ حق نے اُچھالا آسماں پر آفتاب
آئی رحمت کی ہوا ایسی کہ بدلی پھٹ گئی
ابر کے پردے سے نکلا ماہ پیکر آفتاب

۱۱

لو مبارک ہو طلوعِ نیّرِ اعظم ہوا
لو مبارک ہو وہ چمکا شاہِ خاور آفتاب
پردے پردے میں ذرا اب آسمانِ طرح پر
لا کے چمکا لے مری طبعِ منوّر آفتاب
ہے مناسب اس محل پر ہوں کئی مطلع نمود
ایک سے بھی کھا سکے جن میں نہ ٹکّر آفتاب

مطلع

کس قدر ہے دلکش و دلچسپ و دلبر آفتاب
گھر کیے لیتا ہے ہر سینے کے اندر آفتاب
لاکھ چمکے لاکھ اونچا ہو فلک پر آفتاب
ہو نہیں سکتا کبھی تیرے برابر آفتاب
مقتبس از نورِ مشکوٰۃِ پیمبر آفتاب
جلوۂ خاصِ حبیبِ ربِّ داور آفتاب
آسمانِ ہند کا خورشید خاور آفتاب
مطلعِ سرہند سے چمکا منوّر آفتاب
ہاں وہی سرہند جو سرہند کا ہے سوئے غرب
جس کی ضو ہے مشرق و مغرب کے اوپر آفتاب
رات کی تاریکیاں کافور ہو کر رہ گئیں
ہو گیا ذرّہ نیہ اپنے جلوہ گستر آفتاب
ہو گئے بیدار دل جاتی رہی غفلت کی نیند
سونے والے جاگ اُٹھے آیا جو سر پر آفتاب
تار سونے کے شعاعوں نے نچھاور کر دیئے
نذر کو کشتی میں لایا سکۂ زر آفتاب
ہو گیا لیکر عجم سے تا عرب روشن جہاں
شرق سے تا غرب جا پہنچا چمک کر آفتاب
اہلِ باطن اہلِ ظاہر دونوں چمکے نور سے
آسماں پر آفتاب آیا زمیں پر آفتاب
ہو گئے روشن ہلال و بدر و مہر و ماہ و نجم
کھل گئے چمکے ہوؤں پر تیرے جوہر آفتاب
گوشہ گوشہ جگمگا اُٹھا ضیائے مہر سے
چپّہ چپّہ ہو گیا پُرنور گھر گھر آفتاب
ذرّہ ذرّہ دین کی تجدید سے چمکا دیا
کونے کونے میں نظر آیا زمیں پر آفتاب
بڑھ گئی نشو و نمائے نور سے بالیدگی
ہو گیا سارے کا سارا چرخِ اخضر آفتاب

تیرہ بختی کو جگہ ملتی نہیں دُنیا میں اب   جس میں جائے چھین لیتا ہے وہی گھر آفتاب
بدعت و شرک و ضلالت کی اُڑا دیں گردنیں   اتباعِ شرع و سُنّت کا تھا خنجر آفتاب
ظلمتِ عہدِ جلال الدین اکبر مٹ گئی   اُف تری شانِ جمال۔ اللہ اکبر آفتاب
روشنی میں آ گئے خانِ جہاں[1] صدرِ جہاں   خانخاناں پر بھی جا چمکا منوّر آفتاب
اس کے در کا ایک معمولی گدا شاہِ جہاں   اس کے در پر روز حاضر مثلِ چاکر آفتاب
شانِ[2] دارائی جہانگیری کو روشن کر گیا   اکبری دُنیا پہ عالمگیر ہو کر آفتاب
جب ہوئی معناً جمالِ دینِ اعظم تیری ذات   تب ہوا حکماً جلال الدین اکبر آفتاب
اے زمینِ ہند یہ سہرا رہا تیرے ہی سر   غیرِ مہدی اب نہ ہوگا اس سے بہتر آفتاب
اب شرف بڑھ کر اُٹھا دے رُخ سے تو ابرِ نقاب   آسماں پر ستاروں میں رہے وہ آفتاب
لکھ وہ مطلع مدح میں جو مطلعِ انوار ہو   جس کی ضو میں گھوم جائے کھائے چکر آفتاب

مطلع

آسمانِ شرع و سُنّت کا منوّر آفتاب   آفتاب۔ اور وہ بھی ہمنامِ پیمبر آفتاب
اسمِ پاک احمد امامِ خاصِ ربّانی لقب   آسمانِ الفِ ثانی کا منوّر آفتاب

---

[1] ارکینِ دربارِ اکبری جن کے نام مکتوباتِ امامِ ربانی میں جا بجا خطوط ہیں ۱۲

[2] بادشاہ جہانگیر ابتدا میں آپ کا سخت مخالف تھا آخر میں یہ نوبت ہوئی کہ آپ کی وفات کی خبر سُن کر یہ اعلان کیا کہ میں ہی آپ کا خلیفۂ خاص و جانشین ہوں اور عالمگیر کی بیعت حضرت خواجہ محمد معصوم سے اور استفادۂ خاص اور ترقیاتِ باطنی اُن کے فرزند و جانشین حضرت شیخ سیف الدین کی صحبت میں دونوں کے مکتوبات سے روشن ہے۔ رضی اللہ عنہم ۱۲

آفتابِ[1] انجم فاروقِ اعظم ماہتاب
ماہتابِ جلوۂ صدیقِ اکبر آفتاب
نوریابِ ذاتِ ازواجِ اُمہاتُ المومنین
پرتوِ انوارِ ذی النورین و حیدر آفتاب

مطلع

از نگاہِ شفقتِ شبیر و شبر آفتاب
یافت در دامانِ زہرا مہرِ مادر آفتاب
بہرِ[2] چرخِ بایزید و ماہِ حسنِ بوالحسن
ضوفشانِ قاسم و سلمان و جعفر آفتاب
شانِ[3] عالی میں نمایاں اک عُلائے بُو علی
جلوہ ہائے یوسفِ ہمداں کا منظر آفتاب
اِک[4] نمونہ خاص عبدِ خالقِ خلّاق کا
عارف و محمودِ ربّانی کا انور آفتاب
جوہرِ[5] فردِ عزیزاں درمیانِ اقربا
جس طرح جملہ کواکب میں منوّر آفتاب
بہرِ[6] استغنا درِ پاکِ محمد کا فقیر
فقر میں شانِ امیری سے تونگر آفتاب

---

[1] آپ کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم سے اور سلسلۂ طریقت نقشبندیہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۱۲

[2] یہاں سے بزرگانِ سلسلۂ نقشبندیہ کے اسماء حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد سے شروع ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی حضرت ابوالحسن خرقانی حضرت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر الصدیق حضرت سلمان فارسی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم اجمعین ۱۲

[3] حضرت ابوعلی فارمدی حضرت ابویعقوب یوسف ہمدانی رضی اللہ عنہما ۱۲

[4] حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی حضرت خواجہ عارف ریوگری حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ عنہم ۱۲

[5] حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رضی اللہ عنہ ۱۲

[6] حضرت خواجہ محمد بابا سماسی حضرت خواجہ امیر کُلال رضی اللہ عنہما ۱۲

نقشبند[1] اسمِ ذاتی بر قلوبِ طالباں
جلوہ ریزِ لمعۂ اللہ اکبر آفتاب

رفعت[2] و نورِ علاؤ الدینؒ کی اک شانِ بلند
دیدۂ یعقوبؒ کا تابندہ گوہر آفتاب

انجم[3] احرارؒ کا وہ نجمِ حر جس کی ضیا
خادم و آقا یہ ہے اک جلوہ گستر آفتاب

سیرت[4] و صورت میں اک زاہدؒ صفت درویشؒ رو
بندگی و خواجگیؒ دونوں کا پیکر آفتاب

فانی[5] اسمِ محمدؒ باقیِ ذات الوصال
جلوہ ہائے نیستی ہستی کا مظہر آفتاب

وصلِ باقی و محمد سے بنا اِک آسماں
آسماں بھی آسماں وہ جس کا جوہر آفتاب

آفتاب[6] آمد دلیلِ آفتابِ احمدی
آفتابِ نورِ باقی را ببیں در آفتاب

وَحَّدَ[7] الاِثْنَیْنِ رَاءٍ کَانَ فِیْہِمَا مُوْقِنًا
مِنْ شُہُوْدٍ عِنْدَہٗ لَمَّا رَاٰی الْمَرْءُ قَابْ

ہرکہ[8] از اقطاب بودند اولیائے ماسبق
بود نورِ مہر و الطافِ ہمہ بر آفتاب

---

[1] امام الطریقت حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ عنہ ۱۲

[2] حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار حضرت خواجہ یعقوب چرخی رضی اللہ عنہما ۱۲

[3] حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ عنہ ۱۲

[4] حضرت خواجہ محمد زاہد حضرت خواجہ درویش محمد حضرت خواجگی امکنگی رضی اللہ عنہم ۱۲

[5] حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رضی اللہ عنہ۔ یہ سب اسماء بزرگان سلسلہ کے حضرت امام ربانی تک ہیں ۱۲

[6] آپکے پیر بزرگوار نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو اپنے حضور میں آپ سے توجہ دلوائی اور خود اپنے لئے بھی چاہی ۱۲

[7] آپکے پیر بزرگوار نے خود آپکے فیضِ صحبت سے ترقی حاصل کی چنانچہ فرماتے ہیں "درصحبتِ میاں شیخ احمد واضح گشت کہ توحید (وجودی) کوچہ ایست تنگ شاہراہ دیگر است"۔ اس شعر میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے ۱۲

[8] متعدد بزرگانِ سلف مثل حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ احمد جام اور حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشی اور حضرت شیخ نظام نارنولی وغیرہم قدس سرہم نے آپکے بارے میں بشارتیں دیں کتب معتبرہ صوفیہ میں یہ امور مفصل مرقوم ہیں ۱۲

مطلع

بزم میں سُلگائے اس کی عود و عنبر آفتاب — آتشِ رُخ گرم ہے اور خود ہے مجمر آفتاب
آفتابوں کا ہے اک عالم ترے افلاک پر — تو ہے خود خورشیدِ خاور تیرا گھر بھر آفتاب
[1]ضوفشاں ہیں نور سے تیرے ہی معصوم و سعید — تیرا ہی پرتو ہیں دونوں ماہ و اختر آفتاب
[2]جوہرِ معصومِ اول سیفِ دیں سے کھل گیا — جلوۂ نورِ محمّد کا ہے مظہر آفتاب
[3]کیوں نہ ہو۔ اللہ کا مظہر ہی عبداللہ ہے — بندۂ خاکی۔ مگر کیسا منوّر آفتاب
[4]اِک ستارہ ہے سعید اور اک ستارہ ہے رشید — اور ان قُطبین کا ہے قطب اکبر آفتاب
اِن جواہر پاروں میں بھی ہوں اک خاکِ شرف — اِس طرف بھی اک نظر اے ذرّہ پرور آفتاب
فرق بس اتنا ہی ہے مدّاح اور ممدوح میں — مجھ سے بڑھ کر ذرہ ہے اور تجھ سے کمتر آفتاب
وہ توجہ ہو کہ نورِ مبدأ فیاض سے — ذرّۂ ناچیز ہو جائے منوّر آفتاب
رفتہ رفتہ فیضِ عالی سے چمک اُٹھے نصیب — اونچا ہو ہو کر بنے طالع کا اختر آفتاب
[5]جس طرح معصوم اول پر ہے تو جلوہ فگن — ہو مرا معصومِ ثانی میرے سَر پر آفتاب

---

[1] یہاں سے مولفِ قصیدہ تک بزرگانِ سلسلہ کے اسماء ہیں۔ حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت خواجہ محمد سعید فرزندان امام ربانی قدس سرہم ۱۲

[2] حضرت شیخ سیف الدین فرزند خواجہ محمد معصوم جد مصنف۔ حضرت سید نور محمد بدایونی۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ

[3] حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ ۱۲

[4] حضرت شاہ احمد سعید حضرت شاہ عبدالرشید قدس سرہما ہر دو جدّ مصنف ۱۲

[5] معصوم اول خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ معصوم ثانی مؤلف کے نسبی والد مؤلف حضرت شاہ محمد معصوم مجددی قدس سرہٗ

اے فلک میں بھی اسی خورشید کی ہوں اک شعاع
بارگہ میں جس کی ہے ذرّے سے کمتر آفتاب
میں نظر ڈالونگا تیرے آفتاب و ماہ پر
سیکڑوں پوشیدہ ہیں خود میرے اندر آفتاب
مجھ سے ہو سکتا نہیں تو اشرف و اعلیٰ کبھی
میں شرف خود ہی ہوں تیرا ہی شرف گر آفتاب
ایک ہی اختر ہے تیرے طالعِ ایّام کا
بس وہی پھر پھر کے آتا ہے مکرّر آفتاب
فضلِ حق سے یاں اگر چاہی تو چمکا لی رہے
اک نیا ہر دن مری طبعِ منوّر آفتاب
شہسوارِ مدح کا تو بھی ردیفِ نظم ہے
یہ نصیبا تیرا - یہ تیرا مقدّر آفتاب

مطلع

آج کھل جائینگے تجھ پر میرے جوہر آفتاب
دیکھ چمکاتا ہوں کتنے ماہ اختر آفتاب
کھیل کھیلے میں نے طفلی میں بھی نورانی بلند
ماتھے پر چپکائے کاغذ کے کتر کر آفتاب
لوحِ دل پر آفتابی دائرے کھینچا کیا
میں نے لکھ لکھ کر مٹائے ماہ اختر آفتاب
ہاں مری طبعِ رواں دریا بہا دے نور کا
بحر کا قطرہ بنے دُر ذرّہ بُر آفتاب
آسمانِ مدح پر پھر ایک مطلع چاہیئے
پھر ضرورت ہے کہ چمکے ماہ پیکر آفتاب

مطلع

سایۂ انوارِ حق ظلِّ پیمبر آفتاب
جلوہ گستر نور آور ذرّہ پرور آفتاب
آفتاب اک جوہرِ اعلیٰ ہے چرخِ پیر کا
تیرے چرخِ حسن کا ہر ایک جوہر آفتاب
وہ بلند ایواں ہے تیرا جس پہ ہے سایہ فگن
سائبانِ چرخِ اطلس چترِ پُر زر آفتاب
چومتی ہے صبح ہوتے ہی درِ عالی کو دھوپ
روز رکھتا ہے تری دہلیز پر سر آفتاب

فیض کا صدقہ ملے کچھ راتدن گردش میں ہے
کاسۂ دستِ گدائی لیکے در در آفتاب

باغِ عرفاں میں نظر آیا ترے انوار سے
ہر شگوفہ ماہِ تاباں ہر گُلِ تر آفتاب

دورۂ[۱] ہجری سے ۔ تھا تیری ولادت کا جو سن
نذر کو لایا تھا وہ نو سو اکہتر آفتاب

قطعہ دو بیتی

دونوں[۲] دریا کے جو ہیں غوّاص ان کی آنکھ میں
تو ہی ہے ۔ بحرین کا نایاب گوہر آفتاب

صاف کہتا ہے یہی اِس کا شہود اُس کا وجود
اک صِلہ ہے درمیانِ ماہ و اختر آفتاب

تیرا ہر ہر فعل ہے آثار و سُنّت کی دلیل
وہ نہ بھٹکے گا کبھی جس کا ہو رہبر آفتاب

اتباع[۳] ایسا کیا ہے تونے بھی تبوع کا
جس کا شہرہ بنکے چمکا ہے فلک پر آفتاب

---

[۱] آپ کی ولادت کا سنہ نو سو اکہتر ہجری ہے ۱۲

[۲] توحید وجودی کا معرکۃ الآرا مسئلہ عرصے سے علماء و صوفیہ میں مابہ النزاع چلا آتا تھا جسکی بنا پر علمائے ظاہر نے اکثر صوفیہ کرام پر تکفیر کا فتویٰ دیدیا۔ اس مسئلے کو آپنے سُلجھا کر صاف کردیا اور فرق توحید شہودی اور وجودی میں بتادیا اور دونوں کو حق ثابت کیا جیساکہ آپ کے مکتوبات شریف سے ظاہر ہے چنانچہ اسی کیجانب اشارہ کرکے ایک موقع پر فرماتے ہیں۔ الحمد للہ الذی جعلنی صلۃ بین البحرین ومصلحا بین الفئتین۔ علامہ سیوطی جمع الجوامع میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا وکذا۔ چونکہ صلہ کا لقب آپ کے لئے آپکے اصحاب میں شایع ہوگیا تھا اس لئے اکثر اہل علم و معارف نے اس کا مصداق آپ کو قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

[۳] مکتوبات شریف کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہے کہ صوفیہ کرام میں اتباع سنت کی دعوت جیسی آپ نے دی ہے اس کی نظیر دوسری نظر نہیں آتی ۱۲

ماہِ کنعاں[1] کی ادا کی تو نے سنّت جس گھڑی
قید خانے کے بنے دیوار اور در آفتاب

نعلِ توسن کی چمک سیر و سفر میں جب پڑی
سنگریزے ہو گئے کھا کھا کے ٹھوکر آفتاب

خطبۂ عیدین و جمعہ میں تری نورانیت
لوگ سمجھے آگیا بالائے منبر آفتاب

چشمۂ مہرِ کرم تیرا ہے سب پر آب پاش
ہو نہ جائے ثمرۂ سرو و صنوبر آفتاب

جس کمالِ خاص پر تیرے نظر ایسی پڑی
آگیا فوراً تصوّر میں وہ بنکر آفتاب

اللہ اللہ وہ روانی خامے کی قرطاس پر
موجہائے بحرِ عرفاں کا سمندر آفتاب

وہ مکاتیبِ بلند اور وہ مضامیں نور کے
صفحہ صفحہ ضوفشاں دفتر کا دفتر آفتاب

ہادیِ راہِ ہدیٰ گم کردگانِ راہ کا ÷
بھولے بھٹکوں کے لئے خضرِ پیمبر آفتاب

چشمۂ حیواں کی خاطر جو چلا ظلمات کو
اس کے حق میں ہو گیا سدِّ سکندر آفتاب

ساقیِ کوثر کے ساغر سے پلائی جسکو مے
جام اس کا دل بنا پھر جام بنکر آفتاب

مطلع

آفتابِ بادۂ وحدت کا ساغر آفتاب
دل مرا ہے آفتاب اور اسکے اندر آفتاب

مہر وشِ ساقی کے آنے کا کرے کون انتظار
تو ہی ہو جائے مری صہبائے احمر آفتاب

نشۂ مے میں فلک پر پھر مرا پہنچا دماغ
دیکھ چمکاتا ہوں میں پھر بارِ دیگر آفتاب

ہو زمینِ مدح پر اب کچھ سراپا کا ظہور
سر سے پا تک جو نظر آئے سراسر آفتاب

---

[1] بادشاہ جہانگیر جس زمانے میں آپ سے مخالف تھا ایک بار قلعۂ گوالیار میں آپ کو قید کر دیا اکثر قیدی آپ کے سبب ظلمتِ ضلالت سے نکل کر نورِ ہدایت میں آگئے ۱۲

مطلع

اپنی اپنی ضو سے ہے چمکا ہوا ہر آفتاب
نقشِ پا رُخسار پیشانی نگہ سر آفتاب

نورِ[1] مجوبی محبیّت میں جب شامل ہوا
تب بنا دونوں سے ملکر تیرا پیکر آفتاب

جو بقیہ[2] طینتِ نورانیِ احمدؐ کا تھا
جسمِ احمدؐ ہی میں پھر نکلا وہ جوہر آفتاب

کیا سراپاے مبارک ہے سراپا نور کا
جلوہ افگن قلب پر ہے جس کا ہر ہر آفتاب

تیرا قد گویا ستونِ دینِ ربانی بلند
تیری نظریں بجلیاں روے منوّر آفتاب

وہ سرِ عالی ترا اک آسمانِ معرفت
جس میں بیحد ماہ د اختر جیمں اکثر آفتاب

آئے ہیں گیسو بکھر کر چہرۂ پُر نور پر
یا ہوا ہے ابرِ رحمت میں یہ مضمر آفتاب

دل مرا رُخ کے تصور میں جمال افروز ہے
ماہتابِ قلب پر ہے سایہ گستر آفتاب

تابشِ رُخ را اگر تابے کہ بیند از نگاہ
چشم خیرہ میشود افتد اگر بر آفتاب

چوندھیا جاتا ہے رُخ سے آفتاب اسطرح خود
چوندھیا دیتا ہے جیسے منہ پہ آکر آفتاب

اللہ اللہ ابروِ خمدار رُوے پاک پر
کھینچکر آیا ہے شمشیرِ دو پیکر آفتاب

وہ حیادار آنکھ جس کی ہر نظر ہے بر قدم
وہ قدم تیرا کہ لوٹا جسپہ اکثر آفتاب

رحلِ ریشِ پاک پر ہے مصحفِ رُخ، اسلئے
بوسہ دیتا ہے تری لوحِ جبیں پر آفتاب

---

[1] مکتوبات میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ میرا منشا اصلی اور نسبتِ باطنی محبیّت اور محبوبیت دونوں سے ممتزج ہے ۱۲

[2] ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ طینت نبوی کا کچھ بقیہ رہ گیا تھا میرا خمیرِ طینت اُسی سے بنایا گیا اگر اس پر کچھ شبہہ ہو تو اس کے لئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ اکرموا عمتکم النخلة فانها من بقية طينة ادم ۱۲

کس قدر پُرنور ہے تارِ نظر کی یہ شعاع
بُرج میں آنکھوں کے پُتلی ہے مقرر آفتاب
پڑگئی جس خاک پر اس کو وہیں چمکا دیا
اللہ اللہ تیری ضُو لے ذرّہ پرور آفتاب
مدح میں تشبیہ دندان و دہن کے واسطے
اپنے منہ میں رکھ کے لایا سلکِ گوہر آفتاب
کھینچ دوں تصویر اب میں اسکے گوشِ پاک کی
اپنے ماتھے پر لگائے گا یہ جھومر آفتاب
اس کا سینہ کیا ہے اِک گنجینۂ انوار ہے
اور دل اِک جلوہ گاہِ ربِّ اکبر آفتاب
قلب روشن نورِ حق دونوں سے ظاہر ہوگیا
اس کا دل اِک آفتاب اِک دل کے اندر آفتاب
پڑتی ہے اُس کی نظر دل پر پئے دیدارِ حق
دیکھتا ہے آئینہ لے کر سکندر آفتاب
سوزِ دل میں آبدیدہ دیدۂ تر میں لہو
بحر میں آتش تو آتش میں سمندر آفتاب
دست و بازو دست و بازوئے یداللّٰہی کہوں
دونوں ہاتھوں میں لئے ہے زورِ حیدر آفتاب
پنجۂ دستِ مبارک پنجۂ خورشید ہے
دائرہ اس میں ہتیلی کا ہے انور آفتاب
اک نوشتہ ہیں کفِ دستِ منوّر کے خطوط
خامۂ انگشت نے لکھا ہے اُسپر آفتاب
طالبانِ حق کے دل سے رابطے کو پوچھئے
جلوہ آرا ہے ہر آئینے کے اندر آفتاب
زہرہ شیروں کا ہے پانی اُس نگاہِ غیظ سے
کیا حقیقت تیری اے بیتاب و مضطر آفتاب
عالمِ تمکیں سے اُسکے لیئے اک نقشِ سکوں
تھرتھراتا کیوں ہے تو آتا فلک پر آفتاب
اللہ اللہ اس کی سیرِ عالمِ ذات و صفات
لے اُڑا اِس سیر میں جبریل کے پر آفتاب
جذبۂ حق خضرِ راہِ منزلِ مقصود تھا
صاحبِ معراج کے تھا نقشِ پا پر آفتاب
آسمانِ مدح پر کب تک شرف جولانیاں
چھپ ہی جائینگے یوں تو ماہ اختر آفتاب
کیا ہی نورانی قصیدہ مدح میں تونے لکھا
جس کا ہر ہر لفظ ہر جملہ منوّر آفتاب
یہ زباں روغن بیاں روشن مضامیں نور کے
دیکھتے ہی رہگیا بس ہو کے ششدر آفتاب

اِک سخنور نے دکھائے تھے اکہتر مہر و ماہ
تُو نے تو چمکا دئے دو سو سے بڑھکر آفتاب

اَب دُعا کو ہاتھ اُٹھا اُس بارگاہِ پاک میں
جس کے در کا ذرّہ ہے عالم میں ہر ہر آفتاب

کُنہ سے جسکی ہیں عاجز درکِ فہم و عقل و ہوش
جسنے پیدا کر دیئے ہیں ماہ اختر آفتاب

عرض کر اُس سے کہ اے نورِ ضیائی کائنات
ہو چمک کر اب مرے طالع کا اختر آفتاب

دین کا ہو بول بالا ہوں مسلماں رشکِ مہر
کفر کی ظلمت مٹا دے پھر نکلکر آفتاب

پھر ضرورت ہے کہ ہو اک جلوۂ مہدی عیاں
ہو چلا ہے پھر زمانے کا مکدّر آفتاب

زندگی میں نزع میں تربت میں حشر و خلد میں
ہو مجھے دیدار کا تیرے میسّر آفتاب

میری اہل اولاد اصحاب اقربا اُستاد شیخ
نورِ رحمت کا ہو سب پر جلوہ گستر آفتاب

سایۂ دامن علمبر دارِ رحمت کا ملے
جب سوا نیزے پہ آئے روزِ محشر آفتاب

جس طرح ممدوح کا روشن جہاں میں نام ہے
اس قصیدے کا بھی شہرہ ہو چمک کر آفتاب

قطعہ تاریخ طبع از نتائج افکار امام الشعرا نواب فصاحت جنگ جلیل القدر

جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین امیر مینائی لکھنوی

فکر روشن کا وہ چمکا آفتاب
ہوگیا سارا قصیدا آفتاب

نور کی تاریخ نکلی اے جلیل
ہے یہ کیا برجِ شرف کا آفتاب

۵۱ ۱۳ ہج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی

☆

حضرت مجدد قدس سرہٗ ان افراد میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر اور علم باطن کے ابواب کھول دیے تھے۔ آپ اسرارِ دینیہ واحکامِ شرعیہ سے کماحقہ واقف ہونے کے ساتھ طریقت اور حقیقت کے رموز سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ آپ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کے مسلک سے نہ صرف از روئے کتب واقف تھے بلکہ آپ پر وہ احوال گزرے تھے۔ آپ نے اپنے مکاتیب میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور جب آپ نے بعض مسائل میں شیخ اکبر سے اختلاف کیا تو بعض افراد آپ کو توحیدِ وجودی کا مخالف سمجھنے لگے۔ چنانچہ آپ اس سلسلے میں دفتر اول کے مکتوب ۲۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

> تعجب ہے کہ یہ جماعت (یعنی توحید وجودی والے) اس درویش کو توحید وجودی کا قائل نہیں سمجھتے۔ بلکہ توحید وجودی کے مخالف علماء میں سے شمار کرتے ہیں۔ الخ

البتہ آپ نے جناب شیخ سے بعض مسائل میں اختلاف فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں آپ دفتر دوم کے مکتوب ۴۲ میں لکھتے ہیں:

> امور خلافیہ جیسے مسئلہ توحید وغیرہا میں علماء کا مشائخ سے اختلاف از راہِ نظر واستدلال ہے اور فقیر کا اختلاف مشائخ سے از راہِ کشف وشہود ہے۔ علماء ان امور کے قبح کے قائل ہیں۔ اور یہ فقیر بہ شرطِ عبور ان امور کے حسن کا قائل ہے۔ الخ

مع ہذا آپ شیخ اکبر کے متعلق دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس جماعت میں شیخ اکبر سے پہلے ان علوم واسرار میں کسی نے زبان نہ کھولی تھی۔ اور اس حدیث کو اس طریقے سے کسی نے بیان نہ کیا تھا۔ اگرچہ احوال سُکر میں ان کی زبان پر ''انا الحق'' اور ''سبحانی'' جاری ہوا۔ لیکن اتحاد کی وجہ اور توحید کی منشا کو وہ نہ پا سکے۔ لہٰذا جناب شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے بُرہان اور متاخرین کے لیے حُجّت ہیں۔

اور آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تحریر فرمایا ہے۔

اِن شطح نما عبارات میں (یعنی سُکر آمیز کلمات میں جیسے انا الحق اور سبحانی اور مَافِی جُبَّتِیْ اِلاَّ اللہ میں) نہ حُلول ہے اور نہ اتحاد ہے۔ صرف ظہور کی وجہ سے تَحمل ہے۔ اعتبار کی وجہ سے نہیں ہے۔ جس طرح پر سمجھا گیا ہے۔ اور حلول واتحاد کی طرف لے جایا گیا ہے۔ ہاں یہ مسئلہ توحید کا متقدمین کے زمانے میں اچھی طرح تحریر نہ ہوا تھا۔ جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا۔ اس کی زبان پر ایسے کلمات آ جاتے تھے۔ اور وہ غلبہ سُکر کی وجہ سے اس کے بھید کو نہیں پاتا تھا۔ جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی نوبت آئی تو انہوں نے اس دقیق مسئلے کو پوری طرح شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا۔ اور علم نحو وصرف کی طرح مُبوّب اور مفصّل کر کے مُدون کر دیا۔ پھر بھی ایک جماعت اُن کا مطلب نہ سمجھی اور اس نے آپ کو خطا وار قرار دیتے ہوئے مطعون اور مَلوم کیا حالاں کہ اس مسئلے میں حضرت شیخ اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے صواب سے دُور ہیں بلکہ مسئلہ کی تحقیق سے جناب شیخ کی بزرگی اور وُفورِ علم کو سمجھنا چاہیے نہ یہ کہ ان کا رَد اور ان پر طعن کیا جائے۔ الخ

آپ حضرت شیخ کی بزرگی اور ولایت کے معترف ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ مقبولانِ بارگاہِ کبریا میں سے ہیں۔

٦١

وہ حضرات جو جامع شریعت و طریقت ہیں آپ کی ولایت اور کمالات کے معترف ہیں قطبِ شام شیخ عبدالغنی نابلسی نے آپ کی تائید میں۔ ”الرد المتین علی منتقص العارف محی الدین“ تحریر فرمائی ہے۔

آپ جو شیخ جمال الدین یونس بن یحییٰ بن ابوالحسن القصار سے بیعت تھے اور وہ غوث زمان السید محی الدین عبدالقادر الجیلانی سے بیعت تھے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

علامہ نبہانی نے لکھا ہے کہ آپ جامع دمشق کے زاویہ امام غزالی میں بیٹھا کرتے تھے اور وہاں ایک فقیہ، فقہ شافعی میں غزالی کی ”کتاب الوسیط“ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ فقیہ نہیں آئے۔ آپ تشریف فرما تھے۔ طالبانِ علم نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ اُن کو پڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں مالکی مذہب ہوں۔ اچھا تم کتاب کھولو۔ پھر آپ نے ان کو پڑھایا اور ایسی تقریر فرمائی کہ طالبان علم کہہ اٹھے۔ ایسا سبق ہم نے آج تک نہیں سنا تھا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپ امام مالک کے مذہب پر تھے۔ لیکن علامہ ابن حجر ”لسان المیزان“ میں لکھتے ہیں :

> ”کَانَ ظَاهِرِی المذهب فی العبادات و باطنی النظر فی الاعتقادات۔“
>
> یعنی عبادات میں وہ داؤد ظاہری کے مذہب پر تھے اور اعتقادات میں باطنی المذہب تھے یعنی چشم بصیرت کے متبع۔ قدس اللہ سرہ الاقدس۔

حضرت مجدد :

آپ کا اسم گرامی احمد۔ کنیت ابوالبرکات۔ لقب بدرالدین۔ نسب فاروقی، وطن سرہند ہے اور آپ کی شہرت ”امام ربّانی مجدد الف ثانی“ سے ہے۔

آپ کی ولادت شب جمعہ بعد از نصف شب ۱۴؍شوّال ۹۷۱ھ کو اور وفات روز سہ شنبہ بوقتِ اشراق ۲۸؍صفر اور ایک قول سے ۲۷؍صفر اور دوسرے قول سے ۲۹؍صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوئی۔ اور آپ کو آپ کے فرزند اکبر حضرت محمد صادق کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ رحمہما اللہ و رضی اللہ عنہما۔

آپ کے حالات خوب تفصیل کے ساتھ آپ کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی اور دوسرے خلیفہ شیخ سرہندی نے لکھے ہیں۔ خواجہ ہاشم کی کتاب کا نام ”برکات الاحمدیہ الباقیہ“ معروف بہ ”زبدۃ المقامات“ جبکہ شیخ سرہندی

کی کتاب کا نام ''حضرات القدس'' ہے یہ دونوں کتابیں مستند اور قابلِ اعتماد ہیں۔ تیرھویں صدی میں ''عمدۃ المقامات'' اور ''جواہر علویہ'' اور ''مناقب احمدیہ مقامات سعیدیہ'' میں آپ کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اِس چودھویں صدی میں بھی کافی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے قابلِ ذکر علامہ احسان اللہ گورکھپوری کی کتاب ''مجدد الف ثانی'' اور جناب محمد منظور نعمانی کی کتاب ''تذکرۂ مجدد'' اور ڈاکٹر محمد اکرام کی کتاب ''رودِ کوثر'' ہے۔

ان کے علاوہ کافی کتابیں اور رسالے اور مقالات ہیں۔ جن میں آپ کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔

فَجزاھُمُ اللہُ سُبحَانَہٗ خَیرَ الْجَزَاءِ

یہ عاجز کہتا ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَثَلُ اُمَّتِی مَثَلُ الْمَطَرِ لَایُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیرٌ'' اَمْ اٰخِرُہٗ''

(رواہ الترمذی)

میری اُمّت کی مثال مینھ کی مثال ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا پہلا حصّہ خیر و برکت لیے ہوئے ہے یا پچھلا حصّہ۔ یعنی اس خیر الامم میں ایسے ایسے افراد ظاہر ہوتے رہیں گے جو آپ ہی اپنی مثل ہوں گے۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا ایں جاست

آپ نے خوب تحقیق اور تدقیق کے ساتھ علمِ ظاہر حاصل کیا۔ آپ کے ''رسائل سبعہ'' اور مکتوبات شریفہ سے یہ حقیقت اچھی طرح سے روشن ہے۔ شیخ صفر احمد مخدومی پسر فضل اللہ پسر عبدالقادر پسر محمد امین پسر عبدالرزّاق پسر مخدوم عبدالاحد۔ جو کہ حضرت محمد معصوم کے نواسے ہیں۔ ''مقاماتِ معصومی'' معروف بہ ''برکاتِ معصومی'' میں لکھتے ہیں۔ کہ آپ کے تین جلد مکتوبات اور رسائل ہیں۔ رسائل کے نام یہ ہیں۔ (۱) مبدأ و معاد (۲) معارفِ لدنیہ (۳) مکاشفاتِ غیبیہ (۴) رَدِ شیعہ (۵) اِثباتِ نبوّت (۶) شرح رباعیات حضرت خواجہ بیرنگ (معروف بہ حضرت خواجہ باقی باللہ) (۷) رسالہ تہلیلیّہ۔ اِن میں سے ''مکاشفاتِ غیبیہ'' کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور ''مبداء و معاد'' کو خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کیا ہے۔ یعنی ان کا خطبہ انہوں نے لکھا ہے اور باقی رسائل از اوّل تا آخر آپ نے خود تحریر فرمائے ہیں رسالہ تہلیلیہ

اور اثبات نبوّت عربی میں ہیں اور باقی کتابیں فارسی میں، زبدۃ المقامات میں تعلیمات عوارف کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی فارسی میں ہے۔

علمِ ظاہر حاصل کر کے آپ علمِ باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے حضرت والد مخدوم عبدالاحد سے طریقہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اور درجۂ کمال حاصل کیا۔ آپ رسالہ مبداء و معاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس درویش کو دولتِ فردیت کی نسبت کہ عروجِ اخیر اسی سے مخصوص ہے، اپنے پدرِ بزرگوار سے حاصل ہوئی ہے۔ اور شاہ سکندر سے آپ کو نسبت قادریہ بہ تمام و کمال حاصل ہوئی۔

۱۰۰۷ھ میں آپ کے پدر بزرگوار رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ آپ کو مدّت سے حج کا شوق تھا۔ چوں کہ والد ماجد ضعیف تھے اس لیے اپنے شوق کو دباتے رہے۔ حضرت والد کے انتقال فرمانے کے بعد ۱۰۰۸ھ میں آپ بہ ارادۂ حج سرہند شریف سے روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ یہ آپ کے دوست اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مخلصین میں سے تھے۔ انہوں نے آپ سے حضرت خواجہ کا ذکر کیا۔ چوں کہ آپ پدر بزرگوار سے طریقہ نقشبندیہ کے فضائل سن چکے تھے۔ اس لیے مولانا حسن کی معیت میں آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ آپ سے مل کر خوش ہوئے اور فرمایا۔ اگرچہ آپ ایک مبارک سفر کے ارادے سے روانہ ہوئے ہیں۔ تاہم اگر آپ چند روز اس فقیر کے ساتھ رہ لیں تو بہتر ہے آپ نے اِمتثال امر کیا اور ایک ہفتہ کی نیت سے حضرت خواجہ کے پاس قیام کیا۔ ابھی دو ہی دن گزرے تھے کہ حضرت خواجہ کی نسبت اور کشش نے اپنا رنگ دکھایا۔ اور طریقۂ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت ہوئے۔ چونکہ آپ کی استعداد بہ درجہ اتم اور کامل تھی اس لیے مدارجِ عالیہ بہ سرعت تمام طے فرمانے لگے۔ انہی دنوں میں حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو تحریر فرمایا کہ شیخ احمد نام کے ایک مرد کثیر العلم اور قوی العمل سرہند کے رہنے والے چند روز اس فقیر کی صحبت میں رہے ان کے احوال میں بہت سے عجائب اس فقیر نے دیکھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک روشن چراغ ہوں گے جس کے نور سے ساری کائنات منور ہو جائے گی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت خواجہ نے اپنے مریدوں کو آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرجعِ عالم بنایا۔

آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔ دہلی میں حضرت خواجہ کی صحبت ملی اور آپ منازلِ سلوک طے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حجازِ مقدس کا سفر رہ گیا۔ اس کے بعد آپ چھبیس سال بہ قیدِ حیات رہے۔

لیکن حجاز مقدس نہ جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ آپ پر کبھی حج فرض نہیں ہوا۔ ۱۰۰۸ھ ہجری میں بھی ازروئے توکل عازم حج ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ کی صحبت میں آپ پر ابواب کمالات کھلے۔ آپ نے راہِ عزیمت اختیار کی اور رخصت کو رخصت کیا۔ چوں کہ آپ پر بہ وجہ زادِ راہ نہ ہونے کے حج فرض نہ تھا۔ اور ایسی صورت میں حج کا قصد کرنا' تقویٰ کے خلاف تھا اس لیے پھر حج کا قصد نہ فرمایا۔ آپ نے ارشاد باری پر عمل کیا کہ.

> فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ
> وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔
>
> یعنی جو حج کے قصد سے روانہ ہو وہ لغویات اور فسق وجدال سے اپنے کو بچائے۔ اے عازمین حج جو بھلائی اور نیکی تم کرو گے۔ اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور تم زادراہ لے کر سفر کرو۔ بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔

اب جب کہ آپ عزیمت پر عامل ہو گئے تھے۔ تقویٰ کے خلاف آپ کب عمل کر سکتے تھے۔ آپ نے جان دہی منظور فرمائی اور سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا۔ کتاب حضرات القدس کے ''حضرتِ سابعہ'' میں ہے کہ شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے علامی فہامی افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو فقہ کی کتابوں کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تاکہ آپ سجدۂ تعظیمی کر لیں۔ آپ نے ہردو علماء سے فرمایا:

> این رخصت است' عزیمت آن است کہ غیرِ حق راسجدہ نہ کند۔
> یعنی آپ حضرات جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں وہ رخصت کا درجہ رکھتا ہے۔
> عزیمت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔

زبدۃ المقامات'' کی فصل ششم میں ہے کہ ایک دن آپ نے مولانا صالح ختلانی سے فرمایا۔ کہ تھیلی میں سے چند دانے کالی مرچ کے لائیں۔ انہوں نے چھ دانے پیش کیے۔ آپ نے ازروئے عتاب فرمایا:

> ''اینک صوفی ما آں قدر نہ شنیدہ کہ اَللّٰہُ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ رعایتِ وتر از مستحبات است' مستحب را مردم چہ دانستہ اند مستحب دوست داشتہٗ اوست سبحانہ تعالیٰ اگر دنیا وآخرت را بہ یک عملے کہ دوست داشتہ ......
> حق عزّ وجل باشد بدہند ہیچ نہ دادہ باشند۔''

ذرا دیکھو ہمارے صوفی کو انہوں نے یہ بھی نہیں سنا ہے کہ اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ طاق کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ مستحب کے متعلق لوگ کیا خیال کرتے ہیں۔ مستحب تو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فعل ہے۔ اگر ایک ایسے فعل کے لیے جو اللہ کا پسند کردہ ہو دنیا اور آخرت بھی دیدیں تو کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

اکبر بادشاہ کی بے راہ روی کے سدِّ باب کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ نے حضرت خواجہ احرار کے طریقے کو استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ امراء اور وزراء کو راہِ راست پر لانے کی سعی فرماتے تھے یہ کام بھی آپ کے سپرد ہوا۔ اور آپ نے بہت خوبی کے ساتھ اس کام کو پورا کیا۔

جاہل صوفیوں نے طریقت اور حقیقت کو شریعت سے بلند مقام دے رکھا تھا۔ آپ نے ایسے افراد کی تردید کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا۔ کہ

طریقت وحقیقت خادمانِ شریعت اند۔
یعنی طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں۔

ان کا کام یہ ہے کہ شریعت کے احکام سے قلب کو پورا تعلق ہو جائے۔ بجائے تکلیف کے راحت محسوس ہو اور اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللہ ۔ ان کا مقصد حیات ہو۔ یعنی "کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ اللہ کی یاد کے وقت ان کے دل میں خشوع پیدا ہو"۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس کرتے ہیں۔ حالاں کہ نماز کے آداب کو صحیح طور پر بجالانے کی برابری کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں کرسکتا (زبدہ) اور دفتر اوّل کے مکتوب ۵۲ میں لکھتے ہیں :

> خواہشاتِ نفسانیہ کے دُور کرنے کے واسطے شرائع کا ورود ہوا ہے۔ شریعت کے تقاضوں پر جتنا بھی عمل کیا جائے گا اسی قدر نفسانی خواہشات روبزوال ہوں گی۔ لہٰذا نفسانی خواہش کے ازالے کے لیے شریعت کے ایک حکم پر عمل کرنا' ایک ہزار سال کی اُن ریاضتوں اور مجاہدوں سے بڑھ کر ہے جو اپنی خواہش سے کی جائیں۔

اور آپ دفتر اوّل کے مکتوب ۲۶۰ میں لکھتے ہیں :

> اکثر افراد کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے اور وہ فرض کو خراب کر کے نفل کی

ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ اور خام صوفی افراد ذکر وفکر کو بہت اہم سمجھتے ہوئے فرائض اور سنن کے بجالانے میں مُساہلت اور کوتاہی کر جاتے ہیں۔ وہ چِلّوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ اور جماعات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا' ان کے ہزار چِلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں وہ ذکر وفکر بہتر اور اہم ہے، جو آدابِ شرعیہ کی مراعات کے ساتھ کیا جائے۔ اسی طرح نتائج سے بے خبر علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ اور فرائض ادھورے اور ناقص رہ جاتے ہیں۔

(ماخوذ، وحدۃ الوجود، از شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی، شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی، ۱۹۷۱ء ص ۹۔۱۰)۔

☆……☆……☆

الله نور السموت والارض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی

کوثر نیازی

(سابق وزیر اوقاف و مذہبی امور، حکومت پاکستان)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا شمار ان نامور بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے دریغ نہ کیا اور اسلام کی سربلندی اور اس کے احیا کے لیے ساری زندگی جہاد کیا۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا، لیکن بعد میں مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ آج سے تقریباً ۴۱۵ سال پیشتر ریاست پٹیالہ کے قصبہ سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت عبدالواحد چشتیہ سلسلہ کے نامور بزرگ تھے بیان ہوا ہے کہ ایک رات شیخ عبدالواحد نے خواب دیکھا کہ تمام دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا ہے اور شیر چیتے، بھیڑیے اور اسی قسم کے جنگلی درندے انسانوں کو چیر پھاڑ رہے ہیں۔ ایسے میں معاً ان کے سینے سے ایک روشنی نکلی، اس روشنی میں انہیں ایک ایسا تخت نظر آیا جس پر ایک نورانی شخصیت جلوہ افروز تھی جس کے ظاہر ہوتے ہی تمام ظلمتیں مٹ گئیں۔ زمانے کا رنگ بدل گیا اور ان درندوں کو جو چند لمحہ پیشتر انسانوں کو چیرنے میں مصروف تھے، ان کے سامنے ذبح کیا جانے لگا۔ حضرت عبدالواحد اپنے مرشد کے پاس گئے اور خواب بیان کر کے اس کی تعبیر چاہی۔ مرشد نے فرمایا عنقریب خدائے عزوجل تجھے ایک فرزند سے نوازے گا، جس سے شرک و بدعت دور ہو جائیں گے اور ہر طرف اسلام کا نور پھیل جائے گا۔ چنانچہ خواب کی تعبیر کے مطابق آپ کی ولادت ہوئی آپ کو روشن دماغ اور خداداد صلاحیتیں عطا ہوئی تھی۔ آپ نے سترہ سال کی عمر تک قرآن و حدیث کے تمام علوم ازبر کر لیے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے زمانے میں سلسلہ نقشبندیہ کے نامور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ افغانستان سے ہندوستان تشریف لا چکے تھے آپ بھی ان

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کے آستانہ پر تین مرتبہ حاضری دی اور ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ حاصل کر کے ہی رخصت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ تیسری مرتبہ حضرت باقی باللہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے تو آپ اس قدر بلند مقام و مرتبہ حاصل کر چکے تھے کہ خود حضرت آپ کے استقبال کے لیے چند قدم چل کر آئے۔ انہوں نے آپ کو اپنا ایک خواب سنایا۔ یہ خواب ہمارے اور آپ کے خواب نہیں جو معدے کی خرابی کے باعث آتے ہیں۔ یہ رویائے صالحہ ہیں اللہ کے نیک بندوں کو جو خواب آتے ہیں وہ ان کے زہد و تقویٰ کی بنا پر سچے ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے خدا ان کو ہونے والے واقعات کی پیشگی نشاندہی کر دیتا ہے، حضرت باقی باللہ فرمانے لگے کہ ہندوستان آنے سے قبل میں نے ایک نے خواب دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ پر ایک طوطی خوشنوا بیٹھا بڑے میٹھے بول سنا رہا ہے۔ میں نے اپنا لعاب دہن نکال کر اس کے منہ میں ڈالا میرے خیال میں وہ طوطی خوشنوا تم ہی ہو خدا میرے ذریعے سے تم کو اور تمہارے ذریعے سے مجھ کو فیض پہنچانا چاہتا ہے، تمہاری بدولت ایک جہان دولتِ علم و فیض سے مالا مال ہوگا۔

جس زمانہ میں اسلام کا یہ ستارہ نمودار ہوا اور افق عالم پر چمکا اس وقت ہندوستان پر اکبر بادشاہ حکمران تھا۔ ہمیں کورس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں اکبر بادشاہ کو اکبرِ اعظم کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ انگریز نے بادشاہ کی کمزوریوں اور خامیوں کو چھپانے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا کہ اسے ہمارے سامنے ایک ہیرو کے روپ میں پیش کیا۔ دنیوی نقطۂ نظر کی اور بات ہے لیکن دینی لحاظ سے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جس مسلمان بادشاہ سے پہنچا ہے وہ یہی مغلیہ خاندان کا اکبرِ اعظم ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اسلام کو مسخ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی، جس کے زمانے میں ہندوستان آشوب گاہِ فتن بن چکا تھا، بدعات عام ہو چکی تھیں۔ اسلام کے ساتھ تطاول و تعدی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اس نے شراب کو سرکاری طور پر جائز قرار دیا اور اس کے پینے میں ہر قسم کی ممانعت ختم کر دی۔ اس کے زمانے میں جوئے کو جائز قرار دیا گیا اور زنا کے لیے ایک خاص محلّہ مقرر کیا گیا جس کا نام ”شیطان پورہ“ رکھا گیا۔ زنا کاری کو فروغ دینے کے لیے اس نے جسم بیچنے والی عورتوں کو کوٹھوں پر بٹھایا اور ہر خاص و عام کو وہاں جانے کی اجازت دی، حتیٰ کہ اگر کوئی چاہتا تو ان رنڈیوں کو کرائے پر بھی لے جا سکتا تھا، موجودہ دور کے زنا کاری کے اڈوں کا منبع دورِ اکبری ہی ہے۔ پھر اس نے تحریف دین میں یہاں تک ہی بس نہ کی بلکہ اس نے اپنا علیحدہ مذہب ایجاد کیا جسے ”دینِ الٰہی“ کہا جاتا ہے۔ اس دین کی داغ بیل ڈالنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اکبر

٦١

کے دربار میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے درباری موجود تھے اکبر ان سب کو خوش کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جو مذہب کم اور چوں چوں کا مربہ زیادہ تھا۔ اس مذہب میں سورج کی پوجا کی جاتی تھی۔ خود اکبر بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ ''دین الٰہی'' کے پیروکار آپس میں ملتے تو ''السلام علیکم'' کہنے کے بجائے ''اللہ اکبر'' کہتے، جواب میں ''جل جلالہ'' کہا جاتا۔ اس نے ایک ایسا قانون بنا رکھا تھا جس کی رو سے ۱۲ سال کی عمر سے پہلے کسی بچے کے ختنے نہیں کیے جاسکتے تھے۔

ان تمام بدعات و مکروہات کے علاوہ سجدۂ تعظیمی بھی ''دین الٰہی'' کا ایک جزو تھا۔ بادشاہ کے دربار میں جو آتا...... تعظیماً سجدہ بجالاتا۔ غرضیکہ بادشاہ کی طرف سے الحاد فی الدین اور فکر باللہ کی پوری کوشش کی گئی اور آہستہ آہستہ اسلام کو بازیچہ اطفال بنا کر رکھ دیا گیا۔

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا وہ اگرچہ اپنے باپ جیسا نہ تھا تاہم اکبر کے زمانے کے مروج اصول کسی نہ کسی صورت میں اس کے عہد میں بھی موجود تھے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے ان کے خلاف آواز اٹھائی اس وقت تک مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ملک میں بھی کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ علمائے سوء نے ان کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے شروع کیے انہیں اندیشہ تھا کہ اگر حضرت نے جہانگیر کو متاثر کر لیا تو ان کا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ یہ علماء آپ کے خلاف جہانگیر کو بدظن کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے تھے حتیٰ کہ ایک عالم نے آپ کے مکتوبات کی ۱۲ نقلیں کروائیں اور ان میں اپنی طرف سے کئی چیزیں شامل کرلیں جو سراسر اسلام کے لیے نقصان دہ تھیں۔ اس نے مختلف علماء کو یہ خطوط دکھائے اور ان سے فتاوٰی لیے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ گردن مار دینے کے قابل ہیں۔ انہی علماء میں مشہور عالم دین شیخ عبدالحق مدث دہلوی بھی تھے لیکن انہیں بھی بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کے خطوط اصل نہیں نقل تھے اور ان میں ناقل نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تھا تو آپ کو اپنے فتوٰی پر بڑی ندامت ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اسی دوران حضور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت خواب میں دکھائی دیے۔ آپ ﷺ نے شیخ سرہندی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔''

آپ نے اپنی ایک کتاب میں تحریر کیا تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو صدیقین اور شہداء کے مقامات کی سیر کرائی گئی حتیٰ کہ آپ ان مقامات سے آگے بڑھے اور حضرت عثمان و عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام دیکھا

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقام سے بھی آگے کا سفر شروع کیا یہ عبارت پڑھنی تھی کہ علمائے سوء کو نیا شوشہ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے جہانگیر کے کان بھرتے ہوئے کہا کہ حضور یہ خلفائے راشدین کے مقامات سے بھی اپنے مقام کو اونچا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی کو طلب کیا۔ آپ کے حاسد اور دشمن بہت خوش تھے کہ اب حضرت کی جان بخشی نہیں ہو سکتی، لیکن جہانگیر کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا:

> صوفی کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام مخلوقات سے گناہگار سمجھتا ہے حتیٰ کہ کتے سے بھی کم درجے کا، اس صورت میں اس قسم کی گستاخی کا مرتکب میں کیسے ہو سکتا ہوں۔

جہانگیر کے بھرے دربار میں آپ نے نہایت عمدگی سے چند مثالیں پیش کیں، جن سے آپ کی پوزیشن بالکل واضح ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا بعض اوقات جھاڑو دینے والا محل کے ایسے حصہ میں جھاڑو دینے کے لیے جاتا ہے جہاں درباریوں کی بھی رسائی نہیں ہوتی، لیکن اس سے یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ بھنگی کا درجہ درباریوں سے بڑھ گیا۔ اگر اسے یہ مقام ملا ہے تو عارضی طور پر کیونکہ جب وہ محل سے باہر نکلتا ہے تو اس سے اس کا مقام عالی چھن جاتا ہے یا کسی مصلحت کی وجہ سے دھواں زمین سے آسمان کی طرف اٹھتا ہے تو اپنے ساتھ زمین کے کچھ ذرات لے کر جاتا ہے اس وقت یہ ذرات ہوا اور پانی سے بھی اونچے ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ اونچائی صرف معمولی سے عرصہ تک کے لیے ہے کیونکہ وہ پھر زمین میں آ کر مل جاتے ہیں۔ بعد میں مجھے کشف کرایا گیا اور مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقامات عالیہ دکھائے گئے مگر یہ سیر تھی۔ اس سے میرا درجہ بلند نہیں ہو گیا کیونکہ اس سیر کے بعد مجھے پھر اپنے مقام پر پہنچا دیا گیا۔

یہ مدلل جواب سن کر جہانگیر خاموش ہو گیا جب علمائے سوء نے اپنے حربے کا اثر زائل ہوتے دیکھا تو انہوں نے ایک اور چال چلی چند دن بعد بادشاہ کے کان بھرے کہ حضور یہ شخص متکبر ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، یہ آپ کے تخت و تاج کا دشمن ہے۔ دیکھیے جب یہ دربار میں آیا تھا تو اس نے سجدہ تعظیم نہیں کیا تھا۔ اگر آپ اسے سجدہ کرنے کے لیے کہیں گے تو یہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔

شاہجہان جو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا عقیدت مند تھا اس سازش سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے حضرت مجدد کو سجدہ تعظیم کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ تمام علماء نے حالت اضطراری میں غلط کام کرنے کی اجازت دی ہے۔ آپ بھی اپنی قیمتی جان کو بچانے کے لیے سجدہ تعظیم کر لیجیے۔

شاہجہان کا مشورہ سن کر آپ نے کہلا بھیجا کہ:

> اگر دین محمدی ﷺ کے علمبردار ہی غیر اللہ کے آگے سر جھکانا شروع کر دیں گے تو پھر سر اونچا کر کے چلنے والا کون رہ جائے گا۔

دربار میں پہنچ کر جہانگیر کو بھی آپ نے اسی قسم کا جواب دیا اور کہا:

> ہماری شریعت میں سوائے اللہ کے اور کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ تو میری ہی طرح جسم خاکی ہے بھلا میں تجھ کو کس طرح سجدہ کروں۔

یہ جواب سن کر جہانگیر طیش میں آ گیا، اگرچہ تمام علماء کی طرف سے آپ کے قتل کا فتویٰ مل چکا تھا، لیکن کوئی غیر مرئی چیز جہانگیر کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے قتل سے باز رکھے ہوئے تھی۔ اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں دو سال کے لیے نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ اسی پر بس نہ کیا گیا بلکہ آپ کے گھر کو بھی لوٹ لیا گیا اور وہاں جو ٹوٹا پھوٹا سامان موجود تھا سب غائب کر دیا گیا۔ اس پر بھی آپ نے اف تک نہ کی، اور نہ کسی کے لیے بددعا مانگی۔ آپ نے اپنے مریدوں کو بھی تاکید کی کہ جہانگیر کے لیے بددعا نہ مانگی جائے۔ جیل میں پہنچے تو غیر مسلم قیدیوں میں تبلیغ شروع کی اور اپنے موثر اسلوب اور عمدہ کردار سے غیر مسلموں کے دلوں کو موہ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں غیر مسلم قیدی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

> میں تو بادشاہ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے ہزاروں کفار کو مسلمان کرنے کا موقع مل گیا۔

☆……☆……☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی

☆

حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین الفاروقی السر ہندی معروف بہ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ..... آپ عالمِ عامل عارف کامل تھے‘ آپ نے قرآن شریف حفظ کیا اور اولاً اپنے والد ماجد سے بہت سے علوم حاصل کیے۔ بعدہٗ سیالکوٹ کا سفر فرمایا۔ اور علوم معقول کو علامہ کمال الدین محقق کشمیری سے نہایت تحقیق کے ساتھ پڑھا اور علمِ حدیث شیخ یعقوب محدث کشمیری سے حاصل کیا‘ جنھوں نے اُس کو حرمین شریفین میں بڑے بڑے محدثین کے ہمراہ رہ کر حاصل کیا تھا‘ اور حدیث مسلسل بالرحمہ اور مسلسل بالاوّلیہ بواسطہء قاضی بہلول بدخشانی شیخ عبدالرحمٰن ابن فہد سے حاصل کی‘ جو محدثین میں اپنے زمانے کے بڑے شخص تھے‘ اور اُنہی سے کتب تفسیر اور صحاحِ ستہ اور تمام اُن کے درس کی اجازت پائی۔

تمام درسیات سے آپ سترہویں سال فارغ ہوگئے اور پڑھانے میں مشغول ہوئے۔ آپ کی تصانیف سے عربی‘ فارسی میں نادر نادر رسالے ہیں۔.........

آپ ۱۰۰۷ھ میں دہلی آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا اور دوسرے طریقوں کو اور مشائخِ کبار سے لیا..... مُلکِ ہند سے آپ کا سلسلہ ملکِ ماوراءالنہر‘ روم‘ شام‘ عرب اور آخر ملک مغرب‘ فارس وغیرہ تک پہنچ گیا۔ آپ کے مکتوبات شریف تین جلدوں میں ہیں‘ جو آپ کے عالمِ متبحر ہونے کی دلیل قطعی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بعض مُلحدوں نے اُن میں تحریف کرنی چاہی تھی مگر نہ کرسکے۔ جہانگیر بادشاہ نے بسبب نہ کرنے سجدۂ تعظیم اُن کو قید کر دیا تھا‘ بعدہٗ جب آپ کی کرامات کا معتقد ہوا تو رہا کیا اور معذرت چاہی۔ آپ کے افادات میں سے یہ ہے کہ آپ نے وحدۃ ال اور وحدۃ الشہود میں

فرق ظاہر کر دیا اور اس امر کو بیان کیا کہ مقامِ وحدت ال ابتداءِ سلوک میں سالک کو پیش آتا ہے۔ جو شخص کہ اُس سے بالا مقام پر عروج کرتا ہے اُس پر مقامِ وحدت الشہو د منکشف ہوتا ہے۔ پس حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تحقیق کے ذریعے سے اُن لوگوں کے الحاد کا طریقہ بند کر دیا جو صرف صوفیانہ لباس کے سبب سے صوفی مشہور تھے۔ پھر آپ نے اپنے زمانے کے ملحدوں، بے دینوں سے مباحثے کیے اور اُن سے تحریری اور تقریری مناظرے کیے، رافضیوں کا رد لکھا اور بدعت اور سنّت اور قیاساتِ مجتہدین اور استحسانات متاخرین کے درمیان فرق ثابت کر دکھایا اور اُس زمانے کی بابت جو حقیقت میں بہتر اور خیر القرون تھا، امتیاز ظاہر کیا۔

آپ طریقہ ماتریدیہ کے فقیہ تھے۔ آپ سنّت (مقدسہ) پر عمل کرنے پر بہت حریص تھے اور شانِ اجتہاد رکھتے تھے۔ آپ سے حدیث کے معنی سمجھنے اور اجتہاد کرنے میں خطا نہ ہوتی تھی......

آپ کے سلسلے میں آخر کے لوگوں میں ایک جلیل القدر عالم شیخ شمس الدین علوی اولاد محمد بن الحنفیہ ہوے ہیں، جن کا عرف میرزا جانِ جاناں ہے۔ اُن کی ذاتِ بابرکات مجمع فضائلِ کثیرہ تھی۔ اُنہوں نے علمِ حدیث حاج سیالکوٹی سے پڑھا تھا اور طریقہ مجددیہ اکابر سلسلہ سے حاصل کیا تھا۔ آپ اتباع سنّت اور کشفِ اسرار میں شانِ عظیم رکھتے تھے، آپ کے اشعار نادر ہیں اور آپ کے رقعات نافعہ ہیں۔ تشہد میں آپ انگشت شہادت سے اشارہ درست فرماتے تھے۔ آپ کی تاریخ شہادت۔

"عاش حَمِیْدًا سنہ ۱۱۹۹ھ ومات شهیدًا" ہے۔

آپ کے جلیل القدر مریدوں میں قاضی ثناء اللہ عثمانی اموی پانی پتی فقیہ اصولی اور مردِ متقی، مجتہدِ وقت تھے۔ اُن کے بعض مسلک خاص بھی ہیں۔ ان کی علمِ فقہ اور تفسیر میں تصنیفات ہیں، اُن کے پیر کو اُن پر فخر تھا۔ حنفی طریقہ کی اُن کی تالیفات عربی فارسی، میں نے دیکھی ہیں اور بعض میرے پاس موجود بھی ہیں، اللہ کی اُن پر رحمت ہو۔

(ماخوذ از نواب صدیق حسن خاں: ۔ ابجد العلوم، جلد ثالث، ص ۸۹۸، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء بحوالہ جواہر مجددیہ طبع ثانی، لاہور)۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد مطلعِ تاریخ پر

آباد شاہ پوری

☆

۱۵۷۹ء میں جب اسلام اور ملتِ مسلمہ کے قتل نامے کا اعلان ہوا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ پندرہ برس کے تھے۔ ۱۵۹۹ء میں آپ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوتے ہیں۔ یہ سارا عرصہ حصولِ علم اور سلوک و طریقت کی راہیں طے کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ بیعت کے وقت جس علمی فضل و کمال اور روحانی عظمت و استعداد سے بہرہ مند ہو چکے تھے اس کا اندازہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب سے ہو سکتا ہے جو آپ نے ایک دوست کے نام تحریر کیا تھا۔ فرماتے ہیں:

> شیخ احمد نام مردیست از سرہند۔ کثیر العلم وقوی العمل۔ روزے چند با فقیر نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگارِ اوقاتِ او مشاہدہ نمود۔ بآں ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا ازو روشن گردو۔
>
> یعنی سرہند کا ایک شخص شیخ احمد نامی ہے، کثیر العلم اور قوی العمل۔ چند دن فقیر کی صحبت میں رہا، اس کے عجیب و غریب کمالات مشاہدے میں آئے، امید ہے کہ وہ ایسا چراغ ہو گا جس سے تمام جہاں منور ہو جائے گا۔

مرید کے ان کمالات کے اعتراف کی روشنی میں شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بیعت کے فوراً بعد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں کو شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دینے لگے ہوں گے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان کی خرابی صحت زیادہ مشاغل کی متحمل نہ تھی۔ تاہم اس باب میں کوئی واضح خارجی شہادت نظر سے نہیں گزری۔ البتہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب سے یہ

پتا چلتا ہے کہ بیعت کے دو تین سال بعد حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ سلوک و طریقت کی تعلیم دینے لگے تھے۔ میراں صدر جہاں ۱۶۰۱-۲ء کے لگ بھگ خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی بیعت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ انہیں حضرت مجدد کے سپرد کر دیتے ہیں۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> جناب صدرِ جہان نے ذکر و مراقبہ سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ذکر تو بتلا دیا گیا لیکن چونکہ اس گروہ کا خاص مراقبہ درس اور بیان کی قسم سے نہیں ہے اور ان کا ارادہ بھی یہی تھا اس لیے یہی مناسب دیکھا گیا کہ آپ کی خدمت میں اس کی صحبت کرے...... اب فقیر پر ضعف بہت غالب ہے۔ صحبت کی فرصت اور توجہ کی طاقت نہیں رہی۔

پھر اس سال حضرتِ مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو ارشاد و ہدایت کا کام باقاعدہ تفویض کرتے ہیں۔ ۱۶۰۳ء میں خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ وصال فرماتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مرجعِ خلائق بن جاتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ گذشتہ ۲۴ برس سے ملک و ملت کے تاریک شب و روز اور اجتماعی زندگی میں رونما ہونے والے تغیرات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ قدرت نے انہیں فطرتِ حساس، دلِ دردمند، حمیتِ دینی اور فکرِ راست سے بدرجۂ اتم بہرہ ور فرمایا تھا۔ پھر وہ ایک بے بدل عالمِ دیں بھی تھے۔ کتاب و سنت ایک عالم دین پر جو فرائض عائد کرتے ہیں ان سے آگاہ ہی نہ تھے ان کا احساس بھی رکھتے تھے اور کتاب و سنت کی روشن و واضح تعلیمات نے ان پر وہ ساری خرابیاں اور کمزوریاں اور ان کے اسباب و علل آشکارا کر دیے تھے جن میں اس وقت ملت اسلامیۂ ہند مبتلا تھی۔ ان جیسا دلِ سیماب صفت رکھنے والا فرض شناس عالمِ دین اور پیرِ طریقت اطمینان اور بے فکری سے مسند درس و تدریس اور سجادۂ مشیخت پر بیٹھا اس اضطراب انگیز منظر پر بے بس تماشائی بنے رہنے پر اکتفا نہ کر سکتا تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے مسند ارشاد و ہدایت پر فائز ہونے سے پہلے حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے شب و روز کا جو ذکر آپ کے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے ان میں زیادہ تر آپ کے علمی و تدریسی مشاغل اور سلوک و طریقت سے متعلق معمولات کا پتا چلتا ہے۔ عہد جہانگیر میں آپ نے سیاسی میدان میں جو کارنامۂ تجدید انجام دیا، اس کے ابتدائی آثار کا

ذکر تو در کنار شرک و بدعت اور ویدانتی تصوف کے خلاف جہاد کے سلسلے میں بھی کوئی خاص تذکرہ نہیں ملتا۔ تاہم مکتوبات کے آئینے میں نظر آنے والے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی دن میں تو نہیں بن گئے تھے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تحصیل علم کے بعد مشغلۂ درس و تدریس کے آغاز سے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن کیے جانے تک حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ، خواہ ایک محدود دائرے ہی میں سہی، اس کام کی طرف کسی نہ کسی شکل میں ضرور متوجہ رہے ہوں گے۔ [1]

مکتوبات، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے بعد لکھے گئے اور ان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا دعوتی اور تجدیدی رخ بے نقاب نظر آتا ہے۔ ان کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کیا کارنامہ انجام دیا جس سے ان کا نام اسلامی ہند کی دینی و سیاسی تاریخ میں زندۂ جاوید ہو گیا۔

سیاسی کام:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کام سہ جہتی تھا۔ یعنی ایک طرف آپ نے کتاب و سنت کی دعوت دی اور شرک و بدعات کے خلاف جدوجہد کی، دوسری طرف علمائے سُوء کے فتنوں کے خلاف محاذ کھولا اور تصوف کو عجمی خرافات سے پاک صاف کرنے کی کوشش کی اور تیسری طرف اقتدار کا رخ بے دینی سے موڑنے اور اکبر کے بنا کردہ دینِ جدید کو ختم کرنے کی سعی و جہد کی۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا بنگاہِ غائر جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کے بعد جلد ہی آپ مرجعِ خواص و عوام بن گئے تھے اور اس میں خود مرشد کی کوششوں کا دخل بھی تھا جو اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کو یہ کہہ کر ان کی جانب متوجہ کرتے تھے کہ شیخ احمد ایک ایسا چراغ ہے جس سے سارا جہاں منور ہوگا اور جو لوگ ان کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوتے تھے انہیں اس مرید کے سپرد کرتے تھے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارادت مندوں میں اکبر کے متعدد درباری بھی تھے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات کے تینوں دفاتر میں ان کے نام بہت سے خطوط ملتے ہیں۔ انہی خطوط سے اس جدوجہد کا پتا چلتا ہے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسلامی ہند میں اسلام کی غربت و بیکسی کو ختم کرنے کے لیے کی۔ ہمارے دور کے بعض تذکرہ نگار جب حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس سیاسی کارنامے کا ذکر سنتے ہیں تو وہ اسے ایک ''محلِ نظر'' دعویٰ قرار دیتے ہیں۔ [2] انہیں چونکہ حضرت مجدد

رحمتہ اللہ علیہ صرف وعظ ونصیحت کا آسان[۳] کام کرتے اور عمل پیرائی کا مشکل[۴] کام امرائے دربار کے حوالے کرتے نظر آتے ہیں اس لیے اکبری الحاد کے خاتمے کا کریڈٹ وہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو دینے پر تیار نہیں ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے سر یہ سہرا اسی وقت بندھتا جب آج کی اصطلاح میں کوئی منظم دینی یا سیاسی تحریک اٹھاتے‘ خود اس کی قیادت فرماتے اور عوام وخواص کو مجتمع کر کے اقتدار کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ حالانکہ مطلق العنان شخصی حکومتوں اور بادشاہتوں میں ایسا کبھی ممکن نہیں رہا ہے۔ ایسی حکومتوں میں اصل قوت عوام نہیں ہوتے (بلکہ عوام تو سرے سے کوئی قوت ہی نہیں ہوتے) اصل قوت خود حکمران طبقہ ہوتا ہے یا ثانوی قوت اس طبقے کے امراء، مصاحبین اور عمال کی ہوتی ہے۔ اصل قوت کو ضلالت اور بے دینی کی راہ سے اگر موڑا جا سکتا ہے تو اسی ثانوی قوت کے ذریعے کیونکہ حکمرانوں کا تخت اقتدار اسی (ثانوی قوت) کے بل بوتے پر قائم ہوتا ہے چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ شخصی استبداد کے طویل دور میں علمائے امت نے اصلاحِ اقتدار کا بالعموم وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے کیا۔ یعنی سلطنت کے اعیان وامراء میں دین کا شعور پیدا کیا اور ان کے دلوں میں غیرت وحمیت دین کی آگ روشن کی اور پھر ان کے ذریعے اصلاحِ احوال کی سعی کی۔ [۵]

حضرت مجدد نے پہلا کام یہ کیا کہ انہوں نے اپنے ارادت مند امرائے دربار کی فکری اور شعوری تربیت کی۔ ان کے اندر اسلام کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے‘ اسلام کو اپنی عملی زندگی میں اپنانے‘ معروفات پر عمل پیرا ہونے اور منکرات سے بچنے کا شعوری جذبہ ابھارا۔ بے شک یہ حضرات خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کے مخلصین میں تھے اور ان سے اکتساب فیض کیا تھا۔ شاہی دربار میں پھیلی ہوئی بے دینی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں امید کی کرن تھے تو یہی‘ مگر ان کا یہ رنگ قلب وباطن کے تزکیے کا مرہونِ منت تھا جس کے لیے عقلی وعلمی استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی اور دربار میں جو جنگ درپیش تھی اس کے لیے عقلی اور علمی اسلحہ درکار تھے۔ درباری علماء نے اپنے حریفوں سے کردار کے میدان ہی میں نہیں علم واستدلال کے میدان میں بھی شکست کھائی تھی۔

یہ تربیت فکر وشعور اور تطہیر کردار وعمل کس انداز کی تھی۔ ذیل کے آئینے میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے دور کا ایک بڑا فتنہ شریعت کے ظاہری احکام پر باطن کی سعادت کو ترجیح دینا تھا۔ اس فتنے سے دنیا ہی نہیں عام لوگ اور امراء تک متاثر تھے۔ شریعت پر عمل ترک ہو چکا تھا۔ منکرات

فروغ پذیر تھیں جس سے ان کے اندر اکبر کے دین جدید کے تحت رونما ہونے والے اجتماعی تغیرات کا مقابلہ کرنے کی نہ سکت رہی تھی اور نہ ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اپنے ارادت مندوں کو نہ صرف باطنی سعادت مندی کی اصل حقیقت و اہمیت بیان کی بلکہ شریعت کے ظاہری احکام کی اطاعت اور انہیں عملی زندگی میں اپنانے کی بھی تلقین کی۔ شیخ فرید کو جو اکبر کے بااثر امرائے دربار میں سے تھے، تحریر فرماتے ہیں:

> حق تعالیٰ آپ کو ظاہری دولت اور باطنی سعادت سے نوازے۔ فی الحقیقت ظاہری دولت یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو شریعتِ مصطفوی ﷺ کے رنگ میں رنگ دے اور باطنی سعادت یہ ہے کہ اپنے باطن کو ماسوا اللہ کی گرفتاری سے آزاد کیا جائے۔ دیکھیں کون خوش نصیب ان دونوں عظمتوں سے مشرف ہوتا ہے۔
>
> کار ایں است وغیر ایں ہمہ ہیچ[6]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

> دیکھیے کس خوش نصیب کو حضور ﷺ کی سنت کی اتباع سے نوازا اور حضور ﷺ کی پسندیدہ شریعت کی پیروی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی صداقت پر ایمان لانے کے بعد تھوڑے سے عمل کی بجا آوری بھی عمل کثیر کے برابر ہوتی ہے۔...... مثلاً اگر سپاہی دشمنوں اور مخالفین کے غلبے کے وقت تھوڑا سا فکر و تردّد بھی کرتے ہیں تو زمانہ امن کے مقابلے میں اسے کئی گنا مقامِ اعتبار حاصل ہو جاتا۔[7]

خواجہ جہان کو لکھتے ہیں:

> دنیوی معاملات میں شریعتِ روشن کی پیروی کرنی چاہیے۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں شرعی حدود کو مدنظر رکھنا چاہیے اور ان حدود سے متجاوز

> نہیں ہونا چاہیے۔ مال و دولت اور چوپایوں کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے جو اللہ نے فرض کر دی ہے اور جب زندگی احکامِ شرعی سے آراستہ پیراستہ ہوگی تو دنیا کی تکالیف سے نجات مل جائیگی اور دنیا و آخرت ایک ساتھ مل جائیں گے۔ [۸]

عبدالرحیم خانخاناں[۹] کو لکھتے ہیں:

> ہمیں اپنی چند روزہ زندگی صاحبِ شریعت ﷺ کی اتباع میں گذارنی چاہیے۔ عذاب آخرت سے بچنے اور ابدی نعمتوں سے ہمکنار ہونے کا انحصار اسی اتباع و اطاعت پر ہے۔ پس مال و دولت اور مویشیوں کی زکوٰۃ پوری پوری ادا کرنی چاہیے اور بجز اطاعتِ رب کے اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ کھانے پینے کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ ادائے اطاعت کے لیے قوت حاصل ہو۔ نفیس کپڑے پہننے سے **خذوا زینتکم عند کلّ مسجد** کے سوا اور کوئی مقصود نہ ہونا چاہیے...... علیٰ ہذا القیاس ہر معاملے میں ان علمائے حق کے فتوے کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے جنہوں نے رخصت سے گذر کر راہِ عزیمت اختیار کی اور اسی (عزیمت) کو وسیلۂ نجات بنانا چاہیے۔ [۱۰]

اس سلسلے میں متنبہ فرمایا کہ اتباعِ شریعت کی زندگی کسی ناقص سالک سے نہیں ملے گی۔ عبدالرحیم خانخاناں کو لکھتے ہیں:

> اے بھائی! جان لیجیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ حیف ہے اس شخص پر جس نے اس کھیتی میں کچھ نہ بویا، اپنی فطری صلاحیتوں کی زمین کو بے کار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج ضائع اور برباد کر دیے، اور زمین دو طریقے سے ضائع اور بیکار جاتی ہے۔ اول یہ کہ اس میں کاشت نہ کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اس میں ناپاک اور خراب بیج ڈالا جائے۔ اور ضیاع و بربادی میں یہ دوسری قسم پہلی قسم سے زیادہ مضر اور فساد انگیز ہوتی

> ہے۔ بیج کے ناپاک اور خراب ہونے سے مراد یہ ہے کہ ناقص سالک سے طریقہ اخذ کیا جائے اور اس کی راہ پر گامزن ہوا جائے۔ کیونکہ ناقص سالک حرص و ہوا کا متبع ہوتا ہے۔ اور صاحبِ حرص و ہوا تاثیر سے تہی دامن ہوتا ہے۔ بالفرض اس میں تاثیر ہو بھی تو وہ حرص و ہوا ہی کی زیادتی کا باعث ہوگی......

دنیا طلبی جاہ و ریاست کی محبت اور نفس پرستی وہ سہ گونہ امراض تھے جنہوں نے اکبری دین کے فتنے کی جڑیں پھیلانے اور اسے ہوا دینے میں اہم حصہ لیا تھا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے ارادت مند امراء کو ان سے بچانے کی کوشش بھی کی۔ شیخ فرید[١١] کو نصیحت فرماتے ہیں:

> دنیا بظاہر شیریں ہے اور تر و تازہ نظر آتی ہے لیکن فی الحقیقت زہرِ قاتل، متاعِ کاذب اور دامِ بلا ہے۔ اس کا منظورِ نظر ذلیل و خوار اور اس کا عاشق فاتر العقل ہوتا ہے۔ اس کی مثال سونے میں مڑھی ہوئی نجاست اور شکر ملی ہوئی زہر کی ہے۔ دانا وہی ہے جو اس کھوٹی متاع پر فریفتہ نہ ہو اور خراب اسباب کا اسیرِ دام نہ ہو۔ [١٢]

انہی کو ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں:

> انسان کے نفسِ امارہ کی فطرت میں جاہ و ریاست کی محبت گندھی ہوئی ہے۔ اس کا مقصود اپنے ہم سروں پر ہمہ تن تفوق حاصل کرنا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج اور اس کے اوامر و نواہی کی پابند ہو جائے اور وہ کسی کا محتاج اور محکوم نہ ہو۔ گویا وہ خدائے بے مثل کے ساجھی اور شریک ہونے کا مدعی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ اس نامسعود شرکت پر بھی راضی نہیں ہوتا اور خواہاں ہوتا ہے کہ اکیلا وہی حکمران ہو اور ساری دنیا اس کے آگے محکوم و نگوں سار۔ حدیث قدسی میں ہے ''اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے۔'' لہٰذا جاہ و ریاست اور برتری اور تکبر وغیرہ جو نفس کا مقصود و مطلوب ہیں، ان کے حصول کے لیے

> نفس کو پالنا درحقیقت اسے اللہ تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور قوت دینے کے مترادف ہے۔[۱۴]

ایرانی امراء اور علماء کے افکار و عقائد ایک اور بڑا فتنہ تھے جن کی وجہ سے مسلمان امراء کے اندر اکبر کے خلافِ شریعت اقدامات کی مزاحمت کی قوت ختم ہو کر رہ گئی تھی اور انہیں ''دین جدید'' کا نرم چارہ بنا دیا تھا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے اس جانب بھی توجہ فرمائی اور اپنے مکتوبات میں امراء کو اس سے خبردار رہنے اور اہلِ سنّت کے عقائد سے واقفیت بہم پہنچانے اور انہیں حرزِ جاں بنانے کی تلقین کی۔ شیخ فرید کو لکھتے ہیں:

> یہ فقیر آپ کی صحبت سے دور ہے۔ خبر نہیں کہ آپ کی مجلسوں میں کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور آپ کی خلوت و جلوت کا ساتھی کون ہے۔
>
> خوابم بشد از دیدہ دریں فکرِ جگر سوز\
> کآغوشِ شد کہ شد منزلِ و آسائش خوابت
>
> یہ بات یقینی طور پر جان لیں کہ بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ فساد انگیز ہوتی ہے۔ اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ بُغض رکھتے ہیں۔ قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب رضی اللہ عنہم ہی نے کی ہے۔ ان پر طعن سے قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کریم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہ کے مابین جو جھگڑے اور نزاع ہوئے ان میں نفسانی خواہشات کا دخل نہیں تھا اس لیے کہ خیر البشر ﷺ کی صحبت میں ان کے نفوس کا تزکیہ ہو چکا تھا اور وہ نفسِ امارہ سے آزاد ہو چکے تھے......
>
> آپ کو چاہیے کہ قطب زماں مخدوم جہانیاں قدس سرہ کی معتبر کتابیں تھوڑی تھوڑی ہر روز آپ کی مجلس میں پڑھی جاتی رہیں۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی

مدح وتوصیف کن الفاظ میں کی ہے اور کس ادب کے ساتھ انہیں یاد کیا ہے۔[14]

خواجہ جہان کے نام لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو زندہ سلامت رکھے، آپ کو شرح صدر اور نفس کی پاکیزگی عطا کرے...... یہ سب کچھ بلکہ روح، سرِ خفی اور اخفی کے سارے کمالات حضرت سید المرسلین ﷺ کی اطاعت واتباع کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آپ کو نبی ﷺ کی اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی کو لازم پکڑنا چاہیے۔ کیونکہ وہ ہدایت کے ستارے اور ولایت کے آفتاب ہیں۔ جس شخص کو ان کے اتباع کا شرف حاصل ہوا۔ فقد فاز فوزاً عظیما (وہ عظیم فوز وفلاح سے بہرہ یاب ہوا) اور جس نے ان کی مخالفت کی فقد ضل ضلالاً بُعیدا (وہ سخت گمراہ ہو گیا)۔[15]

تربیت فکر وشعور اور تطہیرِ نگاہ وکردار کا یہ مرحلہ خدا جانے کتنا دراز ہوتا کہ ۱۶۰۵ء میں اکبر کو موت نے آلیا اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کسی توقف کے بغیر دوسرے مرحلے میں گامزن ہو گئے۔

جہانگیر کی تخت نشینی میں بھی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ان عقیدت مند امراء کا ہاتھ تھا۔ الحاد اور بے دینی کے علمبردار امرائے دربار جہانگیر کے بیٹے خسرو کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ اسلام پسند امراء نے جہانگیر کی حمایت اس شرط پر کی تھی کہ وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اکبری دین کا قلع قمع کرے گا اور شریعت اسلامی کو رائج ونافذ کرے گا۔ جہانگیر نے اپنے قول وقرار کو اس طرح نبھایا کہ اکبری دین کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ اس دین کے پرجوش عقیدت منداور مبلغ اکبر کی زندگی ہی میں مر چکے تھے۔ اس طرح اس کا دین اپنی موت آپ مرگیا، تاہم ملک وملت کی اجتماعی زندگی پر اس کے جو اثرات مرتب ہو چکے تھے وہ بدستور موجود تھے۔ مسلمان حاکم قوم ہونے کے باوجود مظلوم ومجبور تھے اور غیر مسلموں کی زیادتیوں کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ جہانگیر کے ان ابتدائی ایام میں مسلمانوں کی حالت زار اور کفار کی دلیری کا ذکر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب میں بھی ملتا ہے۔ خان اعظم[16] کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> اسلام کی غربت اور بے چارگی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر

> زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ احکام کفر کو بے دھڑک جاری کرتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ انہیں اسلامی احکام کے اجراء سے روکا جاتا ہے اور ان کی بجا آوری پر انہیں مقہور و مطعون گردانا جاتا ہے۔ [۱۷]

لالہ بیگ کے نام رقم طراز ہیں:

> تقریباً ایک صدی سے اسلام پر غربت و بیکسی کا عالم طاری ہے...... اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شعار اسلامی کا اظہار کرتا ہے تو مار ڈالا جاتا ہے۔ گائے ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، کفار جزیہ دینے پر تو شاید رضا مند ہو جائیں، مگر گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ [۱۸]

اس کیفیت کے انسداد کے لیے منفی اقدام کے ساتھ مثبت اقدامات کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس مرحلے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے عقیدت مند امراء کو اسی کی ترغیب و دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ انہیں تلقین کرتے ہیں کہ بادشاہ کے سامنے مسائلِ شرعیہ اور کتاب و سنّت اور اجماع امت کے مطابق عقائد اسلامیہ واشگاف بیان کیے جائیں تاکہ لاعلمی دور ہو اور کوئی شخص بادشاہ کو نہ بہکا سکے۔ شیخ فرید کو لکھتے ہیں:

> آج کہ دولت اسلام کی ترقی میں مانع اسباب کے زوال اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کو پہنچی، اہل اسلام نے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے ساتھ تعاون اور ترویج شریعت اور تقویت ملّت کے متعلق اس کی راہنمائی کریں خواہ یہ امداد و تقویت زبانی ہو یا عملی۔ اولیں امداد یہ ہے کہ مسائلِ شرعیہ اور کتاب و سنّت اور اجماعِ امت کے مطابق عقائد اسلامیہ کو واشگاف بیان کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ بادشاہ کو غلط راہ پر ڈال نہ سکے اور کام کو بگاڑ نہ ڈالے...... چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور اس کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی استطاعت بخشی ہے

> اس لیے آپ سے توقع ہے کہ خلوت وجلوت میں شریعت محمدی کی ترویج کی پوری کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو غربت و بے چارگی کے عالم سے نکالیں گے۔'' ۱۹

خان جہان ۲۰ کے نام لکھتے ہیں:

> آپ جانتے ہیں بادشاہ روح کی مانند ہوتا ہے اور باقی انسان جسم کی مثال۔ اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح اور سالم رہتا ہے اور اگر روح میں کوئی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو سارا جسم اس بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنے کے مترادف ہے اور یہ اصلاح اسلامی تعلیمات کے اظہار سے ہو سکتی ہے۔ اس طرح کہ جب بھی موقع ہاتھ آئے اہل سنّت والجماعت کے معتقدات کے موافق صحیح اسلامی تعلیمات بادشاہ کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب کی تردید کی جائے۔ اگر یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آ جاتی ہے اور آپ کو تو یہ دولت مفت مل رہی ہے اس کی قدر و قیمت جاننی چاہیے۔ ۲۱

پھر حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ ان اصحاب کو وقت کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلاتے ہیں کہ کام کا وقت یہی ہے اسے ہاتھ سے کھو دیا تو منزل مقصود آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گی اور گمراہ درباری بادشاہ کو غلط راستے پر ڈال دیں گے اور پھر ماضی کے شب و روز پلٹ آئینگے۔ خان اعظم کے نام رقم طراز ہیں:

> جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے کام اور باتوں میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی دینی عظمت اپنے ہم عصروں کی نگاہ میں ظاہر ہو گئی ہے یہ کوشش فرمائیں کہ اہلِ کفر کے وہ بڑے بڑے رسوم و شعائر جو مسلمانوں میں رائج کر دیے گئے ہیں مٹا دیے جائیں اور مسلمان ان منکرات سے محفوظ ہو جائیں...... پچھلی حکومت کو دینِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

۶۱

> ساتھ عناد معلوم ہو تو جودہ حکومت میں بظاہر وہ عناد نہیں ہے اور اگر ہے، تو لاعلمی کی بنا پر...... ڈر یہ ہے کہ کہیں یہاں بھی عناد کارفرما نہ ہو جائے اور مسلمانوں کے لیے معاملہ اور بھی تنگ ہو جائے۔
>
> ع چو بید برسرِ ایمانِ خویش می لرزم[۲۲]

صدر جہاں کے نام لکھتے ہیں:

> اب جب کہ سلطنت میں انقلاب آ گیا ہے اور غیر مسلموں کا جذبۂ عناد ٹوٹ چکا ہے۔ ائمہ اسلام، وزراء اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ باہمہ قوت احکامِ شریعت کی ترویج میں لگ جائیں۔ سب سے پہلے ان ارکان اسلام کو قائم کریں جنہیں عہد ماضی میں منہدم کر دیا گیا تھا۔ تاخیر میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہے۔ اس تاخیر و تعویق سے ہم غریبوں کے دلوں میں سخت اضطراب برپا ہے۔ زمانہء ماضی کے شدائد و مصائب سے مسلمانوں کے دل ابھی تک متاثر ہیں۔ ایسا نہ ہو ان کا تدارک نہ ہونے پائے اور اسلام کی غربت اور بڑھ جائے۔" [۲۳]

لالہ بیگ[۲۴] کے نام رقمطراز ہیں:

> اگر آغاز حکومت ہی سے اسلامیت نے رواج پا لیا اور مسلمانوں نے اپنا وقار قائم کر لیا تو فبہا لیکن اگر معاذ اللہ کچھ بھی وقفہ پڑ گیا تو مسلمانوں کا معاملہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث، ثم الغیاث، الغیاث۔ [۲۵]

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس کام کی انہیں بار بار تاکید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر اس تبلیغِ حق اور دعوتِ دیں کی پاداش میں سختیاں اور مصائب بھی جھیلنا پڑیں تو گریز نہیں کرنا چاہیے۔ شیخ فرید کو لکھتے ہیں:۔

> بہر حال مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے بادشاہ کو مطلع کرنا ضروری ہے۔ جب تک ایسا نہ ہو گا علماء اور بادشاہ کے مقربین اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ ایسی گفتگوؤں کی پاداش میں اگر تکلیف بھی اٹھانی پڑے، تو بڑی

> سعادت ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکامِ شرعی کی تبلیغ میں کیا کیا مصائب و شدائد نہیں جھیلے اور کیا کیا رنج اور دکھ نہیں دیکھے ان کے گلِ سرسبد ﷺ کا ارشاد ہے۔ ما اوذی نبی مثل ما او ذیت۔ ''کسی نبی کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جتنی کہ مجھے''۔ ۲۶

اسی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ چار منتخب علماء کو دربار میں رکھنے پر آمادہ ہوگیا جو نفاذ شریعت میں اس کی رہنمائی کرسکیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اصولاً بادشاہ کے اس رجحان پر اظہار مسرت فرمایا۔ مگر اس تجویز میں جو خطرات پنہاں تھے اس سے اپنے ارادت مند امرائے دربار کو متنبہ فرمایا اور رہنمائی کی کہ چار کے بجائے ایک حق پرست عالم ہونا چاہیے۔ اسی سلسلے میں علمائے سوء سے خبردار رہنے کی تلقین فرمائی۔

شیخ فرید کے نام رقمطراز ہیں:

> **الحمد للہ علیٰ ذالک** ۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشخبری اور کیا ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ مژدہ جانفزا کون سا ہوگا......
>
> یہ حقیر اس سلسلے میں کچھ باتیں لکھنا ضروری سمجھتا ہے ......
>
> عرض یہ ہے کہ ایسے دیندار علماء بہت تھوڑے ہیں جن کے دل جاہ وامارت کی محبت سے خالی ہوں اور جو ترویجِ شریعت اور حمایتِ ملت کے سوا اور کوئی غرض نہ رکھتے ہوں۔ ان علماء میں اگر حب جاہ و منصب پیدا ہوگئی تو وہ ایک دوسرے کے حریف بن جائیں گے۔ ہر ایک اپنی فضیلت وعلمیت جتائے گا۔ پھر وہ اختلافی باتوں کو بیچ میں لے آئیں گے اور انہیں بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں گے۔ لامحالہ اس کام میں سخت مشکل پیدا ہو جائے گی۔ عہد ماضی میں علماء کے اختلافات ہی نے دنیا کو مصیبت میں ڈالا تھا اور اب پھر وہی معاملہ درپیش ہے۔ ترویجِ شریعت تو درکنار اندیشہ ہے کہ یہ تجویز پھر تخریب دین کا سبب نہ بن جائے (اس سے نیز علمائے سوء کے فتنے سے خدا کی پناہ) اگر اس مقصد کے لیے ایک عالم منتخب کیا جائے تو سعادت وخوش بختی کے کیا کہنے

> کہ ایسے عالم کی صحبت تو اکسیر ہے لیکن اگر ایسا عالم نہ ملے تو پھر اچھی طرح سوچ بچار کر کے گروہِ علماء میں سے جس کو بہترین سمجھیں اسے اختیار کرلیں......

علمائے دین کا کردار و علم اسلامی معاشرے میں جو اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

> جس طرح کہ مخلوقِ خدا کی نجات علماء کے سے ہے اسی طرح دنیا کا خسران بھی ان سے وابستہ ہے۔ بہترین علماء بہترین عالم ہیں اور ان میں سے بدترین، بدترین خلائق ہیں۔ دنیا کی ہدایت و گمراہی انہیں سے وابستہ ہے۔ ایک بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار اور مطمئن بیٹھا ہے۔ اس سے اس کا سبب پوچھا۔ بولا: اس زمانے کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں اور دنیا کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے وہی کافی ہیں۔ ے
>
> عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
> او خویشتن گم است چرا رہبری کند
>
> الغرض اس سلسلے میں صحیح غور و فکر کے بعد اقدام کی ضرورت ہے، جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی مداوا ہونے نہیں پاتا۔ ۲۷

صدر جہان کے نام لکھتے ہیں:

> سنا ہے! بادشاہِ اسلام اپنے اسلامی رجحانات کی بنا پر کچھ علماء چاہتے ہیں۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ جناب کو معلوم ہے گذشتہ دور میں جو بگاڑ بھی پیدا ہوا علمائے سوء کی بدبختی سے ہوا۔ اس معاملے میں خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر دیندار علماء کا انتخاب کیا جائے۔ علمائے سوء دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصد جاہ و مال اور خلقِ خدا کی نگاہوں میں قدر و منزلت کا حصول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے پناہ میں رکھے۔ ہاں جو اچھے علماء

> ہیں وہ بہترین لوگ ہیں۔ انہی کی روشنائی قیامت کے روز شہدائے
> فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری
> رہے گا۔ شر الناس شر العلماء و خیر الناس خیر العلماء۔[۲۸]

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے صرف اپنے ارادت مندا مرائے دربار ہی کو ترویجِ شریعت کی ترغیب و تحریک پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنے ایک مرید شیخ بدیع الدین کو لشکر شاہی میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھی بھیجا (۱۶۱۹ء) اس لیے کہ شخصی حکومتوں میں فوج ہی اقتدار کی ریڑھ کی ہڈی ہوا کرتی ہے۔ شیخ بدیع الدین کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور فوجی سپاہی اور افسر بڑی تعداد میں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ جس سے ملحد امرائے لشکر و دربار کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ فوج میں فکری و اخلاقی انقلاب کے معنی ان کی عظمت و جاہ اور منصب و اعزاز کی موت اور شریعتِ اسلام کی سربلندی کے تھے' چنانچہ انہوں نے سرتوڑ مخالفت کی۔ علمائے سوء جاہل صوفیوں اور اہلِ بدعت نے آلہ کار کا کام دیا۔ گوناگوں اتہامات تراش کر حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف ایک عام ''شورش'' کھڑی کر دی اور قتل تک کا فتوٰی دے دیا گیا۔ ادھر بادشاہ کے کان جس طرح بھرے گئے اس کا اندازہ خود جہانگیر کے بیان سے ہوسکتا ہے جو توزکِ جہانگیری میں درج ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے:

اس زمانے میں ایک عرضداشت پہنچی کہ شیخ احمد نامی ایک شخص نے دام مکر و فریب بچھا کر بے شمار ظاہر پرستوں کو اپنا شکار بنالیا ہے اور ہر شہر اور علاقے میں اپنے مریدوں میں سے ایک شخص کو جو دکان آرائی' معرفت فروشی اور مردم فریبی میں دوسروں سے پختہ تر ہوتا ہے اپنا خلیفہ بنا رکھا ہے اپنے مریدوں کے لیے خرافات اور لاطائل باتوں سے لبریز ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام مکتوبات ہے جس میں کفر و زندقہ کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں دربار میں بلوا بھیجا۔ دربار میں اس مردِ حق نے بادشاہ سے جس انداز کے ساتھ ملاقات کی اور جو کچھ باتیں ہوئیں ان کی تفصیلات سے معاصرانہ تذکرے خالی ہیں' البتہ اس ملاقات کے بعد جہانگیر نے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا' وہ دلچسپ بھی ہیں اور ان کے بین السطور میں پوشیدہ اس مردِ حق کی بے نیازی' بے خوفی اور حق گوئی و بے باکی کا پتا بھی دیتے ہیں۔ وہ توزکِ جہانگیری میں لکھتا ہے۔ ...... میں نے اس سے جو کچھ پوچھا معقول جواب نہ دے سکا۔ عقل و دانش سے بے بہرہ اور نہایت مغرور اور خود پسند دکھائی دیتا تھا۔ مجھے اس کی اصلاح احوال اسی میں نظر آئی کہ اسے

چند روز کے لیے زندانِ ادب میں قید کر دیا جائے تا کہ اس کے مزاج کی شورش اور دماغ کی آشفتگی دور ہو جائے اور عوام کی شورش بھی فرو ہو جائے۔ چنانچہ رائے سنگدلن کے حوالے کر دیا گیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید کر دے۔

بہر حال بعد کے تذکروں میں یہ ذکر ملتا ہے۔ کہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ جب جہانگیر کے سامنے حاضر کیے گئے تو انہوں نے دربار کے آداب و دستور کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہ کیا اور بڑی جرات کے ساتھ باتیں کیں اور ان کے جن اقوال کو بنیاد بنا کر علمائے سوء نے ان کے خلاف عام شورش اور بدظنی پیدا کی تھی، ان کے بارے میں اپنا حقیقی موقف پیش کیا جس سے بادشاہ لاجواب ہو گیا۔ وہ ان سے درگذر کرنا چاہتا تھا۔ مگر جن لوگوں نے یہ سارا کھیل کھیلا تھا انہوں نے یہ کہہ کر بھڑکا دیا کہ یہ شخص اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ حضرت ظل اللہ کو سجدہ کرنا بھی اسے گوارا نہیں۔ جہانگیر نے غضب ناک ہو کر انہیں قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دیدیا۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ گوالیار میں ایک سال تک قید رہے اور اس دوران میں سیکڑوں بندگان خدا کو راہِ حق پر لائے۔ قید کا یہ زمانہ انہوں نے نہایت صبر و عزیمت سے کاٹا۔ اس زمانے میں ان کے ذوق و شوق کا جو عالم تھا، وہ اپنی قسمت پر جس طرح صابر و شاکر تھے اور راہ حق میں آنے والے مصائب سے جس طرح لذت گیر ہو رہے تھے اس کا ذکر ان کے بعض مکتوبات میں ملتا ہے جو انہوں نے قید خانے سے لکھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی [۲۹] کے نام لکھتے ہیں:۔

> مصائب و شدائد میں اگرچہ تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں تاہم اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں سے بہرہ ور ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس دنیا کی بہترین دولت غم و اندوہ اور اس کے دسترخوان کی بہترین خوش ذائقہ نعمت درد و الم ہے۔ ان شکر پاروں کو اللہ تعالیٰ نے تلخ دوا کے باریک خول میں لپیٹ دیا ہے۔ اور اس طریقے سے آزمائش کا راستہ کھول دیا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی تلخی سے شیرینی کی طرح شاد کام ہوتے ہیں۔ [۳۰]

قید سے رہا ہوئے تو تین چار سال تک لشکر میں رکھے گئے۔ جہاں ارشاد و ہدایت اصلاح

روح و کردار اور تزکیۂ نفس کا فیضان جاری رہا۔ اپنے صاحبزادوں [۳۱] کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> لشکر میں ہمارا یہ غیر اختیاری اور بے خواہش قیام بے حد مفید ہے۔ یہاں کی ایک ساعت دوسرے مقامات کی بہت سی ساعتوں سے بہتر نظر آتی ہے۔ یہاں وہ کچھ میسر ہے جو دوسرے مقام پر نہیں ہوتا۔ یہاں کے علوم و معارف اور اس مجمع کے احوال و مقامات بالکل نرالے ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے جو تکلیف ہے اسے اپنے بزرگ و برتر آقا کی کمال مہربانی اور رضا مندی کا دروازہ سمجھتا ہوں اور اس قید کو اپنے لیے باعث سعادت گردانتا ہوں۔ [۳۲]

اس قیام کے دوران میں بادشاہ کے ساتھ صحبتیں بھی رہیں اور گفتگوئیں اور مذاکرات بھی ہوئے۔ صاحبزادگان کے نام ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> اس جگہ کے حالات لائقِ حمد و سپاس ہیں۔ شب و روز عجیب و غریب صحبتوں میں گزر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے دینی امور اور اسلامی اصولوں کے سلسلے میں جو مذاکرات اور گفتگوئیں ہوتی ہیں ان میں ذرہ بھر غفلت و مداہنت راہ نہیں پاتی۔ وہی باتیں جو خلوتوں اور خصوصی مجلسوں میں ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کی توفیق سے ان معرکوں میں بیان ہو رہی ہیں۔ ایک مجلس کا ذکر بھی کروں تو دفتر درکار ہے۔ خصوصاً آج رات کہ رمضان المبارک کی پندرہویں رات تھی۔ بادشاہ کے سامنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقصد بعثت، عقل کی ناپختگی، ایمان بالآخرت، اس کے عذاب و ثواب، اللہ تعالیٰ کے دیدار، ختم نبوت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین کی پیروی، تراویح کی سنتوں، تناسخ کا باطل ہونے، جن اور جینوں کا ذکر اور ان کے عذاب و ثواب کا مسئلہ اور اسی نوعیت کے مسائل کا ذکر رہا...... الحمد للہ کہ بادشاہ دل جمعی سے سنتے رہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر ان کی حالت میں رونما نہ ہوا۔ [۳۳]

ان صحبتوں اور گفتگوؤں سے بادشاہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کہاں تو وہ عالم تھا کہ ابتدائی عہد حکومت میں اس کا رویہ محض منفی نوعیت کا تھا اور مثبت اقدامات سے گریز کیا جاتا تھا۔ جس سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ یہ خطرہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اہل اسلام کی بے چارگی میں کہیں مزید اضافہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے صدر جہاں کو اس طرف متوجہ بھی کیا اور لکھا:

> جب بادشاہانِ اسلام کے دل میں ترویجِ سنت مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ نہ ہو
> اور ان کے مقربین بھی اپنے آپ کو معذور سمجھیں اور چند روزہ زندگی کو
> عزیز جانیں تو اہلِ اسلام پر معاملہ اور بھی تنگ اور سخت ہو جائے گا۔ ۳۴

اور کہاں یہ کیفیت کہ علاقہ راجوری (کشمیر) کے بعض مسلمان راجپوتوں کے متعلق جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے اندر ابھی تک ہندوانہ رسوم و عقائد موجود ہیں جس طرح ہندو عورتیں اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ عورتوں کو ان کے شوہروں کی میت کے ساتھ قبر میں زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو اسے قتل کر ڈالتے ہیں۔ ہندوؤں سے ان کی بیٹیاں لیتے ہی نہیں دیتے بھی ہیں، تو ایک فرمان کے ذریعے اس قسم کے امور کو ممنوع قرار دیا اور اعلان کیا کہ آئندہ جو شخص ان بدعتوں کا مرتکب ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ کانگڑہ فتح ہوا تو قاضی، میرِ عدل اور دیگر علمائے کرام کو قلعہ میں شعائرِ اسلام بجا لانے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اس کے سامنے اذان پکاری گئی، خطبہ پڑھا گیا اور گائے ذبح کی گئی۔ بعد ازاں اس کے حکم سے قلعہ میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی۔ وہی ''شیخ احمد'' جو چند برس پہلے جہانگیر کی نظر میں معرفت فروش اور مردم فریب تھے، اب اتنے محترم و معزز ہو جاتے ہیں کہ وہ انہیں اپنے سے گھڑی بھر کو جدا نہیں کرتا۔ اور شہزادہ خرم (شاہجہان) کو ان کے حلقۂ ارادت میں شامل کرتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

> بادشاہ (جہانگیر) از محبانِ شیخ شد، بحدیکہ گاہی آنجناب را از خود جدا نمی کرد
> وشہزادہ خرم را واصل حلقہ مریدانِ شیخ نمود چنانچہ تا عہد شاہجہان و عالمگیر
> بادشاہان باہمہ مجددیہ می شدند۔ ۳۵

اپنی سالگرہ پر ان کی خدمت میں دس دس ہزار روپیہ پیش کرتا نظر آتا ہے۔ اب اسے ہم یہ کہتے سنتے ہیں کہ میرے پاس ایک دستاویزِ نجات ہے اور وہ حضرت شیخ کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت

میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہ جائیں گے۔

آخر کار حق فتحیاب ہوا اور باطل ذلیل و نگوں سار۔ تاہم ترویجِ شریعت کے سلسلے میں جو احکام و قوانین نافذ ہوئے ان پر جزوی طور پر ہی عمل ہو سکا۔ کچھ جہانگیر کی آشفتہ مزاجی اور رند مشربی، کچھ ملحد امراء کی مزاحمانہ تگ و دو اور کچھ نور جہاں اور اس کے رشتہ داروں کا حکومت پر اثر، ان سب نے مل کر مملکت میں کسی بڑے اور ہمہ پہلو انقلاب کو نہ آنے دیا۔ البتہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ اس ساری جدوجہد کے نتیجے میں لشکر، دربار اور خود شاہی خاندان میں ایسا موثر عنصر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے آگے چل کر مملکت کے نظام کو پوری طرح اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے تین سال بعد ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کا انتقال ہوا اور اکبر کے تخت پر شاہجہان (اپنے بھائی شہریار کو جو نور جہاں کا داماد تھا، شکست دے کر) بیٹھا جس نے اجتماعی زندگی کے دھارے کا رخ بالکل پلٹ دیا۔

یہ تھا وہ کارنامہ جو حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے اس سارے کام میں بظاہر دینی رنگ ہی نظر آتا ہے۔ اسی لیے بعض تذکرہ نگاروں کو وہ سیاسی کام نظر نہیں آتا، جو حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اس دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر یا ایک مدت بعد تک کے تذکرہ نگاروں نے اس سیاسی کام کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں کیا۔ یہ غلط فہمی دراصل اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ہمارے اپنے عہد میں دین اور سیاست کا جو جدید مفہوم اور ان کے مابین تفریق کا نظریہ رائج و شائع ہو چکا ہے۔ ہم اسی نقطۂ نظر سے ماضی کے مصلحینِ امت اور مجددین اسلام کے کاموں کو جانچتے ہیں اور سیاسی کام صرف اسی کو کہتے ہیں جب کوئی بزرگ ہماری آج کی اصطلاح میں سیاسی کام کرتے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں دین و سیاست کے درمیان کوئی تفریق نہیں...... جب اسلام کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے ایک ایسا نظام حیات مراد ہوتا ہے جس میں مذہب اور سیاست باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کا خطِ امتیاز کھینچا نہیں جا سکتا۔ یہاں جو کام خالص مذہبی نوعیت کے ہیں ان کا سیاست سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور جسے ہم سیاست کہتے ہیں وہ دین کا جزو لاینفک ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ماضی کے تذکرہ نگاروں نے حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے سیاسی کارنامے کو ایک دینی کارنامے ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے امرائے دربار کے نام مکتوبات، لشکر میں ارشاد و ہدایت کے لیے شیخ بدیع الزمان کی جدوجہد، قید سے رہائی کے بعد لشکر میں خود

۶۱

حضرت مجدد کی تبلیغ وارشاد، بادشاہ کے ساتھ مختلف موضوعات پر مذاکرات اور گفتگوئیں بظاہر ان میں سے کوئی بات بھی آج کی اصطلاح میں سیاسی نہیں...... مگر ان سب کا جو مقصود تھا اور اس کے عملاً جو نتائج برپا ہوئے، وہ بجائے خود ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ایک سیاسی کام تھا۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......تحصیلِ علم اور مسندِ درس وتدریس پر متمکن ہونے کے بعد حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ اکبر آباد تشریف لے گئے تھے، جو ان دنوں دار السلطنت تھا اور ایک مدّت تک وہیں مقیم رہے تھے۔ اس قیام کے دوران میں چند واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ان ابتدائی دنوں میں اُن کی غیرتِ دینی اور دفاعِ حق کی تڑپ کا پتا چلتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ابو الفضل کی مجلس میں بالعموم جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں ابو الفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے اور علمائے اسلام کو بے وقر اور جاہل ثابت کرنا شروع کر دیا۔ حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المنقذ من الضّلال میں لکھا ہے کہ فلسفی جن علوم کی ایجاد کا دعوٰی کرتے ہیں ان میں سے جو کام کے علوم ہیں مثلاً ہیئت، نجوم، طب وغیرہ، وہ انہوں نے انبیائے قدیم کی کتابوں اور ان کے کلام سے چُرائے ہیں اور جو ان کی اپنی ایجاد ہیں مثلاً ریاضی وغیرہ وہ دینی نقطۂ نظر سے بیکارِ محض ہیں۔ ابو الفضل نے فرطِ جوش میں کہہ دیا کہ غزالی نے نا معقول بات کہی ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت ناگوار گذرا۔ فوراً اس کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اگر اہل علم کی صحبت کا شوق ہے' تو اس طرح بے ادبی کے الفاظ زبان سے نہیں نکالنے چاہییں۔ پھر کئی روز تک اس کی مجلس میں نہ گئے۔ حتّٰی کہ اس نے آدمی بھیج کر معذرت طلب کی اور انہیں بلا بھیجا۔ اسی زمانہء قیام میں انہوں نے ''ردِ روافض'' ایک رسالہ مشہد کے علمائے شیعہ کے رسالے کے جواب میں تحریر کیا، جس کا چرچا ہندوستان کے امراء اور سلاطین کی مجلسوں میں بڑے فخر وناز کے ساتھ ہو رہا تھا۔ حضرت مجدد ان محفلوں میں اس رسالے کی زبانی تردید بھی فرماتے رہے تھے۔ بعد ازاں افادۂ عام کے لیے مستقل رسالہ قلمبند فرما دیا۔

۲......رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام، ص۔ ۲۳۴

۳......ایضاً، ص۔ ۲۳۷

۴......ایضاً، ص۔ ۲۳۷

۵......لطف یہ ہے کہ جس طرح بعض اصحاب فکر ونظر شخصی حکومتوں میں آج کے جمہوری دور کے طرز پر تحریک چلائے بغیر

کسی کام کو ''کام'' تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اسی طرح بعض دوسرے اصحابِ علم وفکر آج کی جمہوری حکومتوں میں بھی جہاں اصل قوت حکمران نہیں ملک کے عوام ہوتے ہیں، یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ دینی کام اسی طرز پر ہونا چاہیے جس طرز پر کہ علمائے امت مطلق العنان شخصی حکومتوں کے سائے میں کرتے رہے ہیں یعنی جمہوری ظل اللّٰہوں اور ان کے امراء ومصاحبین کو وعظ ونصیحت اور بس۔

۶......مکتوب نمبر ۴۹ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۷......مکتوب نمبر ۵۰ دفتر اوّل، مکتوب امام ربانی

۸......مکتوب نمبر ۲۷ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۹......عبدالرحیم خانخاناں، بیرم خان خانخاناں کا شمار برصغیر میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ عبدالرحیم اسی کا بیٹا تھا۔ ۹۶۲ھ میں لاہور میں پیدا ہوا۔ بیرم خاں کے قتل کے وقت عبدالرحیم تین برس کا تھا۔ اس کی ماں حسن خان میواتی کی بھتیجی سلیمہ سلطان بیگم تھی۔ جسے بعد میں اکبر نے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس لیے اس کی پرورش اور تربیت اکبر ہی کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ اکبر اسے مرزا خان کہا کرتا تھا۔ بڑا ہی شکیل وجیہ تھا۔ تیغ وقلم دونوں کا دھنی تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں گجرات کی جنگ میں حصہ لیا اور بڑی بہادری سے لڑا۔ آگے چل کر سپہ سالار کے منصب پر فائز اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ احمد نگر‘ گجرات اور ٹھٹھہ وسندھ کی فتح اکبر کے دور میں اس کے نمایاں ترین کارنامے ہیں۔ اس طرح اس نے مغلیہ سلطنت کی حدود بڑھانے میں اہم حصہ لیا۔ علمی وادبی لحاظ سے خانخاناں کا درجہ نہایت ممتاز اور بلند تھا۔ عربی‘ ترکی‘ فارسی‘ سنسکرت اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ اس کی فارسی نثر نہایت شستہ‘ سادہ اور شگفتہ تھی۔ تزک بابری کا فارسی ترجمہ اسی کے قلم سے ہے۔ جو اپنے سادہ وشگفتہ انداز بیان کے لحاظ سے آج بھی فارسی نثر میں یکتا مقام رکھتا ہے۔

اقبال نامہ کا مصنف خانخاناں کے تذکرے میں لکھتا ہے:

> اس دولت ابدی کے عظیم ترین امراء میں سے تھا۔ حضرت عرش آشیانی کے عہد سلطنت میں اپنی شائستہ خدمات اور نمایاں فتوحات کی بدولت بڑا نام پیدا کیا......
>
> خانخاناں بڑا ہی لائق‘ صاحب کمال اور علم وہنر میں یکتائے زمانہ تھا۔ عربی‘ ترکی‘ فارسی اور ہندی زبانیں خوب جانتا تھا۔ فارسی وہندی میں اچھے شعر کہتا تھا اور اچھا سخن فہم تھا۔

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا۔ نہایت دقیق‘ مغلق اور مشکل عربی عبارت کے معنی نہایت آسانی سے بیان کر دیتا...... مآثرِ رحیمی میں ہے ایک مرتبہ شریف مکہ نے اکبر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت اتنی مشکل اور دقیق

تھی کہ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی لغت کے بغیر اس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ خانخاناں نے فوراً خط لیا۔ خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا چلا گیا۔ مآثرالامرا کا مصنف لکھتا ہے:

> خانخاناں قابلیت و استعداد میں یکتائے زمانہ تھا۔ عربی/ فارسی اور ترکی و ہندی زبان پر رواں تھی شعر خوب سمجھتا اور کہتا تھا۔ رحیم تخلص کرتا تھا۔ کہتے ہیں دنیا میں مروّج اکثر زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔

خانخاناں فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس نے اپنے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا، مگر اب نایاب ہے، البتہ مآثر رحیمی میں، جو عبدالباقی نہاوندی نے خانخاناں کی زندگی ہی میں لکھی تھی، اس کے فارسی کلام کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ خانخاناں اپنے عہد کے بڑے بڑے باکمال شعراء کے مقابلے میں غزلیں کہتا تھا۔ فارسی نثر کی طرح فارسی شاعری میں بھی صفائی، دلآویزی اور شستگی ہوتی تھی۔ سوز و گداز سے بھی بہرۂ وافر ملا تھا۔ اس کے دربار میں شعر گوئی کا ہمیشہ چرچا رہتا تھا۔ طرحی مصرعوں پر غزلیں کہی جاتی تھیں۔ ایک بار طرح تھی، چنداست، پنداست، فرزنداست۔ اکبری دربار کے تمام شعرأ نے خیال آرائی کی مگر بازی خانخاناں لے گیا۔ اس کی اس غزل کے چند اشعار یہ ہیں:

شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند است   جزیں قدر کہ دلم سخت آرزو منداست
ادائے حقِ محبت عنایت است زِ دوست   و گرنہ خاطرِ عاشق بہ ہیچ خورسنداست
نہ زلف دانم و نے دام ایں قدر دانم   کہ پائے تابسرم ہر چہ ہست در بنداست
بہ کیشِ صدق و صفا حرفِ عہد بیکار است   نگاہِ اہلِ محبت تمام سوگنداست
مرا فروخت محبت ولے ندانستم   کہ مشتری چہ کس است و متاعِ من چنداست
ازاں خوشم بسخنہائے دلکشِ تو رحیم   کہ اندکے بہ ادا ہائے عشق مانداست

خانخاناں کی ہندی شاعری کے متعلق مآثر رحیمی کا مصنف رقمطراز ہے:

> ہندی زبان میں خانخاناں نے یدِ بیضا کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس زبان میں اس کے کتنے ہی ایسے پختہ اور دلنشیں شعر ملتے ہیں کہ خود اہل زبان کے ہاں نہیں ملتے۔ فارسی کے شعرأ کو جس احسان و انعام سے نوازا ہندی زبان کے شعراء کے ساتھ بھی برابر وہی سلوک کیا۔ اس زبان کے شاعروں نے ان کی مدح و توصیف میں جتنا کچھ کہا ہے اس کے مقابلے میں فارسی شاعروں نے عشر عشیر بھی نہیں کہا۔

خانخاناں کے پاس ایک بہت بڑا بے نظیر کتب خانہ تھا جو اس کے اعلیٰ علمی ذوق کی شہادت دیتا تھا۔ اس کتب خانے میں اس

عہد کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھ کر داخل کیے تھے۔ دربار اکبری کے اکثر بلند پایہ شاعر عبدالرحیم خانخاناں ہی کے صحبت یافتہ تھے۔ اس کی علم پروری اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ شیرازی کو سونے میں تلوادیا۔ نظیری نے ایک مرتبہ کہا اس نے ایک لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا۔ خانخاناں کے حکم سے ایک لاکھ کا ڈھیر اس کے سامنے لگا دیا گیا۔ پھر یہ ڈھیر اس کے گھر بھجوا دیا۔ گنک کوئی نامی ایک ہندی شاعر کو اس نے ایک بار ۳۶ لاکھ روپے انعام میں دیے۔

عبدالرحیم خانخاناں کا باپ بیرم خاں کا رجحان تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ اسی بنا پر بیرم خان کو شیعہ سمجھا جاتا ہے اور خانخاناں کے متعلق بھی یہی خیال کیا جاتا ہے۔ خانخاناں ایک غیر متعصب امیر تھا اس کے دربار سے شیعہ اور سنی دونوں علماء وابستہ تھے۔ خود وہ شیعہ سنی جھگڑوں سے بالاتر رہتا۔ پختہ دینی شعور رکھتا تھا اور حمیتِ دین سے بھی بہرہَ وافر ملا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے اس کی خط وکتابت رہتی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تو اس سے ملک میں دینی انقلاب لانے میں ممد ہونے کی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ خانخاناں ان اکبری امراء میں سے ہے جن کی فکری تطہیر اور تربیت کردار سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد دلچسپی تھی۔

۱۰......مکتوب نمبر ۷۰ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۱۱......شیخ فرید بخاری، بخارا کے رہنے والے تھے۔ پورا نام فریدالدین تھا۔ عہد اکبری میں میر بخشی کے منصب پر فائز تھے۔ اکبر کی زندگی کے آخری سالوں میں ان کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اور نائب دیوان (نائب وزیر اعظم) بن گئے...... محکمہ مالیات کا شعبہ تنخواہ ان کے ذمے تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی میں شیخ فرید کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس لیے جہانگیر کے عہد میں ان کا مرتبہ ومقام بہت زیادہ بلند ہوگیا۔ خسرو کی بغاوت فرو کرنے کے صلے میں جہانگیر نے انہیں نواب مرتضٰی خان کا خطاب، پنج ہزاری منصب اور نقارہ وعلم اور اسپ مع ساز وکمر بند مرصّع عطا کیا۔ جہانگیر اپنی توزک میں ان کے متعلق لکھتا ہے:

> شیخ فرید میرے باپ کے عہد میں میر بخشی تھا۔ میں نے ۲۱ر محرم ۱۰۱۵ھ کو اسے پنجاب کا جو تمام ممالک محروسہ میں سب سے بڑا صوبہ ہے، صوبہ دار مقرر کیا اور شال خاصہ عنایت کی۔

کارنامۂ جہانگیری میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے انہیں خلعت وشمشیر مرصع اور دوات وقلم مرصع عنایت کرنے کے علاوہ صاحب السیف والقلم بھی قرار دیا۔ شیخ تیغ وقلم دونوں کے دھنی بھی تھے، علم انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا تھا اور تلوار ان کے گھرانے نے بساطِ مشیمت بچھا کر سرکار دربار سے مدد معاش حاصل کرنے کو ترک کر کے اختیار کی تھی۔ شیخ نے پہلے اکبر اور پھر جہانگیر کے عہد میں مختلف جنگی مہموں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ حمیت دین میں

۶۱

نہایت گرم جوش تھے‘ اکبری الحاد اور بیدینی کی لائی ہوئی گمراہیوں کو ختم کرنے کے لیے حضرتِ مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے اصلاح وتجدید کی جو جدوجہد کی‘ اس میں شیخ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اسی کے اصرار پر جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد حکم جاری کیا کہ ملکی معاملات میں کسی خلاف شرع فعل کا ارتکاب نہ کیا جائے‘ شریعت حقہ کی ترویج واشاعت اور نفاذ واستحکام ان کی سب سے بڑی فکر تھی۔

شیخ مجموعہ کمالات واوصاف تھے۔ نیک اور متدین‘ جودوسخا کے پیکر‘ نیک کاموں میں دل کھول کر حصہ لیتے...... گھر سے نکلتے تو راستے میں مسکینوں کو کمبل‘ چادر اور کپڑے تقسیم کرتے جاتے۔ کسی کو نقد روپیہ اور کسی کو اشرفی دیتے‘ بیواؤں اور محتاجوں کے لیے یومیہ‘ ماہانہ اور سالانہ وظیفے مقرر تھے۔ غریب لڑکیوں کی شادی اور ان کے جہیز کا سامان کرتے۔ ان کے دسترخوان پر روزانہ پانچ سو سے ایک ہزار تک آدمی کھانا کھاتے تھے۔ کاروان سرائے اور عمارات تعمیر کراتے۔ مآثر الامراء میں ہے :

> شیخ کا ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ تھا۔ شجاعت اور سخاوت ان کی ذات میں جمع ہوگئی تھی۔ خلقِ خدا کے لیے ان کا فیض اور بخشش عام تھی۔ جو بھی ان کی خدمت میں پہنچتا‘ ناکام نہ لوٹتا۔

اقبال نامہ جہانگیری کا مصنف لکھتا ہے:

> شیخ کا ظاہر و باطن نہایت آراستہ اور سنجیدہ تھا۔ بزرگی اور دولت کو ان سے عزت وشرف حاصل تھا نہ کہ انہیں بزرگی اور دولت سے۔ شجاعت اور سخاوت کا مجموعہ اور بذات خود خیر تھے۔

جہانگیر کے گیارہویں سال جلوس میں شیخ کو کانگڑہ کی مہم پر مامور کیا گیا۔ ابھی یہ مہم سر نہ ہو پائی تھی کہ شیخ کا انتقال ہوگیا۔ جہانگیر ان کی وفات پر لکھتا ہے :

> ۳ ربیع الاول کو مجھے مرتضیٰ خاں کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ میرے قدیم دوستوں میں سے تھا۔ میں نے اس کا منصب شش ہزار اور پنج ہزار اسوار تک پہنچایا اور پنجاب کا ناظم مقرر کیا تھا۔ مجھے اس کی غمناک خبر سے بہت صدمہ ہوا۔

وفات کے بعد جب ان کا اثاثہ شمار کیا گیا‘ تو ایک ہزار اشرفیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس مردِ سخی نے اپنا سب کچھ اپنی زندگی ہی میں حاجت مندوں پر خرچ کر دیا تھا۔ مآثر الامراء کا مصنف شیخ کی خوبیوں اور فیاضیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> شیخ کا ظاہر وباطن آراستہ تھا۔ شجاعت کے ساتھ سخاوت کے بھی حامل تھے۔ ان کی

> عام بخشش اور فیاضی کا دروازہ لوگوں کے لیے کھلا تھا۔ جو بھی ان کے پاس پہنچ جاتا‘ اپنے آئینۂ خیال میں ناکامی کا چہرہ نہ دیکھتا...... خانقاہ کے لوگوں‘ توکل پسندوں‘ محتاجوں اور بیواؤں کے لیے ان کے یہاں سے یومیہ اور سالانہ رقوم مقرر تھیں‘ ان کی جاگیر اکثر و بیشتر مدِ معاش کے لیے تھی...... شراب فروشوں اور کلاونتوں کو کچھ نہ دیتے۔ کئی رباط اور سرائیں تعمیر کروائیں........

سبحان اللہ‘ شب و روز کی گردش اور انجم و کواکب کی رفتار وہی ہے‘ لیکن ملک اور زمانہ ایسے لوگوں سے خالی ہو گیا ہے۔ شاید وہ کسی اور دنیا میں جا بسے ہیں۔

۱۲......مکتوب نمبر ۵۰ دفتر اوّل

۱۳......مکتوب نمبر ۵۲ دفتر اول، مکتوباتِ امام ربانی

۱۴......مکتوب نمبر ۵۴ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۱۵......مکتوب نمبر ۲۵ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۱۶......خانِ اعظم، نام عزیز مرزا محمد ہے۔ اکبر کا کوکہ (رضاعی بھائی) تھا۔ اکبر اسے دوسرے تمام رضاعی بھائیوں سے زیادہ عزیز اور قابلِ احترام گردانتا تھا۔ مختلف سیاسی و جنگی کارنامے انجام دیے۔ جن کے صلے میں پنج ہزاری منصب اور خان اعظم کا خطاب عطا ہوا۔ اکبر کی حرکات اور پالیسیوں سے اسے سخت اختلاف رہتا‘ مگر جہاں ایسے اختلافات دوسرے امراء پر عتاب کا باعث بن جاتے تھے اکبر اس سے درگذر کرتا اور کہتا کہ میرے اور عزیز کے درمیان جوئے شیر حائل ہے۔ شاہی تقرب اور دنیوی وجاہت کی بنا پر دربار کے اکثر امراء اس سے خار کھاتے تھے۔ اس کی حق گوئی اور حق پسندی کو گستاخی قرار دیتے۔ اقبال نامہ کا مصنف معتمد خاں بخشی لکھتا ہے:

> خان اعظم بے نظیر مصاحب تھا‘ لیکن خباثت و نفاق میں سرآمدِ زمانہ تھا۔ درشت گفتار‘ کج کردار اور بدطینت۔

بایں ہمہ اس کے ظلم و ہنر سے یہ کٹر مخالف اور حاسد بھی متاثر تھے۔ معتمد خاں بخشی ہی لکھتا ہے:

> یہ تو اس کے عادات و خصائل تھے‘ کمالات یہ تھے کہ وہ ایک بے نظیر اور عدیم المثال مصاحب تھا۔ مدّعا نویسی‘ مسلسل گوئی اور تاریخ دانی میں یکتائے زمانہ تھا۔ نستعلیق بہت اچھی لکھتا تھا۔

ملّا بدایونی لکھتے ہیں:

> نہایت با اخلاق‘ نیک اور گوناگوں فضائل و ہنر سے متصف ہے۔ اس کا سا فہمِ عالی

اور ادراکِ بلند کسی دوسرے امیر میں نہیں پایا جاتا۔

تزکِ جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے:

> علمِ سیرت اور فنِ تاریخ میں مکمل استحضار حاصل تھا۔ تاریخ اور تقریر میں بے نظیر تھا۔ مدّعا نویسی میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ لطیفہ گو بھی بے مثال تھا اور اچھے شعر کہا کرتا تھا۔

طبقاتِ اکبری جلد دوم میں ہے:

> جُودتِ فہم، جدّتِ طبع اور علمِ تاریخ سے واقفیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

اقبال نامے کا مصنف خانِ اعظم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

> ''مشار' الیہ فہم وذکا' سلاست بیانی' چرب بیانی اور تاریخ دانی میں یکتائے زمانہ تھا۔ بڑا مستقل مزاج تھا۔ خطِ نستعلیق بہت خوب لکھتا تھا۔ مُلّا میر علی کے بیٹے مُلّا باقر کا شاگرد ہے۔ سبھی اربابِ استعداد اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا خط مشہور اساتذہ کے خط سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مدعا نویسی میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا لیکن عربی نہیں جانتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا عربی میں میری مثال ایک غریب دیہاتی کی سی ہے۔

خانِ اعظم انسانی نفسیات سے بھی واقف تھا۔ صاحبِ اقبال نامہ لکھتا ہے:

> وہ کہا کرتا تھا ایک شخص نے ایک بات کہی میں نے اس کو سچ سمجھا۔ اس نے اس بات میں مبالغہ آرائی سے کام لیا تو مجھے شک ہوا اور جب اس نے قسم کھائی تو میں سمجھ گیا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔

خانِ اعظم حق گو اور بے باک بھی تھا۔ اس نے اکبر کو الحاد کی راہ پر جانے سے روکنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ اسے اکثر سمجھاتا اور بسا اوقات شدید لب و لہجے میں، خوشامدی امراء اسے گستاخی اور یاوہ گوئی گردانتے، مگر اسے کچھ پروا نہ تھی۔ ابوالفضل اور بیربر سے تو بڑے زوردار معرکے رہتے تھے۔ اقبال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے خود ہی نہیں دوسرے امراء کو بھی ترغیب دی کہ وہ بادشاہ کو سمجھائیں۔ شاید اسی سلسلے میں اس نے ایک خط حاکم خاندیس راجہ علی خاں کے نام لکھا تھا جو جہانگیر کے زمانے میں پکڑا گیا۔ اس داستان کو اقبال نامہ کے مصنف معتمد خاں بخشی ہی کی زبان سے سنیے۔ سالِ اوّل جلوسِ جہانگیری کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

> اس سال کے عجیب واقعات میں خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ کی مراسلت کا انکشاف ہے جو اس نے راجہ علی خاں حاکم خاندیس سے کی تھی جس میں حضرت عرش آشیانی کی غیبت و بدگوئی کی گئی تھی...... اور بدطینتی اور یاوہ گوئی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا

تھا۔ جو کچھ زبانِ قلم پر آیا کسی مروّت اور لحاظ کے بغیر روئے کاغذ' بلکہ روئے دل سیاہ کر ڈالا۔ حضرت قبلہ گاہی کو اتہام پردازی کر کے ایسے عیوب سے منتسب کیا جن کو حضرت کے کتوں سے بھی منسوب کرنا کمینگی اور سگ نفسی ہے یہ خط قلعہ اسیر فتح ہونے کے بعد راجہ علی خان کے اسباب و اموال میں نکلا اور خواجہ ابوالحسن کے ہاتھ لگا۔ خواجہ نے کئی سال اپنے پاس رکھا۔ آخر ضبط نہ کر سکا۔ اس (خان اعظم) کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اس نے وہ خط شہنشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ بادشاہ نے بھرے دربار میں خان اعظم کو طلب کیا اور اسے خط دے کر کہا اس کو پڑھو۔ اس بے حیا نے بلا تامّل پڑھ کر سنا دیا۔ حاضرینِ دربار سب لعن طعن کرنے لگے۔ ہر چند وہ سخت ترین سزا کا مستحق تھا' مگر حضرت عرش آشیانی کی نسبتِ لطف و عنایت اس کے آڑے آئی' البتہ اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور چند دن نگاہ التفات سے محروم کر کے نظر بند رکھا۔

اکبر جب افہام و تفہیم کے باالحاد کی راہ پر گامزن رہا اور دربار کا رنگ بگڑتا گیا تو خان اعظم ترکِ وطن کر کے حجاز چلا گیا۔ بدایونی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

> اکبر کا یہ قاعدہ تھا کہ امرائے سرحد ہمیشہ وقتاً فوقتاً دربار میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اس سال خان اعظم کی طلبی کا فرمان صادر کیا گیا' وہ گذشتہ چھ برس سے دربار میں حاضر نہیں ہوا تھا...... آخری مرتبہ جب خان اعظم بنگالہ سے آ کر بازیاب ہوا' تو اُس نے دینی معاملات میں اکبر سے بڑا بحث مباحثہ کیا...... اکبر کے سامنے ابوالفضل اور بیربر سے تند و تیز گفتگو کی' چنانچہ وہ حاضری میں متامّل تھا۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ جام کی جنگ میں اس نے اپنی منّت کے مطابق داڑھی رکھ لی تھی۔ اکبر نے اس کے نام جو فرمان جاری کیا' اس میں طنزاً یہ بھی لکھا کہ ''تیری داڑھی اتنی بھاری ہے کہ تجھے آنے نہیں دیتی۔'' اس کے جواب میں خان اعظم نے ایک طویل اور نہایت سخت عریضہ ارسال کیا...... یہ جواب بادشاہ کے دل میں پھانس کی طرح کھٹک رہا تھا۔ منافقوں نے بھی اس کے خلاف بادشاہ کے خوب کان بھرے۔ دربار کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر خان اعظم اہل و عیال اور تمام مال و دولت لے کر جونا گڑھ سے بندر ویو اور وہاں سے حجاز چلا گیا۔

مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے جو خط اکبر کو لکھا اس کا ذکر پہلے حصے میں ہو چکا ہے، مگر وہاں خانِ اعظم زیادہ مدت نہ ٹک سکا...... بدایونی رقم طراز ہیں کہ:

> وہاں کے اُمراء کے ہاتھوں تنگ آ کر خان اعظم ہندوستان واپس آ گیا۔

ممکن ہے اسے ہندوستان کی حکومت کے اشارے پر تنگ کیا گیا ہو، اگرچہ اس باب میں کوئی قطعی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ تاہم دونوں ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان خاصے گہرے روابط تھے اور تحفہ تحائف کا تبادلہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اس لیے ایسا امکان بعید از حقیقت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ واپس پہنچتے ہی خان اعظم نے اکبر کے آگے سپر ڈال دی۔ بدایونی لکھتے ہیں:

> اب اس نے اپنی شانِ بے نیازی اور ساری صفاتِ حمیدہ کو خیر باد کہہ دیا۔ مریدانِ شاہی میں داخل ہو گیا۔ تسلیمات اور مقررہ لوازمات بجا لایا۔ حضورِ شاہ میں سجدہ تک گذارا۔ اس تغیر کے بعد سرکار دربار میں اس کا چراغ جلنے لگا۔ اب وہ محفلوں، بحث مباحثوں اور بات چیت میں ہر جگہ پیش پیش ہوتا...... بادشاہ نے اُسے غازی پور اور حاجی پور کا صوبہ جاگیر میں عنایت کیا۔ اب وہ ابو الفضل کے آگے زانوئے ادب تہ کر کے نئے مذہب کے احکام سیکھنے لگا۔

لیکن یہ ''شاہی مریدی'' محض مصلحت پر مبنی تھی۔ خان اعظم کو اپنی اس پستی کا خود بھی احساس تھا۔ جہانگیر نے تزکِ جہانگیری میں خانِ اعظم کی ایک رباعی کا ذکر کیا ہے۔ یہ رباعی اس کے اس احساس کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔ شاید یہ اسی دور میں کہی گئی تھی۔

عشق آمد از جنوں برو مندم کرد
وارستہ ز صحبتِ خرد مندم کرد
آزاد زبندِ دین و دانش گشتم
تا سلسلۂ زلف کسے بندم کرد

تاہم حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بدستور ارادت مند رہا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ترویج شریعت کے سلسلے میں جن امرائے دربار کے ساتھ سب سے زیادہ توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، خان اعظم ان میں سے ایک تھا۔ خان اعظم اکبر کے آخری ایام میں وکیلِ مطلق اور امیر الامراء تھا۔ بادشاہ کی مُہر اس کی تحویل میں تھی۔ مصلحت پر مبنی ''شاہی مریدی'' کے با اس کا دینی احساس زندہ تھا، جب ۱۶۰۲ء میں اکبر نے عیسائی مشنریوں کو مراعات دینے کا فرمان جاری کرنا چاہا، تو جن امراء نے اس کی مخالفت کی۔ ان میں

خانِ اعظم پیش پیش تھا۔

خانِ اعظم کی شعر گوئی کا ذکر تقریباً ہر صاحبِ ذوق تذکرہ نگار نے کیا ہے۔ خاصے اچھے شعر کہتا تھا۔

۱۷......مکتوب ۶۵ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۱۸......مکتوب ۸۱ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۱۹......مکتوب نمبر ۴۷ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۲۰......خان جہان لودی، پیر خاں نام تھا۔ دولت خاں لودی کا دوسرا بیٹا تھا۔ پہلے شہزادہ دانیال کے وابستگانِ دامن میں شامل تھا۔ اس کی وفات کے بعد جہانگیر کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ جہانگیر تخت پر بیٹھا تو اسے سہ ہزاری منصب اور صلابت خاں کا خطاب عطا ہوا۔ بعد ازاں اعلیٰ خدمات کے صلے میں پنج ہزاری منصب اور خان جہان کے خطاب سے سرفراز ہوا جہانگیر کے ساتھ اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اس کے مزاج میں اسے بڑا درخور حاصل تھا اور وہ اس کا کہا مانتا تھا۔ نہایت متدیّن اور حق پرست تھا۔ شیخ فضل اللہ برہان پوری کا ارادت مند تھا۔ اس کی راتیں بالعموم علماء اور صوفیہ کی صحبت میں گذرتیں۔ متبعِ کتاب و سنت تھا۔ اس کی مجالس بدعات سے بالکل پاک ہوتیں۔

۲۱......مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم، مکتوبات امام ربانی

۲۲......مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۲۳......مکتوب نمبر ۱۹۵ دفتر اوّل، مکتوبات امام ربانی

۲۴......لالہ بیگ، باز بہادر لقب تھا۔ جہانگیر کے اکابر امراء میں سے تھا۔ بنگال کی صوبہ داری پر فائز رہا۔ سنہ ۱۰۱۶ھ میں وفات پائی۔

اقبال نامہ" کا مصنف میرزا محمد معتمد خاں بخشی لکھتا ہے:

> جہانگیر قلی خاں مرزا محمد حکیم کے غلام زادوں میں سے تھا۔ پہلے لوگ لالہ بیگ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ مرزا کا انتقال ہوگیا تو حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہاں پناہ نے اپنے فرزند بلند اقبال شہنشاہ (جہانگیر) کو عنایت کر دیا۔ بڑا ہی قوی ہیکل تھا۔ صاحبِ نظر اور اسلامی جوش و جذبہ سے بہرہ مند اور حق پرست تھا۔ ہمیشہ اچھے اور پسندیدہ کام سرانجام دیتا تھا۔

مآثر الامراء میں ہے:

> بہ دین داری و حق پرستی شہرہ تمام داشت و در احراز مثنویات بسیاری کوشید۔

۲۵......مکتوب نمبر ۸۱ دفتر اوّل

۶۶

۲۶......مکتوب نمبر ۱۹۳ دفتر اوّل

۲۷......مکتوب نمبر ۵۳ دفتر اوّل

۲۸......مکتوب نمبر ۱۹۴ دفتر اوّل

۲۹...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ علاء الدین خلجی کے عہد میں برصغیر میں وارد ہوئے دہلی میں توطن اختیار کیا اور ممتاز فوجی مناصب پر فائز ہوئے۔ شیخ کے دادا شیخ سعد اللہ اور والد شیخ سیف الدین راہِ سلوک و طریقت کے راہرو تھے۔ شیخ سیف الدین شیخ امان پانی پتی کے مرید تھے اور وحدت ال کے قائل۔ تاہم شیخ عبدالحق کی تعلیم و تربیت ایک دوسرے ہی ڈھب پر ہوئی، جس کے نتیجے میں شیخ ہندوستان میں اقلیمِ حدیث کے تاجور قرار پائے۔

شیخ بچپن ہی سے علم کے بڑے شائق تھے۔ کھیل کود، آرام و آسائش اور بیکار وقت کا ضیاع آپ کو پسند نہ تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مطالعہ میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ کھانا تک بھول جاتے۔ ایک مرتبہ اسی انہماک میں چراغ کی لو سے پگڑی کو آگ لگ گئی اور پتا اس وقت چلا جب سر کو حرارت محسوس ہوئی۔ بائیس سال کی عمر میں تکمیلِ علم کی۔ پھر دارالسلطنت فتح پور سیکری، جو ان دنوں علماء فضلاء کا مرکز تھا، چلے گئے۔ شیخ یہاں دس بارہ برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس دوران میں شاہی دربار سے بھی تعلق پیدا ہوا۔ ابو الفضل، فیضی، مرزا نظام الدین بخشی، ملا عبدالقادر بدایونی سے راہ و رسم پیدا ہوئی۔ یہ حضرات شیخ کے علم سے بے حد متاثر تھے۔ ان کے ذریعے بادشاہ تک پہنچے۔ اس وقت شاہی دربار ملحدانہ افکار و نظریات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ شیخ خود کہتے ہیں کہ بادشاہِ وقت اور امراء نے انہیں اپنی جماعت میں شامل کرنے اور اپنی قوت بڑھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس دامِ خوش رنگ میں نہ آئے۔ انہوں نے شیخ موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، جو بڑے دبنگ عالم حق اور شیخ طریقت تھے۔ بادشاہ کی حاضری کے دوران میں نماز کا وقت آ جاتا تو اٹھ کھڑے ہوتے، وہیں اذان کہتے اور بادشاہ کے سامنے باجماعت نماز پڑھتے۔ بادشاہ اور دوسرے ملحد امراء بس دیکھتے رہ جاتے۔ انہی شیخ کے فیضِ صحبت سے شیخ عبدالحق محدث بہرہ یاب ہوئے تھے۔ انہوں نے دربار چھوڑ دیا، قدیمی تعلقات کو خیر باد کہا اور حج بیت اللہ کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ زادِ راہ پاس نہ تھا، توکل برخدا گجرات تک پہنچے جہاں مرزا نظام الدین بخشی نے زادِ سفر کا انتظام کر دیا۔

شیخ نے مکہ معظمہ میں وہاں کے ممتاز محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ شیخ مالوہ کے رہنے والے تھے اور مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے تھے اور وہاں شیخ عبدالوہاب الہندی کہلاتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب نظریہ وحدت الوجود اور صوفیہ کے غیر شرعی خیالات و افکار کے

کڑے ناقد تھے۔ ظاہر و باطن کو سنّتِ نبوی کے مطابق آراستہ کرنے پر بہت زور دیتے تھے اور متصوّفین نے ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت میں جو تفریق پیدا کر دی تھی، اسے غلط قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلکِ طریقت وہی مطابقِ حق تھا جو احکامِ شریعت سے رُوگردانی اور بے نیازی پر مبنی نہ ہو۔ شیخ عبدالوہاب ذکر و فکر، اور اوراد و ظائف سے زیادہ نکوعملی، اخلاق کی تہذیب اور علومِ دینی کی نشر و اشاعت کو اہمیت دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق کو قیام مکہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ فکر و عمل میں انہی کے رنگ میں رنگ گئے۔

آخر شیخ عبدالوہاب ہی کی ہدایت اور اصرار پر وطن واپس تشریف لائے اور دہلی میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعتِ حدیث و سُنّت میں مصروف ہو گئے۔ فیضی نے ہر چند پرانے تعلقات تازہ کرنے چاہے، مگر شیخ دامن کش رہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں گوناگوں فتنے اور غلط نظریات و افکار پھیل چکے تھے۔ تصوّف اور متصوّفین کی خیال آرائیوں اور شطحیات کو ان میں زیادہ دخل تھا۔ عوام ہی نہیں، اصحابِ علم بھی ان خیال آرائیوں اور شطحیات سے متاثر ہو رہے تھے۔ شیخ کے خیال میں ان غلط نظریات کا بڑا سبب حدیث و سُنّت سے بے خبری تھا، چنانچہ انہوں نے علمِ حدیث و سُنّت کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

شیخ کا شمار برصغیر کے ممتاز افاضل اور علمائے حدیث کے پیشرووں میں ہوتا ہے۔ امام حسن بن محمد صغانی پہلے محدث تھے جن کے ذریعے علم حدیث کی روشنی برصغیر میں پھیلی۔ قطب الدین ایبک نے انہیں لاہور کی مسندِ قضا تفویض کی تھی۔ ایک مدت تک اس منصب پر رہے۔ اور پھر بغداد چلے گئے۔ وہیں خلیفہ مستنصر باللہ کی فرمائش پر ''مشارق الانوار'' لکھی۔ ''مشارق الانوار'' برِصغیر میں بے حد مقبول ہوئی۔ مدارس کے نصاب میں شامل کی گئی اور علماء نے شرحیں لکھیں۔ سولہویں صدی عیسوی میں علاء الدین علی نے کنز العمال لکھ کر برصغیر کے ذخیرۂ کتب احادیث میں بیش قیمت اضافہ کیا، تاہم شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ پہلے عالمِ دین تھے، جنہوں نے برصغیر میں حدیث کے فروغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ شیخ نے حدیث پر ایک درجن کتابیں لکھیں۔ جن میں مشکوٰۃ المصابیح کی عربی شرح لمعات التنقیح اور فارسی شرح اشعۃ اللمعات خاص طور پر مشہور ہیں۔ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے مجد الدین فیروز آبادی کی کتاب سفر السعادۃ کی شرح بھی لکھی۔ ان کے فیض بے بہا سے دہلی علم حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔

شیخ عبدالحق کے علم و فضل اور خدمت حدیث و سنت کا اعتراف ہر دور میں کیا گیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

> علوم عقلی و نقلی دونوں سے بہرۂ وافر ملا ہے اور مجموعۂ ہنر و کمال ہیں، تصوف میں بھی مقام بلند رکھتے ہیں۔

خافی خاں منتخب اللباب میں لکھتا ہے:

۔٦١

> علوم عقلی ونقلی پر ایک سو کتابیں تالیف کی ہیں۔ شرح مشکوٰۃ اور تاریخِ مدینہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں...... کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ سے واپسی پر آپ کی زبانِ صداقت بیان پر یہ کلمہ جاری تھا: جب تک میں نے بیت اللہ جا کر اور وہاں ایک مدت تک مقیم رہ کر احادیث کی تحقیق میں وقت صرف نہ کیا' مجھے خبر نہ تھی کہ بہت سی مشہور احادیث موضوع ہیں۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں لکھتے ہیں:

> مختلف علوم دینی خصوصاً حدیث شریف کے علم کی نشر و اشاعت اس نہج پر کی کہ دیارِ عجم کے علمائے متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کو یہ امتیاز حاصل نہ ہو سکا۔ علمی فنون' خصوصاً فن حدیث پر قابلِ اعتماد کتابیں تصنیف کیں' چنانچہ ہر زمانے کے علماء نے ان سے اکتساب علم کیا اور اپنا دستور العمل بنایا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> مولانا جمال الدین رحمتہ اللہ علیہ کے آخری عہد میں شیخ عبدالحق حجاز سے واپس آئے۔ اللہ نے ان کی عمر مبارک میں بڑی برکت دی اور ان کے درس وتصنیف نے ایک پورا سلسلہ تعلیم ملک میں عام کیا۔
>
> حضرت شاہ عبدالحق محدث جس دور علم و تعلّم کے بانی ہوے، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو ملک کی عام زبان تھی تصنیف وتراجم کی بنیاد ڈالی گئی۔ خود شاہ صاحب نے ''مشکوٰۃ'' وغیرہ کا ترجمہ کیا۔ پھر ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام نورالحق نے صحیح بخاری کا۔

اس سلسلے میں نواب صدیق حسن خان کی رائے کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا تا کہ ایک دوسرا نقطۂ فکر بھی سامنے آ جائے۔

> حنفی فقیہ اور دین حنیف کے علامہ ہیں۔ انہیں علومِ سُنّت سنیہ میں مہارت سے زیادہ فقہ میں دستگاہ حاصل ہے۔ اس لیے اہل الرائے کی جانب داری کی طرف مائل ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جگہ جگہ سُنّتِ صحیحہ کی حمایت بھی کی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ ان کی تصانیف میں ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کو پیش نظر رکھے۔

جہانگیر نے شیخ محدث سے ملاقات کے بعد توزک میں لکھا:

> دہلی کے گوشے میں بیٹھ کر توکل اور تجرید کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی صحبت بے

ذوق نہیں ہے۔

شیخ محدث بڑے حق گو اور حق پسند تھے۔ نصیحت حق کی خاطر ذاتی تعلقات اور عقیدت و محبت کے رشتوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے بعض خیالات پر انہوں نے بلا تامل گرفت کی تھی۔ شیخ محدث شاعر بھی تھے اور حقی تخلص کرتے تھے۔ ۹۴ سال دو ماہ عمر پائی۔ شاہجہان کے عہد (۱۶۴۲ء) میں انتقال فرمایا۔

۳۰......مکتوب نمبر ۲۹ دفتر دوم، مکتوبات امام ربانی

۳۱ (الف)......شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے فرزند ہیں۔ شعبان المعظم ۱۰۰۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> چھوٹی عمر ہی سے قبول و کرامت کے آثار اور ولایت و نجابت کے اطوار نمایاں تھے۔ حضرت قطب الولایت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ خُرد سال تھے اور حضرت خواجہ کی ظاہری ملازمت میں نہیں پہنچے تھے، لیکن حضرت خواجہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ محمد سعید حریف ہے ہم سے غائبانہ نسبت لے گیا ہے۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے اور سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری معقول و منقول میں تکمیل کی۔ اپنے والدِ بزرگوار کی طرح تشرع و تقویٰ اتباعِ سُنّت اور عزیمت سے بدرجہ کمال آراستہ و پیراستہ تھے۔ گفتگو نہایت نرم ہوتی تھی، تواضع اور انکسار کا مجسّمہ تھے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات میں بڑا اہتمام کرتے، جو کچھ م ہوتا تھا خرچ کر دیتے...... اپنی ہستی کی نفی ان کا طریقۂ حسنہ تھا۔ سندِ عالی کے ساتھ قرآن مجید کی تجوید فرمائی۔ حدیثِ نبوی میں سندِ جید اور اعلیٰ مرتبے کے حامل تھے۔ فقہ میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ ہمارے حضرت کو اکثر مسائلِ فقہ کی تحقیق کی ضرورت پڑتی تھی، چنانچہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے...... حضرت کے سامنے ہی مرتبہ کمال کو پہنچے اور خلافت سے مشرّف تھے۔

اورنگ زیب عالمگیر ان کا بے حد عقیدت مند تھا۔ ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ کو وفات پائی۔

۳۱ (ب)......شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور دوسرے خلیفہ ہیں۔ عروۃ الوثقیٰ لقب تھا اور قیوم ثانی خلافت سلسلہ مجددیہ میں ان کا مقام۔ ۱۰ شوال ۱۰۰۷ ہجری میں تاریخِ ولادت

ہے۔ حضرت مجدد ان کی ولادت کو بے حد باعثِ برکت خیال کرتے تھے کہ چند ماہ بعد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ اکثر علوم اپنے والد بزگوار سے اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھے۔ بچپن ہی سے آثارِ سعادت عیاں تھے۔ یکم ربیع الاول ۱۰۳۴ھ کو مسندِ ارشاد و قیومیت پر متمکن ہوئے۔ آپ کے مرید برصغیر ہی میں نہیں بیرونی ممالک خراسان، ماوراء النہر، توران، طبرستان، سجستان، ترکستان، بدخشاں، کاشغر وغیرہ تک پھیلے ہوئے تھے جن میں اپنے وقت کے بڑے بڑے مشائخ اور شہزادے اور سلاطین شامل تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بھی آپ کا معتقد تھا۔ صرف خلفاء کی تعداد سات ہزار تک پہنچتی ہے۔

فرحت الناظرین میں ہے:

> اپنے والدِ بزرگوار شیخ احمد کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مریدوں کی تربیت اور ان کے احوال و وقائع کی تعبیر اور مشکلات کے حل میں اپنے بھائیوں اور اپنے عہد کے سارے شیوخ سے امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات مکتوبات کی تین جلدیں ہیں جن میں عجیب و غریب اسرار و نکات اور نادر علوم بیان کیے گئے ہیں۔ بادشاہ دین پناہ اورنگ زیب کی استدعا پر متعدد بار محل میں تشریف لے گئے جہاں بادشاہ خصوصی تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو انتقال فرمایا اور سرہند میں مدفون ہوئے۔

۳۲......مکتوب نمبر ۷۸ دفتر سوم، مکتوبا امام ربانی

۳۳......مکتوب نمبر ۴۳ دفتر سوم، مکتوبات امام ربانی

۳۴......مکتوب ۱۹۵ دفتر اول،

۳۵......خزینۃ الاصفیاء، حصہ اوّل ص ۶۱۳

☆......☆......☆

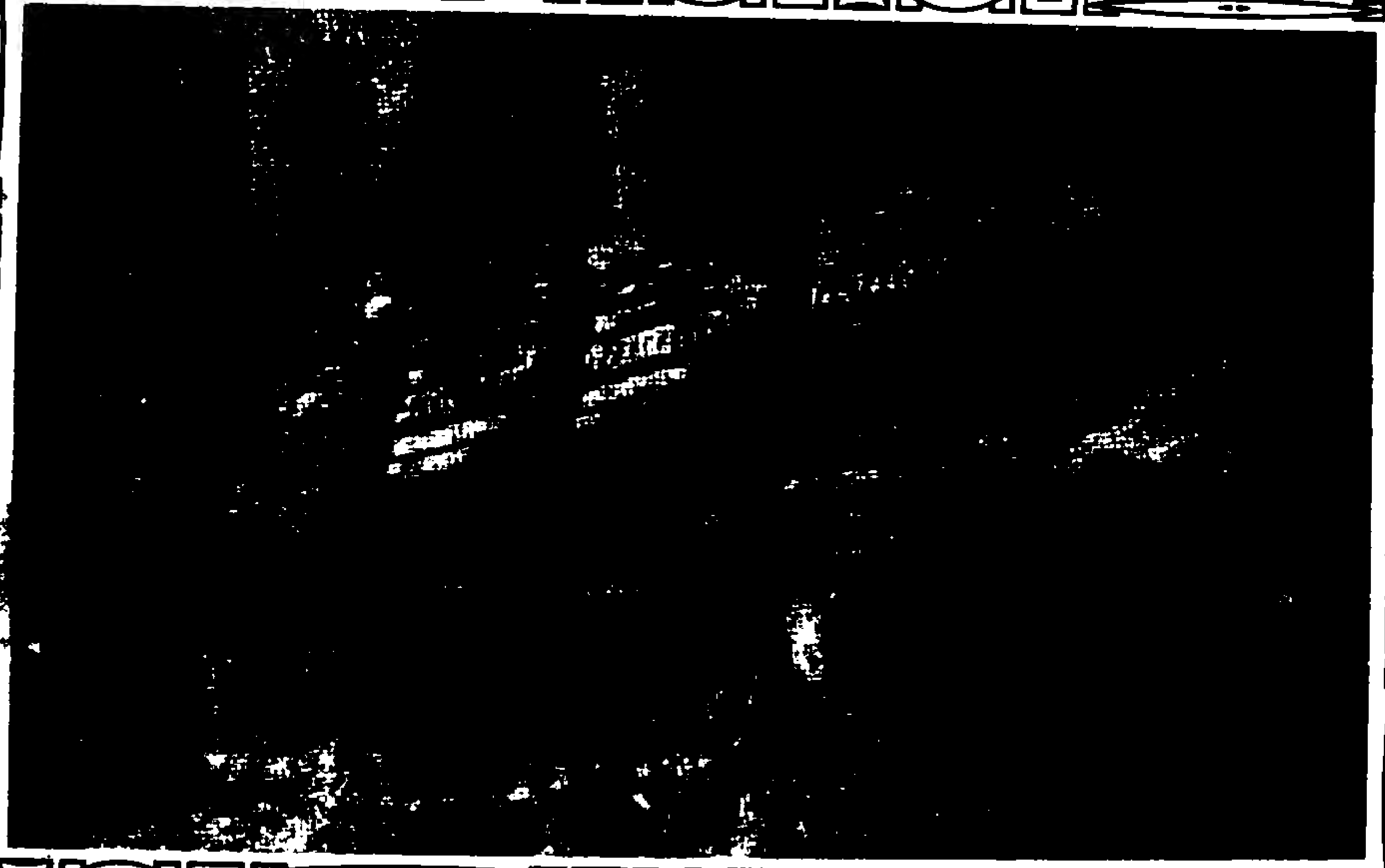

قلعہ گوالیار

قلعہ گوالیار جہاں ۱۰۲۸ھ میں جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محبوس کیا تھا۔ گوالیار۔ بھارت

۱۰۰

حضرت مجدد الف ثانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت کے خادموں میں سے ایک درویش نے بیان کیا کہ میں قلعہ گوالیار میں آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک بزرگ کا وہاں سے گزر ہوا تو بہت افسوس و حیرت سے آپ کو کہلا بھیجا کہ اس جگہ سے آپ کی رہائی ممکن معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اس آزار کا سبب رافضی لوگ ہیں اور یہ قلعہ بالفعل انہی لوگوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر وہ لوگ قلعہ کے اوپر سے پھینک دیں تو کون روکنے والا ہے؟ آپ نے ان کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میری رہائی (انشاء اللہ) ضرور ہونے والی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ جن کا حصہ میرے پاس ہے ان کو وہ حصہ پہنچانا ابھی باقی ہے اور یہ کام میری رہائی کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کی رہائی اس قلعے سے واقع ہوئی اور آپ کا ارشاد جلد از جلد ظہور میں آیا۔

(خواجہ بدرالدین سرہندی۔ حضرات القدس، جلد دوم، (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ، ص۔۲۰۵)

○

وہی صاحب بیان کرتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ حضرت قلعہ گوالیار میں یوسف علیہ السلام کی طرح محبوس تھے تو سرہند میں آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوگئی۔ میں بہت غمزدہ اور رنجیدہ ہوگیا۔ فاتحہ پڑھی۔ اسی رات (خواب میں) جب کہ میں گریہ کر رہا تھا، دیکھا کہ حضرت چند درویشوں کے ساتھ حجرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ ”اے شخص، میرے انتقال کی خبر جو مشہور ہوگئی ہے جھوٹ ہے۔“ جب میں بیدار ہوا تو میں اٹھا اور ہر طرف سے خبر معلوم کی، پے در پے اور تواتر سے لوگوں نے آپ کی عافیت کی خبر سنائی اور آپ اس کے بعد کئی سال تک حیات رہے۔

(خواجہ بدرالدین سرہندی۔ حضرات القدس، جلد دوم، (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ، ص ۲۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اکبر و جہانگیر اور مجدد الف ثانی

قاضی ظہور احمد اختر
(ایم۔ اے)

☆☆

دسویں صدی ہجری کا فتنہ پرور دور برصغیر پاک و ہند میں دینی اور فکری حیثیت سے بڑا اہم ہے دین برحق اسلام پر ہزار برس گزر چکے تھے شہنشاہ اکبر سریر آرائے سلطنت تھا یہ زمانہ اسلام کے لیے فتنوں کی یورش کا زمانہ تھا ایک طرف سلطنت مغلیہ کا الحاد اور اس کی ہندو بت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی دوسری طرف مصلحت اندیش اور منصب وجاہ کے طالب علماء کی سیاہ کاریاں اسمیں رخنے ڈال رہی تھیں اور تیسری طرف برخود غلط صوفی اپنی ہوا پرستیوں کی وجہ سے اسکی روح کو مسخ کر رہے تھے۔ لاوارث اسلام پر ضربِ کاری لگانے کے تمام سامان ہو چکے تھے۔ اس کا ضعف و اضمحلال اسکی غربت و کسمپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس تیرہ و تار دور میں اصلاح احوال کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک اور برگزیدہ بندے کو منتخب فرمایا جو اپنے وقت کے متبحر عالم اور حق پرست شیخ طریقت تھے وہ مجدد اعظم امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ تھے جو مجدد الف ثانی کے لقب سے ملقب ہوئے اور ہر قسم کی بدعات و منکرات اور الحاد و لادینیت کے لیے شمشیر قاطع ثابت ہوئے آپ کی مساعی جمیلہ نے اسلام کو برصغیر پاک و ہند میں صحیح مقام دلایا۔ یہ خاموش انقلاب کوئی آسان کام نہ تھا۔ آپ کے تجدیدی کارنامے کی قدر و منزلت کو سمجھنے کے لیے ہمیں دسویں صدی ہجری کے ان واقعات کا بالتفصیل جائزہ لینا ہوگا جنہوں نے اسلام کو ملک بدر کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

اکبر بادشاہ ابتدا میں اپنے آباء و اجداد کی طرح اسلام سے محبت رکھنے والا بادشاہ تھا۔ مولانا محمد میاں نے اکبر کی ابتدائی زندگی کے بارے میں لکھا ہے:

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ نماز تو بڑی چیز ہے سفر وحضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی۔ سات عالم امامت کے لیے مقرر تھے[۱]۔

ملا عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں:

ہر پنج وقت برای خاطرِ جماعت دردربار می گفتند[۲]۔

ترجمہ۔ ہر پانچ وقت بر سر دربار جماعت کے متعلق فرماتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں:

بادشاہ از غایت تعظیم واحترام گاہی بہ جہت استماعِ علم حدیث بخانۂ شیخ می رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پای اومی ماندند[۳]۔

ترجمہ۔ انتہائی احترام وتعظیم کی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی علم حدیث سُننے کے لیے شیخ کے گھر جاتا اور ایک دو دفعہ تو جوتیاں بھی شیخ کے آگے بادشاہ نے رکھیں۔

ان ہی کا بیان ہے:

از آبادی یک سو افتادہ نشستہ بمراقبہ می شدند وفیض سحری بوند[۴]۔

آبادی سے دُور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور صبح کے فیض کو حاصل کرتے۔

گلبدن بیگم فرماتی ہیں:

اکبر نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ حج کرے مگر جب کارواں کے چلنے کا وقت آیا تو اُس نے صرف یہ کیا کہ تھوڑی دُور تک کارواں کے ساتھ ساتھ چلا حاجیوں کی طرح احرام باندھا اور **لبیک اللّٰھم لبیک** پکارتا رہا۔ گو اکبر نے خود حج نہ کیا لیکن اس نے ہمت سے دوسرے لوگوں کو حج کرنے کی سہولتیں مہیا کیں۔ بہت سے لوگوں کو حج کرائے اور حاجیوں کو بڑی رقمیں دیں ہر سال وہ حج پر جانے والے کارواں کے امیر کا انتخاب کرتا اور اسے

> بہت سارو پیہ بھی دیتا اور مکہ و مدینہ کے لیے قیمتی تحائف سے بھی اس کی جھولی بھرتا[5]۔

اکبر بادشاہ کو علماء اور اولیاء اللہ سے بڑی عقیدت تھی اس سلسلے میں مولانا محمد میاں لکھتے ہیں:

> علماء وصلحاء کی صحبت اس قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتح پور کو دارالسلطنت بنالیا تھا اور مدتوں پاپیادہ اجمیر شریف حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا[6]۔

صاحبِ مآثر الامرا فرماتے ہیں:

> نصیر الدین ہمایوں کے بیٹے جلال الدین اکبر کی ابتدائی زندگی میں اولیاء اللہ سے محبت کی جھلک نمایاں ہے حضرت خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آ کر ملاقات کی پھر کشمیر جا کر مقیم ہوگئے وہاں انہوں نے ایک بڑی خانقاہ بھی تعمیر کروائی جس کے لیے بادشاہ کی طرف سے مدد معاش کے طور پر چند گاؤں مل گئے۔ وہیں انہوں نے عمر گزاری[7]۔

اکبر نامہ کے حوالے سے صاحبِ مآثر الامرا فرماتے ہیں:

> یہ مشہور بات ہے کہ اکبر بادشاہ شیخ محمد غوث گوالیاری کا مُرید تھا۔ اکبر نامہ سے بھی ظاہر ہے[8]۔

اکبر کو علما وصلحاء کی صحبت بہت پسند تھی اور ان کی بارگاہ میں حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۹۷۹ھ) سے خاص عقیدت تھی اس عقیدت کے باعث اپنے شہزادے شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا نام سلیم رکھا تھا۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دینا باعثِ برکت وکسبِ فیوض کا ذریعہ خیال کرتا تھا اور حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر ازراہِ عقیدت پیدل چل کر حاضر ہوا کرتا تھا فتح پور سیکری میں انوب تلاؤ کے نام سے ایک وسیع تالاب بنوایا اس کے اردگرد عمارتیں بنائی گئیں جن کا نام عبادت خانہ رکھا گیا۔ بعد نمازِ جمعہ یہاں علماء ومشائخ کا اجتماع ہوتا۔ جس میں علمی مذاکرات ہوتے اور اس سے بھی بادشاہ کے شوق فراواں کو سیری نہ

ہوئی تو جمعۃ المبارک کی پوری رات ان محفلوں کا سرکاری اہتمام ہونے لگا۔ ایک سو سے زائد علماء ومشائخ ان مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان خالص مذہبی مجالس کے انعقاد کی تہ میں بادشاہ کے دینی ذوق کا جذبہ کار فرما تھا اس پر طرہ یہ کہ مذکورہ عبادت خانے کے ایک پُرانے حجرے میں بادشاہ عبادت وریاضت کیا کرتا تھا[۹]۔

آبادشاہ پوری رقمطراز ہیں:

> علماء ومشائخ کی صحبت میں شریک ہوتے اوران کی جوتیاں سیدھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم اسے احکامِ شرعی کے اجراء ونفاذ کا اہتمام اور مفتیوں اور قاضیوں کا تقرر کرتے ہوئے پاتے ہیں سفر یا حضر نماز باجماعت ترک نہیں ہوتی اکثر راتیں بھی عبادت اور وظائف واوراد میں گزرتی ہیں۔ درباریوں کو سرِ دربار نماز کی تلقین کرتا ہے اپنے احکام خاص سے مسجد تعمیر کرواتا ہے۔ حج اور جہاد کا اہتمام کرتا ہے۔ خواجہ اجمیری کے مزار پر ہر سال سات کوس سے پیدل چل کر حاضری دیتا ہے اور منتیں مانتا اور مرادیں مانگتا ہے[۱۰]۔

صفدر حیات صفدر نے بادشاہ کی اسلام پسندی کو یوں بیان کیا ہے:

> اکبر ان بزرگوں کی بڑی تعظیم کرتا تھا اوران کی سفارش پر بڑے بڑے باغیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ اولیاء سے محبت اور علما کی صحبت میں بیٹھ کر اکبر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوگیا تھا۔ صاحبِ مآثر الامرأ کے مطابق اکبر خود اذان دیتا اور امامت کرتا تھا[۱۱]۔

عجیب بات ہے کہ اکبر جو نمازیں پڑھتا' اذانیں دیتا' امامت کرتا اور سرِ دربار لوگوں کو پنجگانہ نماز باجماعت کی تلقین کرتا' اولیاء اللہ کی جوتیاں سیدھی کرتا' مزارات پر پاپیادہ حاضری دیتا نظر آتا ہے بعد میں الحاد ولادینیت کے اتھاہ سمندر میں غوطے کھاتا نظر آتا ہے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ایسا کیوں کر ہوا ہم ان عناصر کو جو اکبر کی گمراہی کا باعث بنے الگ الگ لیتے ہیں۔

علماء سوء:

اکبر علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس وجہ سے طالع آزما علماء سوء نے بھی بادشاہ کے دربار کا رُخ کیا

ملا عبدالقادر بدایونی کے مطابق سو سے بھی زیادہ علماء بادشاہ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

> جماعت مباحثین و مناظرین چہ محقق چہ مقلد از صد نفر متجاوز بودند[۱۲]۔
>
> ترجمہ۔ بحث مباحثہ و مناظرہ کرنے والے علماء خواہ محقق ہوں یا مقلد انکی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی۔

بھلا جہاں مولویوں کی اتنی تعداد جمع ہو جائے وہ مختلف الخیال ہوں اور دنیوی اغراض بھی رکھتے ہوں تو پھر وہی ہونا تھا جو ہوا شروع شروع میں پہلا جھگڑا نشستگاہوں پر چلا ہر ایک بادشاہ سے قربت کا خواہاں تھا ملّا بدایونی لکھتے ہیں:

> ''بدنفسیہا ازیں جماعت ظاہر شد''[۱۳]
>
> ترجمہ۔ پہلی بدنفسی تھی جو اس گروہ سے ظاہر ہوئی۔

صفدر حیات صفدر ملّا عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے اس بارے میں لکھتے ہیں:

> فتح پور آنے کے بعد بادشاہ کے اکثر اوقات عبادت خانہ میں علماء کی محفل میں گزرتے تھے خاص طور پر جمعہ کی راتیں شب بیداری میں گزرتی تھیں اور دینی مسائل کی تحقیق اور اصول و فروع کی بحثیں گرم رہتی تھیں ان مجلسوں میں علماء کی زبانیں ایک دوسرے کے مقابلے میں تلواروں کی طرح خود ہی اپنے جوہر دکھاتی تھیں۔ مذہب و مسلک کے اختلافات اتنے شدید ہو گئے کہ ایک دوسرے کی تکفیر دھڑلے سے کی جانے لگی سنی، شیعہ، حنفی، شافعی، فقیہ و حکیم کے موازنہ و مقابلہ سے گزر کر اصول و مہمات دین پر بھی زبانوں کی چھریاں بے باکی سے چلنے لگیں۔ علماء کے ان اختلافات اور جھگڑوں کی وجہ سے اہل بدعت کو خوب کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ انہوں نے حقائق کو مسخ کر کے بادشاہ کو جو خاص عالم حیرت میں مبتلا تھا۔ اصل دین سے ہی پھیر دیا اور دین و شریعت کی بنیادوں پر ایسی ضرب لگائی کہ ان پانچ چھ سالوں میں اسلام کا نام تک نہ رہا اور ساری بساط چوپٹ ہو کر رہ گئی[۱۴]۔

محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری فرماتے ہیں:

> مذکورہ مجالس میں شریک ہونے والے اور دربار کے مباحثوں اور مناظروں میں حصّہ لینے والے علماء کا اندازِ گفتگو اور ان کے ذاتی کردار نے بادشاہ کو جملہ حاملین اسلام سے متنفر کر دیا موجودہ حضرات کو دیکھ کر وہ اسلاف کی عظمت کا بھی منکر ہو گیا کہ ملّتِ اسلامیہ کے نمائندوں اور ترجمانوں کی یہ حالت ہے تو دوسرے کس گنتی میں شمار ہوتے ہیں ۱۵۔

بقول ملا عبدالقادر بدایونی:

> رگِ گردنِ علماء زمان برآمدہ آوازہای بلند و بسیار ظاہر شد ۱۶
>
> ترجمہ۔ علمائے وقت کی گردن کی رگیں ابھر آئیں آواز بلند ہوئی اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔

علماء ہی کے بارے میں ملّا بدایونی فرماتے ہیں:

> اختلافاتِ علماء کہ یکی فعلی را حرام می گفت و دیگری بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت'' ۱۷
>
> ترجمہ۔ علماء کا یہ اختلاف کہ ایک فعل کو ان میں سے ایک حرام بتاتا تو حیلے سے دوسرا اسے حلال قرار دیتا یہ طرز بادشاہ کا سبب انکار بنا۔

جب ایک ہی مسئلہ کو علماء کا ایک گروہ حرام اور دوسرا حلال کہنے لگا تو بادشاہ نہایت حیران اور ان کی بحثوں سے دل برداشتہ ہو گیا بادشاہ نے دوسروں کی باتوں پر صاد کرنے کے بجائے اپنی پسند یا ناپسند کو ایک اصول بنا لیا۔

صفدر حیات صفدر لکھتے ہیں:

> جو اصول وکلیات اسے پسند آ جاتے خواہ مسلمانوں کے معتقدات کے موافق ہوتے یا مخالف، انہیں وہ دل و جان سے قبول کر لیتا تھا اور جو باتیں اس کی نگاہ میں نہ جچتی تھیں ان کو وہ ترک کر دیتا تھا اس طرح اس نے ترک واختیار، ردّ و بدل قبول کر کے ایک خاص شعور اور جداگانہ

> معرفت کو اپنا معیار بنالیا اور عجیب طرح کے ہیولاتی اعتقادات نے اس کے ذہن پر غلبہ پالیا[۱۸]۔

اور پھر فرماتے ہیں:

> دربار میں مختلف مذاہب ومسالک کے جو گمراہ کن عناصر جمع ہو گئے تھے انہوں نے خوب ہی فائدہ اٹھایا اور دین کے معتقدات کو خلافِ عقل ثابت کر کے اس کے ذہن کو انکار و انحراف کی طرف مائل کر دیا[۱۹]۔

اکبر چونکہ اَن پڑھ تھا، اس لیے وہ از خود قرآن وحدیث کا مطالعہ نہ کر سکتا تھا بلکہ اپنے درباری علماء کے علوم پر صاد کرتا اور ان کی ذات کو اعلیٰ وارفع سمجھتا تھا جب اس نے ان علماء کو دنیوی فائدے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء دیکھا تو نہ صرف ان علماء سے نفرت کرنے لگا بلکہ اسلاف کی عزت وتوقیر اور فضل وکمال سے منکر ہو گیا۔

مُلّا عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں:

> علمای عہد خویش را بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بودند، رکاکتہای ایشان را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند[۲۰]۔
>
> ترجمہ۔ اپنے عہد کے علما کو امام غزالی اور امام رازی سے بہتر تصور کرتا تھا لیکن جب ان کے چھچھورے پن کو دیکھا تو حاضر پر غائب کو قیاس کیا اور سلفِ صالحین کا بھی منکر ہو گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے درباری علماء کے بارے میں یوں لکھا ہے:

> ان علماء حکومت میں دو شخصوں نے بڑا عروجِ دنیاوی پایا تھا مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور۔ انہی لوگوں کے ظلم وتعصب کا ایک قتیل خاندان مُلا مبارک بھی تھا اور مُلا موصوف کے تبحر علمی، فقر واستغنا اور بے باکانہ امر بالمعروف کی سرگرمیوں سے وہ سخت عاجز آ گئے تھے ایک عرصے کے بعد جب حالات بدلے اور ملا مبارک کے خاندان کو عروج ہوا تو انہوں نے ان لوگوں کے زور کو توڑنا

چاہا اور اس کی تدبیر یہ نظر آئی کہ مذہبی تعصب کی شدت کو کسی طرح کم کیا جاوے۔ چنانچہ حکمت و تحقیق جدید کے نام سے آزاد خیالی و مطلق العنانی کی ہوائیں چلنے لگیں افسوس کہ مرض کو دُور کرنے کے لیے ایسا نسخہ تجویز کیا گیا جو آگے چل کر ایک دوسرے مرض کی تولید کا باعث ہوگیا پہلے افراط تھی تو اب تفریط ہوگئی تعصب واوہام تھے تو اب اس کی جگہ الحاد و بے عقیدگی نے نشو و نما پائی [۲۱]۔

مخدوم الملک اور صدر جہاں کے بارے میں ان کے ہمعصر ملا عبد القادر بدایونی نے بھی عجیب و غریب انکشاف کیا ہے وہ مخدوم الملک کو دولت کا دلدادہ اور صدر جہاں کو راشی لوگوں میں گھرا ہوا انسان کہتا ہے۔ مخدوم الملک کے بارے میں لکھتا ہے:

> چنداں خزائن او پدید گشت کہ قفل آں را بہ کلیدِ وہم نتواں کشاد از آنجملہ چند صندوق طلا را از گورخانہ مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد [۲۲]
>
> ترجمہ۔ بعض خزینے اور دفینے ظاہر ہوئے جن کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ ان میں سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق بھی تھے جنہیں مخدوم الملک صاحب نے مُردوں کا بہانہ بنا کہ دفن کر دیا تھا (بوقت تلاشی وہ بھی) ظاہر ہوئے۔

صدر جہاں کے بارے میں ملا بدایونی لکھتے ہیں:

> سائر وکلائی شیخ وفراشاں ودرباناں وسائسان وحلال خوران نیز رشوت ہای کلی دادی وگلیم ازان ورطہ بدر بردی [۲۳]۔
>
> ترجمہ۔ لوگ شیخ کے وکیلوں، فراشوں، دربانوں، سائیسوں اور خاکروبوں تک کو رشوتیں پیش کرتے تھے اور اس طرح اپنی کشتی کو گرداب سے نکالنے میں کامیاب ہوتے۔

ابوالکلام آزاد ہی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> سچ یہ ہے کہ عہد اکبری کے تمام فتنہ وفساد کے اصلی ذمہ دار علماء عبید الدنیا ہیں نہ کہ ابوالفضل وفیضی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اسی عہد کی نسبت اپنے مکاتیب میں بار بار لکھتے ہیں ''ہر فتوری کہ درین زمان وترویجِ ملّت ودین ظاہر گشت از شومی علما سوء است کہ فی الحقیقت شرار مردم ولصوص دین اند۔ **اولئک حزب الشیطان الاان حزب الشیطان هم الخسرون** اکبر نے تمام حاملین مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہہ دینا چاہا۔ خود ابوالفضل وفیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم وعدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقے میں آنے کی دعوت دی تھی جس کی بے اعتدالیاں دیکھ کر وہ خود بھی متاسف ہوتے ہوں گے کہ مقصود کیا سے کیا ہوگیا؟ انہوں نے علماء سوء کے غرور وپندار کا بُت توڑنے کے لیے ایک دوسرا بُت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اسی بُت کی پرستش شروع کر دی[۲۴]۔

ابوالکلام آزاد نے مُلّا مبارک کے ''تبحر علمی'' اور ''فقر واستغنا'' ابوالفضل وفیضی کی ''مظلومیت'' کی خود ہی تشریح کر دی ہے۔ ملّا مبارک کی ''برکت'' سے آزاد خیالی اور مطلق العنانی کی ہوائیں چلنے لگیں اور ابوالفضل وفیضی کی ''مظلومیت'' نے اکبر کا بُت تراشا اور اسی کی عبادت میں مصروف ہو گئے مخدوم الملک اور صدر جہاں کو عبید الدنیا اور علماء سوء اور ابوالفضل وفیضی کو علماء حق گردانا ہے اور ان تینوں باپ بیٹوں کی گمراہی بھی انہی لوگوں کے ذمہ ڈال دی ہے جن کو ابوالکلام آزاد علماء سوء کہتے ہیں۔ حالانکہ علماء سو میں ان تینوں باپ بیٹوں کو اولیت حاصل ہے اور اکبر بادشاہ کی گمراہی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ مناظر احسن گیلانی کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> تینوں باپ بیٹوں نے اپنے انتقام کا نشانہ ہندوستان کے اہلِ سنت کے مولویوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام ہی کو بنا لیا۔ مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد جس وقت اسلام کا ایوان اپنے متوسلین کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس وقت ملّا عبدالقادر کا بیان ہے کہ ابوالفضل کی زبان پر ہر تھوڑی دیر کے

بعد حسبِ ذیل اشعار جاری ہو جاتے۔

آتش بدودستِ خویش درخرمنِ خویش
چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمنِ خویش
کس دشمنِ من نیست منم دشمنِ خویش
اے وائی من ودستِ من دامنِ خویش

الغرض اکبری دربار میں ابوالفضل وفیضی کا فتنہ بھی سچ پوچھو تو یہ علماء سو ہی کا فتنہ تھا کس قدر عجیب بات ہے کہ شخصی اغراض نے بتدریج کیسی سخت قومی اور مذہبی خطرہ کی صورت اختیار کر لی تھی[۲۵]۔

مناظر احسن گیلانی ہی تینوں باپ بیٹوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس سلسلہ کا سب سے زیادہ ''سیاہ حلقہ'' وہ ہے جو اگرچہ علماء ہی کا فتنہ تھا۔ لیکن شدت تاثر نے اکبری الحاد کا اس کو بڑا ذریعہ بنا دیا میری مُراد ملّا مبارک ناگوری اور ان کے شہرہ آفاق صاحبزادوں سے ہے[۲۶]۔

سرولزے ہیگ نے ملّا مبارک کے عقیدہ کی کچھ اس طرح تشریح کی ہے ''دراصل شیخ مبارک نے جس ہوشیاری سے محضر نامہ مرتب کیا تھا اس سے اسکا مقصد اکبر کو مختار کل بنانا تھا شیخ مبارک کے لیے یہ بات مشکل بھی نہ تھی وہ خود کسی ایک مذہب کا پیروکار نہ تھا'' سرؔ وُلزے ہیگ کے مطابق شیخ مُبارک مختلف ادوار میں سنّی، شیعہ، صوفی اور اس کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا[۲۷]۔

اسلام کے بارے میں ملّا مبارک کے خیالات کو مُلّا عبدالقادر بدایونی بیان کرتے ہیں:

> شیخ درخلوت حضور بادشاہ بیربر گُفت کہ چنانچہ درکُتب شما تحریفات است دردین ما نیز تحریفات بسیار رفتہ واعتمادی نہ ماند[۲۸]
>
> ترجمہ۔ شیخ مبارک نے بادشاہ کے سامنے خلوت میں بیربر سے کہا کہ جس طرح تمہاری مذہبی کتابوں میں تحریفیں ہوئی ہیں ہمارے دین میں بھی اسی طرح بہت تحریفیں ہوئی ہیں جن کے باعث اب اس کا اعتماد نہیں رہا۔

ابوالفضل کے بارے میں صفدر حیات صفدر صاحب رقمطراز ہیں:

> کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے دن ایسے پھرے کہ شیخ ابوالفضل نے جلد ہی اپنی خدمات زمانہ سازی، بددیانتی، مزاج شناسی اور خوشامد کے ذریعے بادشاہ کا بہت زیادہ تقرب حاصل کرلیا[۲۹]۔

ابوالفضل خود گمراہ تھا اور اس نے اکبر بادشاہ کو گمراہی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ ابوالفضل مسلمانوں کا ذکر بڑی حقارت سے کرتا تھا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> ابوالفضل اپنی تحریروں میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے انہیں پیروانِ احمدی کیش، کوتاہ بین، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست، گرفتار زندانِ تقلید کے تحقیر آمیز کلمات سے یاد کرتا نیز اس نے عباداتِ اسلامی کے خلاف رسائل بھی لکھے[۳۰]۔

درباری علماء سے چھیڑ چھاڑ اور بزرگ علماء کی توہین و تضحیک اس کا شعار بن چکا تھا۔ عہد مُغلیہ مع دستاویزات کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> وہ (ابوالفضل) ان بداعتقادیوں کے بارے میں شیخ صدر، قاضی، حکیم الملک اور مخدوم الملک جیسے دیرینہ بوڑھوں کو بڑی حقارت سے چھیڑ چھاڑ کر بحثیں کیا کرتا تھا اور ان کی بے عزتی کرنے میں ذرہ برابر بھی نہیں جھجکتا تھا[۳۱]۔

دوسرا اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں:

> بحث مباحثے کے وقت اگر کوئی کسی مجتہد کا قول پیش کرتا تو وہ نہایت جسارت سے کہا کرتا تھا فلاں حلوائی، فلاں موچی اور فلاں چرم فروش کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہے غرض علماء کا انکار اور ان کی توہین اس کا معمول و مشغلہ تھا[۳۲]۔

مُلّا مُبارک اور ابوالفضل کے بعد فیضی کے بارے میں بھی چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

> پسر مُلّا مُبارک شاگرد ابوالفضل رسائل در قدح و تمسخر این عبادت بدلائل نوشتہ و قبول افتادہ باعثِ تربیت گشت[۳۳]۔

> ترجمہ۔ مُلّا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد بھی تھا اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں چند رسائل تصنیف کیے (شاہی جناب) ان کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔ مناظر احسن گیلانی دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔
>
> میری مراد ابوالفضل و فیضی سے ہے کہ اکبر کی سوء دماغی میں بہت بڑا دخل ان دو تعلیم یافتہ بھاٹوں کا تھا[۳۴]۔

فیضی کی موت کے بارے میں مُلّا عبدالقادر بدایونی کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

> چھ مہینے تک وہ مرض کی سختیاں برداشت کرتا رہا آخر دس ماہ صفر ۱۰۰۴ھ کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر وہ اس دُنیا سے کوچ کر گیا۔ فیضی کو کُتوں کے ساتھ بڑی اُنسیت تھی اور وہ رات دن ان کُتوں میں گھرا رہتا تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ سکرات کے وقت اس کے منہ سے کُتے کی آواز نکل رہی تھی فیضی اسلام کا قطعی منکر اور بے دینی کا متعصب حامی تھا۔ چنانچہ مرنے سے پہلے تک وہ ایک عالم شریعت سے بیہودہ اور کافرانہ باتیں کرتا رہا[۳۵]۔

شیخ مبارک، ابوالفضل اور فیضی نے اکبر کو امام بنا کر اس کی امامت ثابت کی[۳۶] ابوالفضل ماہ رمضان کے بارے میں عجیب عقیدہ رکھتا تھا "روزے کے سلسلہ میں درباریوں کو ظاہراً کھانے پینے کا حکم تھا ابوالفضل جیسے لوگ تو اس مہینہ کو "ماہ گرسنگی و تشنگی" کہتے ہیں" [۳۷]

محمد عبدالحکیم شاہ جہان پوری فرماتے ہیں:

> ظاہر ہے کہ اکبر کی گمراہی اور اسلام سے بدظنی میں جتنا حصہ مُلّا مبارک ناگوری اور اس کے فرزندوں ابوالفضل اور فیضی کا ہے اتنا کسی دوسرے کا نہیں مُلّا موصوف اور ان کے صاحبزارے تقلید شخصی سے آزاد اور محقق ہونے کے مدعی تھے جو گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حضرات محقق بننے کے شوق میں جہاں خود گم کردۂ منزل ہوئے وہاں بادشاہ کو بھی گمراہی کے

عمیق گڑھے میں دھکیل گئے [۳۸]۔

ابوالفضل شیخ مبارک کو اشراقی بتاتا ہے خواجہ کلاں جو شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر پلے بڑھے تھے لکھتے ہیں کہ شیخ مبارک ابراہیم لودھی کے دور میں سنّی، سُوری حکومت کے دور میں مہدوی، ہمایوں دور میں نقشبندی اور عہد اکبری میں صلح کل کا علمبردار بنا [۳۹]۔

'بلوک مین' کے مطابق عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا میں اکبر کے تیر سے اتنا خوفزدہ نہیں جتنا ابوالفضل کے قلم سے ہوں [۴۰]۔

ابوالکلام آزاد مخدوم الملک مُلاّ محمد عبداللہ سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کو اکبر کی گمراہی کی وجہ گردانتے ہیں اور مُلاّ مُبارک، ابوالفضل اور فیضی کا دفاع کرتے ہیں۔ حالانکہ اکبر کی گمراہی کے زیادہ ذمہ دار یہی تینوں باپ بیٹے ہیں۔ علماء سوء نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ جس نے سکون منتشر کر دیا تھا۔ اکبر نے سکون کی خاطر علماء کو مختلف مقامات پر بھیج دیا تھا جس سے غیروں نے بڑا فائدہ حاصل کیا۔ صفدر حیات صفدر رقم طراز ہیں:

> اکبر نے جھگڑالو علماء کو مختلف مقامات پر بھیج دیا میدان خالی دیکھ کر شیعہ، ہندو، جینی، عیسائی، پارسی وغیرہ آدھمکے اور اکبر کو خوب اکسایا حتیٰ کہ بادشاہ کا ذہن ان الجھاؤں کو نہ سمجھ سکا اور اس نے ان تمام اعتقادات کا ملغوبہ تیار کرایا جسے دین الٰہی کا نام دیا گیا [۴۱]۔

اکبر کی گمراہی میں شیعہ علماء نے بھی بڑا حصہ لیا۔ فیضی خود شیعہ تھا۔ صفدر حیات صفدر لکھتے ہیں:

> باقی رہا فیضی تو وہ شیعہ تھا۔ قاضی نور اللہ شستری کی فیضی کے ہاں آمد تھی۔ جبکہ شیخ عبدالحق محدث فیضی کے عقائد کے باعث اس سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ شیعی عالم سید علی نقی لکھنوی نے اپنی تالیف مقدمہ تفسیر القرآن میں شیعہ مفسرین کی جو فہرست دی اس میں فیضی کا نام بھی شامل ہے [۴۲]۔

شیعہ علماء کا اثر ورسوخ اکبر بادشاہ پر شیعیت کی اچھی خاصی چھاپ پر منتج ہوا۔ مناظر احسن گیلانی شیعہ حضرات کے ورود پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں کی امداد سے دوبارہ تخت وتاج میسر آیا تھا اس لیے بہ تقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علماء اور شعراً کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز واکرام سے سرفراز کیا اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراضِ دولتِ مُغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا[۴۳]۔

اکبر کو ابتدا ہی میں اپنے اتالیق بیرم خاں سے واسطہ پڑا وہ بدخشاں کا رہنے والا تھا اور مذہباً شیعہ تھا۔[۴۴] بیرم خاں نے سنّی اکثریت کے مفاد کے برعکس شیعہ صدر الصدور مقرر کر دیا تھا۔ صفدر حیات صفدر لکھتے ہیں:

> بیرم خاں نے ایک غلطی یہ کی کہ سنّی اکثریتی آبادی کے مفاد کا خیال نہ کیا اور مذہب شیعہ کے پیروکار شیخ گدائی کو صدر الصدور مقرر کر دیا۔ اسے بادشاہ کو سلام کرنے سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اسے دوسرے علماء پر تفوق حاصل تھا۔ سرکاری فیصلوں اور فرامین کے اجرأ کے سلسلے میں اس کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا[۴۵]۔

ایک صاحب ملا محمد یزدی بھی تھے وہ اپنے اعتقاد کے مطابق خلفائے ثلاثہ کے خلاف طنز وطعن کر کے اور عموم صحابہ تابعین، تبع تابعین، صلحائے سلف وعلمائے خلف سب کو کافر بتاتا اور بادشاہ کی نظر میں اہلسنت وجماعت کا درجہ گھٹانے کی فکر میں لگا رہتا تھا[۴۶]۔

ان کی وجہ سے اکبر بادشاہ کا رویہ صحابہ کرام کے بارے میں اس حد تک تبدیل ہو گیا تھا کہ:

> وآنچہ درحقِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دروقت خواندنِ کتب سیر مذکوری ساختند خصوصاً در خلافت خلفائے ثلٰثہ وقصیۂ فدک وجنگِ صفین وغیرآں کہ گوش از استماع آں کرّ باد خود بزبان نتواں آورد[۴۷]۔
>
> ترجمہ۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کتبِ سیر کے مطالعے کے وقت اور خاص طور پر مسئلہ خلافت اور خلفائے ثلاثہ کے ذکر

> مبارک اور فدک وجنگِ صفین وغیرہ جھگڑوں کے وقت جو الفاظ کہے
> جاتے ان کے سننے سے پہلے کان بہرے ہو جاتے اور انہیں میں اپنی
> زبان پر نہیں لا سکتا۔

دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا ایک سرچشمہ ''بطال صوفیوں''[۴۸] کا گروہ تھا اس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ یہ لوگ اس وحیٔ الٰہی کی پیروی سے علی الاعلان انکار کرتے تھے۔ جس پر بندوں کی ہدایت کا دارومدار ہے ان کا دعویٰ تھا کہ خدائے سبوّح وقدوس جلّ شانہٗ ان کے اندر حلول کیے ہوئے ہے اور ان کا خالق ومالک سے کلّی اتحاد ہے اس طرح وہ گویا مُشرکین ہند کے مزعومہ اوتاروں کی طرح بن بیٹھے تھے اور اسی نامعقول دعوے کے باعث وہ شریعتِ مطہرہ کی پیروی اور وحی الٰہی کی ضرورت واحتیاج سے مستغنی ہوئے پھر رہے تھے یہ اسلام سے روگردانی کرنے کی ایسی صورت تھی کہ اس سے بُری شاید ہی اور کوئی صورت ہو۔

ایسے ہی صوفیہ میں ایک تاج العارفین ہیں جن کا نام شیخ تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی دہلوی ہے۔ اس نے وحدت الوجود کے خطرناک نظریہ اور فصوص الحکم کے دوسرے مسائل مثلاً ترجیح رجا بر خوف، ایمان فرعون وغیرہ بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیے۔ تصوف کے ان نظریات کا بھی اکبر کے ذہنی فتور اور احکام شریعت سے اس بیزاری میں بہت بڑا دخل ہے۔ چنانچہ اس کا عقیدہ ہو گیا تھا کہ کافر دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے لیکن یہ عذاب ان کے لیے دائمی نہیں بلکہ عارضی ہوگا شیخ تاج الدین نے اس مسئلہ کو آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی میں خوب تاویلیں کر کے بخوبی یاد کرا دیا تھا اور جب اس نے بادشاہ کو تصوف کی ان بھول بھلیوں میں اچھی طرح سرگشتہ کر دیا تو اس نے دینی تعلیم وتلقین کا آخری اور اہم نکتہ جو سب سے زیادہ خطرناک تھا نکال کر سامنے رکھا۔ شیخ نے اکبر کے سامنے انسان کامل کا ایک تصور پیش کیا اور پھر اس انسان کامل کو خلیفہ وقت سے تعبیر کر کے خود اکبر کو اس کا مصداق قرار دے دیا[۴۹]۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اکثر خام صوفی اور بے سروسامان ملحد اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اپنی
> گردنوں کو شریعت مطہرہ کی اطاعت سے باہر نکال لیں اور شرعی احکام کو
> عوام الناس ہی کے ساتھ مخصوص رکھیں ان لوگوں کا خیال ہے کہ خواص

> صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں جیسا کہ وہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل وانصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ بجالانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں[۵۰]۔

یہ تو اپنوں کی وجہ سے ہوا اب غیروں کا حال سنیے۔

اکبر نے سلطنت میں ہندوؤں کی تعداد دیکھتے ہوئے ان کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت پر بہت زور دیا ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب تر لانے کے لیے اکبر نے بہت سے اقدامات کیے[۵۱]۔

ہندوؤں سے اچھے سلوک کا جذبہ اکبر میں ہندو عورتوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اکبر نے ہندو عورتوں سے شادیاں کر کے اور ہندو برہمنوں، پروہتوں اور فلسفیوں کی باتیں سن کر ہندوؤں کے لیے قدیم روش سے ہٹ کر سوچنا شروع کیا[۵۲]۔ چنانچہ اس کے دربار میں ہندوؤں کا اثر ورسوخ بڑھا کالپی کا ایک برہمن جس کا نام پریم داس تھا اور جس کو سب سے پہلے کب رائے یعنی ملک الشعراءُ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا بعد میں وہی ''بیربر بہادر'' کے نام سے مشہور ہوا وہ بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل ہو گیا تھا۔ بیربر کی سفارش پر ایک بڑا فلسفی برہمن جس کا نام ''دیوی'' تھا بادشاہ کے قرب سے معزز ہوا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے دیوی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> چند گاہی دیوی برہمن کہ از معبرانِ مہابھارت بود بر چارپائی نشاندہ وبالاکشیدہ نزدیک بقصری کہ آن را خواب گاہ ساختہ بودند معلق داشتہ ازوی اسرار وافسانہائی ہندی وطریق عبادت اصنام وآتش وآفتاب وتعظیمِ کواکب واحترامِ سلاطین کفراز برمہا ومہادیو وبشن وکشن ومہامائی شنیدہ بآن جانب گرائیدند[۵۳]۔
>
> ترجمہ۔ ایک مدت تک دیوی پنڈت کو جو مہابھارت سنانے والوں میں سے تھا چارپائی پر بٹھا کر اس مکان پر اوپر کی جانب کھینچ لیا جاتا تھا۔ جسکو محل کے نزدیک بادشاہ نے اپنی خوابگاہ بنایا ہوا تھا۔ اس سے ہندومت کی

> خاص باتیں سُنتا‘ بت پرستی آتش پرستی اور آفتاب پرستی کے طریقے سیکھتا اور تاروں کی تعظیم بادشاہ کے ہندوانی اصول معلوم کرتا اور اکابر ہنود برہما، مہا دیو، بشن، کشن اور مائی وغیرہ کے بارے میں سنتا اور ان کی جانب مائل ہوتا۔

گوتم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت گھل مل گیا تھا۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر دین اکبری کے قائل انہی لوگوں کے عقائد و اعمال رسوم اور طریقوں کو جگہ ملی ان لوگوں کے علاوہ اکبر کی ہندو بیویوں نے بھی اکبر کی گمراہی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اکبر نے جو شروع میں بہت نمازی اور مسلمان تھا اپنی ہندو رانیوں کے زیر اثر ہندوازم کے اثرات زیادہ قبول کر لیے[۵۴]۔

مثلاً

> اس نے آفتاب کی عبادت کو لازمی قرار دیا اور یہ لازم قرار پایا کہ آفتاب کا جب ذکر آئے تو ”جلت قدرتہ“ کہا جائے وہ قشقہ لگاتا‘ آگ‘ پانی‘ درخت‘ گائے اور اس کے گوبر کو بھی پوجتا تھا اور آفتاب مسخر کرنے کی اس دُعا کو جس کی تعلیم اسے ہندوؤں نے دی۔ آدھی رات کے وقت اور طلوع آفتاب کے وقت ورد کرتا تھا انہی اوقات میں نوبت اور نقارہ بھی بجایا جاتا۔ بادشاہ اپنے لباس کے رنگ بھی ستاروں کے موافق پہنتا۔ ہر دن کا ایک ستارہ ہوتا اور ہر ستارے کا ایک رنگ اور تو اور سور کے متعلق اسے ہندوؤں نے یہ یقین دلایا تھا کہ سور مقدس ہے اس لیے کُتّے اور سور کو محل میں پھرنے کی عام اجازت تھی برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ اپنے بال ”تالو“ پر سے منڈواتا تھا اور چاروں کناروں کے بال چھوڑ دیے جاتے تھے عقیدہ تھا کہ کامل لوگوں کی روح کھوپری (تالو) کی راہ نکلتی ہے جو بدن کے سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے جس وقت کاملوں کی روح کھوپری سے نکلتی ہے اس وقت کڑاکے کی آواز نکلتی ہے اور یہ آواز میت کی سعادت اور نجات کی دلیل ہوتی ہے۔

ہندوؤں کے علاوہ پارسی، عیسائی اور عقل پرستوں نے بھی بادشاہ کی گمراہی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا علماء سوء، خام صوفی، ہندوؤں، پارسی، عیسائی اور عقل پرستوں سے متاثر ہو کر بادشاہ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ تمام مذاہب میں عقلمند لوگ موجود ہیں اور ہر مذہب میں حقائق موجود ہیں اس لیے ان کو ایک ہی مذہب کے تحت اکٹھا کر لیا جائے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

> عقلا در ہمہ ادیان موجود ہ مہیا اندوار باب ریاضات و کشف و کرامات در کل طوائف انام پیدا و حق ہمہ جا دائر۔ پس انحصار آن در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر و نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگر ترجیح بلا مرجح از کجا[۵۵]۔
>
> ترجمہ۔ عقلمند لوگ تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں اور ریاضتیں کرنے والے اور صاحبانِ کشف و کرامت بھی سب گروہوں میں موجود ہیں اور حقانیت سب میں پائی جاتی ہے پس حق و صداقت ایک ہی دین میں ہے اور وہ بھی اس مذہب میں جو نو پیدا ہے اور جس کی عمر پوری ایک ہزار سال بھی نہیں یہ کیا ضروری ہے کہ ایک کا اثبات کیا جائے اور دوسرے کی نفی یہ ترجیح بلا مرجح کیوں ہو۔

اکبر کے جب دینی نظریات میں فرق آ گیا اور اس پر بے دینی کا بھوت سوار ہوا اور ''دین الٰہی'' کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو مُلّا مبارک اور اس کے بیٹوں کی مدد سے ایک محضر نامہ تیار کیا گیا جس کو مُلّا عبدالقادر بدایونی نے یوں نقل کیا ہے:

> مقصود از تشئید این مبانی و تمہید این معانی آن کہ چوں ہندوستان بہ میامن معدلت سلطانی و تربیت جہان بانی مرکز امن و امان و دائرہ عدل و احسان شدہ و طوائف انام از خواص و عوام خصوصاً علمائی عرفان شعار و فضلائی دقائق آثار کہ ہادیان بادیۂ نجات و سالکان مسالک اوتوا العلم درجات انداز عرب و عجم در بدین دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند جمہور علمائی فحول کہ جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند بدین

ودیانت وصیانتِ انصاف دارند بعداز تدبروانی وتاّمل کافی درغوامضِ معانی **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الا مرمِنکم** واحادیث صحیح **ان احب الناس الی اللہ یوم القیامة امام عادل من یطع الامیر فقداطاعنی ومن یعص الامیر فقدعصانی وغیر ذالک من الشواھد العقلیة والدلائل النقلیة** قرارداده حکم نمودند که مرتبہ سلطان عادل عنداللہ زیادہ ازمرتبۂ مجتہداست وحضرت-------- جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی اعدل واعقل واعلم باللہ اند بنابریں اگر درمسائلِ دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہااست بذہنِ ثاقب و فکرِ صائب خود یک جانب راازاختلاف بہ جہت تسہل معیشت بنی آدم ومصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بآن جانب حکم فرمایند متفق علیہ شودواتباع آن برعموم برایالازم ومحتشم است اگر بموجب رائی صواب نمائی خودحکمی راازاحکام قرار دہند کہ مخالف نصی نہ باشدوسبب ترفیہ عالمیاں بودہ باشد عمل برآں نمودن برہمہ کس لازم ومحتشم است ومخالفت آن موجب سخط اخروی وخسرانِ دینی ودنیوی است[۵۶]۔

ترجمہ۔ مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل وانصاف اور سرپرستی کی بدولت ہندوستان آج کل امن وامان کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسی وجہ سے عوام وخواص خصوصاً ان صاحبانِ علم وفضل علماء کا یہاں ان دنوں اجتماع ہو گیا ہے جو نجات کی راہوں کے راہنما ہیں اور ’’اوتواالعلم درجات‘‘‘‘ قرآن کی آیت کے مصداق یہ لوگ عرب وعجم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ اب جمہور علماء جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور عقلی ونقلی فنون کے ماہر ہیں اور ایمان داری اور انتہائی دیانت اور راستبازی کے ساتھ موصوف ہیں قرآن کی آیت **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامرمنکم**

> اور صحیح حدیثیں مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا جو عادل ہے اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد پر قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان اسلام کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی، خدا اسکی حکومت کو ہمیشہ قائم رکھے سب سے زیادہ عدل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدِ نظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ متفق علیہ سمجھا جائے گا اور عام مخلوق رعایا و برایا کے لیے اس کی پابندی لازمی و لابدی ہوگی۔ اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نص کے مخالف نہ ہو اور دُنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو بادشاہ اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائے تو اس کا ماننا لازم ہوگا اور اسکی مخالفت دینی اور دنیاوی بربادی اور اُخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی۔

مُلا مبارک اور اس کے بیٹوں کے تیار کردہ محضر نامہ میں بظاہر اسلام کے خلاف کوئی چیز نظر نہیں آتی کیونکہ قطعی نص کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے لیکن یہی محضر نامہ نئے دین کی بنیاد بنا۔ چنانچہ ١٥٨١ء میں بادشاہ نے نئے دین کا اعلان کر دیا۔ اسے دینِ الٰہی یا توحیدِ الٰہی کا نام دیا جاتا ہے اس دین کو اختیار کرنے والے کو اکبر ''چیلا'' کہتا تھا[٥٦]۔ ابوالفضل کے مطابق اکبر اتوار کو لوگوں کو مُرید بناتا تھا۔ ہر مرید اپنے ماتھے پر تلک لگاتا اور پگڑی اس کے سر پر رکھ دیتا تھا پھر ایک تمغہ دے دیتا جس پر ''اللہ اکبر'' لکھا ہوتا تھا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں وہ اصول بتائے ہیں جن پر چیلوں کو عمل پیرا ہونا پڑتا تھا ہر چیلہ نیا دین قبول کرنے سے پہلے ایک تحریر لکھ کر دیتا[٥٨]۔

ملّا عبدالقادر بدایونی اس تحریر کے الفاظ یوں لکھتے ہیں:

> منکہ فلاں بن فلان ہاشم بہ طوع ورغبت وشوق قلبی ازیں اسلام وتقلیدی کہ از پدران دیدہ وشنیدہ بودم براُوتبرا نمودم وردین الٰہی اکبر شاہی درآمدم ومراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترکِ مال ترکِ جہان وناموس ودین باشد قبول کردم [۵۹]۔
>
> ترجمہ۔ میں فلاں ابن فلاں ہوں، اپنی خواہش ورغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی سے، جس کے متعلق میں نے اپنے باپ دادا سے سنا اور جس پر انہیں عامل پایا بیزاری کا اظہار کرتا ہوں، مزید براں میں اخلاص کے چاروں مراتب ترک مال وجان وناموس ودین طے کرکے اکبر کے دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں۔

دین الٰہی کے اجرا کے ساتھ ہی کلمہ طیبہ کے بجائے اکبری کلمہ جاری کیا گیا۔ ملّا عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں:

> قرار دادند کہ بہ کلمہ لا الٰہ الّااللّٰہ اکبر خلیفۃ اللّٰہ علانیہ تکلیف نمایند [۶۰]
>
> ترجمہ۔ حکم دیا گیا کہ کلمہ لا الٰہ الّا اللّٰہ اکبر خلیفۃ اللّٰہ کہنے کا علانیہ مکلّف ٹھہرایا جائے۔

عبادت میں بجائے توحید کے شرک کا عمل دخل ہوگیا۔ بادشاہ کی عبادت گزاری کچھ اس قسم کی ہوگئی تھی۔

> عبادت آفتاب راروزی چہار وقت کہ سحروشام نیم روز ونیم شب باشد لازم گرفتند وہزار ویک نام ہندی آفتاب راوظیفہ ساختند نیم روز متوجہ آن شدہ بحضور دل می خواندند ہر دوگوش گرفتہ وچرخی زدہ مشتہاً بر بنا گوش کوفتہ حرکاتی دیگر نیز ازین قبیل بسیار بود وقشقہ کشیدند ونوبت ونقارہ یکی درنیم شب ویکی دروقت طلوع قرار یافت [۶۱]۔
>
> ترجمہ۔ سورج کی عبادت کرنے کے لیے روزانہ چار وقت مقرر تھے۔

> صبح، شام، دوپہر اور آدھی رات کو (بادشاہ) ضرور عبادت کرتے اور سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ کرتے یعنی سورج کی جانب حضورِ قلب سے متوجہ ہوکر پڑھا کرتے اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چکر کھاتا اور اپنے کانوں پر مکّہ مارتا اور اسی قسم کی بہت سی حرکتیں کرتے اور بادشاہ قشقہ بھی لگاتے تھے آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا تھا۔
>
> ہم چنین آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر روزگار تا گاؤ و سرگینِ آن نیز و قشقہ و زنار را جلوہ داد دعاءُ تسخیر آفتاب کہ ہندو آن تعلیم دادہ بودند بہ طریق ورد در نیم شب و وقت طلوع خواندن گرفتند[٦٢]۔
>
> ترجمہ۔ اسی طرح آگ پانی درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا اور قشقہ اور زنار سے اپنے بدن کو آراستہ کرتا اور آفتاب کو مسخر کرنے کی دُعائیں جس کی تعلیم ہندوؤں نے دی تھی ورد کے طور پر آدھی رات کو اور طلوعِ آفتاب کے وقت پڑھا کرتا۔

بادشاہ کے لیے سجدہ کرنا بھی دین الٰہی کا جز قرار دیا گیا اور اسے زمین بوس کا نام دیا گیا ملّا بدایونی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> سجدہ برای او تجویز کردہ آں را زمین بوس نامیدند و رعایتِ ادب پادشاہ را فرضِ عین شمردہ روی او را کعبۂ مرادات و قبلۂ حاجات دانانیدند و بعضے روایات مرجوحہ و عمل مریدانِ بعضے مشائخِ ہند را دریں باب بتمسک آوردند[٦٣]۔
>
> ترجمہ۔ بادشاہ کے لیے سجدہ کرنا تجویز کیا گیا اور اس کا نام زمین بوس رکھا اور بادشاہ کا ادب ملحوظ رکھنا فرضِ عین قرار دیا گیا وہ بادشاہ کے چہرے کو مرادوں کا کعبہ اور حاجتوں کا قبلہ جانتے تھے اور بعض کمزور روایات نیز مشائخ ہند کے بعض مریدوں کے عمل سے (بادشاہ کو

سجدہ کرنے کی) اس بات کو ثابت کرتے تھے۔

نماز روزہ کے بارے میں ملا بدایونی کے مطابق یہ حالت تھی:

> نماز روزہ و جمیع نبوات را تقلیدات نام نہادند یعنی غیر معقول و مدارِ دین بر عقل گذاشتند نہ نقل[۶۴]۔
>
> ترجمہ۔ نماز روزہ اور جملہ نبوی تعلیمات کو تقلیدات کا نام دیا گیا یعنی سب نامعقول ہیں اور کہا کہ دین الٰہی کا مدار عقل پر ہے نہ کہ نقل پر۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ کو اسلام سے چڑ ہو گئی تھی اور اس کی حقانیت کا سرے سے منکر ہو بیٹھا تھا۔ ملا بدایونی کی زبانی سنیے:

> بررغمِ اسلام ہر حکمی کہ اربابِ ادیان دیگریاں می کردند آں رانص قاطع شمردند بخلاف دین ملت کہ ہمہ آں نامعقول وحادث و واضع آں فقرائ عرباں[۶۵]۔
>
> ترجمہ۔ بادشاہ اسلام کی ضد میں جو حکم دیگر مذاہب والے کرتے اسے نص قاطع شمار کرتا تھا۔ اس کے برعکس ملت اسلامیہ کے دین برحق کو نامعقول جدید اور عرب کے غریبوں کا تخلیق کیا ہوا مانتا تھا۔

سود اور جوئے کو جائز قرار دے دیا گیا۔ ملا بدایونی فرماتے ہیں:

> ربوٰ و قمار حلال شد و دیگر محرمات براین قیاس باید کرد و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زری بسود بقامراں خزانہ می دادند[۶۶]۔
>
> ترجمہ۔ سود اور جوا حلال کر دیا گیا تھا اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کر لینا چاہیے ایک جوا خانہ خاص دربار میں بنایا گیا تھا اور جواریوں کو شاہی خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔

شراب کی حلت کے بعد دین الٰہی میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا وہ ریش تراشی کا مسئلہ تھا۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ ابتدأ داڑھی منڈانے کا خیال ''دختران راجہائی عظیم'' کی بدولت پیدا ہوا اس کے بعد پھر کیا تھا اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا۔ عقلی دلائل میں

دلچسپ دلیل تو یہ تھی۔

> "ریش از خصیتین آب می خورد لہٰذا" ہیچ خواجہ سرای ریش ندارد و در نگاہداشتن چہ ثواب[۶۷]۔
>
> داڑھی کے بال پانی خُصیوں سے حاصل کرتے ہیں لہٰذا کوئی مخنث داڑھی نہیں رکھتا پھر اس کے رکھنے میں کیا ثواب ہوسکتا ہے۔

غسلِ جنابت کو منسوخ کر دیا گیا اور اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ ملا صاحب فرماتے ہیں:

> فرضیتِ غسلِ جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکاں است بلکہ مناسب آن است کہ اول غسل کنند بعد از ان جماع[۶۸]۔
>
> ترجمہ۔ ناپاکی کی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کو بالکل منسوخ کر دیا گیا۔ اس لیے کہ نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم (منی) ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے غسل کرے پھر جماع کرے۔

اکبر نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اذان پر پابندی تھی۔ ۱۲ سال کے بعد اگر کوئی چاہے تو ختنہ کرا سکتا تھا۔ زبردستی نہ تھی۔ ۱۶ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر لڑکی کی شادی ہو سکتی تھی۔ اکبر نے احمد محمود اور محمد جیسے نام رکھنے پر ناراضی کا اظہار شروع کر دیا۔ جن سِکوں پر کبھی کلمہ طیبہ لکھا ہوتا تھا ان پر رام اور سیتا کی مورتیاں بننے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کا اظہار بھی اکبر کبھی کبھی کرتا رہتا تھا[۶۹]۔

قرآن کو مخلوق قرار دے دیا۔ وحی کو امرِ محال کہا۔ نبوت اور امامت کے بارے میں شکوک پیدا کیے۔ جن، فرشتے اور دوسرے تمام امورِ غیبی معجزوں اور کرامتوں کا انکار کر دیا گیا۔ قرآن کے تواتر اور کلام الٰہی ہونے پر بھی اعتراضات کیے۔ مرنے کے بعد بقائے ارواح اور عذاب ثواب کو صرف تناسخ پر منحصر کر دیا[۷۰]۔ ان امور کے علاوہ تجہیز و تکفین۔ شادی، بیاہ، پردہ، ختنہ، ہجرت کے سلسلے میں اکبر نے ملحدانہ اور مُشرکانہ رویّہ اختیار کیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے سچ فرمایا تھا کہ اکبر کی بدعات ایک دو ہوں تو ذکر کیا جائے اس نے تو ابتدائے زندگی سے آخر زندگی تک سارے قوانین اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیے تھے[۷۱]۔ اکبر گائے کا گوشت لہسن اور پیاز کھانے اور داڑھی رکھنے سے احتراز کرتا تھا اور اپنی مجلس میں

ہندوؤں کی رسومات کی پابندی کیا کرتا تھا۔ کتے اور سور کو نہ صرف پاک قرار دے دیا گیا بلکہ شاہی محل کے نیچے انہیں جگہ دی گئی بادشاہ خود ان کا دیدار قابل سعادت سمجھتا تھا جمعہ کو نماز صرف اس لیے ہوتی کہ بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ عربی پڑھنا عیب تھا۔ فقہ حدیث اور تفسیر پڑھنے پر لعن طعن ہوتا تھا۔ عربی سے ث ح ع ص ض ط ظ نکال دیے گئے اور احدی کو اہدی اور عبداللہ کو ابداللہ لکھا جانے لگا[۷۲]۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں ابتلاء کے اس دور کی جو تصویر کھینچی ہے ملاحظہ فرمائیں:

> غربتِ اسلام تا بحدی رسیدہ است کہ کفار بر ملا طعن اسلام و دم مسلماناں می نمائند و بے تحاشا اجراء احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار می کنند و مسلماناں از اجرا احکام اسلام ممنوع آمد در ایشاں شرائع مذموم و مطعون۔
>
> پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
> بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است [۷۳]
>
> ترجمہ۔ اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ بازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کُفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمانِ اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں اور شرائع کے بجالانے میں مذموم اور مطعون ہیں۔
>
> چھپائے رخ کو پری دیو ناز کرے
> حواس و ہوش یہ سُن کر میرے بجا نہ رہے

رسومات کے بارے میں مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> مسلمانی باوجود ایمان رسومِ اہل کفر نمایند و تعظیم ایام ایشاں می کنند[۷۴]
>
> ترجمہ۔ مسلمان باوجود ایمان کے اہلِ کُفر کی رسموں کو بجالاتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔

مسلمان عورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

> اکثر زنانِ بواسطہ کمالِ جہل کہ دارند باین استمداد ممنوع مبتلا اند وطلب دفعیہ بلیہ ازین اسمائی مسمّٰی می نمانید و باداۓ مراسم شرک واہلِ شرک گرفتار اند[۷۵]

> ترجمہ۔ اپنے انتہائی جہل کی وجہ سے اکثر عورتیں اس حرام وممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اوران وہمی دیوتاؤں سے (جن کے نام تو ہیں لیکن مسمی نہیں ہیں) بلاؤں کو ٹلانے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک واہل شرک کی رسموں کو بجالاتی ہیں۔

ہنود کی رسوم میں مسلمان سرگرم حصّہ لینے لگے تھے اس بارے میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> در ایامِ دوالی کُفار جہلہ اہلِ اسلام علی الخصوص زنانِ ایشان رسوم اہلِ کفر را بجامی آرند و عید خود می سازند[۷۶]۔

> ترجمہ۔ اہل اسلام کے جہلا دوالی کے دنوں میں خصوصاً عورتیں اہل کفر کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور اس کو تہوار مناتی ہیں۔

العیاذ باللہ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آ گیا جب حالت یہاں تک پہنچ گئی۔

> در ہر رکنی ازارکانِ دین و ہر عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ چہ دراصل وچہ درفروع مثل نبوت وکلام ورویت وتکلیف وتکوین، وحشر ونشر شبہات گونا گون بہ تمسخر واستہزا آوردہ[۷۷]۔

> ترجمہ۔ ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت‘ مسئلہ کلام دیدار الٰہی انسان کا مکلّف ہونا‘ عالم کی تکوین‘ حشر نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شبہات وشکوک پیدا کیے جانے لگے۔

اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ اکبری دَور میں گزر رہی تھی اس کے تصور ہی سے ایک صاحب دل انسان

کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ کسی کی پیش نہیں جا رہی تھی ذرا بولتے تو سامنے موت کا اژدھا منہ کھولے ہوئے نگلنے کے لیے تیار کھڑا تھا جو بولے وہ قتل کروا دیے گئے یا جلاوطن کیے گئے[۷۸]۔

اللہ تعالیٰ نے اس تیرہ و تار دور میں اصلاح احوال کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا۔ ان دونوں بزرگوں نے امرأ کی ایک جماعت کو جسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ''جرگہ مردان دولتِ اسلامیہ'' کے نام سے یاد کرتے تھے بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویج و اشاعت شریعت کے لیے رغبت دلائی[۷۹]۔

حضرت مجدد نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ و جلال اِقتدار کے ہوتے شاہانِ وقت پر تنقید کی، وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اس نازک دور میں حکومت یا سربراہانِ حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ بلکہ اکبر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا[۸۰]۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد اکبری میں دین الٰہی کا مطالعہ کیا۔ اور ان وجوہ کو معلوم کرنے میں وقت گزارا جن سے اسلام کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں پر اثر انداز ہونے کی پوری کوشش کی۔ جو بادشاہ کے مقربین میں شامل تھے۔ مناظر احسن گیلانی کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> چالیس سال کا زمانہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دورِ اکبری میں گزارا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کا یہ حصہ زیادہ تر علومِ ظاہری و باطنی اور کمالاتِ باطنی کے حصول میں صرف ہوا۔ جوانی کے ایام میں آپ اکبر آباد۔ (آگرہ) بھی تشریف لائے۔ جہاں دربار کے ان دونوں عالموں ابوالفضل و فیضی سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس ارادہ کا ظہور بعد کو ہوا اس کا تخم ان ہی ملاقاتوں کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ ابوالفضل و فیضی آپ کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت سے بہت متاثر تھے۔ بلکہ مشہور تو یہاں تک ہے کہ ''سواطع الالہام'' جو فیضی کی مشہور بے نُقط تفسیر ہے اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی امداد شریک تھی فیضی کو حیرت ہوگئی جب ایک صنعت میں جس کا وہ ملتزم تھا مضمون گرفت میں

> نہیں آ رہا تھا۔ اس نے حضرت سے ذکر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ برداشتہ قلم آپ نے اسی صنعت بے نقط میں پوری عبارت لکھدی۔ ان ہی دنوں کا ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیے اسی دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابوالفضل سے ملنے آئے۔ پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو روزے سے ہیں۔ اس نے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی۔ ابوالفضل نے کہا بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے۔ اب کیا عذر ہے۔ بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔'' بادشاہ بے دین است اعتبار ندارد[۸۱]۔

گیلانی صاحب کا ہی ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ابوالفضل اور فیضی کی صحبت آگرہ میں آپ کے لیے بہت مُفید ثابت ہوئی ان لوگوں سے آپ کو فتنہ کے اسباب اور ان موثرات کے سمجھنے کا خوب موقع ملا۔ جس نے بادشاہ اور اسکی حکومت کو اس نقطہ تک پہنچا دیا تھا اور غالباً وہیں آپ نے ان حربوں کا پتا چلا لیا جن کی راہوں سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ بتدریج آپ نے ان حربوں سے اپنے مُسلح کیا[۸۲]۔

مورخین حیران ہیں کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امرأ دربار مغلیہ سے راہ ورسم کیسے پیدا کی اور اکبری تھیلی کے چٹے بٹے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کیسے کام آ گئے۔ مناظر احسن گیلانی اپنی حیرانی کو یوں بیان کرتے ہیں:

> افسوس ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی جدوجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ موجود نہیں جس سے اس سلسلہ کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے۔ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مکتوبات سے بس اتنا معلوم ہوتا

> ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکانِ سلطنت اور عمائدِ حکومت سے خاص ربط پیدا کیا بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کو اپنا گرویدہ بلکہ غلام بنا لیا۔ لیکن یہ کیوں کر ہوا؟ اور ایک فقیر بے نوا نے کس طرح اسمیں کامیابی حاصل کی۔ اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں[۸۳]۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے مقربین، مریدین اور معتقدین کے ذریعے کو راہِ راست پر لانے کی سعی کی۔ محمد عبدالحکیم اختر صاحب رقمطراز ہیں:

> اکبر بادشاہ کی بے راہ روی اور اسلام دشمنی اپنے عروج کو چھو رہی تھی یہ صورتِ حال اسلام کے ہر بہی خواہ کو تڑپانے اور خون کے آنسو رلانے والی تھی۔ فاروقی مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی رگوں کا خون کھول رہا تھا اور صورتِ سیماب مضطرب تھے اس نازک مرحلے پر آپ نے بادشاہ کے مقربین اور اپنے مریدین و معتقدین یعنی خان خاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں اور شیخ فرید وغیرہ کے ذریعے بادشاہ کو راہ راست پر لانے کا فریضہ ادا کیا[۸۴]۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اظہار تأسف فرما رہے ہیں:

> افسوس ہزار افسوس بادشاہِ وقت (اکبر) مسلمان ہے لیکن ہم غریب (اسلامیانِ ہند) اس کمزوری اور خرابی میں پڑے ہوئے ہیں۔ سلاطین کے جاہ وجلال سے اسلام کے چہرے پر رونق آ جاتی تھی۔ علماء کرام وصوفیائے عظام کا اعزاز واکرام ہوتا تھا اور وہ ان حضرات کی مدد سے شرعی احکام نافذ کرتے تھے[۸۵]۔

اکبر بادشاہ نے جب دین الٰہی کا اعلان کیا اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سترہ سال تھی اپنے ظاہری اور باطنی علوم کے حصول میں مصروف رہنے کی وجہ سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دین الٰہی پر کاری ضرب نہ لگا سکے اور صرف تیاری میں مصروف رہے۔ چنانچہ اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت پر بیٹھا تو آپ نے دین الٰہی کے خلاف پوری شدت سے آواز بلند کی۔

شہزادہ سلیم نورالدین جہانگیر کے نام سے تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کو دین الٰہی کی قباحتیں وراثت میں ملیں اگرچہ وہ اس عقیدے کا قائل تھا کہ ہندوؤں کا روپ دھارے بغیر بھی ہندوؤں کو خوش کیا جاسکتا ہے ۸۶۔

تاہم دین الٰہی کی بدعات و منکرات کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمانروا کی تبدیلی کے ساتھ ہی اپنی جدوجہد میں اضافہ کر دیا۔ لالا بیگ جہانگیری دربار کے امیر ہیں ان کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

> درابتدأ بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلماناں اعتبار پیدا کردند فبہا و اگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلماناں بسیار مشکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث الغیاث ۸۷۔
>
> ترجمہ۔ بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار حاصل ہو گیا تو کیا کہنے لیکن العیاذ باللہ اگر اسمیں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کا کام سخت دشواری میں پڑ جائے گا فریاد۔ فریاد۔ فریاد

لاہور کے گورنر جناب شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو جہانگیر کے خاص معتمد تھے کو اس مہم پر یوں آمادہ کرتے ہیں:

> متوقع از جناب شریف ایشان آنست کہ چوں استطاعت وقرب بادشاہ بروجہِ اتم ایشان را حق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است در خلا وملا در ترویج شریعتِ محمدی علیہ وعلیٰ الہ من الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کوشند و مسلماناں را از غربت برآرند ۸۸۔
>
> ترجمہ۔ جناب کی بزرگ ذات سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ کو کلمۂ حق کہنے کی استطاعت ہے اور حق سبحانہ، تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ کا قرب بھی مرحمت فرمایا ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعتِ محمدی (ان پر اور ان کی آل پر افضل درود اور اکمل سلام ہوں) کی ترویج کے لیے سعی فرمائی جائے گی اور مسلمانوں کو اس ذلت وخواری سے نکالا جائے گا۔

ایک اور مکتوب میں ''خان جہان'' کو بادشاہ کو راہ راست پر لانے کے لیے راغب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہمیں خدمت کہ در پیش دارند اگر آں را باتیان شریعت علی مصدر ہا الصلوٰۃ والسّلام جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند و دین متین را منور ساختہ و معمور گردانیدہ ما فقیراں اگر سالہا جان بکنیم دریں عمل بہ گردِ شما شاہ بازاں نرسیم۔[۸۹]

> ترجمہ۔ یہی نوکری جو تم کرتے ہو اگر اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ۔ تو تم نے گویا پیغمبروں کا کام کیا دین متین کو روشن کرو گے اور آباد کرو گے ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی لگا دیں جب بھی آپ جیسے شاہ بازوں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کو ہی ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

> صلاحِ بادشاہ صلاحِ عالم است و فسادِ او فسادِ عالم میدانند کہ در قرنِ ماضی (یعنی عہدِ اکبری) بر سرِ اہلِ اسلام چہا گذشتہ ست زبونیِ اہلِ اسلام باوجود کمال غربت در قردن سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلماناں بر دین خود باشند و کفار بر کیشیں خو و آیت کریمہ **لکم دینکم ولی دین** بیان این معنی ست و در قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا اجرائی احکام کفر در دار اسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل می رسیدند (پھر بفاصلہ چند سطور) علمائی دنیا کہ ہمت ایشان دنیائ دنیہ ست صحبتِ ایشاں زہر قاتل ست و فسادِ ایشاں فسادِ متعدی[۹۰]۔

> ترجمہ۔ بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا زمانہ ماسبق میں جبکہ اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت کریمہ

> "لکم دینکم ولی دین" سے ظاہر ہے لیکن زمانہ ماضی (عہد اکبر) میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دار سلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلامِ ظاہر کرنے سے عاجز وقاصر تھے اور اگر ظاہر کرتے تھے تو قتل کیے جاتے تھے (پھر چند سطور کے بعد) علماء سوء جن کا کام دنیا کمانا ہے ان کی صحبت قاتل زہر ہے اور ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

خان اعظم کے نام مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

> آپ پوری کوشش کریں کہ اہل کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں انہیں نیست ونابود کر دیا جائے اور اہلِ اسلام خلافِ شرع امور سے محفوظ ومامون ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف جزائے خیر عطا فرمائے[91]۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی دلی خواہش ہے کہ وہ مشرکین اور کفار کو ذلیل ہوتے دیکھیں جناب مرتضیٰ علی خان کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> ہر شخص کے دل میں کوئی نہ کوئی خواہش ضرور ہوتی ہے جبکہ اس فقیر کی دلی خواہش یہ ہے کہ اللہ ورسول (جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں پر سختی کی جائے ان کی اہانت کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل کیا جائے۔ فقیر کا اس بات پر کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے پسندیدہ اور پیارا عمل اور کوئی نہیں ہے بایں وجہ آپ کو بار بار اس محبوب عمل کی ترغیب دی جاتی رہی ہے یہ پایۂ تکمیل کو پہنچانا میرے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام اور وہاں کے باشندوں کی تحقیر واہانت کے لیے آپ کا تقرر ہوا ہے لہٰذا پہلے تو اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ کتنے ہی لوگ اس جگہ کی اور وہاں کے باشندوں کی تعظیم وتوقیر کے لیے

> وہاں جاتے، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس مصیبت سے اس نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تذلیل میں پوری طرح کوشاں رہنا چاہیے اور ان کی بربادی کے لیے ظاہر و باطن جہاں ممکن ہو کوشش کرنی چاہیے[۹۲]۔

اپنے ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

> فقیر کی نظر میں حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے میں اس کے دشمنوں سے بیزار رہنے کے برابر کوئی عمل نہیں۔ اس بیزاری کا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ سبحانہ تعالیٰ کو کفر اور کافروں سے عداوت ہے[۹۳]۔

بادشاہ نورالدین جہانگیر کے دربار میں ہندووں کے علاوہ شیعہ حضرات کا خاصا اثر تھا۔ بادشاہ جہانگیر کی اپنی زبانی سنیے:

> دردولتِ پادشاہی من حالا دردست این سلسلہ پدر دیوانِ کل، پسر وکیلِ مطلق دختر ہمراز و مصاحب[۹۴]۔
>
> اب میری ساری بادشاہی اسی سلسلہ (نور جہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے اسکا باپ دیوان کل ہے اور بیٹا (نور جہاں کا بھائی آصف خاں) وکیل مطلق ہے اور بیٹی (خود نور جہاں) ہمراز و ہم صحبت۔ جبکہ تاج و تخت پر اس طرح شیعیت کا قبضہ تھا۔ یہ تینوں شیعہ عقیدہ کے پیروکار تھے۔ اور اسکی ترویج کے لیے ہمہ تن مصروف کوئی وجہ نہ تھی **"الناس علی دین ملوکھم"** کے فطری اور طبعی اصول پر عوام میں شیعیت کے جراثیم نہ پھیلتے۔ چنانچہ شیعی خیالات عوام سنیوں میں بھی سرایت کرنے لگے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلتِ مطلقہ کا عقیدہ اور جن صحابہ کرام کے آپ سے اختلاف ہوئے ان کی طرف سے بغض و عداوت اور اس قسم کے شیعیت کے دوسرے مُبادی بھی وبائے

عام کی طرح سُنیوں میں پھیلنے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس فتنۂ تشیع کے استیصال کی طرف خاص توجہ فرمائی آپ نے بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کیے جن میں ان کو شکست فاش دی آپ کے اس اقدام نے شیعیت کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور اسی ایک ضرب نے اسکی کمر توڑ دی۔ اس کے علاوہ آپ نے مشہد سے آمدہ ایک رسالہ جس میں حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذمت و تشنیع تھی کے جواب میں ''ردِ روافض'' نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں آپ نے شیعہ حضرات کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب خوب چاک کیا۔ اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ مُبارک کی شرح لکھی۔

افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> امامِ برحق و خلیفۂ مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق ست رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمرِ فاروق ست رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین ست رضی اللہ عنہ، بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب ست رضی اللہ عنہ وافضلیتِ ایشاں بترتیبِ خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است۔ چنانچہ نقل کردہ اند آنرا اکابر ائمہ کہ یکی از ایشان امام شافعی است شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہل سنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی ست انکار نکند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ میفرماید کہ کسیکہ مرا بر ابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری ست اورا تازیانہ زنم چنانکہ مُفتری را زنند[۹۵]۔

ترجمہ۔ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امامِ برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ،

بعد ازاں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت صحابہ تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگواراں کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے جن میں امام شافعی علیہ الرحمتہ ہیں شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے فرمایا ہے کہ شیخین کی افضلیت باقی اُمّت پر قطعی ہے سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑا لگاؤں گا جس طرح مفتری کو لگاتے ہیں۔

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کا ارشاد بیان فرماتے ہیں:

حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرمودہ است کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دو افضل این امت اند کسے کہ مرا برایشان فضل دہد مفتری ست واورا تازیانہ زنم چنانچہ مفتری رازنند و منازعات ومحاربات کہ درمیان اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات واقع شدہ است بر محاملِ نیک محمول باید داشت[۹۶]۔

ترجمہ۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مُفتری ہے میں اسکو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے۔

خواجہ محمد تقی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے صحابہ کرام کے نزاعات اور مشاجرات کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

اہل سنت شکر اللہ سعیھم مشاجرات ومنازعاتِ اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول میدارند واز ہوا وتعصب دور میدانند زیرا کہ نفوس ایشان درصحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات مزکی شدہ بود وسینہای ایشان ازعداوت وکینہ پاک گشتہ[۹۷]۔

ترجمہ۔ اہل سنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات واختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہشِ نفسانی وتعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہوگئے ہیں اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک ہوگئے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق فرماتے ہیں:

پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بیان شطرِ دین را باو حوالہ داشتہ واصحاب کرام درمشکلات احکام رجوع بوی می نمودند وحل مغلقات ازوی دریافتند۔ این چنیں صدیقہ مجتہدہ را بواسطہ مخالفت حضرت امیر مطعون ساختن واشیایٔ ناشائشہ را بوی منتسب نمودن بسیار نامناسب است ودور از ایمان[۹۸]۔

ترجمہ۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف دین کی تبلیغ واشاعت ان کے سپرد کی تھی اور صحابہ کرام مُشکل معاملات اور اہم مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان ہی سے ناقابل حل گتھیاں حل کراتے تھے۔ پس ایسی صدیقہ مجتہدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صرف حضرت علی مرتضیٰ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مطعون کرنا اور ناسزا باتیں ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور ایمان سے دُور ہے۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے محاربات ہوئے ان میں

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

> طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما از کبار اصحاب اند و در عشرہ مبشرہ بحث طعن و تشنیع ایشاں نامناسب است ولعن وطرد ایشان عاید بہ لاعن وطارد وہماں[۹۹]۔
>
> ترجمہ۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں ان پر کسی قسم کا طعن روا نہیں اور اگر کوئی بدنصیب ان بزرگ ہستیوں پر لعنت وملامت کرے تو اسکی یہ لعنت وملامت خود اس پر لوٹے گی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجدد الف ثانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

> دراحادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحق معاویہ دعاء کردہ اند۔ اللّٰھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب، وجائی دیگر در دعاء فرمودہ اند اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیا ودعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقبول[۱۰۰]۔
>
> ترجمہ۔ اور احادیثِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ثقہ راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حق میں دُعا فرمائی کہ اے اللہ اسکو کتاب وحساب کا علم دے اور عذاب سے بچا اور ایک اور موقع پر حضرت نے فرمایا۔ انہیں کے لیے دُعا فرمائی کہ خداوندا! اس کو ہادی مہدی بنا اور حضور کی دُعا بلا ریب مقبول ہے۔

بالآخر تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

> **وفضیلۃ الصحبۃ فوق جمیع الفضائل والکمالات ولھذا لم یبلغ اویس القرنی الذی ھو خیر التابعین مرتبۃ ادنیٰ من صحبۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام**[۱۰۱]۔

ترجمہ۔ اور صحبتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فضیلت تمام دوسرے فضائل وکمالات سے اعلیٰ وبالا ہے اور اسی واسطے وہ اویس قرنی جو بلاشبہ تابعین میں افضل ترین ہیں کسی اور ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچ سکے۔

شیعیت پر ضرب کاری لگانے کے ساتھ ساتھ وہ خود ساختہ مشائخ کی بھی خبر لیتے رہے آپ نے اپنے بیشتر مکتوبات میں ان کے عقائد کا مسکت جواب دیا ہے۔ آپ ان کو علماء سوء ہی کے زمرے میں شمار کرتے تھے آپ فرماتے ہیں:

اکثر جہلا صوفی نما این زمانہ حکم علمائ سوٗ دارند فسادِ اینہا متعدی است[102]۔

ترجمہ۔ اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل بھی علما سو کے حکم میں داخل ہیں ان جاہل صوفیوں کا بگاڑ بھی متعدی ہے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

بعضی از ملاحدہ کہ بر باطل مسند شیخی گرفت حکم جوازِ تناسخ می نمایند و می انکارند کہ نفس تا زمانہ کہ بحد کمال رسید از تقلبِ ابدان اور اچارہ بنودی گویند چون بحدِ کمال رسید از تقلبِ ابدان بلکہ از تعلقِ بدن فارغ گشت[103]۔

ترجمہ۔ ان بے دینوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبردستی شیخ کی مسند پر قبضہ جمالیا ہے یہ تناسخ کے قائل ہیں خیال کرتے ہیں جب تک آدمی کی روح اپنے کمال کو حاصل نہیں کرتی ایک بدن سے دوسرے بدن میں چکر کاٹتی رہتی ہے اور جب کمال کے آخری نقطے تک اسکی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت اس چکر بلکہ سرے سے بدن ہی سے بے تعلق ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ خام صوفی جو دراصل علماء سوء ہی شمار کیے جانے چاہییں آواگون کے ہندو عقیدہ کو مانتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے مسلمان گورنروں، سپہ سالاروں، مقربوں، اور

صاحبِ درد اصحاب کی وساطت سے بادشاہ جہانگیر کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ علماء خام، صوفی اور شیعہ علماء کے باطل عقیدہ کی قلعی کھولنے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ احوال کی پوری کوشش کی۔ ان کے علاوہ ہندوؤں کے زیرِ اثر پیدا شدہ عقائد کی اصلاح بھی فرمائی۔ حتیٰ کہ بادشاہ کو سجدہ کرنے والوں کے خلاف فتوٰی دے دیا۔ جب دشمنانانِ اسلام کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا تو انہوں نے آپ کے خلاف سیاسی محاذ قائم کرلیا۔ اور بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے کہ حضرت امام حکومت کے باغی ہیں اور درویشی کے بھیس میں ایک رُوپوش فوج تیار کررہے ہیں تاکہ تخت وتاج پر قبضہ کیا جاسکے۔ جہانگیر کو مذہبی مخالفت سے زیادہ سیاسی خطرہ نظر آیا تو اس نے پہلے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معاونین ومعتقدین کو دربار سے دور دراز مقامات پر تبدیل کردیا۔ پھر آپ کو دربار میں طلب کیا اور آدابِ شاہانہ یعنی ظلِّ سبحانی کو دربار میں سجدہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک نائب اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جھکنے والا سر بادشاہِ ہند کے سامنے کس طرح زمین بوس ہوسکتا تھا۔ حضرت امام کو تمام شاہی جاہ وجلال اور کروفر مرعوب نہ کرسکے۔ آپ کی حمیت دینی اور غیرت اسلامی جوش میں آئی۔

آپ نے فرمایا اے جہانگیر! یہ ایک کھلی ضلالت ہے کہ میں اپنے ایسے مجبور انسان کو قابل سجدہ سمجھوں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے سوا کسی کے سامنے سجدہ جائز نہیں[۱۰۴]۔

بادشاہ جہانگیر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا جواب سن کر سیخ پا ہوگیا۔ حاسد درباریوں اور خود بیگم نورجہاں نے جو شیعہ تھی بادشاہ کو خوب بھڑکایا۔ جہانگیر نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے خوفزدہ ہوکر آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کردیا۔ یہ قلعہ باغی عناصر کے لیے مشہور تھا۔ قید کا زمانہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت صبروسکون کے ساتھ گزارا بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مصیبت کو عین راحت قرار دیا آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> میر محمد نعمان را معلوم بودہ باشد مفہوم شد کہ ہر چند یارانِ خیر اندیش در تشبت اسباب خلاصی کوشیدند سودمند نیامد الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ، پارہ ازیں امر بمقتضائی بشریت حزنی پیدا شد و در سینہ تنگی ظاہر گشت بعد از زمانی بفضل حق سلطانہٗ آں ہمہ حزن وتنگیِ سینہ بفرح وشرحِ صدر مبدل گشت وبیقین خاص دانست اگر مُرادِ این جماعت کہ در صدر آزارند موافق مرادِ حق

است جلشانہ، پس کرہ وتنگی سینہ بمعنی است ومنافی دعوی محبت است ۱۰۵۔

ترجمہ۔ میر محمد نعمان کو معلوم ہوا ہوگا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے بمقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل کی تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانہ میں اللہ تعالے کے فضل سے وہ رنج اور دل کی تنگی فرحت وشرحِ صدر سے بدل گئی اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مُراد میرے درپے آزار ہیں اللہ جل سلطانہ، کی مُراد کے موافق ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل کی تنگی بے معنی ہے اور دعوٰی محبت کے منافی۔

قید ہی کے سلسلے میں ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

صحیفۂ شریفہ کہ بمصحوب شیخ فتح اللہ ارسال داشتہ بودند رسید از جفا وملامتِ خلق نوشتہ بودند آن خود جمال این طائفہ است وصیقل زنگار ایشان ست باعث قبض وکدورت چرا باشد اوائل حال کہ فقیر بایں قلعہ رسید محسوس می شد کہ انوار ملامت خلق از بلاد وقری در رنگ سحابہائی نورانی پی در پی میر سند وکار را از حضیضِ باوج می برند ۱۰۶۔

ترجمہ۔ آپ کا صحیفۂ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا۔ آپ نے جفا وملامت خلق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے یہ تو اس گروہ سالکین کا حسن اور ان کے زنگ کے لیے صیقل ہے لہٰذا دل کی تنگی وکدورت کا باعث کیوں ہو جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامتِ خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے معاملہ کو پستی کی طرف سے بلندی کی طرف لیے جا رہے ہیں۔

اپنے بیٹوں کو احوال قید بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرزندانِ گرامی بجمعیت باشند مردم ہمہ وقت محنت ہای مارادر نظر می دارند ومخلصی ازضیق طلبند نمی دانند کہ درنامرادی وبےاختیاری وناکامی چہ بلاحسن وجمال ست وکدام نعمت برابرآنست کہ این کس رابی اختیار ازاوبرآرندوباختیارخوداورازندگانی دہندوامورا ختیاری اورانیز تابع آں بےاختیاری اوراساختہ اوراز دائرۂ اختیاراوبرآرندوکاملیت بین یدی الفسال سازنددرایام حبس گاہی کہ مطالعہ ناکامی وبےاختیاری خودمی نمودم عجب حظی گرفتم وطرفہ وذق می یافتم بلی ارباب فراغت ذوق ارباب بلا راچہ دریابندواز جمال بلائ اوچہ درک نمایند۔ طفلاں راحظ منحصر درشیرینی ست دآنکہ ازتلخی حظ فراگرفتہ است شیرینی رابجوی نمی خرد[107]۔

ترجمہ۔ فرزاندانِ گرامی! خاطرجمع رکھولوگ ہروقت ہماری تکلیفوں پرنظر رکھتے ہیں اوراسکی تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں ان کومعلوم نہیں کہ نامرادی بےاختیاری اورناکامی میں کس غضب کاحسن وجمال ہےاس کے برابر کونسی نعمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بےاختیار کرکے خوداس کے ارادے اوراختیار سے باہرنکال لےاوراپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشےحتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ کواس بےاختیاری کے تابع بناکےاس کو اپنے ارادے اوراختیار سے بالکل دستبردار کردیا جائے اوراس کومُردہ بدست زندہ بنادیا جائے۔ قید کے زمانے میں جب اپنی ناکامی وبے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لُطف اٹھاتا تھا اورانوکھا مزہ پاتا تھا لیکن فراغت والےمصیبتوں کےحسن کا کیا اندازہ کریں۔ بچوں کوتو صرف شیرینی میں مزہ ملتاہےلیکن جس کوتلخی میں لذت ملی تو وہ شیرینی کوایک جَو میں بھی نہیں خریدتا۔

مندرجہ بالا مکتوب اگرچہ گوالیار کے قلعہ کے زمانے کانہیں بلکہ لشکر میں نظر بندی کے زمانے کا ہے۔ تاہم اس میں وہ کیفیات درج ہیں جوقید کے زمانے میں حضرت مجددالف ثانی رحمتہ اللہ علیہ محسوس

کرتے رہے ہیں۔ ان مکتوبات سے آپ کے صبر، تحمل، بُردباری اور برداشت کا پتا چلتا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میں مصائب اور آلام کو عین راحت سمجھ کر سینے سے لگایا۔ قید کے دوران میں بھی آپ نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا گوالیار کے قلعہ میں ہزاروں ہندو مقید تھے۔ حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ سے وہ مشرف باسلام ہوئے اور سیکڑوں ان میں سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پر بیعت ہوتے گئے ۱۰۸۔

اسی سال مکتوبات امام ربانی کا دفتر دوم مکمل ہوا اور آپ کے خلیفہ شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی سے متعلق مختلف روایات موجود ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بندی کا علم جب ان اراکینِ سلطنت اور گورنروں کو ہوا جو آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ تو وہ بھڑک اُٹھے اور بادشاہ کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کی خاطر ان کے درمیان خط وکتابت شروع ہوگئی آخر کار طے پایا کہ مہابت خاں حاکم کابل بغاوت کریں اور دیگر حکام فوج اور خزانے سے ان کی مدد کریں گے۔ مولانا داؤد امرتسری فرماتے ہیں کہ جب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا اور رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی تلقین کی چنانچہ مہابت خاں واپس چلا گیا۔

صاحب روضۃ القیومیہ کے نزدیک مذکورہ واقعہ یوں ہے کہ مہابت خاں جہانگیر کی فوجوں کا دریائے جہلم کے قریب آمنا سامنا ہوا۔ جہانگیر کے لشکر میں ہی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بکثرت مرید تھے اس لیے شاہی لشکر نے مقابلے میں کوئی سرگرمی نہ دکھائی۔ جہانگیر کو ایک جنگی چال سے گرفتار کرلیا گیا۔ وزیر اعظم اور جہانگیر نے مہابت خاں سے معافی مانگی اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کردینے کا وعدہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو مہابت خاں کو لکھ بھیجا کہ فتنہ دفع کرو اور بادشاہ کے اطاعت گزار رہو۔ جہانگیر کو جب اس مکتوب کا پتا چلا تو وہ بہت نادم ہوا۔ بادشاہ نے رہائی کا پروانہ جاری کیا اور زیارت کی خواش ظاہر کی۔

ایک اور روایت ہے کہ قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا، خواب کیا قسمت جاگ اٹھی دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کردیا۔ اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی ۱۰۹۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رہائی کا سن کر کہا کہ جب تک بادشاہ ہماری چند شرائط منظور نہیں کر لیتا۔ ہمیں رہائی نہیں چاہیے۔ جہانگیر نے تمام شرائط منظور کیں۔ تب آپ نے رہا ہونا منظور کیا۔ شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱......سجدۂ تعظیمی موقوف کیا جائے۔

۲......گاؤ کشی کی آزادی ہو۔ سرِ بازار گائے کا گوشت بیچنے پر کوئی مانع نہ ہو۔

۳......بادشاہ اور مُسلمان اراکین سلطنت دربار عام کے دروازے پر ایک ایک گائے اپنے ہاتھ سے ذبح کریں اور ان کا بُھنا ہوا گوشت سب مل کر سرِ دربار کھائیں۔

۴......ملک میں جتنی مساجد شہید کی گئی ہیں ان کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

۵......دربار عام کے قریب ایک مسجد تعمیر کی جائے جس میں بادشاہ اور ارکانِ دولت نماز ادا کریں۔

۶......ہر شہر اور قصبے میں دینی تعلیم و تدریس کے مدارس قائم کیے جائیں۔

۷......ہر شہر میں محتسب، مفتی اور قاضی مقرر کیے جائیں۔

۸......کفار پر جزیہ لگایا جائے۔

۹......جتنے خلافِ شرع قوانین رائج ہیں انہیں یک قلم موقوف و منسوخ کیا جائے۔

۱۰......جاہلیت کی تمام رسمیں مٹا دی جائیں[۱۱۰]۔

جہانگیر نے ان تمام شرائط کو دل سے قبول کر لیا اور احکامات جاری کر دیے۔ دربار عام کے باہر ایک عالی شان مسجد تعمیر کی گئی جہاں بادشاہ سمیت اراکین سلطنت نماز ادا کیا کرتے تھے گائے کشی پر سے ممانعت ختم کر دی گئی۔ گائے کا گوشت بازار میں ملنے لگا۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ خلافِ شرع قوانین اپنے انجام کو پہنچے کفار پر جزیہ کا اجرا ہوا۔ غرضیکہ جہانگیر نے اپنے ہاتھوں دین الٰہی کا گلہ گھونٹ دیا۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سرہند شریف یا کسی اور جگہ جانے کے بجائے لشکر میں رہنا پسند کیا۔ اس سے قبل آپ نے لشکر میں تبلیغ دین کے لیے اپنے مُرید بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اب فوج میں خود تبلیغ کرنے اور براہِ راست بادشاہ کو راہِ ہدایت دکھانے کا موقع غنیمت سمجھا۔ دربار میں آنا جانا اور جلوت و خلوت میں بادشاہ سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا اثر خاص تھا کہ جہانگیر کے دل سے شاہی غرور مٹ گیا۔ نور جہاں کی وجہ سے روافض

کافتور جو اس کے دماغ میں اثر پذیر تھا اپنی موت آپ مر گیا۔ جہانگیر اگرچہ اپنے اہلسنت ہونے کا اقرار کرتا تھا۔ لیکن روافض کے لیے بھی اس کے دل میں عقیدت مندی موجود تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ سے بادشاہ کے دل سے روافض کا اثر ختم ہو گیا اور اب جہانگیر ایک راسخ العقیدہ سُنّی مسلمان تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے اصلاحی اور تجدیدی کارنامے سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم لکھتے ہیں:

> جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی آگے آئے آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس انقلاب تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہان اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضا میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔ اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطہ عروج تھا جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے شاہجہان اگرچہ ایک پارسا سُنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہ کرتا تھا۔ تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا اورنگ زیب سنیوں کا نشانِ نُصرت تھا[١١١]۔

مغل سیاست پر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد یٰسین لکھتے ہیں:

> دورِ جہانگیری کی تاریخ لکھتے وقت اگر مُغل سیاست پر حضرت مجدد کے اثرات کا کوئی ذکر نہ کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ یہ تاریخ ہی نامکمل رہے[١١٢]۔

شیخ محمد اکرام نے مغل سیاست وحکومت پر خیال آرائی فرماتے ہوئے لکھا ہے:

> یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دورِ اکبری سے لے کر دورِ عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جو نشیب و فراز آتے رہے ہیں وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے[١١٣]۔

پروفیسر عزیز احمد حضرت مجدد کی اسلامی خدمات سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نگارشات اور آپ کے اثرات نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار اور الحاد کو روکا۔ آپ نے مذہب کی حرکیت اور تصوّف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کیا اسلامی ہند میں مذہبی متصوفانہ فکر اسلامی کے سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت نہایت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں[۱۱۴]۔

مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اصلاحِ احوال کے لیے جو قلمی جہاد فرمایا وہ مکتوبات شریف کی تین جلدوں کی صورت میں موجود ہے۔ مکتوبات شریف کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے رسائل بھی تحریر کیے۔ جن میں مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں:

> اثبات النبوۃ، مبداو معاد، مکاشفاتِ غیبیہ، معارفِ لدُنیہ، ردِّ روافض، شرح رباعیات خواجہ بیرنگ۔ رسالہ تعین ولاتعین۔ رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ درمسئلہ وحدۃ الوجود، آداب المریدین، رسالہ جذب وسلوک اور رسالہ درعلم حدیث۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ کی اکثر تصانیف کی حیثیت خالص تخلیقی ہے۔ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی نگارشات ہیں جن کا انگریزی میں ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور انگریزی زبان بایں ہمہ وسعت وہمہ گیری ایسے الفاظ سے خالی ہے جو افکار مجددیہ کی ترجمانی کرسکیں[۱۱۵]۔

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مساعی جمیلہ اور ہر سطح پر فکر مُسلم کی اصلاح اور لادینی ذہنوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے پر تحسین آمیز الفاظ میں فرمایا۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[۱۱۶]

☆……☆……☆

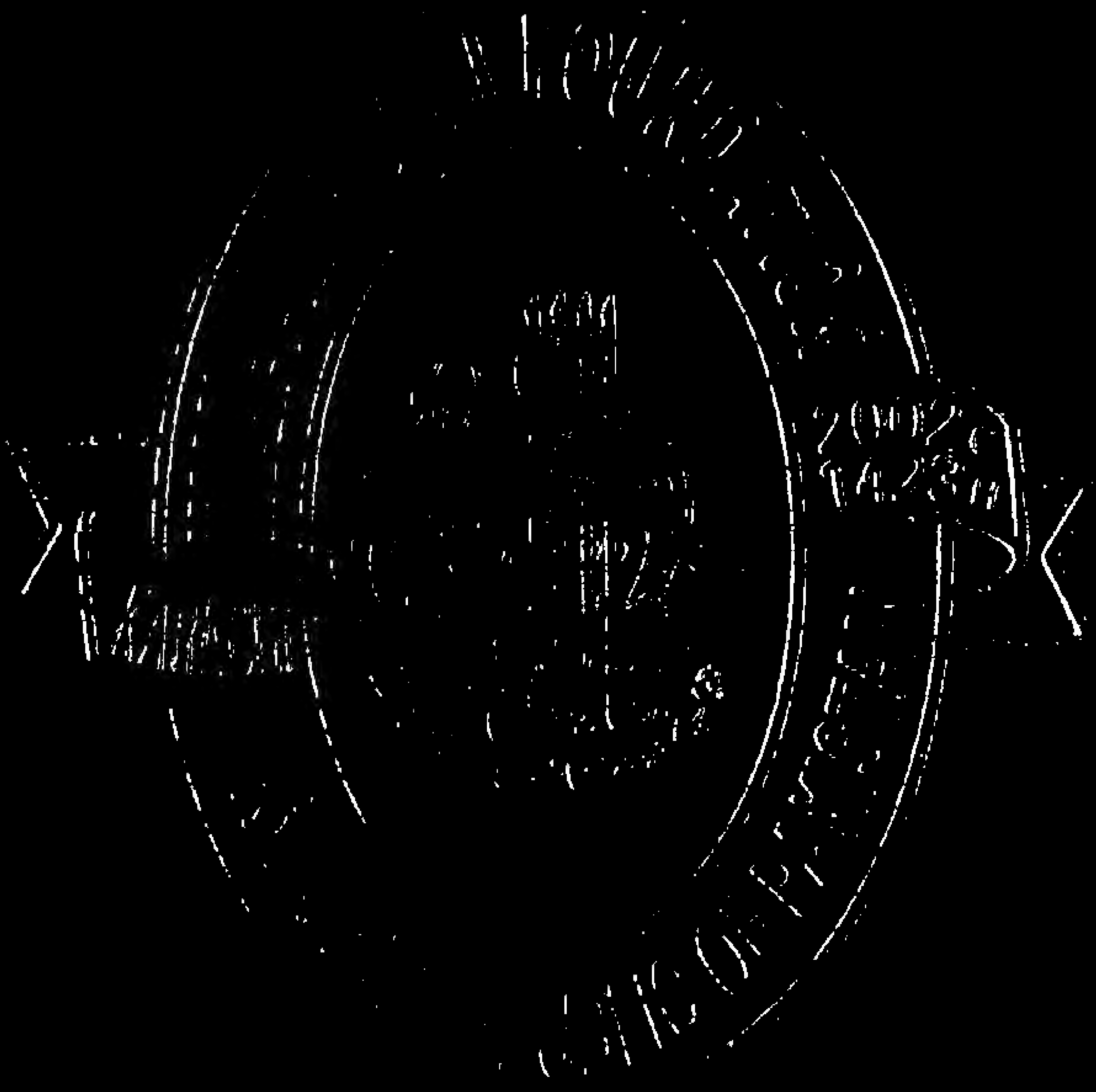

حواشی:

۱......مولانا محمد میاں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی جدید حصہ اوّل مطبوعہ دلی، پرنٹنگ پریس دہلی، ص۔ ۴۶

۲......ملا عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ، ص۔ ۳۱۵

۳......ایضاً

۴......ایضاً

۵......گلبدن بیگم، ہمایوں نامہ ترجمہ رشید اختر ندوی، ص۔ ۳۶۱/۳۶۲

۶......مولانا محمد میاں' علماء ہند کا شاندار ماضی جدید، ص۔ ۴۸

۷......مآثر الامراء جلد دوم، ص۔ ۱۳۹

۸......ایضاً، ص۔ ۵۷۸

۹......عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری، تجلیات امام ربانی مکتبہ نبویہ لاہور، ص۔ ۳۱۷

۱۰......آ بادشاہ پوری۔ حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات مکتبہ چراغ اسلام لاہور، ص۔ ۲۷

۱۱......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات نیو بک پیلس لاہور، ص۔ ۳۳۳

۱۲......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۱۸۸

۱۳......مناظر احسن گیلانی۔ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر دوسرا ایڈیشن، ۱۳۶۸ھ، ص۔ ۸۱

۱۴......صفدر حیات صفدر۔ عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔ ۸۳

۱۵......محمد عبدالحکیم خان اختر شاہجہاں پوری تجلیات امام ربانی، ص۔ ۳۱۸

۱۶......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۱۸۸

۱۷......ایضاً، ص۔ ۱۸۸

۱۸......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔ ۸۴

۱۹......ایضاً، ص۔ ۸۳

۲۰......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۳۱۱

۲۱......ابوالکلام آزاد تذکرہ مرتبہ فضل الدین احمد مرزا البلاغ پریس کلکتہ، ص۔ ۱۸۔ ۱۹

۲۲......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۳۱۱

۲۳......ایضاً۔

۲۴......ابوالکلام آزاد تذکرہ، ص۔ ۲۲، ۲۱

۲۵......مناظر احسن گیلانی، الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر، ص۔۸۵
۲۶......مناظر احسن گیلانی الفرقان مجدد الف ثانی، ص۔۸۳
۲۷......کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد چہارم بحوالہ عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۳۴۷
۲۸......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔۳۱۲
۲۹......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۸۰
۳۰......ایضاً، ص۔۳۴۳
۳۱......ایضاً، ص۔۳۳۶
۳۲......ایضاً، ص۔۸۱
۳۳......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔۳۵۱
۳۴......الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر، امام ربانی کا تجدیدی کارنامہ قسط دوم، ص۔۲۰
۳۵......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۸۱
۳۶......ایضاً، ص۔۳۴۸
۳۷......ایضاً، ص۔۳۵۳
۳۸......محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری تجلیات امام ربانی، ص۔۳۲۳
۳۹......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۳۷۹
۴۰......ایضاً، ص۔۶۰
۴۱......ایضاً، ص۔۳۳۷، ۳۳۶
۴۲......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۳۴۷
۴۳......مناظر احسن گیلانی الفرقان مجدد الف ثانی نمبر، ص۔۴۷
۴۴......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۲۸۶
۴۵......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۲۸۹
۴۶......ایضاً، ص۔۳۴۰
۴۷......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔۳۰۸
۴۸......محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری تجلیات امام ربانی، ص۔۳۳۵
۴۹......صفدر حیات صفدر، عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔۳۳۹

۵۰......مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل مکتوب، ۲۷۶ (ترجمہ)

۵۱ ......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔ ۳۳۰

۵۲......ایضاً ص۔ ۳۳۰

۵۳......ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ۔ مطبوعہ کلکتہ

۵۴......ایضاً

۵۵۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، ص۔ ۲۵۸

۵۶......ایضاً

۵۷......ایضاً

۵۸......ایضاً

۵۹......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۲۵۶

۶۰......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ جلد دوم، ص۔ ۲۷۲

۶۱......صفدر حیات صفدر عہدِ مغلیہ مع دستاویزات، ص۔ ۳۴۹

۶۲......ایضاً

۶۳......ایضاً، ص۔ ۳۲۶

۶۴......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۲۵۹

۶۵......ایضاً، ص۔ ۲۵۶

۶۶......ایضاً بحوالہ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر، ص۔ ۷۱

۶۷......منتخب التواریخ بحوالہ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر، ص۔ ۷۶

۶۸......ایضاً

۶۹......صفدر حیات صفدر عہدِ مغلیہ مع دستاویزات، ص۳۵۲

۷۰......ایضاً، ص۔ ۳۵۳

۷۱......ایضاً

۷۲......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ مع دستاویزات، ص۔ ۳۵۱

۷۳......شیخ احمد سرہندی مکتوبات شریف دفتر اوّل حصہ دوم مکتوبات، ۶۵، ص۔ ۴۵

۷۴......دفتر اوّل حصہ چہارم مکتوبات ۲۶۶، ص۔ ۱۲۶

۷۵......دفتر سوم حصہ ہشتم مکتوبات نمبر ۴۱، ص۔ ۹۲

۷۶......ایضاً، ص۔ ۹۳

۷۷......ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، ص۔ ۳۰۷

۷۸......محمد عبدالحکیم اختر تجلیات امام ربانی، ص۔ ۳۵۹

۷۹......محمد اسلم پروفیسر دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر مطبوعہ دہلی، ص۔ ۲۳۱

۸۰......نکولس، مینوکی، فسانۂ سلطنت مغلیہ مترجم سید مظفر علی مطبوعہ آگرہ، ص۔ ۱۳۰

۸۱......الفرقان مجدد الف ثانی نمبر، ص۔ ۸۷

۸۲......ایضاً، ص۔ ۸۸

۸۳......ایضاً، ص۔ ۱۰۱

۸۴......محمد عبدالحکیم اختر تجلیات امام ربانی، ص۔ ۹۸

۸۵......مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوبات ۹۲

۸۶......صفدر حیات صفدر عہد مغلیہ اور دستاویزات، ص۔ ۴۲۶

۸۷......مکتوبات شریف امام ربانی دفتر اوّل مکتوب ۸۱

۸۸......ایضاً، مکتوب ۴۷

۸۹......مکتوب شریف بحوالہ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر، ص۔ ۸۹

۹۰......مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل حصہ دوم مکتوب ۴۷، ص۔ ۱۸

۹۱......مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل مکتوب ۶۵

۹۲......ایضاً، مکتوب ۱۶۹

۹۳......ایضاً، مکتوب ۲۶۶

۹۴......نورالدین جہانگیر۔ تزکِ جہانگیری

۹۵......مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم، مکتوب ۶۷، ص۔ ۴۷

۹۶......مکتوبات امام ربانی دفتر سوم حصہ ہشتم مکتوب ۱۷، ص۔ ۳۸

۹۷......ایضاً دفتر دوم مکتوب ۳۶، ص۔ ۵۸

۹۸......ایضاً، ص۔ ۶۰، ۵۹

۹۹......ایضاً

۱۰۰......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۱، ص۔ ۴۳

۱۰۱......ایضاً، مکتوب ۵۹

۱۰۲......ایضاً، مکتوب ۴۷، ص۔ ۶۶

۱۰۳......ایضاً، مکتوب ۸۵

۱۰۴......عبدالکریم ثمر، ارشاداتِ مجدد، مکتبہ شیرِ ربانی شرقپور شریف، ص۔ ۴

۱۰۵......مکتوبات شریف، دفتر سوم، حصہ ہشتم، مکتوب ۱۵، ص۔ ۲۴،۲۵

۱۰۶......ایضاً، مکتوب ۶، ص۔ ۱۵

۱۰۷......ایضاً، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب ۵۳، ص۔ ۲۲

۱۰۸......عبدالحکیم خاں اختر تجلیات امام ربانی، ص۔ ۱۰۱

۱۰۹......عبدالشکور لکھنوی، تذکرہ امام ربانی، ص۔ ۲۵۶

۱۱۰......عبدالحکیم اختر، تجلیات امام ربانی

۱۱۱......اشتیاق احمد قریشی، ڈاکٹر، ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اوّل، ص۔ ۲۰

۱۱۲......محمد یلیین اے، سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، ص۔ ۱۴

۱۱۳......شیخ محمد اکرام، مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، ص۔ ۲۷۰

۱۱۴......عزیز احمد، اسٹیڈیز ان اسلامک کلچر، باب ہفتم، مطبوعہ آکسفورڈ، ص۔ ۱۸۹

۱۱۵......اکٹر محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۲۹۸

۱۱۶......ایضاً ''بالِ جبریل''۔ ''پنجاب کے پیرزادوں سے'' ص۔ ۲۱۱

☆......☆......☆

قلعہ گوالیار گوالیار۔ بھارت

حضرت مجدد الف ثانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ایک صحیح النسب سید نے بیان کیا کہ میں اجین میں تھا اور سوداگروں کی ایک جماعت میرے پڑوس میں تھی۔ ان میں سے ایک شخص جان محمد جالندھری تھا جو مجھ سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن یہ خبر ملی کہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو بادشاہ سے ایذا پہنچی ہے اور آپ کو گوالیار بھیج دیا گیا ہے۔ میں بہت مغموم اور رنجیدہ تھا۔ دیکھا کہ جان محمد میرے پاس آیا اور مجھے رنجیدہ دیکھ کر سبب پوچھا۔ میں نے واقعہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میں بھی اُن کا مرید ہوں۔ آج میں انہی سے تحقیق کر لیتا ہوں۔ وہ گیا اور آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ قیلولہ کیا۔ حضرت مراقبے میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ یہ خبر صحیح ہے لیکن بعض مقامات (سلوک کے) جلالی تربیت پر موقوف ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کا حصول ممکن نہ تھا، دوستوں سے کہہ دو کہ اس معاملے میں خاطر جمع رکھیں کہ اس معاملے کا راز یہی ہے۔

(خواجہ بدرالدین سرہندی۔ حضرات القدس، جلد دوم، (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ، ص ۲۰۶-۷)

قلعہ گوالیار

گوالیار۔ بھارت

مکتوب شریف حضرت مجدد الف ثانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بنام صاحب زادہ محمد معصوم علیہ الرحمہ

۱۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو باہمی ملاقات ہو جائے گی ورنہ خدا کے فیصلے پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ وہ ہم کو دار السلام (جنت) میں جمع فرمائے، اس کے کرم سے امید رکھتے ہوئے دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت پر چھوڑتے ہیں، وہ جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے۔

۲۔ وحشت ناک خبروں سے نہ گھبرائیں اور نہ دل تنگ ہوں کیوں کہ جو اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے وہ بھی جمیل وزیبا ہے۔ اگر دنیا میں ملاقات ہو گئی تو فبہا ورنہ معاملۂ آخرت نزدیک ہے اور یہ خوشخبری کہ ''انسان اسی کے ساتھ اٹھایا جائیگا جس کے ساتھ اس کا پیار ہوگا'' مہجوروں کیلئے باعث سکون و اطمینان ہے۔ آپ نے جو خط محمد علی کشمیری کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا۔

(مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۷، ص ۳۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ دوم

باطل کو کہاں تاب ہے تکبیر کے آگے
ظلمت بھی کوئی چیز ہے تنویر کے آگے

(انیسؔ)

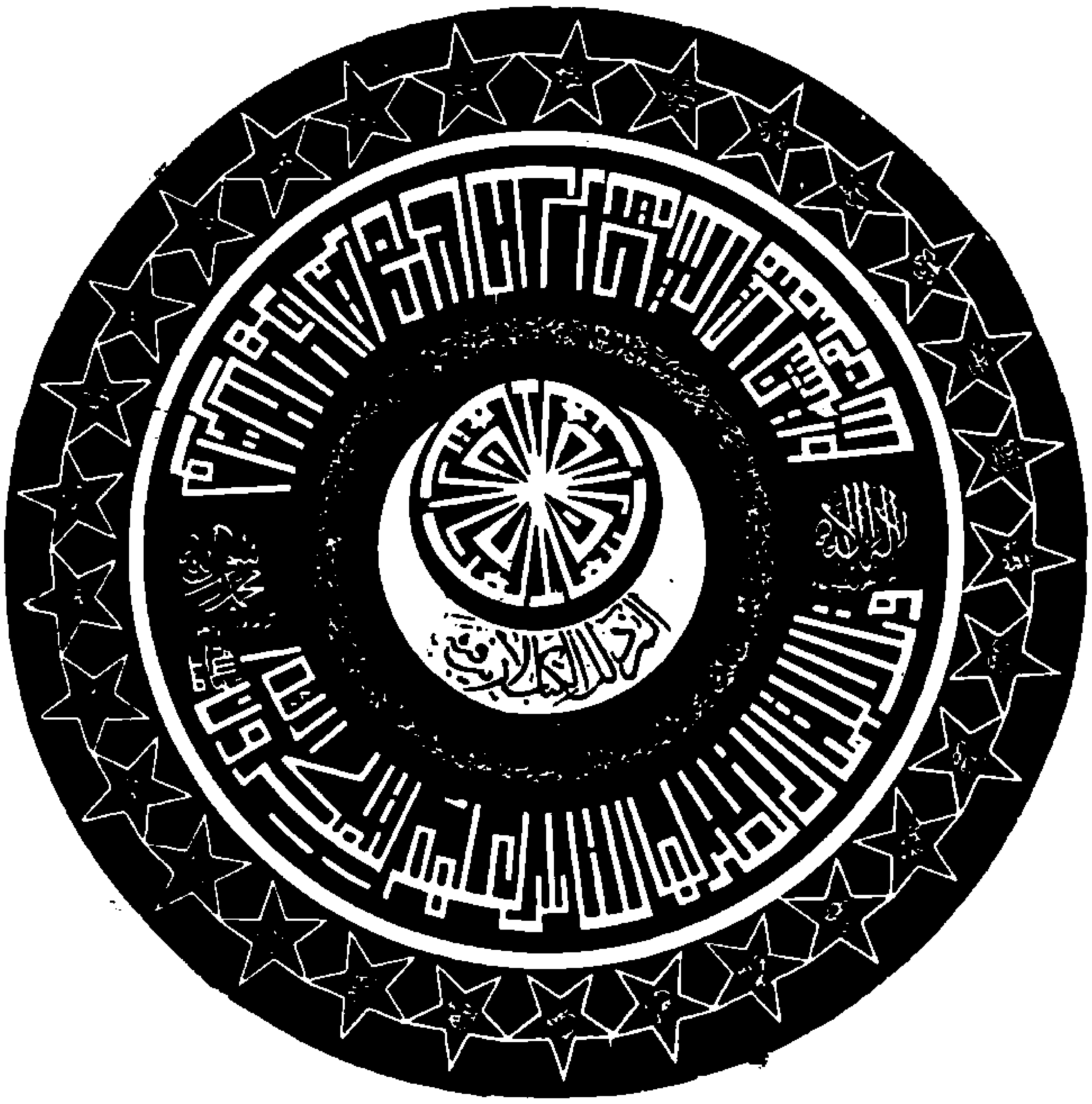

نقش قرآن ، بیرونی حاشیہ بہ ستارے تیس پارے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برصغیر میں حق و باطل کے معرکے

(ایک اجمالی جائزہ)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی لٹ)

☆☆

حزب اللہ اور حزب الشیطان کی جنگ ازل سے ہے۔ شیطان خواہ مخواہ پیدا نہیں کیا گیا۔ ابو جہل اور ابولہب بلاوجہ اسلام سے برسرِ پیکار نہیں تھے۔ نور و ظلمت، سفید و سیاہ، نیک و بد جیسی متناقض اور متضاد چیزیں اسی لیے ہیں کہ وہ انسان جس کے لیے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے، خیر و شر میں تمیز کر سکے، اپنی راہ سے گندگیوں کو ہٹا سکے اور خود صراطِ مستقیم پر چل سکے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشرف و اکمل بنایا گیا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عالمی معاشرے کی اصلاح کا مشن تھا اور یہی مشن آپ کے متبعین کے پیش نظر تھا جنہوں نے بسیط و عریض دنیا کے گوشے گوشے میں دین کی شمع کو روشن کیا اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام سمجھایا۔

باب الاسلام:

برصغیر پاک و ہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہاں اور برصغیر کے دوسرے مقامات میں ۲۵ر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تشریف[1] آوری تاریخ سے ثابت ہے اور پہلی صدی ہجری میں ۳۶ر دوسرے حضرات بھی تشریف لائے جنہوں نے اس خطۂ ارض کو دین کے نور سے منور کیا۔ سب سے پہلے بمبئی کے قریب تھانہ بندرگاہ پر ۱۵ھ میں عربوں نے حملہ کیا تھا اور ٹھٹھہ کے قریب دیبل[2] پر بھی اس زمانے میں وہ حملہ آور ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سیستان فتح ہو گیا تھا لیکن یہاں کی

بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نبردآزما ہوے اور ان تمام علاقوں پر قابض ہو گئے جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں۔ [3] گویا خلفائے راشدین کے عہد زریں ہی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں اسلامی پرچم لہرانے لگا اور پھر مختلف ادوار میں یہاں کے لیے مسلمان سردار مقرر کیے جانے لگے۔

۸۶ھ میں دمشق کے تختِ شاہی پر ولید اموی متمکن ہوا اور اس کی طرف سے مذکورہ بالا علاقوں کے لیے حجاج کو نگراں مقرر کیا گیا۔ اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجر فوت ہوے تو وہاں کے راجہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کر کے عراق روانہ کیا۔ راستے میں دیبل کے قریب کچھ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے راجہ داہر کو لکھا کہ ان سب کو میرے پاس بحفاظت بھیج دو۔ راجہ نے معذرت کی کہ ان ڈاکوؤں پر میرا بس نہیں ہے۔ لیکن اس نے اسی زمانے میں مکران کے کچھ باقی عربوں کو پناہ دی تھی۔ اس لیے ان کی سرکوبی کے لیے حجّاج نے اپنے نوعمر بھتیجے محمد بن قاسم کو روانہ کیا۔ انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین برس کے عرصے میں چھوٹے کشمیر (یعنی پنجاب) کی سرحد (ملتان) سے لیکر کچھ تک اور مالوہ کی سرحد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے محض ذاتی عناد پر محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا اور آخر قتل کرا دیا۔ [4]

بہرحال فتحِ سندھ دراصل فتحِ اسلام ہے۔ کیونکہ اسی زمانے سے اسلام باقاعدہ برصغیر میں داخل ہوا۔ لنکا، جزائر مالدیو، کھنبائت، صیمور (ضلع قلابہ) مالا بار، کورومنڈل (معبرَ) وغیرہ بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی آمد اور قیام کا زمانہ اسی عہد سے مذکور ہے۔ لیکن پھر قریب تین صدیوں تک تاریخ کی شمع بے نور نظر آتی ہے۔

غزنوی دور:

تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب خلافتِ عباسیہ میں زوال آیا تو (ایشیائی) ترکستان میں سامانی خاندان کی ترک سلطنت قائم ہوئی جس کے ایک ترک غلام الپ تگین نے چوتھی صدی ہجری میں غزنیں میں اپنی حکومت قائم کی۔ پھر جب سبک تگین نے ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے قبضے میں تھا۔ اس نے ملغان اور غزنین کے درمیان ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں سبک تگین پر حملہ کیا لیکن ہار گیا تو پھر اس نے شمالی ہندوستان کے تمام

ہندوراجاؤں کومتحد کیا اور اس مرتبہ سبک تگین سے پشاور میں مقابلہ ہوالیکن یہ متحدہ فوجیں بری طرح تباہ ہوئیں اور پہلی بار ایک مسلمان امیر ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) میں پشاور میں متعین ہوا۔ [۵] اس کے بعد محمود کا زمانہ آتا ہے جس نے غزنین سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے برصغیر پر متعدد حملے کیے لیکن جبر وتشدد سے ہمیشہ گریز کیا۔

الفنسٹن لکھتا ہے کہ:

> اس میں شک نہیں کہ محمود نہایت دین دار اور سچا مسلمان تھا اور شاید کوئی بھی بڑی لڑائی ایسی نہ تھی جس میں سربسجود ہو کر اس نے خدا سے فتح ونصرت کی دعا نہ مانگی ہو۔ لیکن ہم ایک مثال بھی نہیں سنتے کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا اور ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ یا قلعہ گیری کے موقع کے سوا کسی ہندو کو قتل کرایا ہو۔'' [۶] یہی حال سومنات کی بت شکنی کے موقع پر ہوا اور محمود نے ہمیشہ ایک صحیح مسلمان کا کردار پیش کیا، حالانکہ اس سے پہلے معبر کے مسلمانوں [۷] پر اور سبک تگین کے سفیروں پر ہندوؤں کے ظلم وتشدد کے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔
>
> راجاؤں کے فتنے کے علاوہ قرامطہ کا فتنہ بھی محمود کے ہاتھوں فرو ہوا۔ قرامطہ کا پہلا داعی ۲۷۰ھ میں سندھ آیا تھا جہاں اس نے اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات کی ترویج کر کے اپنے فرقے کے قیام کی راہ ہموار کی۔ پھر قاہرہ کی فاطمی حکومت نے ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں یکا یک اپنی فوج بھیج کر ملتان پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح فاطمی (قرمطی) حکومت یہاں بھی قائم ہوگئی۔ اور اسی کے ایک حاکم ابوالفتح داؤد نے محمود غزنوی کے خلاف راجہ جے پال کی مدد کی تھی۔ لیکن محمود نے قبضہ کرلیا تو قرامطہ وہاں سے بھاگ کر منصورہ آگئے۔ لیکن محمود نے یہاں سے بھی انہیں مار بھگایا اور ان کے فتنے کا انسداد کردیا۔ محمود کے حملے سیاسی ہی سمجھے جائیں، تب بھی باطل کا استیصال نتیجۃً ہوا ہے پھر اسی زمانے سے اولیائے کرام [۹] کا ورودِ مسعود

شروع ہوا۔ شیخ اسمٰعیل ۳۹۵ھ (۱۰۰۵ء) میں لاہور تشریف لائے۔ شیخ صفی الدین گازرونی (۳۹۸ھ م ۱۰۰۷ء) اُچہ (بہاولپور) میں قیام پذیر ہوے۔ شیخ فخر الدین زنجانی جو شیخ سعد الدین حموی کے پیر تھے لاہور تشریف فرما ہوے۔ یہاں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۹ھ م ۱۰۷۶ء) تھے اور کچھ عرصے کے بعد سخی سرور (۵۷۷ھ م۔ ۱۱۸۱ء) نے شاہکوٹ (ڈیرہ غازی خان) میں اشاعت اسلام کا کام سرانجام دیا۔ پھر دوسرے صوفیہ بھی تشریف لائے۔

غوری دور:

محمود غزنوی نے ہندوستان میں مستحکم قیام کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا اس لیے اُس کے جانے کے بعد یہاں کے راجاؤں نے پھر منظّم ہونا شروع کیا اور جب معز الدین محمد غوری نے ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج سے دوسری مرتبہ ترائن (تراوڑی) میں جنگ کی تو آخر الذکر کے ساتھ ایک سو پچاس راجاؤں نے شرکت کی لیکن وہ سب بری طرح ہار گئے اس طرح دہلی سے اجمیر تک مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ پھر محمد غوری تو واپس غزنین چلا گیا لیکن اس نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر دیا جس نے گجرات، گوجر اور بیانہ وغیرہ کو بھی فتح کر کے حکومت میں توسیع کی۔

اسی زمانے میں کھوکھر قوم کا فتنہ بھی سر اٹھائے ہوے تھا۔ یہ لوگ نیلاب (سندھ) اور سوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے تھے۔ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کا شیوہ تھا۔ دختر کشی ان کے یہاں عام تھی اور بہت سی بیہودہ رسمیں بھی تھیں۔ ۶۰۲ھ میں کھوکھروں نے بغاوت کی تو محمد غوری نے ہندوستان آ کر ان کا قلع قمع کیا۔ ۱۰لیکن جب وہ وطن واپس آ رہا تھا تو اس کے ایک رفیق یعنی ایک اسمٰعیلی فدائی نے دریائے جہلم کے قریب اسے شہید کر دیا کیونکہ اس نے ان لوگوں کا ملتان اور ایران سے استیصال کیا تھا۔

پرتھوی راج ہی کے زمانے میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا ورودِ مسعود اجمیر میں ہوا۔ آپ وہاں کی جھیل کے کنارے قیام پذیر تھے۔ آپ کے کسی عقیدت مند کو راجہ نے ایذا پہنچائی تو آپ نے راجہ کے پاس سفارش بھیجی۔ اس نے بے اعتنائی برتی اور کہا کہ ”یہ شخص یہاں آیا ہے اور بیٹھا غیب کی باتیں کرتا ہے۔“ آپ نے سنا تو فرمایا ”پتھورا زندہ گرفتیم وداریم۔“ یہی وہ موقع تھا جبکہ پتھورا (پرتھوی راج) مارا گیا۔

سلطان الہند:

حضرت سلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۶۳۳ھ) کی بدولت سیکڑوں لوگ مسلمان ہوئے اور وہ ایک ایسی روشن شمع ہیں، جس سے ایک عالم مستنیر ہے۔ آپ ہی کے سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ، نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کتنے اکابر ہیں جنہوں نے بلا مبالغہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کو مستفید فرمایا ہے۔ صاحب معارج الولایت نے خوب لکھا ہے۔ کہ ”ہر مسلمان پر جو ہندوستان (برصغیر) میں پیدا ہوا حضرت خواجہ صاحب کو حقِ اسلام پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ خواجہ صاحب کے ہندوستان تشریف لانے سے اسلام کو اور مسلمانوں کو تمکن نصیب ہوا ہے۔“

التمش:

پھر قطب الدین ایبک (م۔ ۶۰۷ھ، ۱۲۱۰ء) کے بعد التمش ایک بیدار مغز اور خدا ترس بادشاہ ہوا اور اسی نے منگولوں (مغلوں) کے فتنے سے ہندوستان کو بچایا۔ ۶۳۳ھ، ۱۲۳۶ء میں اس کے انتقال پر اس کی بیٹی رضیہ تخت نشین ہوئی۔ اس کے زمانے میں قرامطہ نے دہلی پر شورش کی لیکن انہیں بری طرح شکست ہوئی۔

بلبن:

دس سال حکومت کرنے کے بعد رضیہ کی جگہ ایک درویش صفت بادشاہ یعنی ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا۔ جس کا وزیر غیاث الدین بلبن ہی حکومت چلاتا تھا اور وہی ناصر الدین محمود کے انتقال، ۶۶۴ھ (۱۳۶۶ء) پر بغیر کسی مزاحمت کے، بادشاہ ہوا اور اس نے سب سے پہلے میواتیوں کے فتنے کو ختم کیا کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے بری طرح بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فتنۂ مغول کو روکنے کے لیے بڑے سلیقے سے کام لیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ چناب۔ کے پار، حکومت دہلی کا کوئی بڑا جنگی مرکز قائم نہ ہونے پائے اس لیے وہ بار بار حملے بھی کرتے تھے اور کھوکھروں کو اسی مقصد کے لیے انہوں نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔ بلبن نے ان غارت گروں کی اس طرح سرکوبی کی کہ وہ لوگ پھر ہندوستان کی طرف رخ نہ کر سکے۔ اس کی شان و شوکت کے متعلق برنی لکھتا ہے کہ:

زابل وسیستان کے دیو پیکر جوانوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر نوکر رکھا تھا کہ ننگی تلواریں لیے ہوئے بادشاہ کی خواصی میں کمر بستہ رہیں۔ سواری کے چلتے وقت قدم قدم پر صدائے بسم اللہ اس زور سے بلند ہوتی کہ بازار یا جنگل گونج اٹھتے۔ تماشائی اور سامعین کے بدن میں لرزہ پیدا ہوجاتا بلکہ بعض اوقات سفراء اور رؤساء بھی باریاب ہوتے وقت خوف سے گر پڑتے یا بے ہوش ہوجاتے تھے۔ لیکن ''صدائے بسم اللہ'' کے علاوہ اس تقریب میں عجمی اور ایرانی اکاسرہ کی تقلید کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پھر بھی اللہ کا کرم ہوا کہ اسی دور میں بہت سے اہل اللہ مثلاً خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ ۶۳۲ھ م ۱۲۳۴ء بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء) اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) کی بدولت دین کی تعلیم وتعلّم کا چرچا رہا اور حال وقال کی محفلیں بھی رہیں لیکن ان میں مزامیر سے واسطہ نہیں تھا۔

خلجی:

حسن صغانی بدایونی (م۔ ۶۵۰ھ، ۱۲۵۶ء) اور قاضی رکن الدین جیسے علماء بھی دین کی خدمت کر رہے تھے۔ تاہم دولت اور حکومت کی وجہ سے عقل اندھی بھی ہوجاتی ہے اس لیے علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء) کے زمانے کا یہ واقعہ کس قدر افسوسناک ہے کہ اس عہد میں مصر کے ایک عالم شمس الدین ترک اپنے ساتھ حدیث اور متعلقات کی کوئی چار سو کتابیں لے کر ہندوستان آئے اور انکا ارادہ تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کو پیش کریں لیکن وہ ابھی ملتان ہی پہنچے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بادشاہ نماز پنجگانہ بھی نہیں پڑھتا بلکہ نماز جمعہ بھی ادا نہیں کرتا اس لیے وہ رنجیدہ ہوکر وہیں سے واپس ہوگئے''۔

محمد تغلق:

لیکن اسکے بعد جب محمد تغلق (۷۲۵ھ/ ۷۵۲ھ) کا زمانہ آتا ہے تو ابنِ بطوطہ (م ۷۷۹ھ) لکھتا ہے ''دین کے شعائر اس کے یہاں محفوظ ہیں اور نماز کے معاملے میں وہ سخت گیر ہے۔

تارکین کے لیے سزائیں مقرر ہیں''[۱۲]۔ ''اس نے تمام غیر شرعی محصول منسوخ کر دیے۔ صرف زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی برقرار رکھی[۱۳]۔'' محمد تغلق کے بعد اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ - ۷۹۰ء) کے زمانے میں بھی دین کا بہت سا کام ہوا۔ فتوحات فیروز شاہ (جس کا ترجمہ الیٹ کی جلد سوم میں ہے) اس عہد کے واقعات کی حامل ہے کہ زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ شراب کا دوران کے یہاں عام تھا جس میں ماں' بیٹی' بیوی کی تمیز نہیں تھی۔ ایک شخص گجرات میں خود کو باقی اور غیر فانی کہا کرتا تھا۔ انا الحق کا دعوٰی کرتا تھا۔ امامیہ فرقہ تبرّا کرتا تھا۔ ایک احمد بہاری الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ ایک رکن مہدویت کا داعی تھا۔ بادشاہ نے ان تمام مفاسد کا قلع قمع کیا۔ ناجائز محصول ختم کیے۔ مال غنیمت صرف ایک خُمس حکومت کے لیے اور چار خُمس سپاہیوں کے لیے مقرر کیا۔ شائر اسلام کی ترویج میں حصّہ لیا اور رفاہِ عام کے کاموں میں بہت پیش قدمی کی۔

سکندر لودھی:

پھر سکندر لودھی (۸۹۴ھ - ۹۲۳ھ) کے زمانے میں اسلام کے لیے جوش سے زیادہ ہوش سے کام لیا گیا۔ اگر الفنسٹن کی روایت صحیح ہے تو اس نے ''مندر گرائے، لوگوں کو تیرتھ سے باز رکھنے کی کوشش کی، بعض دریاؤں میں اشنان کرنے سے منع کیا (وغیرہ)۔'' الیٹ (جلد ۴) نے تاریخ داؤدی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اس نے نومسلموں کو مختلف مقامات پر زمینیں دیں۔''

تیمور:

اس سے بہت پہلے تیمور (۸۰۷ھ، م ۱۴۰۵ء) کا تبلیغ کا انداز بھی جوش والا تھا۔ الیٹ (جلد ۳) نے ملفوظاتِ تیموری میں سے تیمور کے ''جہاد'' کا مقصد اس طرح نقل کیا ہے:

ہندوستان آنے اور تمام مشقتوں کے برداشت کرنے سے میرے دو مقصدِ خاص ہیں۔ سب سے پہلے اسلام کے دشمنوں (بت پرستوں سے جنگ کرنا۔ دوسرا مقصد دنیوی ہے کہ بت پرستوں کے مال و دولت کو لوٹنا تا کہ اسلام کی سپاہ کچھ حاصل کر سکے۔

نواب حبیب الرحمٰن شیروانی لکھتے ہیں کہ:

> امیر تیمور نے دریائے والگا سے گنگا کے کنارے تک فتح کر کے کوئی صاحب داعیہ حاکم ان ملکوں میں نہیں چھوڑا تھا۔ اور قریباً اس تمام ملک پر وہ خود فرمانروا تھا۔ جس سلطنت کی بنا محض قہر اور تسلط پر ہو اس کی پائداری معلوم۔ امیر تیمور کے مرتے ہی اس عظیم الشان سلطنت کے تمام اجزاء پریشان ہو گئے اور اس کے وارث چھوٹے چھوٹے ملکوں پر قابض ہو بیٹھے۔ اس زمانے کی اسلامی سوسائٹی کا اثر اس واقعے سے خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر تیمور جیسے جابر اور تندخو بادشاہ کی اولاد میں شاہ رُخ میرزا اور الغ بیگ میرزا جیسے نیک دل، کریم النفس اور عالم بادشاہ ہوے[۱۴]۔“

بابر:

امیر تیمور کی اولاد میں بابر ۶ر محرم سنہ ۸۸۸ھ (۱۴ر فروری سنہ ۱۴۸۳ء) کو پیدا ہوا تھا اور ۵ر جمادی الاول سنہ ۹۳۷ھ (۲۵ر دسمبر سنہ ۱۵۳۰ء) کو فوت ہوا۔ سلطنتِ مغلیہ کا بانی ہوا۔ تاریخ میں ہے کہ اس نے رانا سانگا اور ہندوستان کے دوسرے سربراہوں کی مجموعی فوج سے سنہ ۹۳۳ھ میں مقابلہ کیا تو اس وقت اس نے شراب ترک کر دی۔ بچپن میں وہ خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۸۹۵ھ) کے مرید قاضی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (المعروف خواجہ مولانا) زیر تربیت رہ چکا تھا اس لیے اس کا تعلق بہر حال دین سے تھا اور اس کا بیٹا ہمایوں (م سنہ ۹۶۳ھ، سنہ ۱۵۵۶ء) عجمی اثرات کے باوجود عبادت گزار تھا۔ پھر اکبر تخت نشین ہوا۔ وہ بالکل ان پڑھ تھا۔ علمائے سوء نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ پھر ہندو رانیوں کے رشتے نے اسے ہندو دین اور ہندو تہذیب سے قریب تر کر دیا اس لیے اس نے شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ اور فتح پور سیکری کی مسجد بھی ”ہندوانہ“ طرز کی بنوائی۔ ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی و ابو الفضل) نے سنہ ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”بادشاہ ظل اللہ ہے‘ امام عادل ہے‘ مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں۔“ ملا عبد القادر بدایونی نے اس زمانے کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن اب بعض لوگ اکبر کے خاص مشیروں یعنی فیضی اور ابو الفضل کی حمایت میں بدایونی کی ہر بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م سنہ ۱۰۳۴ھ) نے اس دور کے کئی فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ خلفائے ثلاثہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اللہ کی رضامندی اور ان کے مقامات عالیہ کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آتا ہے۔ لیکن لوگوں نے اللہ کے فرمان کو پس پشت ڈال کر ان بزرگوں کی شان میں نہ صرف گستاخی کی بلکہ سب وشتم کو اپنا دین[15] بنالیا۔ حضرت مجدد نے ان کے خلاف بھی لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر ڈالے تھے اس کے خلاف عربی میں رسالہ اثبات النبوۃ لکھا۔ اس کے شروع ہی میں آپ فرماتے ہیں۔

> (ترجمہ) جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق (فتور) پھر ایک شخص معیّن (یعنی اکبر) کی نبوت کی ثبوت تحقیق میں (زور) اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہوگیا، یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین کی پختگی کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علماء اسلام قتل کر دیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی جس کا یہ اسم شریف تھا اسے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا، حالانکہ یہ ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور انکے رسوم وعبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں، باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور انکے ادیانِ باطلہ رائج کیے گئے حتّٰی کہ کفار ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور انہیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جارہا ہے خود اطباء (یعنی علماء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا

> اور ان سے ان کے شبہات دریافت کیے۔ ان کے دلی خیالات اور اعتقاد کی جانچ پڑتال کی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے دور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل اور فضیلت کا دعوٰی بھی ہے[16] (ابوالفضل کی طرف اشارہ ہے) ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحققِ اصلِ نبوت اور شخصِ معین (اکبر) کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکتے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ حکومت ومصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور ان کی لڑائی جھگڑے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوت ہے۔''

حضرت مجدد سے فیضی[17] اور ابوالفضل کے واقعات کیا ہوئے ان کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن اثبات النبوۃ کے مذکورہ اقتباس سے اکبری عہد کے تمام فتنوں کا اجمال معلوم ہوتا ہے اور بدایوانی کے بیانات میں موشگافی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

محمد ہاشم کشمی کی زبدۃ المقامات (فصل ۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادہ خرم (شاہجہان) کے لیے حضرت مجدد نے بشارت دی تھی۔ پھر کشمی نے اس کے جلوس کی تاریخ ''زینتِ شرع'' لکھی تھی۔

جہانگیر:

بدرالدین سرہندی کی کتاب مجمع الاولیاء[18] (قلمی) میں (جو بعد میں علی اکبر حسینی کے نام سے منسوب ہوگئی) اس عقیدت کی تفصیل ہے جو حضرت مجدد سے جہانگیر کو پیدا ہوگئی تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ فتح کانگڑہ (نگرکوٹ) خوشی منانے کے لیے جہانگیر اپنے ساتھ حضرت مجدد کو لے گیا تھا اور وہاں گائے ذبح کی تھی، بت کو توڑا تھا اور مسجد کی تعمیر کی تھی اور اسلام کی ترویج پر زور دیا تھا۔

اورنگزیب:

حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں ارکانِ اسلام کی تبلیغ بھی کی اور معاشرتی اور سماجی اصلاحات[۱۹] کے لیے کوشش کی۔ بدعات کی بیخ کنی اور غلط (بالخصوص ہندوانہ) رسم ورواج کا استیصال آپ کے مکتوبات کا خاص مقصد تھا۔ پھر آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۹ھ) اور پوتے خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۹۶ھ) دوسرے پوتے خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۶ھ) اور تیسرے پوتے محمد نقشبند ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۱۵ھ) کے متعدد مکتوبات[۲۰] اورنگ زیب اور اس کے ارکانِ سلطنت کے نام ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ بادشاہ کی عقیدت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے سیاسی معاملات میں ان بزرگوں کی رہبری ظاہر ہوتی ہے، اس لیے نعمت خان عالی نے جل کر کہا تھا۔

افترا و زور و بہتاں فال و خوابِ خواجگاں
شید و خدعہ دعوتِ شیخان سرہندی وطن

فتاوٰی عالمگیری بھی اسی زمانے کی یادگار ہے جس کے مولفین میں حضرت مجدد کے تعلق والے زیادہ ہیں اور انہی کے شاگردان سلسلہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۱۷۶ھ) حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۱۹۵ھ) شاہ غلام علی (م۔ ۱۲۴۰ھ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) ہیں۔

شاہ ولی اللہ، مفسرِ قرآن بھی تھے، شارح حدیث بھی تھے، فقیہ بھی تھے، متکلم بھی تھے' امام سلوک وتصوف تھے، معلمِ اخلاق، ماہرِ اقتصادیات، واضع مسائل سیاست، شارح فلسفہ تشریع، اور سب کچھ تھے جس کی ضرورت اس زمانے کے مسلمانوں کو تھی۔ مرہٹوں کا زور توڑنے کے لیے انہوں نے جو مکتوبات[۲۱] احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ کو لکھے ہیں ان سے ان کی سیاسی بصیرت کا انداز ہوتا ہے دراصل نادر شاہ کے حملے (۱۱۵۲ھ، ۱۷۳۹ء) نے مغلیہ سلطنت کو بالکل ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سعادت علی خان نے اودھ میں' علی وردی خان نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں آزاد حکومتیں قائم کر دی تھیں۔ پنجاب میں سکھوں کا اقتدار بڑھنے لگا تھا اور مغربی اور جنوبی علاقوں میں مرہٹوں کا تسلط تھا۔ دہلی میں ایرانی وتورانی نزاع عروج پر تھا اور امراء ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مرہٹوں سے مدد لیتے تھے۔

شاہ صاحب کے لکھنے پر احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۳ھ، ۱۷۵۹ء میں پنجاب پر حملہ کیا اور ۱۴/ جنوری

۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ شاہ عالم (ثانی) بہار میں تھا احمد شاہ ابدالی نے بہت چاہا کہ وہ دہلی آجائے اور وہاں پھر متمکن ہو لیکن وہ نہ آیا پھر دہلی کی مغلیہ سلطنت زندہ نہ ہو سکی۔

مستان شاہ:

یہاں مستان شاہ میواتی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ مداریہ سلسلے کا فقیر تھا جس کا نہ کوئی گھر تھا، نہ در، لیکن اس کی جماعت کے تکیے اور ٹھکانے سارے ملک میں تھے۔ بنگال میں اس کی جماعت کی ٹکر ۱۷۶۱ء میں (پلاسی کی جنگ کے چار سال بعد) انگریزوں سے ہوئی۔ اطراف دہلی سے ان کے مجاہدین بنگال جاتے اور گوریلا جنگ کرتے تھے۔ ۱۷۸۴ء تک ان کے معرکے رہے لیکن اسی دوران میں مستان شاہ کا انتقال گوالیار میں ہو گیا۔ پھر بھی اس کے خلفاء میں چراغ شاہ، محراب شاہ، قل شاہ، وغیرہ نے انگریزوں سے جہاد جاری رکھا۔ بالآخر انگریز کی منظم قوت اور سازش سے یہ تحریک ختم ہو گئی[۲۲]۔

اب اس دور کے سب سے بڑے مجاہد اور انگریز کے حریف کا ذکر آتا ہے جسکے بغیر اس برصغیر کے مسلمانوں کی ''داستان رنگین'' مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔

ٹیپو:

بطل حریت ٹیپو (بمعنی شیر) اپنے باپ حیدر علی کی وفات (۱۱۹۵ھ، ۱۷۸۲ء) پر اس کا جانشیں ہوا۔ افواجِ انگلیسیہ سے اپنے باپ کی طرح برسرپیکار رہا۔ بیدنور میں انگریزی جرنیل کو شکست دی اور منگلور میں جنرل کیمبل کو محصور کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ انگریزوں کا قلع قمع کرے۔ اس لیے نظام دکن کو اس نے اپنا حلیف بنانا چاہا لیکن مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اس نے (۱۱۹۹ھ، ۱۷۸۶ء) میں سلطان روم کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ زمان شاہ (والیٔ افغانستان) کے پاس بھی قاصد بھیجا، ہندوستان کے رؤسا، نیپال کے راجہ اور شاہ ایران سے بھی مُراسلت کی لیکن کہیں سے کامیابی نہ ہو سکی۔ فرانسیسی تعاون کے لیے بھی اس نے اپنا سفیر ماریشس بھیجا لیکن انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں کی مدد سے ٹیپو کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ سری رنگ پٹن میں ٹیپو محصور ہوا اور گولیاں کھاتے ہوئے بھی آخری دم تک لڑتا رہا۔[۲۳] اس کی بہادری کے کارنامے اور غداروں کی سازش کے واقعات غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں[۲۴]۔ ۲۸/ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ (۴/ مئی ۱۷۹۹ء) اس سرفروش مردِ مومن نے ابدی حیات حاصل کی اور طاغوتی طاقتوں پر اس کے رُعب کا اندازہ اسی بات سے

ہوسکتا ہے کہ اس کی لاش کے قریب آنے کی بھی ان کو ہمّت نہ ہوتی تھی۔ مولانا ظفر علی خان نے لکھا ہے کہ:

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حُدود

”شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صدسالہ خلود“

☆……☆……☆

حواشی:

۱……محمد اسحٰق بھٹی، فقہائے ہند، جلد اوّل، ص۔ ۱۱، ۱۳، لاہور ۱۹۷۴ء
۲……مولانا سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، ص۔ ۱۴، الٰہ آباد ۱۹۳۰ء
۳……مولانا ابوظفر ندوی۔ تاریخ سندھ، ص۔ ۲۸، ۳۱، اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء
۴……محمد بن قاسم کے قتل کا سبب راجہ داہر کی دو بیٹیوں کا افسانہ محض بہتان ہے، دیکھیں عرب و ہند کے تعلقات، ص۔ ۱۶
۵……ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانانِ پاکستان و ہند، حصہ اوّل، ص۔ ۱۱۶، کراچی۔
۶……بحوالہ ایضاً، جوامع الحکایات، تاریخ گزیدہ، اور تاریخ فرشتہ وغیرہ میں محمود کی سخاوت، تقوٰی اور خداترسی کے بہت

سے واقعات درج ہیں۔

۷...... شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص۔۵۸، لاہور ۱۹۵۸ء

۸...... ہاشمی فرید آبادی، ص۔۱۱۵

۹...... ٹھٹھہ کے قریب گجو میں شیخ ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو ۱۷۱ھ (بمطابق ۷۸۸ء) میں فوت ہوئے لیکن ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے صنادید سندھ، ص۔۹ میں لکھا ہے کہ ان کا سالِ وفات عیسوی والا صحیح ہے، یعنی وہ ۷۸۸ء میں فوت ہوئے۔

۱۰...... تاریخ فرشتہ۔ جلد اوّل، ص۔۵۹۔۶۰ دیکھیں تاریخ ہاشمی، ص۔۱۵۵۔۱۵۶ اج

۱۱...... حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ڈاکٹر محمد شفیع کے مقالات حصہ اوّل، ص۔۲۴۸ بعد، لاہور ۱۹۷۰ء دیکھیں۔

۱۲...... بحوالہ ایضاً

۱۳...... امیر حسن دہلوی کی فوائد الفواد اور امیر خسرو کی افضل الفوائد میں ایسے واقعات درج ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سماع میں مزامیر سے نفرت کا اظہار فرمایا۔

۱۴...... تفصیل کے لیے دیکھیں، مولانا سلیمان ندوی کا مقالہ ''ہندوستان میں علمِ حدیث''۔

۱۵...... ابن بطوطہ، جلد ۳، ص۔۲۷۶، مطبوعہ پیرس

۱۶...... ایضاً ص۔۲۸۸

۱۷...... بلبن، محمد تغلق، فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودھی سے متعلق مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے مضمون رسالہ الفرقان بریلی (شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۴۱ء) سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

۱۸...... تذکرہ بابر، ص۔۴ (علی گڑھ ۱۹۲۷ء) راقم الحروف نے حیدر آباد سے ۱۹۶۱ء میں امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نادر قلمی سوانح عمری شائع کی تھی جو ان کے صاحبزادے امیر حمزہ کے نواسے شہاب الدین نے لکھی تھی۔ اس کے ص۔۲۸ تا ۳۲ میں امیر تیمور کی ان عقیدتوں کا ذکر ہے جو اسے حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م۔۷۹۱ھ) کے پیر امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ (م۔۷۷۲ھ) سے تھی اور جنھوں نے اس کی کامیابیوں کے لیے دعا فرمائی تھی۔

۱۹...... در مذہ‌بے کہ دشنام طاعت باشد مذہب معلوم و اہلِ مذہب معلوم۔

۲۰...... شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے فیضی کے متعلق لکھا ہے (ترجمہ) ''فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشاء پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی

پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔“

(دیکھیں ”حضرت مجدد اور ان کے ناقدین“ از حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی، ص۔۹۳، دہلی ۱۹۷۷ء اس کتاب میں دوسرے معترضین کے اعتراضات کی بھی قلعی کھولی گئی ہے۔

۲۱......مخطوطہ نمبر ۶۴۵۔ انڈیا آفس لائبریری، لندن

۲۲......ڈاکٹر سراج احمد خان نے ”مکتوبات امام ربانی کی اہمیت“ میں باب ششم اسی پر لکھا ہے۔

ان تمام بزرگوں کے مکتوبات کی اشاعت کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہوئی ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی مکتوبات علیگڑھ سے ۱۹۵۰ء میں شائع کیے تھے۔

ڈاکٹر معین الدین نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے مداریہ پر کتاب شائع کی ہے۔

۲۳......ٹیپو کا علم (۱۳۰۴ھ) انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے جس میں نقشبندی اور قادری بزرگوں کے نام کندہ ہیں Studies in Northern Languages کی کتاب Dr. Grahame Bailey (لندن ۱۹۳۸ء، ص۔۱۸۶ دیکھیں)

۲۴......ٹیپو سلطان سے غداری کرنے والے احسان فراموش سرداروں میں میر صادق، غلام علی لنگڑا بدیع الزمان وغیرہ تھے علامہ اقبال نے کہا ہے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دوقومی نظریہ اور حضرت مجدد کے کارنامے

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

☆☆

لفظ ''قوم'' کے مخصوص معنی تو بعد میں مقرر ہوئے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دوقومی نظریہ ازل سے قائم ہے۔ قرآن پاک میں صرف دو جماعتیں بتائی گئی ہیں۔ سورۃ التغابن (آیت ۲) میں ارشاد ہے،

> **ھوالذی خلقکم فمنکم کافرو منکم مومن ط واللہ بما تعملون بصیرہ**

> وہ اللہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے اور اللہ خوب دیکھتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

یعنی عمل ہی سے کافر اور مومن کی تفریق ہوتی ہے۔ پھر سورۃ المجادلہ (آیت ۲۲) میں ارشاد ہے:

> **لاتجدقوماً یؤمنون باللہ والیوم الآ خریو آدّون من حآدّ اللہ ورسولہ' ولو کانو آ ابائھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم ط اولٓئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدّ ھم بروح منہ ط ویدخلھم جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ط رضی اللہ عنھم ورضواعنہ اولٓئک حزب اللہ الآانّ حزب اللہ ھم المفلحون ۔**

> جو قوم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے تم اُس کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ محبت کرے اُن سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت

کی اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے رشتہ دار ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا۔ اور اپنی روح سے اُن کی تائید فرمائی ہے۔ وہ ان کو باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے اور وہ اُس سے راضی۔ یہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہے۔ یاد رکھو اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔

اس حزب اللہ کیخلاف حزب الشیطان ہی ایک جماعت ہے جس کا ذکر سورۃ المجادلہ (آیت ۱۹) میں اس طرح آتا ہے۔

استحوذ علیھم الشیطٰن فانسٰھم ذکر اللّٰہ ط اولٰئک حزب الشیطٰن ط الا انّ حزب الشیطٰن ھم الخسرون۔

ترجمہ۔ شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے۔ پس اس نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ہے یاد رکھو شیطان کی جماعت ہی گھاٹے میں آنے والی ہے۔

گویا قرآن میں حق وباطل کی جماعتوں کا نام حزب آیا ہے۔ ورنہ قوم کا لفظ یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ سورہ یوسف (۹) میں ہے:

اقتلٰو یوسف اَوِ اطر حوہ ارضاً یخل لکم وجہ ابیکم وتکونو امن بعدہ قوماً صٰلحین۔

یوسف (علیہ السلام) کو قتل کر دو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ (آبادیوں سے دُور) تاکہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہی رہے اور اس کے بعد تم صالح قوم ہو جانا۔

یعنی گیارہ آدمیوں کی چھوٹی جماعت بھی قوم کہلائی گئی اور بہت بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے۔ اس قوم میں اُمت بھی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۹) میں فرمایا گیا۔

ومن قوم موسٰی امّۃ یھدون بالحق وبہٖ یعدلون۔

اور موسیٰ کی قوم میں اُمت (گروہ) ہے جو حق کی راہ بتاتی ہے اور اس سے انصاف کرتی ہے۔

پھر مسلمانوں میں سے بھی ایک جماعت کو قوم کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۹۲) میں ہے:

فان کان من قوم عدّولکم وھو مؤمن۔

پھر وہ اگر اس قوم میں سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مسلمان ہے۔

یعنی قوم وہ جماعت بھی ہو سکتی ہے جو مسلمان تو ہو لیکن تمہاری دشمن ہو۔ اس تمہید کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن پاک میں چھوٹی بڑی جماعت کو بھی قوم کہا گیا ہے خواہ اسکا تعلق دین سے ہو یا نہ ہو۔ پھر یہ لفظ امتدادِ زمانہ سے ہم خیال لوگوں کی جماعت کے لیے بھی استعمال ہونے لگا اور علاقائی یا جغرافیائی تعلق والوں کے لیے بھی رائج ہو گیا۔ لیکن برصغیر میں حق و باطل کے جو معرکے ہوئے ہیں اُن کی وجہ سے حزب اللہ اور حزب الشیطان کی دو جماعتوں کو دو قوموں کا نام دیا گیا اور اس طرح دو قومی نظریہ وجود میں آیا۔

برصغیر پاک و ہند میں سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں سیستان فتح ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) نبرد آزما ہوئے اور اُن تمام علاقوں کو مسخر کر لیا جو آج کل مکران اور سیستان میں شامل ہیں ۸۶ھ میں دمشق کے تخت پر ولید اموی متمکن ہوا اور اُس کی طرف سے مذکورہ بالا علاقوں میں نگرانی کرنے کے لیے حجاج کو مقرر کیا گیا۔ اسی زمانے میں لنکا میں کچھ عرب تاجر فوت ہوئے تو وہاں کے راجہ نے اُن عربوں کی عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کرا کے عراق روانہ کیا راستے میں دیبل کے قریب کچھ ڈاکوؤں نے اُن پر حملہ کیا تو حجّاج نے راجہ داہر (حاکم سندھ) کو لکھا کہ ان سب کو میرے پاس بحفاظت بھیج دو۔ راجہ نے معذرت کی کہ اُن ڈاکوؤں پر میرا بس نہیں ہے۔ لیکن اُسی زمانے میں اُس نے مکران کے کچھ باغی عربوں کو پناہ دی تھی۔ اس لیے اُن کی سرکوبی کے لیے حجاج نے اپنے نوعمر بھتیجے محمد بن قاسم کو روانہ کیا۔ انہوں نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور تین سال کے عرصے میں ملتان سے کچھ اور وہاں سے مالوہ کی سرحد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۹۶ھ میں جب ولید کی جگہ سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے محض ذاتی عناد کی وجہ سے محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا اور آخر قتل کرا دیا۔

بہر حال فتح سندھ دراصل فتح اسلام ہے۔ کیونکہ اسی زمانے سے اسلام باقاعدہ برصغیر میں داخل ہوا۔ لیکن اس کے بعد پھر تقریباً تین سو سال تک باہر سے کوئی ایسی تحریک نہیں اُٹھی جو اسلام کی شمع کو روشن کرتی۔

تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب خلافتِ عباسیہ میں زوال آیا تو (ایشیائی) ترکستان میں سامانی خاندان کی ترک سلطنت قائم ہوئی جس کے ایک غلام الپ تگین نے چوتھی صدی ہجری میں غزنین میں اپنی حکومت قائم کی۔ پھر جب ۳۶۶ھ میں سبک تگین نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجہ جے پال کے قبضے میں تھا۔ اس نے ملغان اور غزنین کے درمیان ۳۶۹ھ میں سبک تگین پر حملہ کیا۔ لیکن ہار گیا تو پھر اس نے شمالی ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو متحد کر کے پشاور میں سبک تگین سے مقابلہ کیا۔ لیکن تمام ہندو راجاؤں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ پھر پہلی بار ایک مسلمان امیر ۳۷۰ھ میں پشاور میں متعین ہوا۔ اس کے بعد محمود کا زمانہ آتا ہے جس نے غزنین سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ہندوستان پر متعدد حملے کیے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نے کبھی ظلم و تشدد کو روا نہیں رکھا۔ بلکہ سومنات میں بھی بت شکنی کے علاوہ کہیں کشت و خون (جنگ کے علاوہ) نہیں کیا۔ راجاؤں کے فتنے کے علاوہ قرامطہ کا فتنہ بھی محمود کے ہاتھوں فرو ہوا جن کا ورود ۲۷۰ھ سے ملتان اور سندھ میں ہو چکا تھا اور ملتان کے قرامطہ نے محمود کے خلاف اُن ہندو راجاؤں کی مدد بھی کی تھی محمود نے اُن سب کو مار بھگایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے حملوں کی وجہ سے باطل کے بہت سے فتنے ایک مدّت تک کے لیے سر نہ اٹھا سکے۔ اور اسی زمانے سے بہت سے بزرگان دین نے اس ملک میں تبلیغ شروع کی۔ شیخ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ، شیخ صفی الدین گازرونی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ فخر الدین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محمود کے حملوں کے بعد اشاعت اسلام کے لیے برصغیر میں تشریف لائے۔

محمود غزنوی نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا کوئی مستحکم انتظام نہیں کیا تھا۔ اس لیے اُس کے جانے کے بعد باطل نے پھر سر اُٹھایا اور ۵۸۸ھ میں معز الدین غوری کے مقابلے میں ترائن (تراوڑی) کی جنگ میں پرتھوی راج کے ساتھ ایک سو پچاس ہندو راجاؤں نے شرکت کی۔ لیکن یہ سب بُری طرح ہار گئے اور مسلمانوں کی حکومت دہلی سے اجمیر تک قائم ہوگئی۔ پھر محمد غوری تو واپس غزنین چلا گیا لیکن اُس نے اپنے قائم مقام قطب الدین ایبک کو ہندوستان میں متعین کیا۔ جس نے جلد ہی گجرات، گوالیار اور بیانہ

وغیرہ کو بھی فتح کر کے اسلامی حکومت کو وسیع کر لیا۔

اسی زمانے میں کھوکھر قوم کا فتنہ بھی سر اٹھائے ہوئے تھا۔ یہ لوگ نیلاب (سندھ) اور سوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے تھے۔ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کا شیوہ تھا۔ دختر کشی ان کے یہاں عام تھی۔ بہت سی بیہودہ رسموں میں وہ بھی مبتلا تھے۔ ٦٠٢ھ میں محمد غوری نے اُن کا زور توڑا تھا۔ لیکن وہ وطن جا رہا تھا تو کھوکھروں کے ایک رفیق اسمٰعیلی فدائی نے دریائے جہلم کے قریب اس کو شہید کر دیا۔

پرتھوی راج ہی کے زمانے میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ (٦٣٣ھ)، کا ورودِ مسعود اجمیر میں ہوا وہ آپ کے خلاف تھا اور آپ کے ایک عقیدت مند کو اُس نے ایذا پہنچائی تھی۔

حضرت کی زبان مبارک سے نکلا ''پتھورا زندہ گرفتیم وداریم''۔ اسی موقع پر پتھورا (پرتھوی راج) مارا گیا اور غلبہ ختم ہوا۔ حضرت سُلطان الہند رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی روشن شمع ہیں جس سے ایک عالم مستفید ہوا۔ اور آپ ہی کی بدولت ہندوستان کے طول و عرض میں اسلام کو فروغ ہوا۔ پھر قطب الدین ایبک (م۔ ٦٠٧ھ) کی بیٹی رضیہ کے زمانے میں قرامطہ نے پھر سر اٹھایا۔ لیکن دہلی میں اُن کی بُری طرح سرکوبی ہوئی۔ دس سال تک حکومت کرنے کے بعد رضیہ کی جگہ ایک خدا ترس بادشاہ یعنی ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا جس کا وزیر غیاث الدین بلبن تھا اور اصل حکومت وہی چلاتا تھا۔ ناصر الدین محمود کے انتقال (٦٦٤ھ) کے بعد بلبن ہی تخت نشین ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اُس نے میواتیوں کا فتنہ بھی ختم کیا اور فتنہ مغول کو بھی روکنے کے لے بڑے سلیقے سے کام لیا۔ تاہم بلبن میں '' عجمی اور ایرانی اکاسرہ'' والی شان تھی اور اولیائے کرام کی موجودگی کے باوجود عوام کا رجحان عیش و طرب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ پھر علاء الدین خلجی (م۔ ٧١٦ھ) بادشاہ ہوا تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ نماز پنجگانہ سے بھی محروم تھا بلکہ نماز جمعہ بھی اُسے نصیب نہ تھی۔ البتہ اُس کے بعد جب محمد تغلق (م۔ ٧٥٢ھ) تخت نشین ہوا تو اُس نے شعائر اسلام پر زور دیا، نماز کے معاملے میں سخت گیر ہوا۔ اور تمام غیر شرعی محصول منسوخ کر دیے۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق (٧٩٠ھ) بادشاہ ہوا۔ اس زمانے کے واقعات فتوحات فیروز شاہ (الیٹ۔ جلد سوم) میں ملتے ہیں کہ ''زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ شراب اُن کے یہاں عام تھی جس کے دور چلتے تھے تو پھر ماں بیٹی اور بیوی کی تمیز اُٹھ جاتی تھی۔ ایک شخص گجرات میں خود کو باقی اور غیر فانی کہلاتا تھا۔ الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ عورتوں میں قبر پرستی زیادہ تھی۔ امامیہ فرقہ تبرا کرتا تھا۔

ایک احمد بہاری الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ ایک شخص رکن الدین مہدویت کا داعی تھا۔'' بادشاہ نے ان تمام خرافات کی بیخ کنی کی، ناجائز محصول ختم کیے اور زکوٰۃ اور عشر کو قائم کیا۔

پھر سکندر لودھی (م۔ ۹۲۳ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ اُس نے اسلام کے لیے جوش سے زیادہ اور ہوش سے کم کام لیا اور یہ انداز امیر تیمور (م۔ ۸۰۷ھ) کا بھی تھا۔

اس کے بعد اُس کی اولاد میں بابر (م۔ ۹۳۷ھ) کا زمانہ آتا ہے تاریخ میں ہے کہ اُس نے رانا سانگا اور ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی مجموعی قوت کا ۹۳۳ھ میں مقابلہ کیا اور اُن کو شکست فاش دینے کے بعد شراب ترک کر دی۔

بچپن میں بابر نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۸۹۵ھ) کے خلیفہ قاضی عبداللہ (عرف خواجہ مولانا) کی خدمت میں تربیت پائی تھی اس لیے اُس کا تعلق دین سے تھا اور اُس کا بیٹا ہمایوں (م۔ ۹۶۳ھ) عجمی اثرات کے باوجود دین سے ذاتی طور پر تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اُس کا بیٹا اکبر بالکل جاہل اور اَن پڑھ تھا۔ اسی لیے (مفاد پرست) علمائے سوء نے اُسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ مزید یہ کہ اس نے ہندو رانیوں سے شادیاں کیں۔ اس وجہ سے اُسے غلط ہندو دھرم اور ہندو معاشرے سے زیادہ محبت ہوگئی۔ حتیٰ کہ اُس نے حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ بنایا اور فتح پور سیکری کی مسجد بنوائی تو وہ بھی (بقول مُستشرقین کے) ہندوانہ طرز کی ہے۔ اکبر کی خوشامد میں ملّا مبارک ناگوری (فیضی اور ابوالفضل کے باپ) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس میں یہ فقرے تھے۔

بادشاہ ظلّ اللہ ہے، امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں۔'' ملّا عبدالقادر بدایونی نے اس زمانے کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ بعض لوگ اکبر کے خاص مشیروں یعنی فیضی اور ابوالفضل کی حمایت میں بدایونی کی ہر بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اور محض اسی مقصد کی وجہ سے وہ آنکھیں بند کر کے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (م۔ ۱۰۳۴ھ) کی دینی خدمات کو بھی پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور کے کئی فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ وہ لوگ جو خلفائے ثلاثہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بُغض رکھتے ہیں اور قرآن پاک میں اُن کے مقاماتِ عالیہ کی صراحت کے باوجود اُن کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اسی گستاخی کو اپنا دین لکھتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کے خلاف لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر

ڈال رکھے تھے۔ اُس کیخلاف ایک عربی رسالہ ''اثبات النبوۃ'' لکھا جس میں اُس دور کے ایسے فتنوں کا ذکر بھی ہے۔ رسالے کے شروع ہی میں آپ فرماتے ہیں۔

> جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا۔ پھر ایک شخص معیّن (اکبر) کی نبوت کے ثبوت تحقق میں (زور) اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہوگیا۔ یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین کی پختگی کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علماء اسلام قتل کر دیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی۔ اور جس کا یہ اسم شریف تھا سے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا، حالانکہ یہ ہندوستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور اُن کے رسوم عبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اُس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور اُن کے ادیان باطلہ رائج کیے گئے۔ حتّی کہ کفارِ ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور اُنھیں اُن کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا۔ تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء (یعنی علمائے سوء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کیے۔ اُن کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی۔ تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے

> عہدِ مبارک سے دُور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل کی فضیلت کا دعوٰی بھی ہے (یعنی ابوالفضل) ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقق اصل نبوت اور شخص معیّن (اکبر) کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکتے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور اُن کو لڑائی جھگڑے اور خواہشاتِ نفسانی کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے کے اس اقتباس سے حسب ذیل باتیں واضح ہیں۔

(۱)......اصلی نبوت پر شک وشبہہ پیدا کر کے اکبر کی نبوت کے لیے کوشش کی گئی۔

(۲)......شرائع کی پیروی کرنے والوں اور رسولوں پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔

(۳)......اکبر کی مجلس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی۔ (اہلِ قلم لوگ اپنی کتابوں سے نعت کو خارج کرنے لگے)۔

(۴)......جس شخص کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔

(۵)......گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

(۶)......مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔

(۷)......مقبروں کو توڑا گیا۔

(۸)......کافروں کی عبادت گاہوں اور اُن کی عبادت کے طریقوں کی تعظیم کی گئی (اُن کے تہواروں کی تعظیم کی گئی)۔

(۹)......کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تا کہ اسلام کے آثار مٹا دیے جائیں۔

(۱۰)......لوگوں کے عقائد کی جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ حکمائے ہند اور کُتب فلسفہ کی طرف شغف بڑھ

گیا ہے اور دین اسلام کو پس پُشت ڈال دیا گیا ہے۔

(۱۱)......ابوالفضل سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرہ بھی کیا۔ کیونکہ وہ اکبر کو نبوّت کے درجے پر فائز کر رہا تھا۔

(۱۲)......ابوالفضل کا خیال تھا کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا' نیز اُن کے لڑائی جھگڑے ختم کرانا اور خواہشاتِ نفسانی کے انہماک کو روکنا حاصل نبوّت ہے۔ یعنی اکبر یہ تمام کام کر رہا ہے اس لیے نبوت کا اہل اُسی کو قرار دینا چاہیے۔

حضرت مجدد نے اپنے اس مختصر سے عربی رسالے میں اُن تمام واقعات کا اجمال پیش کیا ہے۔ جس کی تفصیل مُلاّ عبدالقادر بدایوانی کی تاریخ میں ملتی ہے۔ بدایونی کی تردید اور اُس کے بیانات میں موشگافی کرنا آج کل کے بعض اہل قلم لوگوں کا شیوہ بن گیا ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ہم صحیح اور مستند سمجھتے ہیں جس میں ذرّہ برابر شک کی گنجایش نہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فیضی کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن اُن کے پیر بھائی حضرت عبدالحق محدث دہلوی اُس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا۔ لیکن وائے بدبختی کہ اُس نے اپنے کو کُفر ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کے لیے اُس کا اور اُس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان فیضی کے مرنے کے بعد کا ہے۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کفر اور ضلالت ہی میں آخر وقت تک رہا اور اُس کے متعلق بدایونی نے جو لکھا ہے وہ بھی صحیح ہوگا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مکتوبات میں بھی اُس زمانے کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ مثلاً دفتر اوّل کے مکتوب ۸۱ میں آپ لالہ بیگ کو لکھتے ہیں:

> تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غُربت چھا گئی ہے کہ کُفار اسلامی علاقوں میں بھی کُفر کے احکام جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ

> اس کوشش میں ہیں کہ اسلامی احکام پوری طرح ختم ہو جائیں، اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اُسے قتل کرا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح دوسرے مکتوبات میں بھی اسلام کی غربت کا ذکر آتا ہے اور عوام کی بے راہ روی کی تفصیل بھی آتی ہے۔ اکبری دور کے حالات کا ذکر دفتر اوّل کے مکتوب ۴۷ میں بھی شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں۔

> پچھلے دور میں (یعنی اکبری دور میں) اہلِ کفر برملا اسلامی علاقوں میں کُفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان، اسلامی احکام کے اظہار سے عاجز تھے اور اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے......

اسی مکتوب میں مکتوب الیہ کو اسلام کے جاری کرنے پر زور دیتے ہیں۔ پھر میر صدر جہاں کو (دفتر اوّل مکتوب ۱۹۵) لکھتے ہیں:

> اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہل مِلل کے عناد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایانِ اسلام کو چاہیے وہ وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام یہ لازم آتا ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج پر لگا دیں اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں فائدہ نہیں۔ مسلمانوں کے دل ملول ہیں اُن کو پچھلے دور کی مصیبتیں یاد ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تلافیِ مافات کی صورت ہاتھ سے نکل جائے اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔ بادشاہوں کو طریقہ نبویہ کی اشاعت کا خیال نہ ہو اور بادشاہ کے مقربین اپنے کو اس کام سے دور رکھیں اور چند روزہ حیات کی فکر میں اہل اسلام کا معاملہ کیوں خراب نہ ہو......

دیکھیے کس طرح سے مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ارکانِ سلطنت کو خبردار کیا ہے اور کافرانہ، مشرکانہ اور ہندوانہ طور طریقوں اور برائیوں کے خلاف جہاد کیا ہے۔ حزب الشیطان کے خلاف حزب اللہ کی یہ جنگ بہت سی فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔ جہانگیر جو دین سے بے نیاز تھا دین کی بات سننے اور اُس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ شاہجہاں اور اورنگزیب دین کے خادم بنے۔ جہانگیر کے زمانے سے سجدۂ تعظیمی موقوف

ہوا گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ خلافِ شرع قوانین بھی منسوخ کیے گئے۔ فنِ مصوری جو عہد جہانگیری میں بامِ عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فنِ تعمیر اور فنِ خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''فتاوٰی عالمگیریہ'' مرتب ہوئی۔ دربار میں علماء اور فضلا کو جگہ ملی پھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ، شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتاوٰی شامی اور شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کی وجہ سے دین کی شمع آج بھی روشن ہے اور اِن شاء اللہ ان بزرگوں کے فیض و برکات قیامت تک جاری و ساری رہیں گے۔

دثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

فقراء کی اغنیاء سے ملاقات میں قابلِ اعتراض پہلو:

مخدوما! فقرارا باغنیاء آشنائی کردن دریں زمان بسیار متعسر است اگر فقراء، بگفتن یا نوشتن راہِ تواضع و حُسنِ خلق کہ ازلوازمِ فقراست پیش می گیرند کوتہ اندیشاں از سوءِ ظنِ خود می انگارند کہ طامع و محتاج اند لاجرم دریں ظن خسر الدنیا والآخرۃ می گردند و از کمالاتِ ایں بزرگواراں محروم می مانند و اگر فقراء باستغنا کہ ازلوازمِ فقراست حرف می زنند قاصر نظران از بد خلقیِ خود قیاس می کنند کہ متکبر و بد خلق اند نمی دانند کہ استغنا نیز ازلوازمِ فقراست کہ جمع ضدین ازینجا ازاستحالہ برآمدہ است ابوسعید خرازی فرماید **عرفت ربی بجمع الاضداد** ہرچند اربابِ نظر ایں مقدمہ را قبول نمی کنند و محال انگارند لیکن غم نیست طورِ ولایت ورای طورِ نظرِ عقل است باقی احوال را میر و مولانا بہ تفصیل معروض خواہند داشت والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ (دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۹۸ صفحہ نمبر ۸۷ حصہ سوم)

ترجمہ۔ میرے مخدوم! فقیروں کو دولت مندوں کے ساتھ واقفیت پیدا کرنا اس زمانہ میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اگر فقرا کچھ کہنے یا لکھنے میں تواضع اور حُسنِ خلق جو فقر کے لوازم میں سے ہے، ظاہر کرتے ہیں تو

کوتاہ اندیش لوگ اپنی بدظنی سے خیال کرتے ہیں کہ طامع اور محتاج ہیں۔ اس لیے اس بدظنی سے دنیا و آخرت کا خسارہ حاصل کرتے ہیں اور اُن کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اگر فقراء استغنا اور لاپرواہی سے کہ یہ بھی لوازمِ فقر سے ہے، کوئی بات کریں تو کوتاہ نظر اپنی بدخلقی سے قیاس کرتے ہیں کہ متکبر اور بدخُلق ہیں اور نہیں جانتے کہ استغناء بھی لوازمِ فقر میں سے ہے کیونکہ جمع ضدین اس جگہ محال نہیں ہے حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا۔‘‘ اگرچہ اہلِ نظر اس مقدمہ کو قبول نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں اور محال جانتے ہیں۔

☆……☆……☆

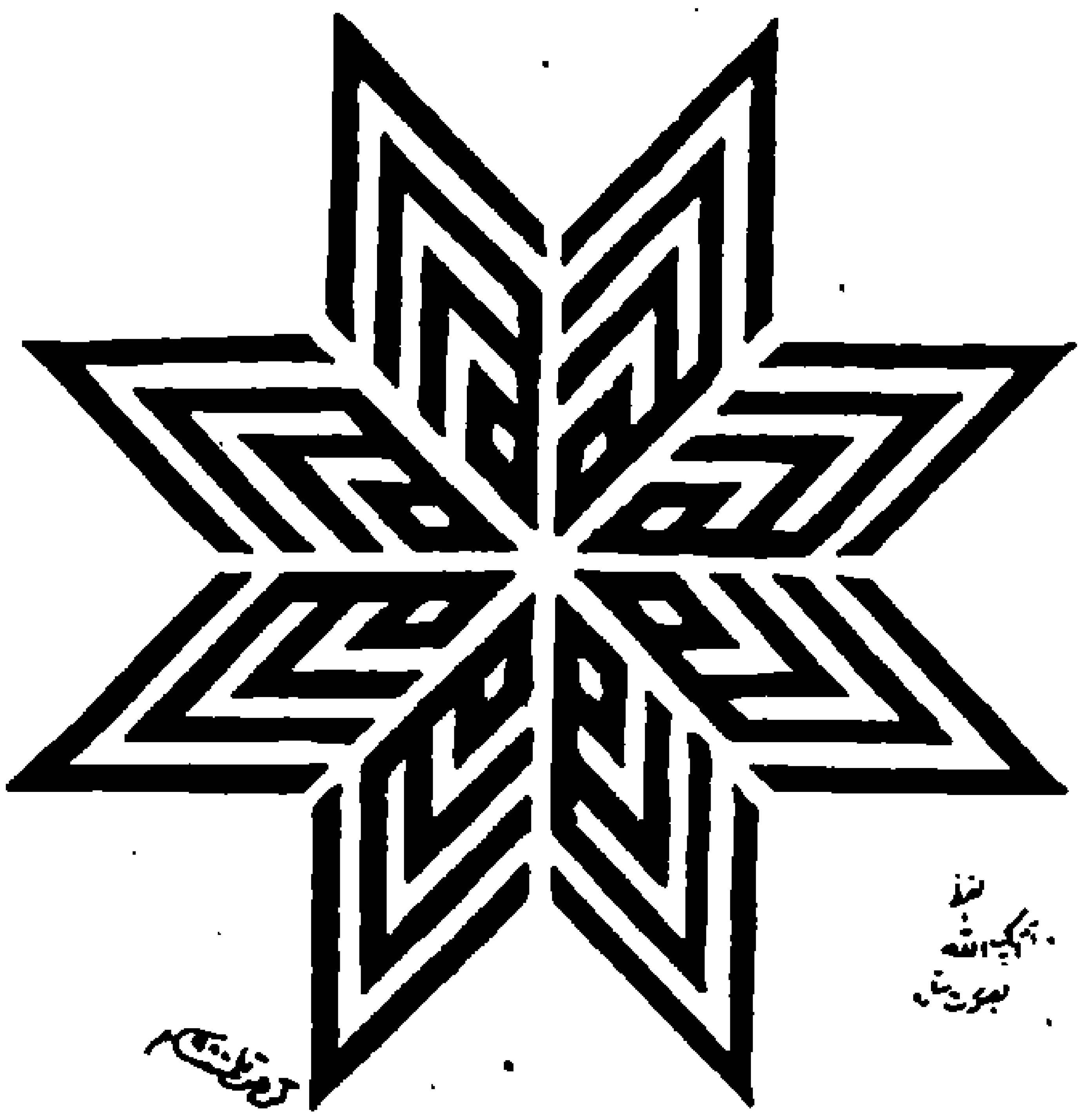

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور دو قومی نظریہ

پروفیسر محمد اسلم[۱]
(شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں اس دور میں وحدتِ ادیان کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ اگر ایک طرف اکبر تمام ادیان کو ملا کر دین الٰہی کا پرچار کر رہا تھا، تو دوسری طرف رامانند، بھگت کبیر، نانک، دادو، دھنہ، نامدیو اور بھگتی تحریک کے دوسرے راہنماؤں کا وحدتِ ادیان بالفاظ دیگر متحدہ قومیت کے تصور کا نعرہ فضا میں گونج رہا تھا۔ ان کی اس تحریک کا نتیجہ لازمی طور پر برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے ہندوؤں میں جذب ہونے کی صورت میں نکلتا، اور یہ صورتِ حال اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت چونکہ اکبر کو ملحد و زندیق اور بھگتی تحریک کے راہنماؤں کو غیر مسلم سمجھتی تھی، اس لیے وہ ان کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچ سکتے تھے لیکن جہاں اپنے ہی ایسے خیالات کا پرچار کر رہے ہوں، وہاں مسلمانوں کو ان کے افکار سے بچانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہاں اپنوں سے ہماری مراد حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا صفات ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس عہد کے غالی وحدتُ الوجودیوں میں ہوتا تھا، اور ان کے ہاں نظریۂ وحدتُ الوجود ہی کفر و اسلام کا معیار تھا۔ جن دنوں اکبر اور بھگتی تحریک کے رہنما وحدتِ ادیان کا پرچار کر رہے تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ بھی فضا میں گونج رہے تھے

---

[۱] ...... متوفی ۶؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء (محمد عالم مختار حق)

ایں چہ شوروایں چہ غوغا کشادہ ، کسے مومن ، کسے کافر ، کسے مطیع ، کسے
عاصی ، کسے درراہ ، کسے بے راہ ، کسے مسلم ، کسے پارسا ، کسے ملحد ، کسے
ترسا ہمہ دریک سلک است

ابوالفضل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات میں گرہ لگاتے ہوئے لکھتا ہے

کدم دین وچہ دینے یک حسن دلآویز درچندیں ہزار پردہ تابش می دہد

ابوالفضل کی گمراہی اور الحاد اظہر من الشمس ہے لیکن حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ جس نظریہ کا پرچار کررہے تھے اسے تسلیم کرلینے کے بعد مسلمانوں کا الگ وجود ختم ہوجاتا اور وہ ہندوؤں میں جذب ہوکررہ جاتے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو ایک الگ قوم دیکھنا چاہتے تھے' اور ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ حضرت عبدالقدوس گنگوہی اور ابوالفضل وغیرہم کے خیالات کی تردید کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ آپ نے وحدت الوجود کی جگہ مسلمانوں کے سامنے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا' جسے ماننے سے ان کا جداگانہ وجود باقی رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی صدیوں کا جمود اور تعطل ختم ہوکر ان میں عمل وسعی کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوگیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلامیانِ پاک وہند پر یہ ایک عظیم احسان ہے کہ انہوں نے وحدتِ ادیان کی تحریک کے علم برداروں اور وحدت الوجودیوں کی سکیم کو ناکام بناکر برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کو بچالیا۔ حضرت کے اسی کارنامے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:-

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

وحدۃ الوجود پر یقین رکھنے سے کفر واسلام کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور اس کا نتیجہ وحدتِ ادیان کی صورت میں نکلتا ہے۔ وحدت الوجود کا نظریہ اپنانے سے جہاں ہر قسم کا تعصب ختم ہوجاتا ہے' وہاں وہ عصبیت بھی ختم ہوجاتی ہے جو ایک دین یا قوم کی انفرادی بقا کے لیے اشد ضروری ہے۔ وحدت الوجود کا عقیدہ جہاں وحدت ادیان کی طرف لے جاتا ہے وہیں وہ متحدہ قومیت کا بھی درس دیتا ہے۔ اس کی بہترین مثال جمعیت العلمائے ہند کے سیاسی موقف کی ہے۔ جمعیت العلماء کی بنیاد دیوبند کے جن

بزرگوں نے رکھی تھی ان کی اکثریت سلسلہ چشتیہ کی اس صابریہ شاخ سے وابستہ تھی، جس کے سرخیل حضرت عبدالقدوس گنگوہی تھے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی وحدت الوجود میں اس قدر غلو رکھتے تھے کہ وہ ایسے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے جو وحدت الوجود پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت رکن الدین اپنی مشہور تالیف ''لطائف قدوسی'' میں رقمطراز ہیں:

> کہ ہمارے والد بزرگوار نے ہمارے پیچھے محض اس وجہ سے نماز پڑھنا ترک کر دی تھی کہ ہم وحدت الوجود پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا دین اور ہے اور میرا دین اور۔

ایک بار حضرت گنگوہی نے اپنی مسجد میں مسئلہ وحدت الوجود پر درس دیا تو حاضرین کی اکثریت نے اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت گنگوہی نے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

> کہ وہ ایسے شہر میں رہنے کے لئے تیار نہیں جہاں کے لوگ وحدت الوجود پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔

اتفاق سے انہی ایام میں ایک روز حضرت گنگوہی کے خلیفۂ اعظم حضرت جلال الدین تھانیسری حضرت کی زیارت کے لیے گنگوہ تشریف لائے۔ جونہی حضرت نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو بآواز بلند فرمایا:

ہماں جا باش و بگو چہ دین داری و چہ مشرب داری

جب حضرت تھانیسری نے عرض کیا کہ ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ان کے مرشد کا ہے تب کہیں انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔

وحدت الوجود خدا کی ذات میں جذب اور فنا کا نام ہے۔ اور جذب وفنا کے بعد سالک کی اپنی نمود اور انفرادیت باقی نہیں رہتی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس خطرے کو بروقت بھانپ لیا تھا اور آپ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان وحدت الوجود پر ایمان رکھتے ہوئے برصغیر پاک وہند میں اپنی جداگانہ شخصیت برقرار نہیں رکھ سکیں گے، اور وہ ہندوؤں میں جذب ہو کر رہ جائیں گے۔ اقبال نے غالباً اسی وجہ سے نظریۂ وحدت الوجود کو مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل کا نام دیا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار خواجہ حسن نظامی نے اقبال کو ''سرالوصال'' کا خطاب دیا تو اقبال نے انہیں لکھا کہ وہ ''سرالوصال'' کی بجائے ''سرالفراق''

کہلانا پسند کریں گے۔ اقبال یہ جانتے تھے کہ ذات حق کے ساتھ وصل کی صورت میں ان کی اپنی ہستی مٹ جائے گی۔ لیکن اگر وہ ''سر الفراق'' بنتے ہیں تو پھر بندہ و مولیٰ میں فرق ہو جاتا ہے' اور اسی صورت میں اقبال کی نمود اور خودی باقی رہ سکتی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے وحدت الشہود کے نظریہ کا پرچار کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب ہونے سے بچالیا۔ وحدتُ الشہود کو مانتے ہوے سالک کی نمود اور انفرادیت باقی رہتی ہے' اور وہ جذب اور فنا سے بچ جاتا ہے' اور اسے بقائے دوام حاصل ہو جاتی ہے۔ وحدت الوجود کے حامیوں میں آپ کو درجنوں فنا فی اللہ قسم کے سالک ملیں گے لیکن وحدت الشہود میں صرف باقی باللہ ہی نظر آئیں گے۔ وحدت الوجود میں سالک ذات مطلق میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن وحدت الشہود میں وہ فنا فی اللہ نہیں ہوتا اس کا تعلق باللہ رہتا ہے' اس لیے اس کا جداگانہ وجود باقی رہتا ہے۔ اقبال نے جس خودی پر زور دیا ہے وہ چونکہ جذب اور فنا کی صورت میں باقی نہیں رہ سکتی' اس لیے اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی طرح نظریہ وحدت الوجود کی مخالفت کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب ہونے سے بچالیا ہے۔

وحدت الوجود تعطل اور توکل کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وحدت الشہود سعی اور عمل پیہم کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکوں اور افغانوں میں وحدت الوجود کی تعلیم دینے والے سلسلے کبھی مقبول نہیں ہو سکے۔ یہ چونکہ مارشل قومیں ہیں اس لئے انکے ہاں نظریہ وحدت الشہود ہی مقبول ہو سکا ہے۔ چونکہ یہی ایک ایسا نظریہ ہے جو حرکت اور عمل کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے برصغیر پاک و ہند میں جس سلسلے کی اشاعت فرمائی تھی وہ سلسلہ چونکہ وحدت الشہود کا قائل اور شریعت کا زبردست حامی تھا۔ اس لیے برصغیر پاک و ہند بگڑی ہوئی فضا میں جہاں غالی وحدت الوجودیوں کی اکثریت تھی' اور لوگ شریعت کا پاس ادب کرنے کے بجائے وحدتِ ادیان کا پرچار کر رہے تھے سلسلہ مجددیہ زیادہ مقبول نہ ہو سکا۔ حضرت مجدد نے خود ہی اپنے ایک مکتوب والا میں اس بات کا اعتراف فرمایا ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح ہیں۔ بدعت کے رواج کی وجہ سے اس ملک کے لوگوں کو اس طریقہ کے بزرگوں سے جو سنت کے سخت پابند ہیں، بہت کم مناسبت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھگتی تحریک اپنے پورے جوبن پر تھی اور بھگتی تحریک کے راہنماؤں نے اسلام اور کفر میں ہم آہنگی پیدا کر کے ایک درمیانی راستہ تلاش کر لیا تھا۔ وہ عوام کو یہ تاثر

دے رہے تھے کہ رام اور رحیم ایک ہی ذات بزرگ کے دو نام ہیں۔ بھگتی تحریک سے وابستہ ایک بھدر پُرش ہردے رام نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نام ایک خط میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں جو مکتوب مرغوب تحریر فرمایا ہے وہ قابل توجہ ہے آپ فرماتے ہیں:

> آسمان، زمین اور اعلیٰ و اسفل والوں کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے' اور وہ بے چون و بے چگون ہے وہ شبیہ اور مانند سے منزہ ہے اور شکل و مثال سے مبرا ہے۔ پدر اور فرزند ہونا اس اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہمسر ہونے کی کسے مجال ہے؟ اللہ تعالیٰ کی شان میں اتحاد اور حلول کی آمیزش کا خیال کرنا اور پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے کا گمان کرنا برا ہے۔ وہ زمانی نہیں ہے کیونکہ زمانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ وہ مکانی نہیں ہے کیونکہ مکان اسکا بنایا ہوا ہے۔ اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں ہے' اور نہ اس اللہ تعالیٰ کی کوئی انتہا ہے۔ سب قسم کا خیر و کمال اس کی ذات میں ثابت ہے اور وہ ہر قسم کے نقص و زوال سے پاک ہے۔ عبادت کے لیے مستحق اور پرستش کے لائق وہی حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ رام اور کرشن کے پیدا ہونے سے پہلے پروردگار عالم کو کوئی رام یا کرشن نہیں کہتا تھا۔ ہمارے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گزرے ہیں' خلقت کو خالق کی عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ اور ان سب نے غیر کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ سب اپنے آپ کو بندہ عاجز جانتے اور خالق عالم کی ہیبت اور عظمت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔

اگر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اس خط کے سیاق و سباق کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت، وحدت ادیان بالفاظ دیگر متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے' اور وہ

مسلمانوں کو ایک الگ قوم دیکھنے کے متمنی تھے۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ چونکہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب ہونے سے بچانا چاہتے تھے' اس لئے وہ ان کی ایسی حرکات سے سخت رنجیدہ ہوتے تھے جو ان میں اور ہندوؤں میں مشابہت پیدا کرتی تھیں۔

حضرت کو معلوم ہوا کہ دیوالی کے ایام میں بعض مسلمان عورتیں بھی ہندو عورتوں کی طرح کچے برتنوں پر رنگ پھیرتی اور ان میں سرخ چاول بھرتی ہیں۔ حضرت نے فوراً ''بنام یک زن صالحہ'' ایک خط میں تحریر فرمایا کہ ایسی باتیں شرکِ اور کفر ہیں اور ان کا دین اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مزید برآں آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ: ''شرکِ اصغر سے بچو''۔ شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل ہے شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا بھی مشرک ہے۔ اسلام کی شرط، کفر سے بیزار ہونا ہے' اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے۔ دکھ، درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا شرک ہے، کافروں کی دیوالی کے دنوں میں کافروں کی رسموں کا بجالانا، خوشی منانا، بیٹیوں اور بہنوں کو ہدیہ بھیجنا اور اپنے برتنوں کو سرخ چاولوں سے بھرنا یہ سب شرک اور دین اسلام کے منافی ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں:

> کہ بعض جاہل مسلمان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی سیتلا (چیچک) کی
> پرستش کرنے لگے ہیں

حضرت نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ کافروں کا شعار تھا۔ اور اگر مسلمان ان شعائر پر عمل کرتے رہتے تو ان کی انفرادیت اور وجود ختم ہو جاتا۔ اس لیے حضرت نے بروقت ان جہلاء کو تنبیہ فرمائی اور ہندوؤں کے شعائر ترک کرنے کا مشورہ دیا۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت فرماتے ہیں کہ: دیوتاؤں اور بھوتوں سے بیماریوں کے ازالہ میں اہلِ اسلام کے جاہل لوگوں کا مدد طلب کرنا عام ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ

> اپنے انتہائی جہل کی وجہ سے اکثر عورتیں اس حرام وممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور وہ ان وہمی دیوتاؤں سے بلاؤں کے ٹالنے کی درخواست کرتی ہیں' اور شرک واہل شرک کی رسموں کو بجالاتی ہیں

ایک اور موقع پر حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان باوجود ایمان کے اہلِ کفر کی رسموں کو بجالاتے ہیں اور ان کے ایّام کی تعظیم کرتے ہیں۔ ایک اور مکتوب والا میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ کفر کے بہت سے احکام اور رسوم اہل اسلام میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ ایسی تمام باتیں چونکہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کر کے ہندوؤں سے قریب لا رہی تھیں۔ اس لیے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ان باتوں کا بروقت نوٹس لیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

ایک بار آپ کو معلوم ہوا کہ عبد الرحیم خان خاناں کے ایک ہم نشین شاعر نے اپنا تخلص کفری رکھ لیا ہے۔ حالانکہ وہ شاعر صحیح النسب سید اور ایک معزز گھرانے کا فرد تھا۔ حضرت نے خان خاناں کو لکھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس تخلص کے اختیار کرنے پر اس کو کس چیز نے آمادہ کیا۔ یہ تخلص نہایت برا ہے اس لیے ایک مسلمان کو اس سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے آدمی شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ ایسا تخلص یا نام اللہ اور رسول کے نزدیک قابل نفرت ہے' اس لیے ایسے تخلص سے علیحدگی واجب ہے' آپ میری طرف سے اس سے درخواست کریں کہ وہ اپنا تخلص ''کفری'' کے بجائے ''اسلامی'' رکھ لے۔ صرف اسی ایک چھوٹی سی بات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کتنے باغیرت مسلمان تھے۔ آپ چونکہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے ایک الگ قوم دیکھنا چاہتے تھے اس لیے انہیں اتنی سی بات بھی گوارا نہ تھی کہ مسلمان غیر اسلامی تخلص اختیار کریں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا اور غیر مسلموں کے عقائد وافکار اپنانے پر ان کی سرزنش کی۔ آپ نے انہیں بتایا کہ اگر وہ اس ملک میں بحیثیت ایک قوم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں کفر و شرک ترک کر کے کافروں سے ممیز ہو کر رہنا ہوگا۔ ہم حضرت مجدد کے متعلق یہ بات دعوٰی سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہی نے قیامِ پاکستان کا تصور پیش کیا تھا اور آپ ہی صحیح معنوں میں پہلے پاکستانی تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

برصغیر میں دوقومی نظریہ کی بنیاد اور تحریکِ مجدد الف ثانی

سردار علی قادری

☆☆

اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجایش نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا بھرپور تعارف اس وقت شروع ہوا جب سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم ۹۳ھ / ۷۱۲ء میں اموی گورنر ''حجاج بن یوسف'' کی طرف سے بھیجی جانے والی افواج کا سربراہ بن کر پہنچا اور آتے ہی فتوحات حاصل کرنے لگا۔ اس کی مسلسل کامیابیوں نے جہاں سندھ کے ہندو راجاؤں کے اقتدار کی کمر توڑ کر رکھدی۔ وہاں برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی کردار کا آغاز بھی کردیا، یوں لگتا تھا جیسے اسلامی افواج ناقابل شکست ہیں یہ فوجیں ہندو دھرم کے گہوارے میں ہندو افواج کو پامال کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں حتیٰ کہ ملتان پہنچ کر دم لیا۔ یوں تو محمد بن قاسم نے بڑا نام پیدا کیا مگر افسوس کہ وہ جیسے جلدی جلدی آگے بڑھا تھا ویسے ہی وہ جلدی واپس لوٹ گیا۔

اس کے بعد دسویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی کا دور آتا ہے، وہ اپنے سترہ حملوں کی خاص شہرت کا حامل ہے۔ افغانستان سے تعلق رکھنے والا جری شخص اس لحاظ سے بھی قابل داد ہے کہ پے در پے شکستوں نے اس کے حوصلے کو ختم نہیں کیا۔ اور بالآخر فتح وکامرانی نے اس کے قدم چومے۔ یہ فتح بھی ہندوستان میں اسلام کی عظمت وہیبت کا سکہ بٹھانے میں اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔

سلطان شہاب الدین غوری اس پہلو سے قابل ذکر ہے کہ وہ پہلا مسلمان حکمران ہے، جس نے وسطی ہندوستان میں ایک مضبوط ومستحکم حکومت قائم کی اور ہندو اقتدار کی ایک بڑی علامت ''پرتھوی راج'' کو اجمیر کے قریب شکست دے کر طاقت وغلبہ حاصل کیا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے مسلمان حکمران آئے۔ قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں اقتدار

سنبھال کر ''خاندانِ غلاماں'' کے اقتدار کا آغاز کیا، اس خاندان سے التتمش اور بلبن مشہور زمانہ حکمران تھے۔ پھر خلجی خاندان نے زمامِ اقتدار سنبھالی جس کے بانی علاء الدین خلجی تھے، خاندان تغلق کی ابتداء ۱۳۲۰ء میں ہوئی۔ محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق اس خاندان کے قابل ذکر حکمران ہیں۔ پھر خاندانِ سادات نے زمامِ اقتدار سنبھالی۔ اور پھر ابراہیم لودھی کی وجہ سے لودھی خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ شیر شاہ سوری نے بھی اپنی طاقت کا لوہا منوایا، ان تمام مذکورہ خاندانوں نے ایسے نابغۂ روزگار حکمران پیدا کیے۔ جنہوں نے اپنے نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرا لیے۔

ان خاندانوں کی حکمرانی کے بعد برصغیر نے ایک طویل عرصہ تک اپنے دور کی ایک بے مثال و بے نظیر حکومت بھی دیکھی جسے مغلیہ سلطنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغلوں نے یہاں صدیوں تک بڑے رعب اور دبدبے سے اس شان سے حکومت کی کہ آج بھی یورپی دنیا انہیں The Great Mughals (عظیم مغل) کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں واقعی اتنے سازگار حالات موجود تھے مسلمان حکمران یکے بعد دیگرے اپنا سکہ چلاتے رہے۔ فتوحات کرتے رہے۔ آگے بڑھتے رہے۔ رعایا نے بخوشی سرِ تسلیم خم کر لیا؟

ہندو دھرم کے گہوارے ہندوستان میں ایسا کیسے ہوا؟ حالانکہ تاریخ تو اس بات کی شاہد ہے کہ تلوار کے ذریعے جسموں پر تو حکمرانی کی جا سکتی ہے۔ دلوں پر نہیں، لیکن یہاں تو معاملہ ایسا ہے کہ ہر آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہی سرزمین جسے دنیا کی سب سے قدیم تہذیبوں میں سے ایک قدیم تہذیب کا امین ہونے کا فخر حاصل تھا۔ اور جہاں بت پرستی کی لعنت دورِ قبل مسیح سے یعنی ہزارہا سال سے چلی آتی تھی اور جس کے باشندے طرح طرح کے عقائد و توہمات کا شکار تھے۔ یکا یک ان مسلم حکمرانوں کے دست و بازو کیسے بن گئے؟ مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے کے لیے اپنے ہی معاشرے کے خلاف کیوں ہو گئے؟ اپنے ہی بھائیوں کے خلاف میدان میں تلوار لے کر صف آراء کیوں ہو گئے؟۔ اس جذبے کا پس منظر کیا تھا؟ جس نے انہیں اپنے فرسودہ معاشرتی روایات سے یک لخت جدا کر دیا تھا اور وہ ایک انقلابی عزم کے ساتھ ہر برائی کو مٹانے کے لیے معاشرتی اونچ نیچ اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر ایک صحیح فطری معاشرہ اور فلاحی مملکت قائم کرنے کے لیے مسلمان حکمرانوں کی تحریک میں شامل ہوئے۔

یہ ایسے سوال ہیں جو تاریخ پر تنقیدی نظر رکھنے والے ہر اس شخص کے ذہن میں آتے ہیں، جب وہ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعے کے وقت مسلمانوں کی حکومت کے پس منظر پر غور کرتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان سوالات کا تسلی بخش جواب حاصل نہ ہو جائے ہر پہلو ادھورا اور ہر تحقیق تشنہ لب رہ جاتی ہے۔

ان تمام سوالات کا جواب صرف یہی ہے کہ یہ حالات کبھی رونما نہ ہوتے۔ اگر یہاں وہ شخصیات تشریف نہ لاتیں۔ جنہوں نے اسلام کی حقانیت سے روشناس کرانے کے لیے دن رات وقف کر کے پورے ہند میں اسلام کی شمع روشن کر دی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ علاقہ جہاں محمد بن قاسم نے قدم رکھا تھا کوئی ایسا علاقہ نہ تھا کہ جہاں پر مسلمان آسانی سے حکومت کر سکتے اور فی الواقع انہیں شروع میں بے حد مشکلات پیش آئیں اور یقین سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہاں منظّم طریقے پر اسلام کی بنیادیں مضبوط نہ کی جاتیں تو مُغل حکمرانوں کو وہ کامیابیاں کبھی حاصل نہ ہوتیں جو اب مُسلم تاریخ کا ایک روشن حصہ ہیں۔

چونکہ اقتدار و اختیار وہی کامیاب ہوتا ہے جب رعایا دلی طور پر حکمران کو تسلیم کر لے اس وقت کیسے ممکن ہوتا جب رعایا کے دل نور اسلام سے خالی ہوتے، اسطرح وہ مسلم حکمران غیر ملکی، حکمران آمر و جابر سمجھ کر کسی نہ کسی مرحلہ پر بھرپور قوت کیساتھ مزاحمت کی تحریک شروع کر سکتے ایسا اس لیے نہ ہو سکا کہ رعایا مسلمان حکمرانوں کے طرزِ عمل سے متاثر ہونے کیساتھ ساتھ اولیائے کرام کے بھرپور تبلیغی مشن کی وجہ سے اسلام قبول کر چکی تھی۔

یہ بات ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ابتدائی زمانہ میں مُسلمان حکمران جہاں بھی گئے انہوں نے اپنی سیرت و کردار سے لوگوں کے دل جیتے۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنا فاتحانہ اور شاہانہ تعلق قائم ہوتے ہی جیسی سیر چشمی دریا دلی اور فیاضی کا نمونہ دکھایا اور اپنے مفتوحوں ماتحتوں سے جو ہمدردی و شفقت کا برتاؤ کیا اور ان سے جس قسم کی رواداری اور مساوات رکھی اس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم' کوئی مذہب' کوئی ملک اور کوئی تہذیب پیش نہیں کر سکتی۔

مسلمان ہندوستان میں فاتح بن کر آئے۔ اور انہوں نے بہت جلد ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا۔ اور اس کو سرسبز و شاداب بنانے میں اپنی انتہائی قوتیں صرف کر دیں۔ یہاں کے باشندوں کو بھی اپنایا، مراعات بخشیں، ان کے تمدن و ادب و تاریخ اور تہذیب کے محافظ ہی نہیں تھے بلکہ اپنی مخلصانہ کوششوں سے انکو اور بھی

جگمگایا، یہاں کے باشندوں کو علوم وفنون سے بہرہ ور کیا، معاشرت کے اصول سکھا کر مہذب بنایا، ان میں انسانیت اور خودداری کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کو حکومت تک میں حصہ دار بنایا، اعلیٰ سے اعلیٰ اور اہم سے اہم عہدے عطا کیے اور انہیں ترقی کرنے اور دنیا میں سربلند ہونے کے ہر ممکن مواقع بہم پہنچائے اور جو لوگ مذہبی پروہتوں کی ذہنیتوں کا شکار ہو کر کتوں اور بلیوں سے بھی بدتر سمجھے جاتے تھے ان قعر مذلّت میں پڑے ہوئے بے کس انسانوں کو بھی اٹھا کر گلے لگا کر تاج عزت پہنایا۔ غرضیکہ توحید اور مساوات کے علمبردار مسلمانوں اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کی بحیثیت انسان کوئی شے مابہ الامتیاز نہ تھی، اسلام کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی کا ہی جذبہ تھا جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی جنگ اور خیالات میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

انہوں نے اس ملک میں داخل ہو کر لاکھوں نفوس کی معاشرت وقلوب کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔ مسلمانوں کی رواداری کا یہ باب تاریخِ عالم میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا[۱]۔

محمد بن قاسم کے حسنِ اخلاق نے سندھ کی رعایا کو بے حد متاثر کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کا تعاون کیا اور عرب حکمرانوں کی اطاعت کو خوش دلی سے تسلیم بھی کیا۔ لیکن وہ بہر حال ذِمّی تھے، مسلمان نہیں تھے، اس لیے جب محمد بن قاسم ان سے رخصت ہوا تو انہوں نے اس کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ گویا ان کے لاتعداد خداؤں میں ایک اور خدا کا اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ ان کے دل اسلامی تعلیمات سے قطعاً نا آشنا تھے۔ جبکہ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ایک حکمران کی شخصیت کو مرکزی نقطہ سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دی جائے۔ حکمران تو دنیا میں خدائے ذوالجلال کے قوانین پر عمل درآمد کرانے کا پابند ہے۔ اور اس کی پابندی اس وقت تک واجب ہے۔ جب تک خود فرامینِ خداوندی کا پابند ہے۔ مسلمان کے لیے اصل اطاعت کے لائق تو وہ ذات باری ہے جس کی اطاعت کا عہد وہ دن میں کئی بار کرتا ہے۔ اور یہ جذبہ وشعور اس وقت تک ہندو رعایا کے اندر ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ اور یہی جذبہ وشعور بیدار کرنے کے لیے اولیائے کرام ومشائخ عظام ہندوستان میں تشریف لائے۔

جسموں پر حکمرانی آخر کب تک برقرار رہتی؟ شخصیت پرستی کا بت بالآخر چکنا چور ہو کر رہتا ہے کب ان کے اندر وطن پرستی اور علاقائیت کا عنصر غالب آتا اور ان کا ذہن مسلم حکمرانوں کو تسلیم کرنے سے بالکل انکار کر دیتا اور یوں مسلمان حکمرانوں کے قدم یہاں جمنے سے پہلے ہی اکھڑ جاتے یہ ایک خدشہ ہی نہیں تاریخی

شواہد پر مبنی ایک ٹھوس حقیقت بھی ہے۔

اولیائے کرام اگر تشریف نہ لاتے تو ہندوستان میں مسلم اقتدار کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی رہتیں مسلمان اقتدار کو کبھی اتنا دوام حاصل نہ ہوتا۔ انہیں مشائخ عظام کا ہم پر احسان ہے کہ انہوں نے یہاں تو رسالت کے انقلاب آفریں پیغام کی اشاعت کر کے جہاں لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کے دل کی دنیا آباد کر دی اور صحیح منزل سے روشناس کرا کے بھولی بھٹکی انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہاں دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھ کر اس حقیقت کو اٹل بنا دیا کہ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو دو الگ الگ اقوام ہیں۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، طرزِ معاشرت، طریق زندگی ہر پہلو سے ہندو دھرم سے جداگانہ ہے یہی نظریہ ہمارے ملی تشخص کی پہچان بنا اور یہی نظریہ ہماری بقا کا ضامن ہے اسی نظریہ کی اشاعت کے لیے مسلمان دنیا کے ہر حصے میں پہنچے۔

مسلمان ساری دنیا میں پھیلے اس برعظیم سے تو عربوں کا تجارتی رابطہ بہت پہلے ہی سے ظہور اسلام کے ساتھ ہی مسلمان عرب جنوبی ہند کے ساحل مالابار پر اترے پھر صوفیہ پہنچے۔ اس خطہ میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ مسلمان سندھ میں بھی پہنچے لیکن حکمران ہو کر تاجروں اور صوفیوں کے بعد پہنچے[2]۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اگر بھرپور پیمانے پر اشاعتِ اسلام کی تحریک شروع نہ ہوتی تو مسلمان قوم بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے کبھی نہ ابھرتی اس لیے مسلمان قوم کے علیحدہ تشخص کا سہرا اولیاء اور صوفیہ کے سر ہے۔

پاکستان کے ایک نامور سیاستدان چودھری محمد علی اپنی کتاب ''ظہور پاکستان'' میں لکھتے ہیں:

> ہند میں جس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی، وہ مسلم اہل علم و فضل اور صوفیۂ کرام کی تبلیغی مساعی اور عملی مثال کی بدولت ہوئی۔ ان اصحاب نے ایک ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیے اور صداقت کی روشنی پھیلانے کی کوشش میں لاتعداد مشکلات اور خطرات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا[3]۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کی آمد و رفت تو سیاسی مصلحتوں کی بنا پر رہی لیکن ایک طبقہ مستقلاً یہاں موجود رہا اور یہ اولیائے کرام کا طبقہ تھا جس نے اپنا مشن جاری رکھا ہوا تھا محمود غزنوی اور

شہاب الدین غوری بار بار آتے رہے اور شکست کھا کر واپس بھی جاتے رہے۔ اس طرح ان حکمرانوں کی فوجی قوت وہیبت کا اثر وقتی ہوتا تھا، اور اس وقت ان کی حیثیت غیر ملکی حملہ آوروں کی سی تھی۔

لہٰذا یہ پہلو بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ آغاز میں انہیں زیادہ مشکلات اسی وجہ سے پیش آتی رہیں کہ انہیں داخلی حمایت حاصل نہ تھی، ایک طرف تو وہ حکمرانوں سے نبرد آزما ہوتے تھے دوسری طرف عوام بھی انکی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے تھے اور جہاں بھی یہ صورتحال ہو طاقتور سے طاقتور حملہ آور بھی بالآخر پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ اندرونی مدافعت کم ہوتی گئی عوامی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے ہندو حکمرانوں کے جہاں حوصلے پست ہوتے گئے وہاں مسلم حکمرانوں کے حوصلے بلند ہوتے گئے اور بالآخر انہیں قدم جمانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ کیونکہ اولیائے کرام کی مسلسل تبلیغ اپنا اثر دکھا رہی تھی لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے، یہ اولیائے کرام اپنے عمل سے پورے معاشرے کو اس طرح متاثر کر رہے تھے کہ باشعور امراء ان کے مثالی کردار کو دیکھ کر ان کی عظمت و پاکیزگی و شرافت کے اعتراف پر مجبور ہو جاتے تھے اور انہیں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا پڑتا تھا اور یوں بالواسطہ طور پر مسلم حکمرانوں کو تقویت حاصل ہوتی گئی جوں جوں اولیائے کرام کا مشن کامیاب ہوتا گیا۔ مسلمانوں کو جنگی فتوحات میں بھی کامیابیاں ہونے لگیں۔ کیونکہ اب مسلم حکمرانوں کے ساتھ وہ عوام بھی شامل ہو گئے تھے جو اس نظریہ کو سیاسی طور پر تقویت پہنچانا چاہتے تھے جس نظریہ کی تبلیغ اولیائے کرام کر رہے تھے۔

برصغیر میں اسلام کی اس بھرپور تبلیغی مہم کے پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز محقق شفیق علی خاں اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے Two Nation Theory میں لکھتے ہیں۔

> Since the muslims started trickling here either as soldiers with the army inspired by the faith or as saints or mystics to propogate Islam, most of them did not retrun to their home land settled here permanently.[۴]
>
> جب سے مسلمانوں نے یہاں آنا شروع کیا خواہ مذہبی عقیدہ سے سرشار فوج کے سپاہی کی حیثیت سے، یا صوفیہ وصالحین کی حیثیت سے انہوں

نے اسلام کی تبلیغ کی، اوران میں سے اکثر وطن نہیں گئے۔ بلکہ یہیں پر مستقلاً قیام پذیر ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور میں ہندوستان میں تشریف لانے والے اکثر اولیائے کرام بلادِ عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں روس، ترکستان، ایران، افغانستان سے بھی تشریف لائے، ہند کی سرزمین تھی یہ درست ہے کہ اس وقت کی تحقیق کے مطابق اس سرزمین پر مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے قدم رکھا[۵]۔ مبلغین وواعظین ان کے بعد آئے۔ لیکن تاریخ اس امر کی بھی شہادت دیتی ہے کہ یہاں کے لوگوں کی روحانی زندگی پر فاتحین نے نہیں واعظین نے اثر ڈالا۔ کیونکہ مسلمانوں کے سب سے پہلے فاتح سلطان سبکتگین نے پنجاب پر حملہ ضرور کیا مگر یہاں کے سرکش راجہ کو جو اسلامی سرحدوں پر حملے کرتا رہتا تھا۔ سزا دے کر یہ مسلمان فاتح واپس چلا گیا، اس طرح محمود غزنوی نے بھی یہاں مستقل قیام کبھی نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی فاتح کی آمد پر یہاں کے لوگوں کی تبدیلیِ مذہب کا موجب نہیں ہوئی اس سرزمین پر مذہبی انقلاب سب سے پہلے ایک بزرگ واعظ حضرت سید اسمٰعیل بخاری کے ہاتھوں رونما ہوا۔ جو پہلے لاہور تشریف لائے، ان دنوں لاہور کا حکمران ایک ہندو راجہ تھا) جو سلطان محمود غزنوی کو خراج دیا کرتا تھا، حضرت اسماعیل بخاری نے لاہور آکر اس سرزمین پر سب سے پہلے مجلس وعظ منعقد کی، آپ کا بیان اتنا پرلطف اور زبان اتنی پرتاثیر تھی کہ لوگ آپ کی تقریر سننے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے، اور روزانہ کثیر تعداد میں اسلام قبول کرتے تھے، ایک روایت کے مطابق صرف ایک دن میں آپکے دست حق پرست پر ایک ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا[۶]۔

اسی دور میں ضلع ملتان کے تاریخی شہر اوچ شریف میں شیخ صفی الدین (۹۶۲ء.....۱۰۰۷ء) میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ اسماعیل کے بعد لاہور میں شیخ علی بن عثمان ہجویری عرف حضرت داتا گنج بخش تشریف لائے اور ۱۰۷۲ء تک آپ کا یہ سلسلۂ تبلیغ جاری رہا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں رشد وہدایت کا پیغام اس طرح پھیلایا کہ لاکھوں بندگانِ خدا نے آپ کی آواز پر ''لبیک'' کہتے ہوئے کلمۂ توحید کے نور سے اپنے دلوں کو منور کیا یہ حضرت داتا صاحب کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے برصغیر میں دوقومی نظریہ کی بنیاد اس مضبوطی سے رکھی کہ کبھی منہدم نہ ہوسکی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ اور بعض لوگ اس سے متفق نہیں، ان کا کہنا ہے کہ آپ شیخ حماد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری کے ہمراہ ہندوستان میں تشریف لائے[۷]۔

آپ کی تبلیغ سے جو شخص سب سے پہلے مسلمان ہوا وہ پنجاب کا ہندو گورنر رائے راجو تھا جو سلطان مودو والیٔ افغانستان کی طرف سے اس علاقے کا انتظام کرتا تھا، حضرت علی ہجویری نے اس کا اسلامی نام ''شیخ ہندی'' تجویز کیا[۸]۔

اس کے بعد ہمیں ملتان میں شاہ یوسف گردیزی (۱۰۶۳ء...... ۱۱۵۲ء) تبلیغ کے مشن میں مصروف نظر آتے ہیں، تقریباً اسی وقت پنجاب کے دور دراز پہاڑی علاقے ڈیرہ غازی خاں میں حضرت سلطان سخی سرور ۱۱۸۱ء تک غیر اسلامی افکار و نظریات کیخلاف برسرپیکار رہے اور اسلام کی ابدی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے عملی جہاد کرتے رہے۔

اس طرح جب محمد غوری کو مسلسل شکست ہو رہی تھی تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی (وفات ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) روسی ترکستان سے چل کر اجمیر پہنچے، جو اس وقت ہندوستان کی عظمت و سطوت کا مظہر تھا اور پرتھوی راج کی راجدھانی۔

حضرت خواجہ نے حالات و مشکلات کی پروا کیے بغیر اپنے مشن کا آغاز کر دیا۔ آپ ہی کی تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ اتنی زبردست تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ ہندو مہاراجے کو اقتدار کا سنگھاسن ڈولتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے آپ کو ریاست سے نکل جانے کا حکم دیا مگر اس سے قبل آپ سلطان شہاب الدین غوری کو اجمیر پر حملہ کرنے کی اجازت اور فتح کی بشارت دے چکے تھے۔

محمد غوری ایک عزمِ جواں لے کر میدانِ کارزار میں اترا اور اس بار سابقہ ناکامیوں کی وجہ سے فوجوں کے شکست خوردہ رویے کے باوجود فتح اس کا مقدر بنی اور اسطرح ہندوستان کے وسط میں ایک مضبوط و مستحکم حکومت کے قیام کا آغاز ہوا۔ اسی فتح کی وجہ سے، دہلی ''اسلامی ہندوستان'' کا دارالحکومت بنا تھا، محمد غوری کو اس بات کا احساس تھا کہ یہ سب حضرت خواجہ کی دعا کا نتیجہ ہے۔

وحید احمد مسعود لکھتے ہیں:

ترائن کی جنگ ثانی میں رائے پتھورا اور اس کی حکومت کا خاتمہ

۵۸۸ھ میں ہوا تھا، بعد میں جب قطب الدین ایبک نے دہلی واجمیر کی تسخیر کرلی تو سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۹ھ میں خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور اس سال دہلی کو دارالسلطنت بنا کر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر اسی سال حضرت سلطان الہند نے خواجہ قطب کو (حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ) کو اپنی نیابت عطا فرمائی[9]۔

یہاں جس اسلامی سلطنت کی بنیاد کا ذکر ہے یہ وہی سلطنت ہے جس کی بنیاد محمد غوری کی فتح کے نتیجے میں اس کے جرنیل قطب الدین ایبک نے ۲۵/جولائی ۱۶۰۶ء کو دہلی میں رکھی تھی [10]۔

مشائخ عظام نے تبلیغ کے ذریعے سے ایسا حلقۂ اثر پیدا کرلیا تھا کہ بادشاہانِ وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی بادشاہی انہی خرقہ پوشوں کی مرہونِ منت تھی۔ سلاطین دہلی کو ان بزرگانِ دین سے جو عقیدت تھی اس کا اظہار متعدد مواقع پر ہوا۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی (وفات ۶۴۲ھ) جب دہلی تشریف لائے تو سلطان شمس الدین التمش نے آپ کا استقبال کیا[11]۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۶ھ..... ۶۶۶ھ) کو جنہوں نے مدینۃ الاولیاء ملتان کو اپنے لیے مرکز منتخب فرمایا۔ سلطان شمس الدین التمش نے نجم الدین صغریٰ کے بجائے ''شیخ الاسلام'' مقرر کیا[12]۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ نے ہندووں کے گڑھ ''اجودھن'' کو اپنا مسکن بنا کر ''پاک پتن'' بنایا تھا۔ سلطان ناصر الدین جب اوچ شریف (ملتان) گیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپسی پر اس نے چار گاؤں کا فرمان اور کچھ نقدی آپ کی خدمت میں بھیجی آپ

نے گاؤں کی مثل واپس کردی اور نقدی وصول فرما کر درویشوں پر خرچ کی [۱۳]۔

الف خان کو جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے لقب سے مشہور ہوا آپ نے تاج وتخت کا مژدہ دیا چنانچہ وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی لڑکی بی بی نہریزہ کی شادی آپ سے کی [۱۴]۔

حضرت شاہ رکن عالم نے جو حضرت بہاء الدین زکریا کے پوتے تھے ملتان ہی میں رشد وہدایت کا کام جاری رکھا۔ سلطان غیاث الدین آپ کے خاندان کا معتقد تھا۔

الغرض ہندوستان میں کوئی بھی حکمران، کوئی بھی خاندان، برسر اقتدار رہا۔ اسلام سے حکومت کا تعلق براہِ راست رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران ہمیشہ اولیائے عظام اور علمائے کرام کی بے حد عزت تعظیم کرتے تھے۔ بالفاظ دیگر مذہبی طبقہ کو امورِ سلطنت میں اہم حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ ''مفتیان کرام'' کے فیصلے اثر انداز ہوتے تھے، پیرانِ طریقت کا روحانی اقتدار تھا۔ جس کی جھلک درباروں میں دیکھی جاسکتی تھی، یہ لوگ بلاحیل وحجت اپنا مافی الضمیر بیان کرتے تھے اور حکمرانوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ اولیائے عظام اور علمائے کرام کی صحبتوں نے حکمرانوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا ذکر جناب خلیق احمد نظامی نے اپنی تاریخی کتاب ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' میں تفصیل کیساتھ کیا ہے، جس کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں اسلام اور سیاست علیحدہ علیحدہ اصطلاحات نہیں تھیں۔ یہی رویہ ہمیں مغلیہ دور میں بھی نظر آتا ہے۔

لیکن شہنشاہ اکبر ہی وہ حکمران ہے جس نے اپنے دور میں دانستہ طور پر اسلام کو زک پہنچانے کا کام شروع کیا۔ جس کے جواب میں عظیم مصلح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔

تحریک مجدد کا پس منظر:

تمام مسلم وغیر جانب دار مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مغل شہنشاہ اکبر کا دور حکومت برصغیر میں اسلام کی تنزلی کا دور تھا، اس دور میں دین کیساتھ جو مذاق روا رکھا گیا اور جس قسم کی خرافات اس میں شامل کی

گئیں اس کی مثال اور کہیں ملنا بہت مشکل ہے۔

اُسی ہندوستان میں جہاں صوفیائے کرام نے اپنی گراں قدر خدمات سے اسلام کے پودے کی آب یاری کی تھی۔ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھرپور کوشش اکبر کے دور حکومت میں کی گئی۔

وہی ہندوستان جس نے عظیم المرتبت متقی اور دین دار مسلم حکمرانوں کا عروج دیکھا تھا۔ اس کے اندر بسنے والے مسلمانوں کو ایسا دور بھی دیکھنا پڑا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ شعائرِ اسلام کا بھرپور مذاق اڑایا گیا۔ علماء حق کی آواز کو خاموش کر دیا گیا۔ درباری ملاؤں کو عروج حاصل ہو گیا۔ جو اکبر کی خواہش کے عین مطابق خود ساختہ دین وضع کرنے لگے۔ ہندو دھرم کو ترویج حاصل ہونی شروع ہوئی اور ایک منظّم سازش کے تحت اسلام کو نیست و نابود کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی۔

دورِ اکبری کے ایک نامور مؤرخ ملاّ عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے ممتاز محقق ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں لکھتے ہیں:

> مغل بادشاہ اکبر کی حکمتِ عملی جس پر وہ اپنے دورِ حکومت میں ہمیشہ عامل رہا دراصل مسلمانوں کے شعور مذہبی کو ضعف اور صدمہ پہنچانے کے لیے وضع کی گئی تھی اس کے بعض پہلوؤں سے ان کے جذبات سخت مشتعل ہو گئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں اسلام ختم ہو گیا۔ ایک ہمعصر مورخ اور جوشیلا مسلمان ملا عبدالقادر بدایونی اکبر کے عہد حکومت کے خلاف اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس سے وہ بے چینی اور اضطراب جس میں مذہبی مسلمان ان دنوں مبتلا تھے پوری طرح نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی رائے ہے کہ بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا رخ اسلام سے پھیر لیا تھا [۱۵]۔

مُلاّ بدایونی کی یہ رائے بالکل مبنی برحقیقت اور شواہد تاریخی کے عین مطابق ہے۔ اس کی پالیسیوں سے جو بات اخذ کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ ہندوؤں کو ہی خوش کرنا چاہتا تھا اور یہی اس کا مطمحِ نظر تھا۔

اگر چہ بعض مورخین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اکبر کی اس غیر جانبدارانہ پالیسیوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ

ہندوؤں اور مسلمانوں سے برابر سلوک رکھنا چاہتا تھا اور انہیں ایک ہی طرح کے سماجی اور سیاسی نظام کا پابند بنانا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر شفیق علی خان کے نظریہ کے مُطابق

> He was the absolute monarch and realised that Hindus and Muslims were two distinct and separate nations and unless they were united under one political system no government could be stable and abiding in the sub-continent.[۱۶]

> اکبر ایک مکمل شہنشاہ تھا۔ اور اُسے احساس تھا کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف اور جداگانہ اقوام ہیں جب تک وہ ایک سیاسی اور سماجی نظام کے تحت متحد نہ ہوں کوئی بھی حکومت برصغیر میں مستحکم و منضبط نہیں ہوسکتی۔

مندرجہ بالا نظریہ ایک مفروضے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ کہنا سراسر زیادتی ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو علیحدہ اقوام کی حیثیت دیتے ہوئے ایک سیاسی نظام کے تحت منظّم کرنا چاہتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نے اسلام کو ہی صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی وہ کسی لحاظ سے بھی ایک سیاسی نظام کو ترویج دینے کا خواہاں نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک نئے مذہب کے بانی کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا، نت نئے نظریات وافکار ایجاد کر کے اسلام کے تصورِ توحید و رسالت کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا، اور اس نام نہاد مسلمان حکمران کا وجود اسلام کے لیے زبردست خطرہ بن چکا تھا۔

اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اپنے ابتدائی دور میں ''الحبر'' ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھا۔ یہ وہ دور تھا جب وہ ہندو مشیروں اور عیاروں کے چنگل میں نہیں پھنسا تھا۔ اگرچہ تعلیم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے شروع ہی سے پڑھے لکھے افراد کی صحبت اس کی مجبوری تھی۔ لیکن ابتدائی دور میں ہندو افکار و نظریات نے اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا تھا، کیونکہ اس دور میں راسخ العقیدہ مسلم دانشور صوفیائے عظام اور علمائے کرام اس کے مُمِدّ و معاون تھے۔

سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ نماز تو بڑی چیز ہے سفر و حضر میں جماعت ترک نہیں ہوتی تھی۔ سات عالم امامت کے لیے مقرر تھے۔ علماء و صلحاء کی صحبت اس قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتحپور رہی کو دار السلطنت بنالیا۔ اور مدتوں پاپیادہ اجمیر شریف حضرت خواجہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا[17]۔

اگر بنظرِ غائر جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی اس راسخ العقیدگی کے پیچھے علماء کرام کا ہاتھ تھا، جو اس کی صحبت میں رہتے تھے، ان میں سے ایک ممتاز شخصیت ''شیخ عبدالنبی'' صدر جہاں تھے، ابتدائی دور میں بادشاہ کے دل میں ان کا بے حد احترام تھا۔

بدایونی لکھتا ہے:

> بادشاہ را چندگاہ نسبت باوآں چناں اعتقاد پیدا شدہ بود کہ کفش در پیش پائے اومی نہادند[18]۔
>
> ترجمہ۔ بادشاہ کو ان سے عقیدت ہو گئی تھی---- اور وہ ان کے آگے ان کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔

لیکن افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ یہ دور زیادہ عرصے تک نہ رہا اور اکبر وہ تمام روایات فراموش کرتا گیا جو اسے خاندان سے وراثتاً ملی تھیں، اور آہستہ آہستہ ہندوؤں کی گود میں چلا گیا، علماء و مشائخ کی نہ صرف صحبت ختم ہوئی بلکہ وہ ملعون اور مطعون ٹھہرائے گئے۔

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اُس کے دورِ حکومت میں اسلام اور داعیٔ اسلام سرورِ کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لینا بھی قابل گرفت جرم ٹھہرا۔ اُسے جوں جوں اسلامی نظریات سے بے زاری ہوتی گئی اسکی جگہ لادینی اور ہندوانہ نظریات لینے لگے۔

Gradually Akbar gave up his belief in Islam and to ----- create a new religion, acceptableto

> all the People of sub-continent.To this end he seleceted many good and practical things according to his wisdom from all the religions and asked first of all his courtiers to follow it".۱۹

> بتدریج اکبر نے اسلام کے متعلق اپنے عقائد ترک کر دیے اور اس طرح ایک نیا مذہب تخلیق کیا جو برصغیر کے تمام عوام کے لیے قابل قبول ہو۔ اس کی خاطر اس نے اپنی دانش کے مطابق تمام مذاہب سے اچھی اور عملی چیزیں منتخب کیں اور سب سے پہلے اپنے درباریوں کو کہا کہ وہ اس پر عمل کریں۲۰۔

تاریخی حقائق یہی بتاتے ہیں کہ کسی نے بھی اکبر کی ان ذہنی خرافات کو قلبی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ سرکاری مذہب ہونے کی وجہ سے امراء، حکام اور مقربین پر ان عقائد کی پیروی لازمی تھی، لیکن رضا کارانہ طور پر اسے کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا، کیونکہ کسی بھی عقیدہ کا حامل شخص اپنے نظریات کو بالکل ختم نہیں کرسکتا، اور اکبر نے اپنے عقائد میں جس قسم کی کھچڑی پکائی تھی وہ کسی کو بھی راس نہ آئی، مگر ان ملحدانہ نظریات کی وجہ سے جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا وہ اظہر من الشمس ہے۔ مسلمانوں کے بنیادی عقائد و نظریات کو جسطرح مسخ کر کے رکھدیا گیا اس سے ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اور یہی وجہ تھی کہ ہندو بادل نخواستہ بھی اکبر کے زبردست حامی و موید بن گئے کیونکہ ان کے لیے اس سے بڑھ کر راحت کا سامان اور کیا ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کی مذہبی روایات ختم ہو رہی تھیں اور اس طرح مسلمانوں کو برصغیر سے نکالنے کا ان کا قدیم منصوبہ عملی تکمیل کے قریب تھا، اگرچہ شروع میں اکبر کے ہندو مشیروں نے بھی اس کے مذہبی خیالات کو قبول نہ کیا لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور وہ اس طرح اکبر پر چھا گئے کہ اس کے نظریات میں ہندوانہ عزائم غالب آ گئے۔ اور اس کے خودساختہ دین میں زیادہ تر تحفظ ہندو مذہب کو ہی دیا گیا، جبکہ اسلام کے بنیادی عقائد کو بالکل مسمار کر دیا گیا، یورپین اور ہندو مؤرخین اکبر کی اس پالیسی کو اس کی کامیاب حکومت کی وجہ قرار دیتے ہیں۔

The Great Mughals (عظیم مغلوں) کا مصنف اکبر کی کامیابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> Around this time Akbar was already laying the foundation of the policy of religious toleration, which was to become one of the most significant aspects of his regin".[۲۱]

اکبر نے اُس وقت سے پہلے ہی مذہبی رواداری کی بنیاد رکھ دی تھی جو اس کے دور حکومت کا اہم ترین عنصر تھی۔

جہاں تک مذہبی رواداری کا تعلق ہے اسلام اس کا مخالف نہیں بلکہ وہ اس کی تبلیغ کرتا ہے، اسلامی تاریخ کے کئی روشن باب مذہبی رواداری کی عظیم روایات سے بھرپور ہیں، اور برصغیر میں اکبر سے قبل مختلف شہنشاہوں نے اس اصول کو اپنایا تھا اور مذہبی رواداری کو بڑی خوبصورتی سے عمل میں لائے تھے، ''دی گریٹ مغلز'' کے مصنف نے بھی اسکا اقرار یوں کیا ہے:

> It would be wrong to suggest that there had been no fruitful collaboration between Muslims and Hindus during the previous centuries; the tide of bigotry had ebbed and flowed much as it did within the mughal period itself.[۲۲]

یہ تجویز کرنا غلط ہوگا کہ اس سے پہلے صدیوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نتیجہ خیز ہم آہنگی نہیں تھی، بلکہ تعصب کی لہر روبہ زوال تھی۔ اور مغلیہ دور سے پہلے ہی یہ ریلا بہہ چکا تھا۔

یہاں تک تو یہ بات صحیح ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری اور کسی قدر سیاسی افہام وتفہیم کا عنصر پہلے بھی نظر آتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہندو کبھی بھی مسلمان کا بہتر اور قابل اعتماد دوست ثابت نہیں ہوسکتا۔ لیکن جس رواداری کا مظاہرہ اکبر نے کیا تھا اسے رواداری کہنا سراسر زیادتی ہوگی، وہ تو تمام حدود وقیود کو پھلانگ چکا تھا اور ہندودھرم کو سینے سے لگا چکا تھا، ہندودھرم کے گہوارے میں قائم ہونے

والی اسلامی سلطنت عملاً دوبارہ ہندوؤں کے پاس جا چکی تھی، جس کا حکمران نام نہاد مسلمان تھا جو مکمل طور پر ہندوؤں کے کٹھ پتلی کا کردار ادا کر رہا تھا، اور فی الحقیقت اس کی حکومت کو بھگوان داس اور مان سنگھ چلا رہے تھے۔

''دی گریٹ مغلز'' کا مصنف اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اُس وقت ہندوؤں کے اثر میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ جب بھگوان داس اور مان سنگھ اکبر کے مشیر خاص بنے۔ بھگوان داس کو راجہ آف امیر کا خطاب ملا۔ جبکہ مان سنگھ نے اہم جرنیل کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس طرح امورِ سلطنت میں ہندوؤں کا براہِ راست عمل دخل شروع ہو گیا۔ اور وہ مملکت کی پالیسیوں پر بھرپور اثر انداز ہونے لگے اور اس کا اثر مسلمانوں پر پڑا کہ بحیثیت مذہب اسلام کی طاقت دن بدن کم ہونے لگی۔

ایک منظم تحریک کے تحت علماء اور مشائخ اسلام کا وقار کم کیا جانے لگا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی سیاسی وقعت میں کمی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اکبر اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھا کہ معاشرے میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کا وقار بہت زیادہ ہے اسے یہ بھی احساس تھا کہ عوام ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے خلاف صف آراء ہو سکتے ہیں، اس لیے اس نے مختلف طریقوں سے اپنے حربے استعمال کیے۔

> علماء کی قوت توڑنے کے لیے انہیں دور دراز کے علاقوں میں منتشر کرایا گیا، جن مشائخ، علماء فقراء اور مرشدوں کے متعلق خبر ملتی کہ وہ عوام کی توجہ اور عقیدت کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ انہیں مختلف قلعوں میں نظر بند کر دیا جاتا۔ جہاں وہ مدتوں مصائب و شدائد جھیلتے رہتے عوام میں ان کا وقار اور احترام زائل کرنے کے لیے ان پر گونا گوں اخلاقی الزامات عائد کیے جاتے۔ قاضی جلال الدین ملتانی انہی میں سے ایک تھے، حق پرست و حق گو تھے اکبر کی بے دینی کا بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا، سلطنت کے دُور دراز گوشوں سے علمائے حق دربار میں بلوائے جاتے اور انہیں غیر شرعی مراسم بجالانے اور مسکرات پینے پر مجبور کیا جاتا اگر وہ انکار کرتے تو ملک سے اخراج کا حکم صادر کر دیا جاتا[۲۳]۔

دوسری طرف ہندوؤں نے اپنے پر کھولنے شروع کر دیے۔ اس ہندو نواز پالیسی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ

ہندوؤں پر عائد شدہ جزیہ کی رقم معاف کردی گئی۔ بادی النظر میں اگرچہ یہ بات زیادہ معلوم نہیں ہوتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا اقدام تھا، اوراس کے نتائج خطرناک ثابت ہوئے۔

یہ ہندو مسلم اقوام کے باہمی اشتراک کی پہلی کوشش تھی۔ جس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مسلمان اور ہندو کوئی علیحدہ علیحدہ اقوام نہیں ہیں اور نہ ہی مسلمان فاتح ہیں اور نہ ہی ہندو مفتوح، بلکہ ایک ہی خطّہ میں رہنے والی ایک قوم ہیں۔ لہٰذا ہندوؤں کی طرف سے مسلمان حکمرانوں کو جزیہ کی رقم دینا بے معنی ہے۔

اور یہی نقطہ نظر ''دی گریٹ مغلز'' کے مصنف کا ہے[۲۴]۔

> The removal of this symbolic and hollowed piece of fiscal discrimination effectively gave notice that from now on every one was equally a citizen of the empire, a modern concept to which previous muslim rulers had not even paid a lip service."[۲۵]

> اس علامتی اور کھلے معاشی امتیاز (جزیہ) کے خاتمے پر مصنوعی توجہ دی گئی اوراس کے بعد ہر کوئی سلطنت کا یکساں حیثیت کا شہری قرار پایا۔ یہ ایک جدید نظریہ تھا۔ جس پر سابقہ مسلمان حکمرانوں نے جنبش لب بھی نہ کی تھی۔

شاید جدید سیاسی اور معاشی نظام سے دل چسپی رکھنے والے افراد کو مندرجہ بالا تبدیلی اہم نہ لگے، وہ اس تبدیلی کو استحسان کی نظر سے دیکھیں۔ لیکن اسلامی تاریخ سے شغف رکھنے والا فرد اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ جزیہ کو اسلامی فتوحات کے استحکام میں اہم مقام حاصل رہا ہے اسلام نے جہاں بھی فتح کے جھنڈے گاڑے ہیں وہاں اس مضبوطی سے قدم جمائے کہ مفتوحوں کو راج دینے پر مجبور کیا، اور اگر خود نظامِ حکومت سنبھالا تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے پیش نظر سے جزیہ وصول کیا اور یہی عمل ہندوستان میں سابقہ مسلمان حکمرانوں نے جاری رکھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوؤں کے اندر یہ احساس بدستور موجود تھا کہ وہ

مفتوح ہیں اور مسلمان فاتح، اور مفتوحین کے اپنے تحفظ کی خاطر یہ "ٹیکس" ادا کرنا ضروری تھا، وگرنہ دوسری صورت میں مسلمان حکمران ان کے تحفظ کے ذمہ دار نہ تھے، مگر اکبر کی غیر اسلامی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوؤں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ جزیہ کو ختم کرا سکیں۔ اس طرح انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے ایک طرف تو انہیں آسودگی حاصل ہوئی اور دوسری طرف انہیں اس احساس سے نجات ملی کہ وہ مفتوح ہیں بلکہ انہوں نے یہ کوشش ایک تحریک کی صورت میں شروع کرا دی کہ وہ اور مسلمان بحیثیت شہری ایک ہی مرتبہ کے حامل ہیں، اگرچہ دلی طور پر وہ مسلمانوں کو ملیچھ (ناپاک) سمجھتے تھے، بات اگر صرف یہاں تک ہوتی تو شاید معاملہ اتنا خطرناک نہ ہوتا، لیکن ان کی قلبی خباثت اس وقت ظاہر ہوئی، جب انہوں نے لادین حکمران اکبر کو اپنا آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کے گلے پر تلوار چلانا شروع کر دی۔ دینی شعائر کا مذاق اڑایا گیا، مساجد کو منہدم کیا گیا، ان کی جگہ مندر تعمیر کرائے گئے اور ہر وہ طریقہ اختیار کیا گیا جس سے اسلامی عظمت وسطوت کے نام ونشان کو مٹایا جا سکتا تھا۔

یہ سب کچھ اکبر کی بے خبری میں نہیں ہو رہا تھا بلکہ اسے سب صورتحال کا علم تھا، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سب کچھ اس کی شہہ پر ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ خود ہندوانہ رنگ میں رنگا جا چکا تھا، "چوپڑا پران ناتھ" ایک ہندو مصنف اپنی تصنیف

Some aspects of society and culture during the Mughual age.

(مغلیہ دور کی تہذیب ومعاشرہ کے کچھ پہلو) میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ:

> اکبر تقریباً ہندو ہو چکا تھا کیونکہ اس کی تمام عادات واطوار ہندوانہ تھیں وہ دیوالی کا تہوار عقیدت سے مناتا تھا، ہندوؤں کے طرز کے بال رکھتا تھا، لباس میں ہندو راجپوتوں کا سا انداز اختیار کرتا تھا، اور تِلک بھی لگاتا تھا[۲۶]۔

ایک ہندو کی واضح شہادت کے بعد اس امر میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ اسکی ہندوؤں کی جانب نظر التفات کیا تھی۔؟

تمام ادیان کا مرکب "دین الٰہی" بظاہر ایک دھوکا تھا، حقیقت میں وہ درپردہ ہندومذہب کی ترویج واشاعت کر رہا تھا۔

''دی گریٹ مغلز'' کا یورپین مصنف جو اکبر کے دور کو ایک غیر جانب دارانہ دور اور اس کی سلطنت کو فلاحی سلطنت کہتا ہے، وہ اکبر کی مذہبی پالیسی کو واحد قوم کی تشکیل کی طرف ایک قدم قرار دیتا ہے۔

> Akbar undoubtedly made a more far reaching attempt than an other emperor to represent all the major religious group with in the Nation.[۲۷]
>
> بلاشبہ اکبر نے ایسی دور رس کوشش کی کہ جو اس سے پہلے کسی شہنشاہ نے نہیں کی تھی کہ اس نے قوم میں تمام بڑے بڑے مذاہب کو نمائندگی دے دی۔

اس یورپین مورخ کے نزدیک اکبر کا مذہب دراصل نظریہ قومیت تھا جس کے ذریعے وہ تمام مذاہب کے افراد کو ایک قوم بنانا چاہتا تھا۔ جہاں تک مملکت کے شہری ہونے کا تعلق ہے تو تمام مذاہب کے افراد ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے دور میں ایک باوقار اور خوشحال شہری کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور کسی بھی مسلم حکمران نے کسی سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا۔ لیکن اکبر کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا نظریہ سیاسی کے بجائے خالصتاً مذہبی تھا، کیونکہ وہ مسلم قومیت کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا تھا۔ جبکہ یہ حقیقت آج تک اپنی جگہ اٹل اور قائم ہے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں وہ جہاں بھی ہیں ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے وہ کسی اور قوم کا حصہ نہیں ہو سکتے۔

کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ مسلمانوں کے ہی ایک عظیم الشان خاندان کے ایک لادین فرد (اکبر) نے قومیت کے لادینی نظریہ کی آڑ میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور ان کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا، یہ دور مسلم تاریخ کا ایک بدنُما داغ ہے۔

اکبر نے ہندوؤں کی کس طرح طرفداری کی؟ اور مسلمانوں کیساتھ اس کا سلوک کیسا رہا؟ اس کا اعتراف ایک ہندو مصنف ''سری رام شرما'' اپنی مشہور تصنیف

The Religious policy of the Mughal Emperor

(مغل حکمرانوں کی مذہبی پالیسی) میں کرتا ہے۔ اس نے اکبر اور اس کے دور حکومت کی جو بنیادی خصوصیات بتائی ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... بادشاہ ظاہری شکل وصورت سے مسلمان نظر نہیں آتا تھا، کیونکہ وہ ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا اور زیورات پہنتا تھا۔

۲...... اس نے علی الاعلان اسلامی عبادات سے حکماً منع کیا۔

۳...... اس نے عبادت کے لیے لوگوں کو اپنے بنائے ہوئے ''ہال'' میں آنے پر مجبور کیا۔

۴...... اس نے روزہ رکھنے سے منع کر دیا۔

۵...... حج بیت اللہ کے لیے مکۃ المکرّمہ جانا غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ ۱۵۹۵ء میں اس پر سزا بھی دی گئی۔

۶...... مسلمانوں کی تقریبات بند کر دی گئیں۔

۷...... اس نے اسلامی نام خصوصاً حضور نبی کریم (ﷺ) سے مناسبت والے نام تبدیل کر دیے۔

۸...... مساجد کو اصطبل بنا دیا گیا۔ اور انہیں ہندو چوکیداروں کے حوالے کر دیا گیا۔

۹...... ڈاڑھی منڈوانے کو درباری ملاؤں سے جائز اور شرعی طریقہ قرار دیا گیا۔

۱۰...... چیتے اور جنگلی سور کا کھانا جائز قرار دیا گیا۔

۱۱...... شاہ کی تعظیم کی خاطر اس کے آگے جھکنا اور سجدہ ضروری قرار دیا گیا۔

۱۲...... مخالف علمائے کرام، صوفیائے عظام اور ممتاز دانشوران کو ختم کرایا گیا وغیرہ۔

یہ ہیں دور اکبری کی ممتاز خصوصیات جنہیں یورپین ہندو مصنّفین غیر جانبدارانہ پالیسیاں قرار دیتے ہیں۔

کیا کوئی بھی ہوش منداور غیر جانبدار آدمی اسے غیر جانبدارانہ پالیسیاں قرار دے گا[۲۸]۔

یہ تمام احکام اسلامی نظامِ حیات کی جڑوں کو کاٹنے کے مترادف ہیں ان میں کوئی بھی ایسی شق نہیں جس سے ہندو دھرم پر براہِ راست زد پڑتی ہو۔ لگتا یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر صرف اور صرف اسلام کو نشانہ بنایا گیا ہے، اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت میں جو غیر اسلامی افعال کیے گئے شاید کسی لادین حکومت میں بھی نہ کیے گئے ہوں۔

ایک منظم سازش کے تحت صوفیائے کرام کی تبلیغ کی بدولت نور اسلام سے منور ہونے والی سرزمین کو کفر کی ظلمتوں کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جارہی تھی اور ایسے ضمیر فروش، بے دین، درباری ملا پیدا کیے جارہے

تھے جو اسلامی تعلیمات کو ''ملاؤں کا نظریہ'' قرار دیتے تھے۔ اور یہی اصطلاح آج کا ہندو بھی استعمال کرتا ہے۔

> Akbar's great achievement lay in liberating the state from its dominination by the Mulladom.[۲۹]

اکبر کا عظیم کارنامہ ریاست کو مُلاؤں کے اقتدار سے آزادی دلانا تھا۔

یعنی سابقہ حکمرانوں پر مذہب کا اثر ہندوؤں کی نظر میں کھٹکتا تھا، ان کی مذہبی عقیدت، صوفیائے کرام سے خالص تعلق، علمائے کرام کی صحبت اور مملکت کے ہر شعبہ میں اسلامی اصولِ حیات کی پیروی اُن کے نزدیک مُلاؤں کا اقتدار تھا اور اسلام کی کُھلے عام تذلیل، شعائرِ اسلام کو غیر قانونی قرار دینا، غیر جانبداری کا مظاہرہ ہے؟

یہ عجیب غیر جانبداری تھی، جس میں صرف اور صرف مسلمانوں کے عقائد کو پائمال کیا گیا، ہندو دھرم عروج کی طرف جا رہا تھا۔ اس لیے سر رام شرما ۱۵۶۴ء کو ہندوستان کی تاریخ کا اہم موڑ قرار دیتا ہے۔ یہی وہ سال ہے جب اکبر نے جزیہ کو ختم کر دیا تھا۔ بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ اس واقعہ کو اہم موڑ کیوں قرار دیتا ہے۔؟

اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی ہندوؤں کو مُسلمانوں کے اقتدار کے خاتمہ اور اپنی حکومت کے قیام کی امید پیدا ہوگئی تھی، ورنہ اس سے پہلے وہ مسلسل اس احساس کا شکار تھے کہ وہ مفتوح رہیں گے اور مسلمان ہمیشہ فاتح رہیں گے، اور اُن پر حکمران رہیں گے۔

سر رام شرما کے الفاظ میں یہ جزیہ اس لیے ختم کیا گیا کہ:

> It proclamied the superiority of Islam over Hinduism.[۳۰]

اسے جزیہ کو ہندو ازم پر اسلام کی برتری قرار دیا گیا۔

گویا اکبر کو کسی طرح اسلام کی برتری گوارا نہ تھی۔ یہ کیسا مسلمان حکمران تھا؟ جسے اسلام کی برتری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ایک طرف تو اس نے اسلام کی برتری ختم کی اور دوسری طرف ہندو دھرم کی اسلام پر برتری قائم کرنے کی بھرپور کوشش شروع کر دی۔ اور ہندو دھرم کی ترویج کے لیے ہر ممکن تعاون کیا۔ اس سے

قبل ہندوؤں کے مندروں کی تعمیر پر پابندی تھی، حکومت کی منظوری کے بغیر کوئی مندر تعمیر نہیں ہوسکتا تھا اور مندر کی تعمیر پر حکومت ٹیکس وصول کرتی تھی، یہ تمام اقدامات ہندوانہ رسوم کے پھیلاؤ کی حوصلہ شکنی کی خاطر کیے گئے تھے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رام شرما لکھتا ہے۔

> There had been restriction on the building of new public temples and a tax on pilgrimages to Hindu places of worship.[۳۱]
>
> اس سے قبل عوامی مندروں کی تعمیر پر پابندی تھی اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں کی زیارت پر ٹیکس لیا جاتا تھا۔

لیکن جونہی مان سنگھ مشیرِ خاص بنا نہ صرف مندروں کی دھڑا دھڑ تعمیر شروع ہوگئی بلکہ مسجدوں کا انہدام بھی شروع ہوگیا۔ اس دور میں ہندوؤں کو کس طرح عروج حاصل ہو رہا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مان سنگھ نے ''برندابن'' میں نصف ملین روپیہ کی مالیت سے ایک مندر تعمیر کرایا[۳۲]۔

صاف ظاہر ہے کہ اس نے اتنی زیادہ رقم ناجائز ذرائع استعمال کر کے اور اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے حکومت کے خزانے سے حاصل کی ہوگی۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں ہے، بلکہ واقعاتی حقائق یہی بتاتے ہیں، کیونکہ جب حکومتی سطح پر اسلام کے بنیادی عقائد کا استہزاء کیا جاتا ہے ہر غیر اسلامی چیز ممکن ہے۔ اس دور کے ممتاز مورخ اس بات کی شہادت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> در ہر رکنے از ارکان دین و در ہر عقیدہ از عقائدِ اسلامیہ چہ اصول و چہ فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین و حشر و نشر شبہات گونا گوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ[۳۳]۔
>
> ترجمہ۔ ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی کا حصول، جہان کی کیفیت، حشر نشر وغیرہ کے متعلق تمسخرانہ اور مذاق کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کیے جانے لگے۔

اسلام کے بنیادی عقائد کا تمسخر اڑایا جارہا تھا لیکن ہندو دھرم کی قدیم مذہبی کتب کی حکومتی سطح پر

اشاعت کی گئی اکبر نے ایک ''دارالترجمہ'' قائم کیا جسمیں ہندوانہ عقائد کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا، جس میں 'مہابھارت' 'رامائن' اور 'اتھروید' شامل ہیں۔ مسلمانوں کو باقاعدہ ترغیب دی گئی کہ اگر ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد وہ ہندو بننا چاہیں تو وہ بلا روک ٹوک اپنے آباؤاجداد کا مذہب اختیار کر سکتے ہیں اور اس اشاعتی تحریک کے پیچھے اکبر کا معتمد خاص وزیراعظم اور وزیر خزانہ مان سنگھ، بھگوان داس، رائے سنگھ اور ٹوڈرمل وغیرہ تھے[۳۴]۔

جوں جوں ہندوؤں کا حکومتی معاملات میں عمل دخل بڑھتا گیا۔ انہوں نے اسلام کے خلاف منظم تحریک شروع کردی۔ اگرچہ وہ شروع میں ''دین الٰہی'' کے پرجوش حامی نہ تھے، یہاں اس امر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''دین الٰہی'' شیخ مُبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کی ذہن کے اختراع ہے۔

> Abul Fazal and Faizi were the first to embrance that religion which Raja Bhagwandas and Raja Man Singh refused to accept it.
>
> ابوالفضل اور فیضی نے پہلے پہل اس مذہب (دین الٰہی) کو سینے سے لگایا جبکہ راجہ بھگوان داس اور راجہ مان سنگھ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

ابتدائی دور میں دین الٰہی کھل کر اسلام کے خلاف صف آراء نہیں ہوا تھا اور اس میں توحید کا نظریہ کسی حد تک قائم تھا، لیکن جوں جوں ہندو اثر ورسوخ بڑھتا گیا، اور انہوں نے حکومتی پالیسی پر چھانا شروع کیا، یہ خودساختہ دین مکمل طور پر اسلام کے بنیادی عقائد کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا۔

> نام احمد و مصطفٰی وامثال آں بہ جہت رعائت خاطر کافراں بیرونی و دختراںِ اہلِ حرم اندرونیگراں می آید تامبروراایام اسامی۔ چندے را ازمقربان کہ بایں نام مسمّی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد خاں را ومحمد خاں را رحمت می خوانند ومی نویسند[۳۵]۔
>
> ترجمہ۔ احمد، محمد و مصطفٰے اور اسی طرح کے نام بیرونی کافروں کی دل جوئی اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص (اکبر) پرگراں گزرنے لگے۔

آخر کچھ دن بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے۔ مثلاً یار محمد اور محمد خان کو وہ رحمت کے نام سے پکارتا اور لکھتا تھا۔

بیرونی کافروں سے مراد اس کے مشیران خاص تھے، اور اندرونی عورتیں اس کی ہندو بیویاں تھیں جو مکمل طور پر اس کے خیالات پر اثر انداز ہو چکی تھیں اور حکومتی پالیسیوں پر ان کا گہرا اثر تھا۔

Although earlier Muslim rulers had married Hindu wives, only Akbar allowed them to practise their hindu rites within the walls of royal haram-[۳۶]

اگرچہ اس سے پہلے مسلمان حکمرانوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کی تھیں لیکن صرف اکبر نے انہیں حرم کی چار دیواری کے اندر ہندوانہ عبادات کی ادائیگی کی اجازت دے دی تھی۔

یعنی اس سے قبل جو ہندو عورت بھی مسلم حکمران کے نکاح میں آئی وہ مسلمان عورت کی حیثیت سے آئی لیکن اکبر جیسے حکمران کے نزدیک ہندو عورتوں سے شادی غیر جانب داری کا عملی مظاہرہ تھا یہ کیسی غیر جانبداری تھی جسمیں کھلم کھلا فخرِ دوعالم سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعام بے ادبی کی جا رہی تھی۔

بدبختے چند از ہندواں و مسلماناں ہندو مزاج قدحِ صریح بر نبوت می کردند۔

چند بد بخت ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر صراحتاً اعتراضات کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی کھلے عام بے ادبی کرنا اس بات کی دلیل نہ تھی کہ اسلام کی بیخ کنی کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا، عقائد اسلام کے خاتمہ کے لیے نت نئے طریقے وضع کیے گئے اور ہر وہ حربہ استعمال کیا گیا جس سے شکوک وشبہات کے بیج بوئے جاسکیں یا بزور عقائد کو تبدیل کیا جاسکے۔

درعین دیوان خانہ خاص ہیچکس را یارائے آں نہ داشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند[۳۷]۔

ترجمہ۔ دیوان خانہ خاص میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ طور پر نماز ادا کر سکے۔

پسر ملا مبارک شاگرد رشید ابوالفضل رسائل در باب قدح وتمسخر ایں

> عبادات بدلائل نوشتہ ومقبول افتادہ باعث تربیت گشت [۳۸]۔
>
> ترجمہ۔ ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد تھا اسلامی عبادات کے متعلق اعتراضات و تمسخر کے انداز میں چند رسالے لکھے (شاہی دربار میں) اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔

''واقعہ معراج النبی''، جو عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واضح ثبوت ہے اس کا انکار بھی اکبر کی خرافات کا ایک حصہ تھا۔ وہ کبھی کبھی جوش میں آجاتا تو دربار میں ہی تقریر شروع کر دیتا۔

> ایں معنی را عقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے در یک لحظہ با گرانیِ جسم از خواب گاہ بآسمان رود و آں نود ہزار سخن گومگوئے با خدائے تعالیٰ بکند و بسترش ہنوز گرم باشد تا باز بیاید و مردم بآں دعویٰ بکردند ہم چنیں شق قمر و امثال آں [۳۹]۔
>
> آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکا یک خواب گاہ سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے نوے ہزار باتیں کرتا ہے، لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح چاند کو ٹکڑے کرنے اور اسی طرح کی دوسری باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

ان تمام لغویات کا پس منظر ملا عبدالقادر بدایونی کے نزدیک یہ ہے کہ اکبر کے خیال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کی اشاعت کی تھی اس کی کل مدت صرف ایک ہزار سال تھی، اور چونکہ وہ مدت پوری ہو چکی تھی اس لیے اس نے اپنے دین کا اعلان کر دیا اور پھر اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ممتاز علماء کرام کی بساط الٹ دی گئی اور صاف ظاہر ہے جو بچ گئے وہ درباری تھے اب اکبر کو خوب کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ لہٰذا انہی درباری ملاؤں کی توثیق سے اس نے اپنے ساختہ قوانین وعقائد کی ترویج و اشاعت شروع کر دی [۴۰]۔

گویا وہ خود ایک مذہب کا بانی بن کر اپنا نام تاریخ کی عظیم شخصیات میں محفوظ کرانا چاہتا تھا، اس نے اپنی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک عظیم اسلامی یادگار کو ختم کرانے کی کوشش کی! ہجری سن کو ختم کر کے

اپنے حوالے سے نئے سن کا اجراء کیا۔

> درتنکہا و مُہر ہا تاریخ الف نوشتند کہ بایں اعتبار مشعر باشد از انقراضِ دین مبین صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیش از ہزار سال نخواہد بود[۴۱]۔
>
> ترجمہ۔ شاہی سکوں اور اشرفیوں میں ہزار کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی وہ پوری ہوگئی۔

علاوہ ازیں اس نے نئی تاریخ لکھنے کا حکم بھی صادر کیا۔

صاف ظاہر ہے کہ نئی تاریخ لکھوانے کا مقصد اسلامی واقعات وحقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا تھا، تا کہ اس کے افکار ونظریات کو تقویت حاصل ہو سکے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں اکبر ہندومت کی طرف مائل تھا وہاں اس نے دیگر غیر اسلامی مذاہب کو بھی پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے۔ اُن میں نصرانیت اور مجوسیت سرِ فہرست ہیں اسی کے دور میں فرنگیوں نے اپنے مبلغین بھیجے۔ اور مجوسیت نے قدم جمانے شروع کیے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت کے مطابق نصرانی مبلغین دربار میں آتے تھے، انجیل پڑھی جاتی تھی اور نصرانیت کو سچا مذہب ثابت کیا جاتا تھا۔

آتش پرست بھی دربار میں آ کر اپنے دین کی حقیقت ثابت کرتے تھے انہوں نے بادشاہ کو اپنی طرف کافی حد تک مائل بھی کر لیا، اور بادشاہ اس مذہب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اس مذہب کی کافی روایات خود بھی اپنائیں۔

> آتش بہ اہتمام شیخ ابوالفضل بروش ملوک عجم کہ آتش ایشاں ہمہ برپائے بود دائم الاوقات وچہ درشب وچہ درروز در محل بگاہ می داشتہ باشند[۴۲]۔
>
> ترجمہ۔ شیخ ابوالفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا کہ عجمی بادشاہوں کی طرح ہمیشہ دن رات شاہی محل میں آگ کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

غرض بادشاہ کے دربار میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے لوگ جمع ہو گئے تھے اگرچہ اسے تحقیق کا نام دیا جاتا تھا۔ لیکن ''اَن پڑھ'' ہونے کی وجہ سے وہ ہر مذہب سے فوراً متاثر ہو جاتا۔

اس طرح خود اسکے اپنے عقائد میں کھچڑی پک چکی تھی۔ اکبر کی اس کمزوری سے ہر کسی نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

> آمد ورفت فرنگیاں نیز شد وبعضے اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند[۴۳]۔
>
> ترجمہ۔ فرنگیوں کی آمد ورفت بھی شروع ہوگئی تھی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کیے۔

گویا فرنگیت کے بیج بھی اکبر نے بوئے اور پہلی مرتبہ اس کے دور حکومت میں انہوں نے ہندوستان میں قدم جمائے۔

تاہم اکبر کوئی واضح عقیدہ اختیار نہ کرسکا۔ اس کی عبادات انوکھی تھیں، طرح طرح کے عقائد تھے، دن میں چار مرتبہ صبح وشام دوپہر اور آدھی رات کو وہ سورج کی عبادت کرتا تھا اور سورج کے ایک ہزار ایک ہندی ناموں کو اس نے اپنا وظیفہ بنایا ہوا تھا اور ٹھیک دوپہر کے وقت سورج کی طرف منہ کر کے ان ناموں کا وظیفہ بھی پڑھا کرتا تھا، قشقہ بھی لگاتا اور دورانِ عبادت نقارے بجواتا، وہ ان سب باتوں کو ''توحید الٰہی'' کہنے پر مصر تھا[۴۴]۔

> اس نے ہر مذہب سے کچھ نہ کچھ چیز حاصل کی، لیکن اسلام کی کوئی اچھائی نظر نہ آئی۔
>
> ہرچہ خوش می آمد ہرکس غیر از مسلماناں التفات وانتخاب نمودہ از آنچہ نامرضی طبع وخلاف خواہش بود احتراز واجتناب لازم می دانستند[۴۵]۔
>
> ترجمہ۔ مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آجاتی تھی اس کا انتخاب کرلیا جاتا تھا، اور جو باتیں ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کیخلاف ہوتی تھیں ان سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔

یعنی صحیح مذہب کا معیار بادشاہ کی پسند اور ناپسند تھی، جو عقیدہ شہنشاہی معیار پر پورا اترتا اسے قبول کرلیا جاتا تھا، اگر یہ معاملہ صرف اکبر کی ذات تک محدود رہتا تو بات اور تھی، لیکن وہ لادین شخص اپنی پسند کے عقائد کو بزورِ شمشیر پوری سلطنت پر نافذ کرانے کا خواہشمند تھا۔ لہٰذا وہ جس چیز کو پسند کرلیتا تھا اس کی خواہش ہوتی کہ سارے اس پر عمل کریں اور وہ سب عقائد لادین اور غیر اسلامی تھے، سے بڑھکر اور ستم ظریفی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے اسلام کے بنیادی ستون ''کلمہ طیبہ'' کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

اس نے حکم دے دیا تھا کہ لآ الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی جگہ لاالہ الااللہ اکبر خلفیة اللہ' علی الاعلان پڑھا جائے۔ لیکن اس سے فتنہ پیدا ہوا۔ اس لیے مصلحت قرار پائی کہ اس کلمہ کا استعمال حرم سرائے کی چہار دیواری میں محدود رکھا جائے، بادشاہ قرآن کا منکر ہو گیا تھا، حیات بعد الموت اور جزاء کا انکار کرتا تھا![۴۶]

> سجدہ برائے او تجویز کردہ آں را زمین بوس نامیدند و رعائت ادب پادشاہ
> رافرضِ عین شمردہ روئے اورا کعبہ مرادات و قبلہ حاجات دانیدند[۴۷]۔
> بادشاہ کے لیے سجدہ کو جائز قرار دیا گیا اور اس کا نام زمین بوس رکھا گیا تھا،
> اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض ٹھہرایا گیا اور بادشاہ کو مقاصد کا کعبہ اور
> اسکے چہرے کو قبلۂ حاجات قرار دیا گیا۔

یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس سے ''ہندومت'' کی اکبر پر اثر پذیری کا اندازہ ہوتا تھا، اسلام صرف مالک حقیقی کے سامنے سر جھکانے کا حکم دیتا ہے جبکہ ہندومت میں جہاں بے شمار دیوتا ہیں ہر ایک کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ ہندوؤں کی سازش کی وجہ سے اکبر بھی اپنی رعایا کو اپنے سامنے جھکا کر ایک ''دیوتا'' کی حیثیت اختیار کرنا چاہتا تھا۔

معاشرتی بگاڑ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ سود اور جواء حکومت کی سرپرستی میں ہوتے تھے۔ ''جواخانہ'' سرکاری سرپرستی میں قائم تھا جس کے لئے شاہی خزانے سے سودی قرض ملتا تھا۔ شراب کے سرعام استعمال کو بھی جائز قرار دیا گیا، پردہ کو ختم کر دیا گیا۔ بلکہ حکماً عورتوں کو بازار سے گزرتے ہوئے چہرہ کھلا رکھنے پر مجبور کیا گیا[۴۸]۔

اسلامی عائلی قوانین جو اس سے پہلے نافذ تھے کالعدم قرار دیے گئے اور من پسند قوانین نافذ کر دیے گئے۔ بارہ سال کی عمر تک ختنہ کرانا غیر قانونی قرار دیا گیا[۴۹]۔

صاف ظاہر ہے کہ اس عمر کے بعد بہت کم نوجوان اس اذیت کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو سکتے تھے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر ختنہ کو بند کرا دیا گیا، میت کی بے حرمتی کے لیے عجیب طریقے وضع کیے گئے۔ یہ حکم دیا گیا کہ میت کی گردن سے خام غلہ اور پکی اینٹیں باندھ کر پانی میں ڈال دیا جائے۔ یا درخت سے باندھ دیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر دوسری صورتوں میں ہندوانہ رسم بھی شامل تھی۔ یعنی

مردہ کو جلا دیا جائے اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا تھا کہ ایک مسلمان کی نعش کو سپردِ آتش کر دیا جائے۔

سور اور کتے پاک جانور قرار پائے، سوروں کو شاہی محل کے نیچے رکھا گیا، بادشاہ علی الصبح ان کی زیارت کرتا کتوں کو ہمراہ رکھا جاتا تھا اور کھانا ساتھ کھلایا جاتا۔

یہ سب کچھ ہندو عقائد کا اثر تھا، ظاہری شکل و صورت کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ وہ بالکل ہندو نظر آتا تھا، ہندوؤں کے تہوار سرکاری طور پر منائے جاتے۔ بادشاہ قشقہ لگا کر برآمدے میں بیٹھتا اور جواہرات سے پروئی ہوئی ڈوری برہمنوں کے ہاتھ سے بطور تبرک اپنے ہاتھ میں بندھواتا تھا، اسی دور کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ:

> اگر کسے با شخصے کہ ذبح جانور پیشہ اوشدہ باشد طعام بخورد دست او برندو اگر اہل خانہ او بود انگشت اکل قطع نمائند[50]۔
>
> ترجمہ۔ جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ جانور ذبح کرنا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے حتیٰ کہ اگر اس کے گھر والے بھی اس کے ساتھ کھائیں تو کھانے والے کی انگلیاں کاٹ لی جائیں۔

کیا اس حکم شاہی سے یہی مقصد نہ تھا کہ ''ذبح گائے'' کو بند کرایا جائے اور یہ سب کچھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر کیا گیا تھا، ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ دعوت فکر دی گئی تھی کہ وہ چاہیں تو اپنے آباؤ اجداد کا سابقہ مذہب یعنی ہندومت قبول کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حکم کیا گیا کہ اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جائے تو اسے اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے۔

> زنِ ہندو اگر بر مسلمانے فریفتہ شدہ در دین مسلماناں درآید جبراً وقہراً گرفتہ با اہل او سپارند[51]۔
>
> کوئی ہندو عورت اگر کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کر لے تو اس عورت کو جبراً وقہراً اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے۔

یہ سب کچھ ''دین الٰہی'' کے نام پر ہو رہا تھا، اور درباری ملا ابوالفضل اور فیضی کے علاوہ شیرازی حاجی ابراہیم سرہندی اور ملا شریف آملی وغیرہ اس کی پشت پناہی کر رہے تھے، وزراء بھی ہمنوا تھے، کسی کو جرأت

نہیں ہو رہی تھی کہ ان خرافات کے خلاف آواز بلند کرے البتہ لوگ انفرادی طور پر کلمۂ حق کی ادائیگی کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔

> اس دین جدید کی مزاحمت کرنے والا ایک محدود حلقہ رہ گیا اور یہ ان چند مسلمان افراد پر مشتمل تھا جنھوں نے ہر خطرہ مول لے کر اس دین کی خرافات پھیلنے سے روکنے کی جدوجہد کی انہی میں اکبر کا رضاعی بھائی خان اعظم مرزا عزیز کوکہ تھا جو ایک لائق جرنیل تھا اور جس نے اضلاع مشرقی کی بغاوت فرو کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

اس نے اکبر کو بار بار سمجھایا اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر جب وہ نہ مانا تو اُسے چھوڑ کر مکہ معظّمہ کی راہ لی۔ وہاں سے ایک مفصل خط میں اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

> جمعے کہ خاطر اشرف را از دین محمدی بیگانہ و مجتنب می ساز ندحاشا کہ دوست باشند، کار دنیا بازیچۂ ایست ناپائیدار۔ حرف دو بہ خوشامد گوئے آخرت بدنیا فروش اعتبار بناید کرو، بیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہم صاحب تمکین بودند، ہیچ بادشاہے را دغدغہ نہ شد کہ دعوائے پیغمبری و نسخ دین محمدی نماید[۵۲]۔

> ترجمہ۔ جن لوگوں نے حضور والا کو دین محمدی سے بیگانہ اور مجتنب کر دیا ہے وہ آپ کے مطلقاً خیر خواہ نہیں ہیں، دنیا کا معاملہ ایک ناپائیدار کھیل تماشے کا سا ہے دنیا کے بدلے آخرت بیچنے والوں کی خوشامد اور باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے پہلے بھی زور، قوت اور شان و شوکت والے بادشاہ گزر چکے ہیں، اس میں سے کسی بادشاہ کو بھی نبوت کا دعوٰی کرنے اور دینِ محمدی کو منسوخ کرنے کا خیال نہیں آیا۔

تحریکِ مجدد الفِ ثانی:

حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی عالم اسلام کی عموماً اور برصغیر کی خصوصاً وہ عظیم شخصیت ہیں جنھوں نے احیائے اسلام کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کا کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے اور ان کا

ملتِ اسلامیہ پر اتنا بڑا احسان ہے جس کا اندازہ لفظوں میں نہیں لگایا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مجدد الف ثانی جیسی شخصیت ہندوستان میں پیدا نہ ہوتی تو شاید آج ہندوستان کا نقشہ مختلف ہوتا، کیونکہ ہندو جس انداز سے قومیت کی متعصّبانہ تحریک چلائے ہوئے تھے اور ہندوستان میں ہندومت کو سرکاری سطح پر جس طرح سرپرستی حاصل ہو رہی تھی، اس کی وجہ سے مسلمانوں کا مستقبل دن بدن غیر یقینی ہوتا جارہا تھا، ان حالات میں مجدد الف ثانی ایک تحریک لیکر اٹھے جس کا مقصد ہندوستان میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ تھا، وہ ان اسلامی اقدار کی بحالی کے خواہاں تھے، جنہیں ایک منظّم سازش کے تحت ختم کیا جارہا تھا۔ ہندومت کی رسوم کو اس قدر تیزی سے پھیلایا جارہا تھا کہ مسلمانوں کا جداگانہ تشخص ختم ہو رہا تھا، اور اگر اسی رفتار سے سرکاری سرپرستی میں ہندو دھرم کی ترویج جاری رہتی تو مسلمان اپنی جداگانہ حیثیت کھو بیٹھتے اور برصغیر میں ''دوقومی نظریہ'' کبھی پروان نہ چڑھتا، اس لحاظ سے حضرت شیخ سرہندی دوقومی نظریہ کے پر جوش حامی نظر آتے ہیں جن کی علمی تحریک کا مطمحِ نظر یہی تھا کہ ہر لحاظ سے مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں، ان کا جداگانہ تشخص ہے یہ ہر طرح سے ہندوؤں سے جدا ہیں، ہندومت اور اسلام کا اتحاد بالکل ناممکنات میں سے ہے۔

اسلام ایک پاکیزہ نظام اور دینِ فطرت ہے، جبکہ ہندومت جھوٹی روایات اور توہمات کا پلندہ۔ اسلام خدائے واحد کی بندگی کا نام اور ہندومت ان گنت خداؤں کا تصور۔ ان کا کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا دورِ اکبری کی خرافات کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوگئے۔ ہر قسم کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا، لیکن کسی قیمت پر بھی مصلحت کوشی کی پالیسی اختیار نہ کی۔ اور یہی دوٹوک اور واضح موقف مسلمانوں کے نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور بالآخر اسلام ایک جداگانہ دین اور ہندومت سے مختلف نظریہ کی صورت میں رائج ہوا اور مسلمان ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے ابھرے۔ یہی مجدد الف ثانی کی عظیم تحریک کا کارنامہ تھا۔ اگر اس وقت اکبر کا نظریہ قومیت رائج ہوجاتا تو مغلیہ سلطنت کے بجائے بتدریج ہندوانہ راج قائم ہوجاتا۔ کیونکہ ہندو بہرحال ہندوستان کی اکثریت تھے، جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت قوم ایک وحدت میں شامل کرلیا جاتا تو اس سے یقیناً ہندو اثر ونفوذ میں اضافہ ہوتا اور ہوا اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی کا اس نظریہ کیخلاف کھڑے ہوجانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ پاکستان کی عدالت عالیہ کے ایک ممتاز وکیل سید انور علی اپنی تحقیقی کتاب The Real Achievement of the Human Life کے اس حصے میں جہاں انہوں نے صوفیہ ومشائخِ برصغیر کا تذکرہ کیا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں حضرت

مجدد الف ثانی کی خدمات کا یوں جائزہ لیتے ہیں:

The Hindus were always in overwhelming majority as regards the population and as such the unity with them would automatically amount to finishing up of their (Muslims) individuality as a separate nation in the Sub-continent. This type of ideology for the first time appears to be working in the days of mughul emperor Akbar (963-1014 AH) when in the form of Deen-e-Ellahi what really intended was to merge Islam into Hinduism. At that time Mujaddid Alf-e-Sani the great muslim mystric appeared on the scene and sternly opposed the Deen-e-Ellahi of Akbar at the risk of his own life. Through his writings (i.e. letters) the Mujjaddid proved the supremacy and self-dependence of Islam.[۵۳]

ترجمہ۔ ہندو ہمیشہ اپنی آبادی کی وجہ سے اکثریت میں رہے ہیں اور اس طرح ان کے ساتھ اتحاد برصغیر میں بحیثیت علیحدہ قوم مسلمانوں کی انفرادیت کو خود بخود ختم کر دیتا، اس قسم کی ذہنیت سب سے پہلے مغل شہنشاہ اکبر کے عہد میں کام کر رہی تھی۔ دین الٰہی کی صورت میں یہ تصور درحقیقت اسلام کی ہندومت میں ضم کرنے کی ایک خواہش تھی۔ اس وقت مسلمانوں کے عظیم روحانی پیشوا مجدد الف ثانی سامنے آئے، اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اکبر کے دین الٰہی کی

سختی سے مخالفت کی اپنی تحریروں (یعنی مکتوبات) کے ذریعے حضرت مجدد نے اسلام کی بالادستی اور خودداری وخوداعتمادی کو ثابت کیا۔

اکبر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا تو شہنشاہ جہانگیر اس کا جانشین بنا اور اس نے اکبر کو قائم ودائم رکھنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ مگر مسلمانانِ برصغیر کے دل میں اس نظام کے خلاف لاوا ابل رہا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں نے کبھی بھی اس نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا، جیسا کہ ڈاکٹر شفیق علی خان نے لکھا ہے۔

> The masses could not approve of Akbar's religious policies and indencies there was a school of Scholars and saints who was very much anxious to amend the way of Akbar. At last in Jahangir's age this group succeeded in reforming the government. Mujaddid Alf-e-sani was the leader of this gorup.[۵۴]

> ترجمہ۔ عوام الناس اکبر کی مذہبی پالیسیوں اور رجحانات کو قبول نہیں کر سکے تھے، علماء وفضلاء وصوفیہ کا مکتبِ فکر اکبر کے طرزِ عمل میں ترمیم کا سختی سے خواہاں تھا، آخر کار جہانگیر کے دورِ حکومت میں یہ گروپ حکومت کی اصلاح میں کامیاب ہوگیا، مجدد الف ثانی اس گروپ کے سربراہ تھے۔

گویا مجدد الف ثانی کی تحریک دورِ اکبری میں ہی شروع ہو چکی تھی، اور وہ اکبری خرافات کو ختم کرنے کے قائل تھے، لیکن اس کے لیے وہ بالواسطہ طریق کار اختیار کرنا چاہتے تھے، اکبر کے خلاف براہِ راست مزاحمت کے قائل نہ تھے۔ وہ کسی قسم کی تشدد آمیز تحریک نہیں چلانا چاہتے تھے، بلکہ وہ حکمرانوں کی اصلاح قلبی کے قائل تھے۔ ان کے اس نقطۂ نظر کا مقصد یہ تھا کہ مغلیہ حکمران اصول وضوابط پر کاربند ہوں۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں جس قسم کی صورتحال تھی اس کے مطابق مغلیہ خاندان کی حکومت کا خاتمہ مسلمانوں کے لیے بہتر ثابت نہ ہوتا۔ کیونکہ کوئی متبادل قیادت موجود نہ تھی، جو مسلمانوں کی سیاسی قیادت کو

سنبھال سکے، خود مجدد الف ثانی اس کے خواہش مند نہ تھے۔ مغلیہ خاندان کے خلاف کھلی تحریک شروع کر دی جاتی تو اس کا فائدہ سراسر ہندوؤں کو ہوتا اور انہیں آسانی سے اقتدار پر قبضہ جمانے کا موقع ہاتھ آ جاتا۔

مجدد الف ثانی یہ چاہتے تھے کہ مغلیہ حکمران ہی راہ راست پر آ جائیں اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ بحال ہو جائے۔ یہی پالیسی انہوں نے جہانگیر کے دور میں بھی اپنائے رکھی، اور اپنا قلمی جہاد جاری رکھا۔ تا آنکہ جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہی حکمران جس نے آپ کو قید کرایا تھا اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کا سبب بن گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک عوامی سطح پر دورِ جہانگیری میں متعارف ہوئی۔

As soon Akbar died. Shaikh Sarhindi (1563-1624 A.D) came out to reform and to do away with all non-Islamic practices and beliefs initiated by Akbar among the Muslims.[۵۵]

ترجمہ۔ جونہی اکبر مرا اور جہانگیر تخت نشین ہوا۔ شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۳ء......۱۶۲۴ء) اصلاح اور ان تمام غیر اسلامی افعال وعقائد کے خاتمہ کے لیے باہر نکلے جو اکبر نے مسلمانوں کے اندر شروع کیے تھے۔

حضرت مجدد کا طریق کار ذرا جداگانہ لیکن بے حد موثر تھا۔

The Mujaddid directed his efforts towards the nobles and rich people and through them to the ruler. Letters and messages were sent to them exhorting to reserve to cause of Islam.[۵۶]

حضرت مجدد نے اپنی کوششوں کی سمت معززین اور امراء اور بالواسطہ طور پر حکمرانوں کی طرف پھیر دی۔ اسلامی مقاصد کی حفاظت کی

خاطر نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے انہوں نے خطوط اور پیغامات بھیجے۔ یہ طریق بے حد کامیاب اور مؤثر ثابت ہوا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کوئی خونی انقلاب لانے کے حامی نہ تھے، بلکہ پند و نصائح سے حکمرانوں کے دل کی دنیا بدلنا چاہتے تھے اور انہیں راہِ ہدایت سے روشناس کرانا چاہتے تھے اور شروع سے صوفیائے کرام کا یہی شیوہ رہا ہے۔ حکمران صرف جسموں پر حکومت کرتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کی حکمرانی دلوں پر ہوتی ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کے خطوط واقعی دلوں پر حکمرانی کرنے لگے۔ انہوں نے اصلاح کے لیے ایسا طریقِ کار اپنایا تھا کہ دل کی ویران بستیاں آباد ہوتی گئیں۔

خصوصی طور پر امراء اور مقربین بادشاہ کو خطوط لکھنے کی حکمت عملی یہ تھی کہ یہی طبقہ حکمران کی پالیسی پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر یہی طبقہ اصلاح پذیر ہو جائے تو بالواسطہ طور پر حکمران کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور حضرت مجدد نے اسی ارتقائی طریقہ سے اصلاح کی تحریک اتنے موثر انداز میں چلائی کہ بالآخر حکمران بھی اپنے کیے پر نادم ہوا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ابتدائی دور میں جہانگیر اسی پالیسی پر عمل پیرا رہا جس پر اس کا والد اکبر کاربند تھا اور ہندو ذہن اس پر بھی غالب تھا، اور حکومتی پالیسی ابھی تک ہندو اثر سے نہیں نکلی تھی، یہی وجہ تھی کہ ہندو مشیروں کیخلاف مسلمانوں کی نفرت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کے خاتمے میں انہیں ہندو مشیروں کا ہاتھ ہے۔ ہندو مصنف سر رام شرما نے اس کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ:

> The Muslims ceased to think of Hindus as offence against their religion, when they started shoulder to shoulder of Governing of India.[۵۷]

ترجمہ۔ مسلمانوں نے اس وقت ہندوؤں کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے (ہندوؤں نے) ہندوستان پر حکمرانی کے لیے شانہ بشانہ چلنا شروع کیا۔

حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے کیونکہ مسلمان ہندوؤں کے خبثِ باطنی سے خوب واقف تھے، سوائے ان مادہ پرست اور جاہ واقتدار کے پجاری نام نہاد مسلمانوں کے، جو اس پالیسی کے مضمرات سے بے خبر ہو کر ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

سررام شرما جیسے شانہ بشانہ چلنا کہتے ہیں۔ دراصل یہ مسلمانوں کو سیڑھی کے طور پر استعمال کر کے خود حکمرانی کرنے کا خواب تھا، ہندوؤں میں ابھی اس قدر طاقت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں کیخلاف محاذ آراء ہو جائیں۔ جب انہوں نے اکبر جیسے ان پڑھ شخص کے دین کو ڈگمگا تا دیکھا تو اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا، اور یہی کچھ وہ جہانگیر کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے غیر جانبداری کے نام پر اسے بھی اکبری روایات پر قائم رہنے پر آمادہ کر لیا۔

خود جہانگیر نے بھی اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر ہندو مشیروں اور راجاؤں کے تعاون کو ضروری سمجھا اور اسی سیکولر بلکہ غیر اسلامی رویہ کو قائم رکھا۔ جس کی بنیاد اکبر نے رکھی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی اس تمام تر صورتحال کا بنظرِ غائر جائزہ لے رہے تھے اور انہیں سخت تشویش تھی کہ اگر یہی صورتِ حال قائم رہی تو مسلم ہندوستان میں اسلام کا غلبہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اور اسلامی غلبے کے خاتمے کا مطلب تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مقام کا خاتمہ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ صرف ہندو ہی ہندوستان کی قسمت کے مالک بن جاتے۔ اور مسلمانوں کو کوئی مقام حاصل نہ رہتا۔

اس دور میں اسلام اور مسلمانوں کیساتھ جس قسم کا سلوک ہو رہا تھا وہ بلاشبہ مسلمانوں کو سماجی اور سیاسی طور سے ختم کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی کو اس تمام صورتحال پر گہرا دکھ اور درد تھا، اس لیے وہ تشویشناک انداز میں لکھتے ہیں:

> کفارِ ہند بے تحاشا ہدم مسجدے نمایند و آنجا تعمیر معبد ہائے خود مے سازند و نیز کفار برملا مراسمِ کفر بجاے آرند و مسلماناں در اجرائے اکثر احکامِ اسلام عاجز اند ۵۸۔
>
> ترجمہ۔ ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں اس طرح کفار علانیہ کفر کی رسمیں سرانجام دیتے ہیں لیکن مسلمان اسلام کے اکثر احکام بجالانے سے مجبور ہیں۔

یہ صورتحال دورِ جہانگیری کے ابتدا میں تھی یعنی دورِ اکبری میں ہندوؤں کو اتنا حوصلہ مل چکا تھا کہ انہوں نے جہانگیر کے دور میں بھی اپنی من مانی کارروائیاں جاری رکھیں مسجدوں کو مسمار کرتے رہے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرتے رہے کہاں تو وہ دور تھا کہ وہ حکومت کی اجازت کے بغیر مندر تعمیر ہی نہیں کر سکتے تھے، اور کہاں یہ دور کہ مندروں کی تعمیر مسجدوں کو مسمار کرنے کے بعد ہو رہی تھی اور جہانگیر اپنے باپ اکبر کی طرح یہ سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ اس کی عالی ظرفی کا ثبوت فراہم ہو سکے اور اس کی غیر جانبداری پر حرف نہ آئے۔

ان حالات میں حضرت مجدد جیسی صاف گو شخصیت کیسے خاموش رہ سکتی تھی اور فی الواقع اس وقت دو قومی نظریہ کی حفاظت کے لیے آپ تن تنہا میدان میں ''قلمی جہاد'' کی خاطر اترے۔ بالفاظِ دیگر یہ عظیم الشان مشن قدرت نے آپ کے سپرد کیا۔

> شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہدِ جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے، لیکن مفاسد وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس دور کا کفیل ہوا۔

اصل یہ ہے کہ مجدد دین امت کا ظہور بھی معاملاتِ نبوت کے ماتحت ہے۔ جس طرح انبیاء کرام کی تعلیم و دعوت ہمیشہ اسی رنگ میں جلوہ افروز ہوتی ہے جس کا ان کے عہد میں غلبہ ہو۔ اسی طرح مجدد دین امت کا ظہور بھی ہمیشہ اپنے رنگ و روپ میں وقت کے مقتضاء و داعیہ کے مطابق ہوتا ہے کبھی امراء و سلاطین سے ظہور ہوتا ہے۔ کبھی علماء و اصحابِ درس و تدریس سے کبھی اصحابِ سلوک و طریقت میں سے اور یہ تنوع اس لیے ہوتا ہے کہ ان وقتوں کے حالات انہی بھیسوں کے مقتضی ہوتے ہیں[۵۹]۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد حضرت مجدد کو یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ نیا حکمران سابقہ دور کی کوتاہیوں کا ازالہ کرے گا اور ان برائیوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا جو ''دین الٰہی'' کے نام پر ہو رہی تھیں۔ لہٰذا پہلے پہل انہوں نے اپنے حلقۂ احباب میں اپنے اس موقف کو پیش کیا کہ بادشاہ کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیے اور اسے اسلام کی حقانیت سے روشناس کرانا چاہیے۔ لہٰذا اپنے معتمد خاص اور بادشاہ سے قربت رکھنے والی شخصیت

شیخ فرید کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

> امروز کہ نویدِ زوال مانعِ دولتِ اسلام وبشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص وعام رسید اہل اسلام برخود لازم دانستند کہ مدومعاونِ بادشاہ باشند۔ وبرترویج شریعت وتقویت ملت دلالت، نمائند ایں امداد وتقویت خواہ بزبان میسر شود خواہ بدست سابق ترین دولت مدد ہا تبیین مسائل شرعیہ است واظہار عقائد کلامیہ برطبق کتاب وسنت اجماع ست تامبتدعی وضالی درمیان آمدہ از راہِ نبرد وکار بفساد نہ انجامد ایں قسم امداد مخصوص بعلماء اہل حق ست ۶۰۔

> آج جبکہ اسلامی حکومت کی راہ کی رکاوٹ (اکبر) کے زوال کی خوشخبری اور بادشاہ اسلام کی مسند آرائی کی بشارت خاص وعام تک پہنچی ہے، اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ بادشاہ کے مدد ومعاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کے باعث بنیں اور یہ امداد وتقویت چاہے زبانی ہو یا عملی طور پر دولت کی مدد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اسے شرعی مسائل بتائے جائیں اور منطقی انداز سے کتاب وسنت واجماع کے مطابق عقائد بتائے جائیں۔ تاکہ گمراہ کن لوگ فساد کی نیت سے دوبارہ نہ آئیں۔ اس قسم کی امداد علماء اہل حق کے لیے مخصوص ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مجدد الف ثانی اکبر کو اسلامی نظام حکومت کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کے خاتمہ کو نوید اور جہانگیر کی مسند آرائی کو بشارت قرار دیتے ہیں، اور جہانگیر کی آمد کی بشارت دینے کا تعلق ہے تو اس وقت تک اس کے عزائم کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، لیکن حضرت مجدد نے حسن ظن سے کام لیکر اسکی آمد کو بشارت قرار دیا تھا، کیونکہ اکبر جیسے لادین حکمران کی حکومت کا خاتمہ ایک بڑا واقعہ تھا، اگر گہری نظر سے جائزہ لیں تو فی الحقیقت حضرت مجدد نے جہانگیر کی مسند آرائی کی صحیح طریقے سے بشارت دی تھی، کیونکہ بعد میں جہانگیر ہی کے دور میں اسلامی روایات کا احیاء ہوا اور حضرت مجدد الف ثانی کی تبلیغ کی بدولت اسے دین الٰہی کے برے اثرات کے خاتمہ کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت مجدد اگرچہ جہانگیر سے تعاون کے حامی تھے۔ لیکن ان شرائط پر کہ شریعتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج ہو اور ملت کو تقویت پہنچے، حضرت مجدد نے ملت کا لفظ جہاں بھی استعمال کیا ہے اس سے مراد مسلمان من حیث القوم ہیں۔ کیونکہ وہ واضح طور پر مسلمانوں کو ایک جداگانہ ملت سمجھتے تھے، وہ کسی قیمت پر بھی ہندووں سے اختلاط کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، وہ کسی طرح بھی ہندوؤں سے اتحاد کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انہوں نے اپنی ساری زندگی اسی تبلیغ میں گزاری کہ مسلمان ہر لحاظ سے ہندوؤں سے علیحدہ ایک جداگانہ ملت ہیں۔

اس لیے کسی بھی صورت میں ہندووں سے اتحاد ممکن نہیں، اگرچہ وہ ایک ہی خطۂ زمین میں ساتھ ساتھ بستے ہیں لیکن ان کا نظریۂ حیات اور ان کی منزل جدا جدا ہے۔ یہی وہ نظریہ تھا جسے آج ''دوقومی نظریہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی کی خاطر وہ قلمی جہاد کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا موقف واضح اور دوٹوک تھا، جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں تھا، اسی سے ان کی حق پرستی، بے خوفی اور جذبہ اعلائے کلمۃ الحق کا ثبوت ملتا ہے۔ ذیل میں ان کے ایک مکتوب کے اقتباسات درج ہیں۔ جن سے ان کے نظریہ کی پختگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

> محض زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے ہرگز کافی نہیں، تمام ضروریات دین کو سچا ماننے اور کفر و کفار کے ساتھ نفرت و بے زاری رکھنے سے آدمی مسلمان ہوگا[۶۱]۔
>
> جو شخص تمام ضروریات دین پر ایمان رکھنے کا دعوٰی کرے لیکن کفر و کفار کیساتھ نفرت و بے زاری نہ رکھے، وہ درحقیقت مرتد ہے اس کا حکم منافق کا حکم ہے جب تک خدا اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنون کیساتھ دشمنی نہ رکھی جائے اس وقت تک خدا اور رسول کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی۔ میری نظر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دشمنوں کیساتھ نفرت وعداوت رکھنے کے برابر اس کو راضی کرنے والا کوئی عمل نہیں[۶۲]۔

صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت مجدد اس قسم کا سخت نظریہ اس لیے اپنائے ہوئے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ مستقبل بعید میں کسی موڑ پر بھی مسلمان ایک خطہء زمین میں رہنے کی

وجہ سے ہندوؤں کیساتھ اتحاد کر کے ''قومیت'' کے نظریہ کو تشکیل نہ دیں حضرت مجدد دوٹوک اور واضح الفاظ میں بتانا چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ اقوام ہیں۔ جن کا طرزِ زندگی ہر طرح سے جدا جدا ہے اور ان کے درمیان کسی طرح بھی باہمی اتحاد ممکن نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا راز اسی میں مضمر تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نفرت کی جائے کیونکہ جتنی محبت بڑھتی ہے ہم آہنگی کا جذبہ بڑھتا ہے جبکہ نفرت ہمیشہ علیحدگی کی سب سے بڑی بنیاد ہوتی ہے۔ اگر نفرت کا یہ جذبہ پیدا نہ کیا جاتا تو شاید بعد میں مسلمانوں کا بحیثیت قوم اپنا علیحدہ وجود منوانا ذرا مشکل ہو جاتا۔ یہی مذہبی عصبیت تھی جس نے مسلمانوں کو دو عیار و مکار اقوام ہندو و انگریز سے ایک علیحدہ قوم تسلیم کرایا، ورنہ جس طرح اکبری پالیسی کے تحت ہندو مسلمان ایک ہی قسم کی معاشرت و رسومات میں ڈھل رہے تھے یہ عمل زیادہ دیر جاری رہتا اور پھر حضرت مجدد جیسا عظیم مصلح اپنی تحریک نہ چلاتا تو باہمی اختلاط سے مسلمانوں کے قومی نظریہ کو جس قدر نقصان پہنچتا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یوں تو ''دین اکبری'' کے خلاف بیزاری کی لہر اکبر کے دورِ حکومت میں ہی پھیل چکی تھی لیکن حضرت مجدد کی تحریک ہمیں دورِ جہانگیری میں عروج پر نظر آتی ہے۔ مگر اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ دورِ اکبری میں بھی ایسے مشائخ موجود تھے جنہوں نے اکبر کے لادینی عقائد کیخلاف مہم چلائی ہوئی تھی، اور ان میں حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت بدرالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ قابل ذکر ہے۔

حضرت سلیم چشتی سے اکبر اپنے ابتدائی دور میں جس قدر متاثر تھا وہ تاریخ کا ایک واضح حصہ ہے۔ حضرت بدرالدین نے جب اکبر کے طرزِ عمل میں تغیر دیکھا تو فوراً بادشاہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اکبر نے بارہا بلانے کی کوشش کی لیکن آپ نے ملنا بھی گوارا نہ کیا، کیونکہ کسی طرح بھی ''زمین بوس'' کی غیر شرعی رسم ادا کرنے کو تیار نہ تھے۔ نتیجۃً انہیں حکومت کی طرف سے سختیاں برداشت کرنا پڑیں، ملا بدایونی کے مطابق بالآخر وہ دیارِ عرب چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزار دی۔

گویا آپ نے ایک تحریک کی بنیاد رکھ دی تھی، جسے حضرت مجدد نے پایہ تکمیل کو پہنچایا اسی طرح اکبر کے دربار میں ایک ممتاز شخصیت ''قطب الدین خاں'' تھے انہوں نے بادشاہ کے موجود ہونے کے باوجود اس کے نظریات کی بھرپور مخالفت کی اور انہوں نے اکبر کو بلا جھجک کہہ دیا کہ تمہاری ان غیر شرعی حرکات سے عالم اسلام کے دیگر حکمران کیا تاثر لیں گے؟

دوراندیش مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہندوستان کے مسلم مغلیہ حکمرانوں کی غلط روش یونہی جاری رہی تو اسلامی دنیا کے ساتھ مسلم ہندوستان کے تعلقات وروابط پر گہرا اثر پڑے گا۔

مولانا عبدالنبی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اپنے دور کے ممتاز عالم دین تھے وہ بھی اکبر کے نظریات کے سخت مخالف تھے، جس کی وجہ سے اکبر نے انہیں زبردستی جلاوطن کرادیا تھا۔ لیکن وہ پھر تشریف لے آئے اور حق گوئی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اکبر اس سے بہت پریشان ہوا اور ان کے متعلق بہت سخت رویہ رکھا۔ بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ وہی اکبر جو کبھی ان کے جوتے سیدھے کیا کرتا تھا ایک دفعہ انہیں دربار میں تھپڑ رسید کردیا[۶۳]۔

یقیناً اس سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کے دل زخمی ہوئے ہوں گے لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اس پس منظر میں دیکھا جائے تو حضرت مجدد کی اپنی تحریک میں کامیابی اور احیائے اسلام ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

> مذکورہ بالا واقعات ہائلہ کے دیکھنے کے بعد اب اندازہ ہوسکتا ہے کہ مغلی تخت پر اکبر کے نام سے جو بادشاہ پچاس سال تک بیٹھا رہا وہ کیا تھا اور پھر اچانک عہدِ جہانگیری میں دریا کا رخ بدلتا ہے تا آنکہ شاہجہاں کے عہد تک پورا بدل جاتا ہے اور عالمگیری دور میں تو وہ اسی سمت فراٹے بھرنے لگتا ہے، صرف اتنی سی بات حضرت مجدد کے پہچاننے کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔ جب یہ بتادیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا حق تعالیٰ نے اس کا ذریعہ حضرت مجدد کی ہستی گرامی کو بنایا[۶۴]۔

حضرت مجدد کی ولادتِ باسعادت اکبر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۹۷۱ھ میں ہوئی تھی، اکبر کے طویل دورِ حکومت میں تقریباً چالیس سال کی عمر تک آپ نے علمی اور تحقیقی کام جاری رکھا۔ فیضی کی بے نقطہ تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنے میں اس کی معاونت بھی کی۔ ابوالفضل سے اکبر کی حمایت کے مسئلہ پر واضح اختلاف بھی کیا، لیکن آپ کی تحریک ہمیں دورِ جہانگیری میں بھرپور انداز میں نظر آتی ہے گویا ان کا زمانہ ارتقائی مراحل کا زمانہ تھا آپ اپنی تحریک کے لیے درپردہ کام کررہے تھے عمدہ ذہن تخلیق کررہے تھے، امراء ورؤسا سے رابطہ قائم کرچکے تھے۔ جونہی جہانگیر تخت نشین ہوا آپ علی الاعلان میدان عمل میں کود

پڑے اور اس وقت تک آپ کا ہمنوا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا تھا جس کی پہنچ براہِ راست ایوان اقتدار تک تھی۔

لہٰذا آپ کے نظریات کی اشاعت کے علاوہ جہانگیر کو راہِ راست پر لانے میں اس طبقے نے نمایاں بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

> یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ملک کی سیاسیات میں شریک ہو کر حکومت کا کوئی عہدہ اپنے ہاتھوں میں لیکر کام کرتے اور جس قسم کے وسائل آپ کو میسر تھے یہ چنداں دشوار بھی نہ تھا لیکن آپ نے بظاہر اپنے کو سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رکھا[۶۵]۔

اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو سیاسیات میں مکمل طور پر الجھانا نہیں چاہتے تھے بلکہ بادشاہ بننے کے بجائے ''بادشاہ گر'' کا کردار ادا کرنا چاہتے تھے اذہان کی تربیت کرنا چاہتے تھے، ملک کو ایسا حکمران طبقہ دینا چاہتے تھے جو ہر لحاظ سے ایک اسلامی حکومت کا حکمران طبقہ کہا جاسکے۔ آپ نے تعمیر و اصلاح کی جو تحریک شروع کر رکھی تھی اس کا تقاضا بھی یہی تھا، حکومت میں رہنے کے بجائے حکومت کے باہر رہ کر کام کیا جائے۔ تاہم حکمران طبقہ سے آپ کا برابر رابطہ تھا۔ لہٰذا مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی تمام نمایاں شخصیات خان اعظم خان جہاں، خان خاناں، مرزا داراب، خواجہ جہاں، نواب سید فرید وغیرہ ہی سے مسلسل رابطہ قائم تھا۔ تا کہ ان اصحاب کی معرفت ان برائیوں کا خاتمہ کیا جاسکے جو اکبر کے دور میں جگہ پا چکی تھیں اور مسلم ہندوستان کی مغلیہ حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بنایا جاسکے۔ لہٰذا جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد آپ نے اس کی حمایت و تائید کے لیے تلقین کی تھی تا کہ اس کا مدد و معاون بن کر حکومت کو اسلامی ڈگر پر چلایا جاسکے۔

حضرت مجدد کی یہ حکمتِ عملی صورتحال کے عین مطابق تھی، وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک ہندو امورِ حکومت پر کافی حد تک چھا چکے تھے اور تمام امور ان کی نگرانی میں طے ہوتے تھے، حضرت مجدد کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر مسلمان پیچھے ہٹتے رہے اور عدم تعاون کی پالیسی جاری رکھی تو اس سے اسلام کو زبردست نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے، لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ حکمران کو راہ راست پر لایا جائے اور اس کے ساتھ تعاون کر کے اسے صحیح منزل سے روشناس کرایا جائے اور اس وقت تک آپ نے جہانگیر کے مسلمان مشیروں میں ایک ایسا طبقہ

پیدا کر دیا تھا جو فکری طور پر آپ کا ہم خیال تھا، لہٰذا ان کی معرفت ہی آپ نے جہانگیر کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ لہٰذا شیخ فرید کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> در ابتداء بادشاہت اگر ترویج ایں میسر شود بہتر ست مبادا اضالے ومُضلے درمیان آمدہ خلل در کارخانۂ اہل اسلام انداز دو در رنگ قرن سابق سازد[۶۶]۔
>
> اگر جہانگیر کی حکومت کے ابتدا میں دین کی ترویج ہو جائے تو بہتر ہے کہیں یہ نہ ہو کہ گمراہ کن لوگ درمیان میں آ کر مسلمانوں کے امور میں پھر خلل ڈالنے لگیں اور سابقہ دور کی طرح من مانیاں کرنے لگیں۔

اسی طرح جہانگیری دربار کے ایک امیر لالہ بیگ کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

> از ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلماناں اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ، در توقف افتد کار بر مسلماناں بسیار مشکل خواہد شد[۶۷]۔
>
> جہانگیر کی بادشاہت کے شروع میں اگر اسلامی شعائر کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار و وقار حاصل ہو گیا تو کیا کہنے!۔ لیکن خدانخواستہ اگر اس میں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمان سخت دشواری میں پڑ جائیں گے۔

اس کے بعد مکتوب الیہ کو ترغیب دلاتے ہیں، کہ وہ جہانگیر کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی اپنی کوشش کرے۔ اور پر امید لہجے میں لکھتے ہیں:

> (ترجمہ) ''دیکھیں کون ایسا صاحب دولت ہے جو اس سعادت سے فیض یاب ہوتا ہے''۔

اور تقریباً یہی لہجہ ہر اہم شخصیت کے نام مکتوب میں نظر آتا ہے۔ شیخ فرید کو اس عظیم مشن کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے بعد یوں لکھتے ہیں:

> متوقع از جناب شریف ایشاں آنست کہ چوں استطاعت وقربِ بادشاہ

> بروجہِ اتم ایشاں راحق سبحانہ وتعالیٰ میسر ساختہ است در خلا وملاء در ترویجِ شریعتِ محمدی علیہ وعلیٰ وآلہ من الصلوۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کو شند ومسلماناں را از غربت برآرند ۶۸۔

> جناب والا سے توقع ہے کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمۂ حق کہنے کی استطاعت اور قدرت دی ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لیے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کسمپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے۔

اسی طرح ''خان جہاں'' کے نام مکتوب میں اسے اس مشن کی اہمیت سے یوں آگاہ کیا:

> ہمیں خدمت کہ درپیش دارند اگر آنرا باتیان شریعت مصطفیٰ علیٰ مصدرہا الصلوۃ والسلام جمع سازند کارِ انبیاء کردہ باشند علیہم الصلوٰات ودینِ متین را منور ساختہ ومعمور گردانیدہ۔

> ترجمہ۔ یہ جو تم بادشاہ کے دربار میں ملازم ہو، اگر اس ملازمت کو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ گے تو گویا تم نے پیغمبروں جیسا کام کیا، اس طرح تم دینِ متین کو روشن وآباد کرسکو گے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے جو مشن شروع کیا ہوا تھا وہ فی الحقیقت پیغمبرانہ مشن تھا، گذشتہ دور میں اسلام پر جو کچھ بیتا تھا اس سے اسلامی نظریات وعقائد پر جو اثر پڑا تھا ان تمام اثرات کو ختم کرنا ہندوانہ رسوم سے جدا کرکے اسلام کو اصلی اور حقیقی روپ میں پیش کرنا لادینی نظریات کا قلع قمع کرنا، پیغمبرانہ تحریک کی پیروی ہی تو تھی، حضرت مجدد کس قسم کے دور کے اثرات کو مٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اس دور پرآشوب کا تذکرہ وہ خود یوں کرتے ہیں:

> در قرنِ ماضی برسرِ اہل اسلام چہا گذشتہ زبونی اسلام باوجود کمال غربت در قرون سابقہ ازیں نگزشتہ بود کہ مسلمانان بر دین خود باشند وکفار بر کیشِ خود آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین بیان ایں معنی است، در قرن

ماضی کفار برملا طریق استیلا اجراء احکام کفر در دارِ اسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند اگر میکردند بہ قتل رسید[۶۹]۔

ترجمہ۔ مسلمانوں کے سر پر پچھلے دور میں کیا کچھ گزر گیا، مسلمانوں کی زبوں حالی تمام تر مشکلات کے باوجود اس سے پہلے ایسی کبھی نہ ہوتی تھی۔ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنی رسوم پر، لکم دینکم ولی دین کی آیت کریمہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن گذشتہ دور (عہد اکبری) میں کھلے عام اسلامی سلطنت میں کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے، مسلمان اسلامی قوانین کے اظہار سے عاجز تھے اگر ایسا کرنے کی جرأت کرتے تو قتل کر دیے جاتے۔

مندرجہ بالا مکتوب میں جس قسم کی افسوسناک صورتحال کی عکاسی کی گئی ہے یہ صورتحال ایک طویل عرصہ تک مسلم ہندوستان میں قائم رہی تھی، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ناجائز سلوک روا رکھا گیا اس لیے ان تمام اثرات کے خاتمہ کے لیے حضرت مجدد پیغمبرانہ عزم اور جذبے کے ساتھ تحریک چلانا چاہتے تھے اور تبلیغ واصلاح کا وہی طریقہ اپنانا چاہتے تھے جو حضرات پیغمبران کرام نے اپنے دور میں اپنایا تھا، وہ اپنے پیروکاروں میں بے لوثی بلند ہمتی اور اعلیٰ نصب العین کی خاطر قربانی کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے اس جذبہ کی ضرورت یوں اور بھی دوچند ہو جاتی تھی کہ اکبری عہد میں سرکاری سرپرستی کی وجہ سے ہندوؤں کو جو تقویت حاصل ہوئی تھی اس سے وہ عہد جہانگیری میں بھی فائدہ اٹھا رہے تھے، اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے مسلمانوں کا وجود مٹانے کے درپے تھے، مسلم تہذیب وثقافت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے، ان کے دل میں مسلمانوں کے متعلق جو بُغض وعناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس کا وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے تھے اس لیے حضرت مجدد بڑے دکھ سے کہتے ہیں:

اسلام ضعیف گشتہ کفار ہند بے تحاشا ہدمِ مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر ہائے خود می سازند[۷۰]۔

اسلام اتنا کمزور ہو گیا کہ ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بنا رہے ہیں۔

یہ صورتِ حال جہانگیر کے ابتدائی دور کی عکاسی کرتی ہے، اس کے ابتدائی دور میں کئی مندر تعمیر ہوئے۔ بیر سنگھ بندیلا نے ''متھرا'' میں ایک خوبصورت مندر تعمیر کرایا، جو اپنے دور میں فنِ تعمیر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، علاوہ ازیں اس کے دور میں صرف بنارس میں ستر سے زائد مندر تعمیر ہوئے۔

> متھرا کا مندر اورنگ زیب نے تباہ کرایا تھا جبکہ بہت سے مندر شاہجہاں نے بھی تباہ کرائے[۷۱]۔

حضرت مجدد نے جس قسم کے حالات کی طرف اشارہ کیا ہے، بہت سے تاریخی حقائق ان واقعات کی تصدیق کرتے ہیں، خود اپنے مکتوبات میں مختلف مثالوں سے ہندوؤں کی ان زیادتیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جلد دوم کے مکتوب ۶۸ اور ۹۲ میں واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ترجمہ۔ نگرکوٹ کے قریب ہندوؤں نے مسلمانون پر سخت مظالم ڈھائے اور تھانیسر میں ایک مسجد اور ایک مقبرہ کو منہدم کر کے ایک مندر بنایا گیا[۷۲]۔

حضرت مجدد نے مثال کے طور پر تو یہ دو واقعات ہی بیان کیے ہیں۔ لیکن نامعلوم اس جیسے کتنے اور واقعات ہوں گے اور اسی دوران ہندوؤں نے مسلمانوں اور ان کے مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ کیا توہین آمیز سلوک رکھا ہوگا؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے عزائم کیا تھے؟ اور وہ کیا چاہتے تھے؟ کیا ان حقائق سے یہی معلوم نہیں ہوتا کہ ہندو ہر قیمت پر مسلمانوں کی طاقت وغلبہ کو ختم کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے طریق کار و حکمتِ عملی یہ اپنائی کہ مسلمان بادشاہ کا قرب حاصل کیا۔

اس کے ذریعے نت نئے غیر اسلامی عقائد متعارف کرائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ پہلے پہل مسلمانوں اور ہندوؤں کا فرق ختم کرنا چاہا، ان کو ایک قوم ثابت کرنے کے ہندوانہ رسومات اسلام میں داخل کرا دیں اور درباری ملاؤں سے اس کی تصدیق بھی حاصل کر لی۔ صحیح عقائد اسلام میں کفر کی آمیزش کے بعد جب انہوں نے اپنی طاقت بڑھتی ہوئی دیکھی تو براہِ راست مسلم تہذیب وثقافت پر حملہ شروع کر دیا، اور ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ کھلم کھلا مساجد اور اولیائے کرام کے مزارات مبارکہ منہدم کر کے مندر تعمیر کرنے لگے۔ بھلا اس صورتحال میں حضرت مجدد جیسی تاریخ ساز شخصیت کے لیے خاموش رہنا کیسے ممکن تھا۔

حضرت مجدد اس تمام صورتحال کا بنظر غائر جائزہ لے رہے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اس کے نتائج کیا

ہوں گے؟ لہٰذا انہوں نے بڑے واضح انداز میں حالات کا تجزیہ یوں پیش کیا کہ:

> اہلِ کفر بہ مجرد اجرائے احکامِ کفر برملاء در بلادِ اسلام راضی نمی شوند، می خواہند کہ احکامِ اسلامیہ بالکلیہ زائل گردانند و اثرے از مسلمانی و مسلمانان پیدا نشود[۴۳]۔
>
> ہندو صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہو جائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام اور قوانین سرے سے ناپید اور نابود کر دیے جائیں ان کو اتنا مٹا دیا جائے کہ شعائر اسلامی اور مسلمانوں کا کوئی اثر اور نشان یہاں باقی نہ رہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جسے حضرت مجدد نے قبل از وقت بھانپ لیا تھا۔ اور تمام علماء و حکمرانوں کو اس حقیقت سے باخبر رکھنا چاہتے تھے، اس کے لیے انہوں نے وقتی مشکلات بھی برداشت کیں، لیکن ان کا عزم، عزمِ صمیم تھا، اس لیے وہ اپنے موقف سے لمحہ بھر پیچھے نہ ہٹے اور بالآخر ہر کسی نے ان کے موقف کو تسلیم کر لیا۔

حضرت مجدد نے جس خدشے کا اظہار کیا، یعنی ہندوؤں کے یہ عزائم کہ نہ صرف ہندوؤں کے احکام نافذ ہوں بلکہ اسلامی احکام سرے سے ہی نابود ہو جائیں، کسی طرح بھی بے جا نہ تھا، کیونکہ انتظامیہ پر جس قدر اثر ہندوؤں کا تھا اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ناممکن نہ تھا، حکومت پر ان کے روز افزوں اثر و رسوخ سے بالکل یہی نتیجہ نکلتا کہ اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جاتا۔ اسی طرح کی کوشش آج ہندوستان میں ہو رہی ہیں، اس وقت ہندوؤں کا انتظامیہ پر کس قدر اثر تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے The Great Mughuls کا مصنف یاسین محمود اپنی کتاب A Social History of Islamic India (اسلامی ہندوستان کی سماجی تاریخ) کے حوالے سے لکھتا ہے:

> During his regin more Hindus than ever before were employed in the civil service.[۴۴]

ترجمہ۔ اکبر کے عہد حکومت میں ہندو عوامی انتظامیہ میں جس قدر تھے

پہلے کبھی نہ تھے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جہانگیر کے ابتدائی دور میں وہی ڈھانچہ قائم تھا جو عہد اکبری میں تھا اور اس میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ انتظامیہ پر ہندوؤں کے اسی اثر و رسوخ بلکہ چھا جانے کے نتائج کیا نکلے، حضرت مجدد اسکا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

> غربتِ اسلام تا بحدے رسیدہ است کہ کفار برملا طعنِ اسلام و ذمِ مسلمانان مے نمائند و بے تحاشا اجراِ احکامِ کفر و مداحی اھل آں در کوچہ و بازار میکنند و مسلماناں از اجراء احکام اسلام ممنوع اند و دراتیاں شرائع مذموم و مطعون۔
>
> پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
> بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است
>
> سبحان اللہ وبحمدہٖ "الشرع تحت السیف" گفتہ اند و رونق شرع شریف را بسلاطین وابستہ اند۔ قضیہ منعکس گشتہ است، و معاملہ انقلاب پیدا کردہ است واحسرتا، وندامتا، واویلا[۷۵]۔

ترجمہ۔ اسلام کی کسمپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے دھڑک کوچہ و بازار میں مراسمِ کُفر ادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں، اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور انہیں رسوا کیا جاتا ہے اور انہیں طعنے دیے جاتے ہیں۔ گویا پری منہ چھپائے ہوے ہے اور دیو دندناتا پھرتا ہے، عقل حیران ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ خدا کی شان! مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق بادشاہوں کے دم سے وابستہ ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے کتنی حسرت و ندامت اور کتنے افسوس کا مقام ہے۔

کفار کی طرف سے برملا اسلام پر اعتراض اور مسلمانوں کی مذمت ہندوؤں کے انتظامیہ پر اثر و رسوخ کا نتیجہ نہ تھا تو اور کیا تھا؟ اسی لیے تو ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے کہ ان کی پشت پناہی کرنے والے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، جو ایوانِ اقتدار میں بیٹھ کر اپنے عقائد و رسوم کے مفادات کا تحفظ کر رہے تھے، اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ اور ان کی سرپرستی میں ہو رہا تھا، اس لیے تو حضرت مجدد بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ:

> مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق بادشاہوں سے وابستہ ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے۔

یعنی وہ تلوار جو اسلام کے تحفظ کی خاطر اٹھنی چاہیے تھی مسلمانوں کی گردن پر چل رہی تھی اور مسلم حکمران جو اسلام کی عظمت و سطوت کا سبب بنتے تھے اسلام کی ذلت اور رسوائی کی سب سے بڑی وجہ بن گئے تھے اور واقعی حسرت و ندامت اور افسوس کا مقام تھا، اسی طرح ایک اور مکتوب میں ''عہد اکبری'' کے تلخ تجربات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> درقرنِ ماضی کفار برملا وبطریقِ استیلا اجراء احکام کفر درداراسلام میکردند۔ مسلماناں از اظہار احکامِ اسلام عاجز بودند واگر میکردند بقتل میرسیدند، واویلا، وامصیبتا، واحسرتا واحُزنا، محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مُصدّقانِ اوذلیل وخوار بودند ومنکرانِ اوبعزت واعتبار۔ مسلمانان بادلہائے ریش درتعزیتِ اسلام بودند۔ ومعاندان بسخرّیہ واستہزاء برجراحتہائے ایشاں نمک پاشیدند۔ آفتابِ ہدایت درتتقِ ضلالت مستور شدہ بود ونورِ حق درحجبِ باطل منزدی[76]۔
>
> ترجمہ۔ پچھلے دور میں کفار برملا سینہ زوری سے اس اسلامی سلطنت میں احکام کفر ادا کرتے تھے۔ اور مسلمان احکامِ اسلامیہ کی اعلانیہ ادائیگی سے عاجز تھے، اگر وہ ایسا کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے ہائے افسوس! ہائے ہماری بربادی!۔ پروردگارِ عالم کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل اور رسوا تھے اور

> ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں کیساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں روپوش ہو چکا تھا اور نورِ حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا تھا۔

عہدِ اکبری کے خاتمے پر حضرت مجدد کو کچھ امید پیدا ہوئی تھی کہ اب اس قسم کی صورتحال باقی نہ رہے اور جہانگیر ان تمام سابقہ اثرات کو ختم کرے گا اس وجہ سے آپ نے اس کے مسلم مشیران کو لکھا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر اس کے ممدو معاون بنیں مگر افسوس! کہ ان کی یہ امید بھی پوری نہ ہوئی بلکہ ہندوؤں کے انتظامیہ پر چھا جانے کی وجہ سے ان کے مذموم عزائم کھل کر سامنے آنے لگے اور سرکاری طور پر ہندومت کے پرچار کے احکامات صادر ہوئے۔

> روزے کاوشی ہنود کہ ترکِ اکل وشرب مے نمایند اہتمام دارند کہ درآں روز در بلادِ اسلام ہیچ مسلمانے درروز نان نہ پُزد ونفروشد در ماہ مبارک رمضان برملا نان وطعام پزندو مے فروشند۔ ہیچ کس از زبونی اسلام منع آں نمی تواند نمود۔ افسوس! صد ہزار افسوس!!۷۷
>
> ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ رمضان المبارک میں وہ برملا روٹی کھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کسمپرسی کی وجہ سے کوئی روک نہیں سکتا۔ افسوس۔ صد ہزار افسوس!۔

مندرجہ بالا تمام واقعات اور اسطرح کے کئی اور واقعات حضرت مجدد کی تحریک کا محرک بنے اور یہی وہ عوامل تھے جنہوں نے انہیں میدان عمل میں آنے پر مجبور کیا۔ حضرت مجدد نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ وقت خاموشی کا نہیں وہ جانتے تھے کہ اگر اس وقت سکوت اختیار کیا گیا تو مسلم ہندوستان سے اسلام ختم ہو جائے گا، وہ بھلا کیسے اولیائے کرام کی عظیم کاوشوں کو رائیگاں جانے دیتے اور اسلام کو ہندوانہ ذہن کے حامل مسلم حکمرانوں کی بھینٹ چڑھا دیتے۔!

اس لیے انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ ایک بہت بڑا کام میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔ مجھ سے قدرت نے کچھ کام لینا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ جس کی خواہش ہو وہ میری اس تحریک میں شامل ہوتا کہ قدرت نے مجھ سے جو کام لینا ہے اس کے لیے ممد و معاون بنے۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مجدد نے اصلاح کے لیے زعماء و امراء کے نام مکتوبات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور انہیں ''احیائے اسلام'' کی ترغیب دی اور یہی وہ عظیم کام ہے جس کی طرف انہوں نے اپنے صاحبزادے کے نام مکتوب میں اشارہ کیا ہے۔ مکتوبات مجدد نے ہی مسلم ہندوستان کی سیاسی تاریخ کی کایا پلٹ کر رکھدی اور مسلمانوں نے بازی ہارتے ہوئے جیت لی وگرنہ مسلم ہندوستان جس عالم میں پہنچ چکا تھا وہ مسلمانوں کے لیے نزع کا عالم تھا اس ''عالمِ نزع'' میں حضرت مجدد جہانگیر کے ایک مشیر خان اعظم کے نام مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

> امروز وجود شریف شمارا مغتنم مے شمریم و مبارز دریں معرکہ ضعیف و شکست خوردہ جز شمارا نمے دانیم حق سبحانہ وتعالےٰ موید و ناصرِ شما باد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔ درخبر واردست لن یؤمن احدکم حتی یقال انہٗ مجنون دریں وقت آں جنون کہ بنائے آں فرط غیرتِ اسلام است در نہاد شما محسوس است، الحمدللہ سبحانہ علی ذالک امروز آں روز است کہ عمل قلیل را باجرِ جزیل باعتنائے تمام قبول مے فرمایند۔ ایں جہادِ قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہادِ اکبر است و مغتنم دانید وہل من مزید بگوئید و ایں جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید میسر امثال ما و مردم فقراء بے دست و پا ازیں دولت محرومیم۔

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی[۴۸]

ترجمہ۔ اس نازک دور میں جبکہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں

> آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور سوائے تمہارے کوئی مرد میدان اس میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا، حق تعالیٰ اپنے نبی کریم اور ان کے اہل بیت (علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام) کے طفیل آپ کا ناصر و مددگار رہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسکو دیوانہ نہ کہا جائے'' اس وقت وہ دیوانگی جس کی بنیاد اسلامی غیرت وحمیت پر ہوتی ہے۔ آپ کی ہی فطرت میں نظر آتی ہے۔ میں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج وہ وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑے سے عمل کو بڑے ثواب کے بدلے میں بڑی مہربانی سے قبول فرماتا ہے، یہ زبانی جہاد جس کا موقع تمہیں آج میسر ہے بہت بڑا جہاد ہے اس کو غنیمت جانو اور زیادہ سے زیادہ جہاد کے طلبگار رہو۔ یہ زبانی جہاد تلوار کے جہاد سے افضل ہے۔ ہم جیسے بے دست و پا فقراء (جن کی بادشاہ تک رسائی نہیں) اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہم نے تم کو خزانے کا پتا دے دیا ہے اگر ہمارا ہاتھ اس ہاتھ تک نہیں پہنچ سکا ہے تو شاید تم ہی اسکو پالو۔

اس مکتوب کے مندرجات سے صاف نظر آرہا ہے کہ حضرت مجدد تحریک ''احیائے اسلام کی فوری کامیابی کے لیے کس قدر مشتاق تھے، اسی لیے تو وہ اسلامی حمیت وغیرت کے جذبے سے سرشار ہوکر بھرپور تحریک چلانے کی ہدایت دیتے ہیں، اور ان کا اِس سلسلے میں نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس تحریک سے دیوانگی کی حد تک وابستگی اختیار کی جائے۔ تا آنکہ کامیابی حاصل ہو۔ مگر ان کا طریقہ مثبت اور تعمیری تھا اس لیے انہوں نے ہندوانہ تشدد کے مقابلے میں کبھی جبر وتشدد کے اصول کی تبلیغ نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ زبانی جہاد کی تلقین کرتے ہیں، زبانی جہاد کی افضلیت واضح کرتے ہیں کیونکہ اس تلوار کے ساتھ جہاد مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا کرسکتا تھا اور مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوسکتا تھا۔ ممکن تھا کہ جب مسلمان مغلیہ حکمرانوں کے خلاف صف آراء ہوتے تو ہندو مکاری سے کام لے کر فوراً اقتدار سنبھال لیتے۔

حضرت مجدد کا طریقِ کار ہمیشہ یہی رہا کہ انہوں نے حکمرانوں کی اصلاح کی مہم جاری رکھی۔ کیونکہ وہ

تمام تر خرابی کی وجہ انہیں قرار دیتے تھے۔ اور حقیقت میں وہی تمام برائیوں کی جڑ تھے۔

اس لئے انہوں نے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ زبانی اصلاحی مہم پر اصرار کیا اپنے متعلق اگرچہ وہ لکھتے ہیں کہ ان کی بادشاہ تک رسائی نہیں ہے مگر بات یہ ہے کہ وہ بادشاہ سے تعلقات بڑھانا چاہتے تھے کیونکہ وہ ان رسوم سے سخت بیزار تھے جو شاہی دربار میں رواج پا چکے تھے۔

بہرحال جب آپ شاہی دربار میں پہنچے تو پھر ''زبانی جہاد'' کا حق ادا کر دیا۔

انہوں نے اس قسم کے تمام مکتوبات کے آخر میں کچھ اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں یقین واثق تھا کہ ان کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا خط میں لکھا کہ ہم نے خزانے کا پتا دے دیا ہے۔ اگر ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا تو شاید تم ہی اسکو پالو۔ اسی طرح کی توقعات کا اظہار ایک اور مکتوب میں یوں فرمایا تھا۔ یہ مکتوب بہار کے گورنر لالہ بیگ کے نام لکھا گیا تھا:

> تا کدام صاحبِ دولت بایں سعادت مستعد گردد و کدام شاہباز بایں دولت دست برد نماید **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم ثبتنا اللہ وایاکم علیٰ متابعة سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوٰة افضلھا ومن التسلیمات اکملھا**[۷۹]۔
>
> ترجمہ۔ دیکھیے! یہ سعادت کس خوش نصیب کے ہاتھ آتی ہے اور کون شاہباز اس نعمت کو اچکتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخشے! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

حضرت مجدد کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ دورِ جہانگیری میں وہ برائیاں نہ پنپ سکیں جو عہدِ اکبری میں تھیں کیونکہ جب کوئی حکومت کسی حکمت عملی کو اپنا لیتی ہے تو پھر اس سے انحراف مشکل سے ہی ہوتا ہے حضرت مجدد نے جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں انہیں یقین تھا کہ عہدِ اکبری اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ اکبر کی وفات پر خود ہندوؤں کو ایک دھچکا لگا تھا۔ لہٰذا حضرت مجدد چاہتے تھے کہ فوراً تبدیلیاں لائی جائیں اور ہندو جو کہ اکبر کے بعد سہمے ہوئے تھے۔ مملکت پر ان کے اثر و رسوخ کو فوراً ختم

کر دیا جائے اس قسم کے خیالات کا اظہار انہوں نے جہانگیر کے معتمد خاص، اس کے بچپن کے اتالیق اور منصب چار ہزاری پر فائز شخصیت ''صدر جہان'' کے نام مکتوب میں یوں فرمایا:

> اکنوں کہ انقلابِ دول بظہور پیوستہ وسورتِ عناد اہلِ ملل برہم شکستہ برائمہ اسلام از صدورِ عظام وعلماءِ کرام لازم است کہ تمام ہمتِ خود رامصروف رواج شریعت غرا ساختہ در بدایتِ امر ارکان اسلام منہدمہ رابرپاساز نہ کہ درتسویف خیریت ظاہر نے شود دلہائے غریباں، ازیں تاخیر دراضطراب است شِدت ہائے قرنِ سابق دردلہائے مسلماناں متمکن است مبادا تلافی آں نشود غربتہ سلام بتوسلِ انجامد، ہرگاہ بادشاہاں راگرامی ترویج سُنتِ سُنیہ مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوت والتحیۃ) بناشد و مقربان ایشاں نیز دریں باب خود رامعاف دارند وحیاتِ چندروزہ راعزیز شمرند کار برفقرائے اہل اسلام بسیار تنگ وتیرہ خواہد بود۸۰۔

ترجمہ۔ اب جبکہ سلطنت میں انقلاب رونما ہو گیا ہے اور اہلِ مذاہب کے عناد کی تیزی ختم ہو چکی ہے، ائمہ اسلام وزراء اور علماء کرام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ احکامِ شرعیہ کی ترویج پر لگا دیں اور اولین فرصت میں اسلام کے ان ارکان کو قائم کریں جو عہد ماضی میں منہدم کر دیے گئے تھے ہم بے کس اس معاملہ میں تاخیر وتوقف سے سخت بے چین ہیں جبکہ بادشاہانِ اسلام ہی میں سُنَت نبویہ کی ترویج کا جذبہ نہ ہو اور ان کے مقربین بھی اس بارے میں کچھ نہ کریں تو اسلام کے نام لیواؤں کے لیے کام کرنا بہت تنگ وتاریک ہو جائیگا۔

حضرت مجدد جو تحریک چلائے ہوے تھے اس میں مسلمانوں کے تمام قابلِ ذکر راہنماؤں اور علماء کرام کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اسی دور میں ایسے نام نہاد علماء موجود تھے جو غیر اسلامی روایات کے حامی وموید تھے، حضرت مجدد اس امر سے بخوبی آگاہ تھے ایسے عناصر کو بھی اپنے ساتھ ملا کر چلنا چاہتے تھے، اور

منہدم شدہ اسلامی ارکان کی ترویج کے لیے ان کا تعاون چاہتے تھے، اور جب انہوں نے اپنی تحریک کے ابتدائی دور میں اس سمت میں زیادہ پیش رفت محسوس نہ کی تو پریشانی و بے چینی کا پیدا ہونا ایک فطرتی بات تھی، اسی لیے تو انہوں نے اس بات پر بڑے افسوس کا اظہار کیا نہ تو بادشاہ کے اندر احیائے اسلام کا جذبہ موجود ہے اور نہ ہی اس کے مشیر اس سلسلہ میں مخلص نظر آتے ہیں اور یہ صورتحال حضرت مجدد کے لیے بڑی پریشان کن تھی، اس لیے وہ بڑی گھٹن محسوس کرتے تھے اور پورا معاشرہ ان کے لیے تنگ و تاریک تھا لہٰذا اسی تنگ و تاریک معاشرے میں سچائی کی نورانی کرنیں بکھیرنے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اور ان کی تحریک کا مدعا بھی یہ تھا کہ اسلامی معاشرے میں ظلمت و تاریکی کی جو فضا چھائی ہے وہ چھٹ جائے۔

جہانگیر کے ایک مقرب ''خان جہاں'' بھی تھے حضرت مجدد نے ''خانِ جہاں'' کے نام مکتوب میں بھی اس موضوع پر بارہا اظہارِ خیال کیا ہے۔ حق گوئی کے فریضہ کا احساس دلاتے ہوئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

> دولتے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ شمارا بآں ممتاز ساختہ است ومردم ازاں دولت غافل اند بلکہ نزدیک است کہ شما ہم آنرا در نیابید آن ست کہ بادشاہِ وقت کہ بہفت پُشت مسلمان آمدہ است واز اہلِ سنت است حنفی مذہب ہر چند چند سال است دریں آوان کہ اوانِ قرب قیامت است وبعد عہدِ نبوت بعضے طلبہ علوم بشُومی طمع کہ ناشی از خبث باطن ست بامراء وسلاطین تقرب جستہ براہِ خوشامد ایشاں در آمدند ودر دین متین تشکیکات نمودند وشبہات پیدا کردند وسادہ لوحان را از راہ بردند ایں چنیں بادشاہ عظیم الشان ہر گاہ سخن شمارا بحسنِ استماع میفرمائد وبقبول تلقی مینماید چہ دولت است کہ بصریح یا باشارت کلمۂ حق یعنی کلمہ اسلام کہ موافق معتقدات اہل سنت وجماعت است شکر اللہ تعالیٰ سعیہم گوش زدِ ایشان نمایند وہر قدر کہ گنجایش دانند سخنِ اہل حق را عرضہ دارند بلکہ ہموار مترصد و منتظر باشند کہ تقریب پیدا شود وسخن مذہب وملّت درمیان آید تا اظہارِ

حقیقت اسلام نمودہ آید و بیان بطلان و شناخت کفر و کافری کردہ شود ۸۱۔

ترجمہ۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو جس دولتِ عظمیٰ سے نواز رکھا ہے عام آدمی اس سے غافل ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ خود تم کو بھی اس کا احساس نہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت جس کی سات پشتیں مسلمان چلی آ رہی ہیں اہلِ سُنت میں سے ہے اور حنفی عقیدہ رکھتا ہے اگرچہ چند سال ہوئے کہ قربِ قیامت کے آثار کے پیشِ نظر بعض عالم لوگوں نے طمع اور خبثِ باطن کی وجہ سے امراء وسلاطین سے تعلقات بڑھائے اور ان کی خوشامد کی اور دینِ متین میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے اور سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ اس لیے اب جبکہ بادشاہ آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارۃً موقع کی مناسبت سے کلمۂ حق یعنی حضرات اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کے مُطابق اسلامی تعلیمات اس کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ مذہبی ودینی گفتگو کا کوئی موقع آئے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر اور کافروں کی خرابیاں دور کی جاسکیں اور ان کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے۔

آج دنیا کے ممتاز ماہرین نفسیات اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ جب کسی کو کسی بات پر آمادہ کرنا ہو تو جبر کی بجائے ارتقائی مراحل میں اس کا ذہن بنایا جائے۔ یہاں تک کہ وہ خود اس کو تسلیم کرلے اور یہی طریقۂ کار حضرت مجدد نے اپنایا اسی لیے تو فرماتے ہیں کہ بادشاہ کی محفل میں ہر وقت اسلامی تعلیمات کا چرچا ہو۔ حقانیت اسلام کا تذکرہ ہو تاکہ بگڑا ہوا ذہن سنور جائے اور اس کا دل نفاذِ احکامات اسلام پر فوراً آمادہ ہو جائے اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حکمران کی اپنی پالیسی ہوتی ہے اس حقیقت کیطرف اشارہ کرتے ہوئے ''خان جہاں'' کو مزید لکھتے ہیں:

برسرِ اصل سخن رویم وگوئیم کہ معلوم ایشاں است کہ سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد۔ اگر روح صالح است بدن صالح واگر روح

> فاسد است بدن فاسد پس در صلاحِ سلطان کوشیدن در صلاحِ جمیع بنی آدم کوشیدن است و اصلاح در اظہار اسلام است بہر روش کہ گنجایش وقت باشد داز گذشت کلمۂ اسلام از معتقداتِ اہل سنت و جماعت نیز گاہ و بے گاہ گوش زد باید ساخت وردّ مذہبِ مخالف باید نمود اگر ایں دولت میسر گردد وراثت عظمیٰ از انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات بدست آید شمارا ایں دولت مفت بدست آمدہ است قدرِ آں را بدانند[۸۲]۔

> ترجمہ۔ اب میں اصلی بات پر آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کی طرح ہے اور دوسرے انسان جسم کی طرح ہیں۔ اگر روح ٹھیک ہوتی ہے تو جسم بھی صحیح سالم رہتا ہے اور جب روح میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے، یوں بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا دراصل تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور یہ اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب موقع ملے اور گنجایش نظر آئے صحیح اسلامی تعلیمات جو اہل سُنت و جماعت کے عقائد کے مطابق ہوں ان کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے جھوٹے مذہب کو جھوٹا ثابت کیا جائے۔ اگر یہ دولت آپ نے حاصل کرلی تو سمجھیے کہ آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت مل گئی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے آپ کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔

سربراہِ حکومت کی ذاتی پالیسی مملکت کی پالیسی پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اسکی ایک اور خوبصورت تشبیہ کے ذریعے منصب پنج ہزاری پر فائز ایک ممتاز شخصیت شیخ فرید کے نام مکتوب میں یوں بیان کی۔

> بادشاہ نسبت بعالم دررنگِ دل است نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است، بدن صالح است اگر فاسد است فاسد صلاحِ بادشاہ صلاح عالم است وبفسادِ او فسادِ عالم[۸۳]۔

ترجمہ۔ بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح، اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہوگا اس لیے بادشاہ کی اصلاح اور فساد سے دنیا کی اصلاح اور فساد وابستہ ہے۔

فی الواقع یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس کی سچائی پر کسی کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

مندرجہ بالا مکتوب میں حضرت مجدد نے شیخ فرید کو جہانگیر کیساتھ تعاون کی تلقین بھی کی ہے لیکن یہ تعاون کس لیے ہو۔؟ اس کی وضاحت خط کے مندرجات خود کرتے ہیں۔

ایں امداد وتقویت خواہ بزبان میسر شود وخورہ بدست سابق ترین مدد ہا تبئین مسائلِ شرعیہ است واظہار عقائدِ کلامیہ برطبقِ کتاب وسنت واجماعِ امت تا مبتدعی وضالی درمیان آمدہ از راہِ نبرد و کار بفساد نہ انجامد[۸۴]۔

ترجمہ۔ بادشاہ کے لیے امداد خواہ زبانی ہو یا جسمانی ہو یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب وسنت اور اجماع امت کے مطابق عقائدِ اسلامیہ سے اس کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی گمراہ غلط راہ پر لے جاکر کام خراب نہ کردے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حکمران کی گمراہیوں کے پیچھے ہمیشہ حکمرانوں کے مشیران کا ہاتھ ہوتا ہے جب بھی مملکت کو زوال آیا ہے یا مملکت کے بنیادی اصولوں کو فراموش کیا گیا ہے پس پردہ مشیران کارفرما نظر آتے ہیں اور یہی کچھ اکبر کے دور میں بھی ہوا تھا، حضرت مجدد چونکہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے اس لیے انہوں نے شاہی مشیروں سے رابطہ رکھا اور مسلمانوں کو کسمپرسی کے عالم سے نکالنے کے لیے ان کو ذریعہ بنایا۔ حضرت مجدد کی قلمی تحریک نے ان مشیرانِ خصوصی کے ذہنوں کو تبدیل کرکے رکھدیا، جب وہ خود حضرت مجدد کے مشن میں شریک ہوگئے تو ان کے خیالات نے ''جہانگیر'' پر اثر انداز ہونا شروع کردیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مجدد نے اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے صرف خطوط کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ رابطہ کی خاطر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلے میں ثبوت حضرت مجدد کے مکتوب ہی سے ملتا ہے۔

شیخ فرید کے نام ہی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ایں حقیر بارادہ اظہار مثل ایں سُخنان در تائید و ترویج شریعتِ حقہ، متوجہ خدمت ایشاں است ۸۵۔
>
> یہ حقیر تائید ملت اور ترویجِ شریعت کے متعلق اس قسم کی باتیں پیش خدمت کرنے کے لیے حاضری کا قصد کر رہا ہے۔

یہ بات انہوں نے اس خط کے آخر میں لکھی ہے جس میں انہوں نے شیخ فرید کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسل کے حوالے سے انہیں میدانِ عمل میں اُتر کر ''پیغمبرانہ مشن'' کی تکمیل کے لیے ترغیب دی ہے۔

انہی کے نام ایک اور مکتوب میں فرمایا:

> مقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویجِ شریعت است و احیائے حکم از احکام آں علی الخصوص در زمانے کہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند کرور ہا در راہ خدا عزوجل وعلا خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائلِ شرعیہ را رواج دادن ۸۶۔
>
> ترجمہ۔ ان اکابر (انبیاء و رسل) کی آمد کی غرض تبلیغِ شریعت ہوتی ہے لہٰذا سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج اور احکام خداوندی کے اجراء کے لیے کوشش کی جائے۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ اسلامی شعائر منہدم ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ احکامِ شرعیہ میں سے ایک حکم کو رائج کر دیا جائے۔

احکام شریعت کی ترویج کی خاطر حکمران کی اصلاح کے طریقِ کار کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ فرید کو لکھتے ہیں:

> رسوم کفر کہ در قرنِ ماضی پیدا شدہ بود دریں وقت کہ بادشاہِ اسلام را آں توجہ باہلِ کفر نماندہ است و دلہائے مسلماناں بسیار گراں است بر مسلماناں لازم است کہ بادشاہِ اسلام را از زشتیِ رسوم آں بدکیشاں

اطلاع بخشند و در رفعِ آں کوشند شاید بقاہائے اینہا منتہی باشد بر عدمِ علم بادشاہ بزشتی آنہا۔ بہر حال از حقیقت مسائل شرعیہ اطلاع دادن ضروری است تا ایں واقع نشود عہدہ بر ذمہ علماء و مقربان حضرت بادشاہ است ۸۷۔

ترجمہ۔ کفر کی رسوم جو پچھلے دور میں پیدا ہوگئی تھیں اب اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی ہے ان کا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دلوں پر سخت گراں ہے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدمذہبوں کی رسومات کی قباحت سے مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی بھرپور کوشش کریں جو رسومات ان میں سے باقی رہ گئی ہیں شاید اس وجہ سے ہوں کہ بادشاہ کو ان کی برائی کا علم نہ ہو بہر حال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اس کا بوجھ رہے گا۔

علماء کی جس ذمہ داری کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے یہ کوئی آسان کام نہ تھا حضرت مجدد جانتے تھے کہ یہ ایک بہت بڑا جہاد ہے لہٰذا وہ ذہنی طور پر تمام تر صورتحال کے لیے تیار تھے اور اپنے آپ کو ''قربانی'' دینے کے لیے آمادہ کر چکے تھے۔ یہ ان کی ہمتِ مردانہ تھی جس کی وجہ سے انہوں نے حالات سے کبھی سمجھوتہ نہ کیا۔ ورنہ ممکن ہے کہ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر حضرت مجدد نے تو خود مشکلات کو سینے سے لگایا تھا۔

حضرت مجدد کو ان مشکلات کا پہلے سے احساس ہوگیا تھا، اس لیے انہوں نے فرمایا:

چہ سعادت کہ دریں گفتگو جمعی با آزار رسند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات از تبلیغ احکامِ شرعیہ چہ آزارہا نہ کشیدہ اند و چہ محنتہا ندیدہ بہترین ایشاں علیہم من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اکملہا فرمودہ۔ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت ۸۸۔

ترجمہ۔ اگر اس سلسلے میں کسی پر عتاب ہو جائے اور کوئی تکلیف پہنچے تو بڑی سعادت کی بات ہے انبیاء علیہم السلام نے احکامِ شرعیہ کی تبلیغ میں کیا کیا

> تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا مشقتیں برداشت نہیں کیں۔ سردارِ انبیاء سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، کسی پیغمبر کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جس قدر مجھے دی گئیں۔

گویا حضرت مجدد بھی سنتِ نبوی کے اس پہلو پر عمل پیرا ہونے کا تہیہ کر چکے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا عزم اور حوصلہ کیے ہوئے تھے۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد جہاں حکمرانوں کی غیر اسلامی حرکات سے دل برداشتہ تھے وہاں اس دور کے کچھ علماء کا رویہ بھی ٹھیک نہیں تھا، بلکہ ان کا رویہ سراسر غیر اسلامی تھا۔ وہ دربار میں نوازشات اور شاہی اکرام وانعامات سے اس قدر مرعوب وممنون ہو چکے تھے کہ انہیں احکام شرعیہ کی بحالی کا مطلقاً احساس نہیں رہا تھا، اور ان کے اندر ملی حمیت دم توڑ چکی تھی، جذبہ مفقود ہو چکا تھا۔ بلکہ ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ یہی طبقہ جہانگیر کا اس طرح ہمنوا ہوا کہ اس کے کان حضرت مجدد کے خلاف بھرنے شروع کر دیے، اور اندرونِ خانہ یہی طبقہ حضرت مجدد کی گرفتاری کا سبب بنا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ حضرت مجدد کے دست و بازو بنتے لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا حضرت مجدد ان دین فروش مُلاؤں سے بھی باخبر تھے، ان کی خواہش تو یہ تھی کہ لوگ درباری ہونے کی وجہ سے بادشاہ کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں اس لیے مختلف مکتوبات میں فرمایا کہ علماء کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ بادشاہ کو احکامِ شرعیہ سے آگاہ کریں۔ لیکن جب انہیں توقعات میں مسلسل ناکامی ہوئی تو انہوں نے شیخ فرید کو بڑے دکھ سے لکھا:

> علماءِ دین دار از خود اقل قلیل اند کہ از حُبِ جاہ و ریاست گذشتہ باشند ومطلبے غیر از ترویجِ شریعت و تائیدِ ملّت نہ داشتہ باشند بر تقدیرِ حُبِ جاہ ہر کدام ازیں علماء طرفے خواہند گرفت و اظہارِ فضیلت خود خواہند نمود وسُخنانِ اختلافی در میان خواہند آورد۔ وآنرا توسلِ قربت بادشاہ خواہند ساخت ناچار مہم دریں امر خواہد شُد در قرنِ سابق اختلافاتِ علماء عالم را در بلا انداخت وہماں صحبت در پیش است ترویج چہ گنجایش دارد کہ باعثِ تخریب دین خواہد شُد۔

> ایسے علماء جو دین دار ہوں جن کو جاہ ومال کی چاہت بالکل نہ ہو اور جن

> کے سامنے ترویج شریعت اور احیائے ملت کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو بہت کم بلکہ کم سے کم ہیں اور ظاہر ہے کہ علماء میں اگر منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر ایک بادشاہ کو اپنی طرف کھینچنا چاہے گا۔ اور اپنی بڑائی جتانے کی کوشش کرے گا۔ اور پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور ان اختلافات کو شاہی قُربت کا ذریعہ بنائیں گے۔ لا محالہ پھر معاملہ بگڑ جائیگا۔ دورِ سابق میں علماء سوء کے اختلافات ہی نے دُنیا کو بلا میں ڈالا تھا اور اب وہی چیز درپیش ہے۔ دین کی ترویج تو کُجا کہیں یہ دین کی تخریب کے باعث نہ بن جائیں۔

حضرت مجدد کا یہ خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ اور فی الواقع علماء سوء نے دین کی تخریب کی تحریک کی معاونت کی اور حضرت مجدد کی اہمیّت کو کم کرنے اور ان کی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن قدرت نے انہیں ان کے عزائم میں ناکام کیا۔

حضرت مجدد جس اخلاص سے اپنی تحریک چلائے ہوئے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ چند مخلص احباب ان کو میسر آئیں جو انکی تحریک کو آگے بڑھائیں اس لیے مکتوب مذکورہ بالا میں انہوں نے شیخ فرید کو یہ بھی لکھا کہ کسی بے لوث اور پرخلوص عالم دین کو دربار شاہی میں بادشاہ کے تزکیۂ ذہن کے لیے منتخب کریں۔ لیکن ساتھ ہی اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ ایسا عالم مِلنا بہت مشکل ہے۔

حضرت مجدد اس حقیقت سے بھی بے خبر نہ تھے کہ برِصغیر میں مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہی علماء سوء تھے اس امر کی طرف انہوں نے یوں اشارہ کیا ہے:

> ہم چناں کہ خلاصی خلق بوجود علماء است خسران عالم نیز بایشاں مربوط است بہترین علماء بہترینِ عالم است و بدترین ایشاں بدترین خلائق، ہدایت و اضلال را بایشاں مَربُوط ساختہ اند[۸۹]۔
>
> ترجمہ۔ جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود سے ہے اسی طرح لوگوں کی تباہی بھی انہی سے وابستہ ہے۔ بہتر علماء دنیا کے بہترین افراد ہوتے ہیں اور بدترین علما لوگوں میں سے بدترین ہوتے ہیں گویا ہدایت و گمراہی

انہی سے منسلک ہے۔

حضرت مجدد ان علماء سوء سے اس قدر متنفر تھے کہ انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ آج کے دور میں شیطان کا کام یہ لوگ سرانجام دے رہے ہیں اگر اس بات کو تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح برصغیر میں اسلام کی تبلیغ میں علماء نے اہم کردار ادا کیا اسی طرح اس کے زوال میں بھی اس طبقہ کا ہاتھ ہے۔ حضرت مجدد دور ماضی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے صدر جہاں کے نام مکتوب میں فرمایا:

> شنیدہ شدہ کہ بادشاہِ اسلام از حسنِ استعداد اسلامی خواہاں علماء اند۔ الحمدللہ سبحانہٗ علیٰ ذالک معلوم شریف است کہ دَر قرنِ سابق ہر فسادے کہ پیدا شُد از شومیٔ علماء سوٗ بظہور آمد دریں باب تتبع تمام مرعی داشتہ از علماء دین دار انتخاب نمودہ اقدام خواہند فرمودہ علماء سوء لصوص دین اند۔ مطلب ایشاں حبِ جاہ وریاست ومنزلت نزد خلق است (والعیاذ باللہ سبحانہ من فتنتہم) آری بہترینِ ایشاں بہترینِ خلائق است ایشانند کہ فردائے قیامت سیاہی ایشانرا بخون شہدائے فی سبیل اللہ وزن خواہند کرد وپلہ ایں سیاہی خواہد چربید۔ شرّ الناس شرار العلماء وخیر الناس خیار العلماء[۹۰]۔

ترجمہ۔ سنا گیا ہے کہ بادشاہ کو اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء مطلوب ہیں آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا تھا وہ علماء سوء ہی کی کم بختی سے پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا اس بارے میں خوب تحقیق وتلاش کرکے دیندار علماء کا انتخاب فرمایا جائے علماء سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمحِ نظر صرف منصب، پیسہ اور لوگوں کے سامنے عزت والا بننا ہے (خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں سے جو اچھے ہیں وہ بہت ہی اچھے ہیں وہی تو ہیں کہ روزِ قیامت ان کی تحریروں کی روشنائی شہداء کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے

گا۔ لوگوں میں سے سب سے بدتر بُرے علماء ہیں اور سب سے اچھے علماء حق ہیں۔

اس مکتوب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی تحریک کی وجہ سے جہانگیر کا رجحان اسلامی ہو گیا تھا اور اس کے مشیران (جو کہ حضرت مجدد کے پیروکار تھے) کی مسلسل کاوش سے وہ علماء دین کو اپنا مشیر بنانے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ جہانگیر کو جو علماء میسر آئے وہ علماء سوء تھے جنہوں نے حضرت مجدد کی گرفتاری کے لیے ''جہانگیر'' کو ترغیب دی۔

تحریکِ مجدد کے نتائج:

حضرت مجدد کی تحریک درحقیقت ایسی تحریکوں میں سے تھی جو صدیوں بعد ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس عظیم تحریک کا عظیم اثرات چھوڑنا ایک فطرتی امر تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں تاریخی مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کی اس اصلاحی تحریک کے ہمہ جہتی اثرات مرتب ہوئے جن کا ظہور مستقبل قریب میں بھی ہوا اور مستقبل بعید میں بھی۔

لیکن سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ اس تحریک کے نتیجے میں خود حضرت مجدد کے دورِ باسعادت میں کیا اثرات ظہور پذیر ہوئے اور حضرت مجدد کو اس تحریک کی قیادت کی وجہ سے کس قسم کے آزمائشی دور سے گزرنا پڑا۔ جیسا کہ ضمنی طور پر ذکر گزر چکا ہے۔ کہ ایک طرف حضرت مجدد تحریک احیائے اسلام چلائے ہوئے تھے اور دوسری طرف درباری مُلّا اس تحریک کی جڑوں کو کاٹنے کے درپے تھے۔ یہی سازشی گروہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دن بدن بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بھی خوفزدہ تھا۔ لہٰذا جہانگیر کے دل میں غلط راہنمائی کے ذریعے حضرت مجدد کے متعلق مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کر دیے گئے تھے۔ جن میں سرِفہرست یہ تھے۔

۱..... حضرت مجدد کی تحریک جہانگیر کی حکومت کیخلاف ہے۔

۲..... حضرت مجدد کی تحریک اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی غلط اور بے بنیاد قسم کی معلومات جب ''جہانگیر'' کے پاس پہنچیں تو ایک طرف اسے اپنا اقتدار خطرے میں محسوس ہوا اور پھر اس نے اپنی دانست میں اسلامی تعلیمات کے منافی تحریک کو روکنے کے لیے بھی حضرت مجدد کی تحریک کے سدباب کے لیے غور وفکر شروع کیا۔

یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے، کہ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک سے خطرہ صرف اس لیے محسوس کیا گیا کہ اس سے اقتدارِ شاہی کے رسوم ورواج پر زد پڑتی تھی، ورنہ حضرت مجدد الف ثانی جیسی ''تحریک احیائے اسلام'' کی راہنمائی کرنے والی شخصیت کے افکار کو غیر اسلامی قرار دینا ایک واضح اور سفید جھوٹ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مزید برآں اس قسم کے خیالات کی تشہیر کرنے والے گروہ کی مکاری اور خبثِ باطن بھی عیاں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس گروہ کی طرف سے حضرت مجدد کے قتل کا فتویٰ بھی دے دیا گیا۔

> پس ہمہ علماء بخاطرداری امرائے دربار فتوی بر قتل شیخ نوشتند ۹۱۔
>
> ترجمہ۔ تمام علماء نے درباری امراء کی خاطرداری کی وجہ سے حضرت مجدد کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مندرجہ بالا درباری امراء سے مراد وہ درباری نہیں ہوسکتے جو حضرت مجدد کی تحریک سے متاثر ہوچکے تھے اور ہر طرح سے آپ کے زبردست مدومعاون تھے۔ یہاں امرا سے مراد درباریوں کا وہ حلقہ ہے جو اس دور میں شاہ کے، شاہ سے زیادہ وفادار رہے ہیں۔ اور طرح طرح سے اپنی وفاداری کا یقین دلاتے رہتے ہیں۔ اسی لیے ایسے ہی درباری اُمراء نے جب دیکھا کہ امتِ مسلمہ میں ایک نئی لہر پیدا ہورہی ہے اور تحریک احیائے اسلام کی وجہ سے شہنشاہی نظام کی غیر اسلامی حرکات کا قلع قمع بھی ہوگا تو لازماً ان ''جی حضوریوں'' کے بجائے ''اہل الرّائے'' اصحاب آگے آئیں گے اور نتیجۃً ان کا اپنا وجود خطرے میں پڑ جائیگا۔ لہٰذا اپنے تحفظ کی خاطر انہوں نے کبھی حضرت مجدد پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں اور کبھی یہ کہ ان کا وجود ''جہانگیر'' کے لیے سخت نقصان دہ ہے، اور اس سلسلے میں اُن کے دلائل یہ تھے کہ چونکہ ان کی تحریک دن بدن مقبول ہورہی ہے۔ اس لیے کسی وقت بھی ان کی طرف سے بغاوت کا خطرہ ہے حالانکہ حضرت مجدد کا نقطۂ نظر اور پروگرام اس قسم کا ہرگز نہیں تھا۔ وہ کیا چاہتے تھے؟ یہ بات عیاں ہوچکی ہے۔

جہانگیر جو کہ ایک دانشمند حکمران تھا حضرت مجدد کی تحریک سے اس لیے بھی خطرہ محسوس کررہا تھا کہ یہ تحریک دارالحکومت میں بڑے زور شور سے پھیل رہی تھی اور عوام وخواص اس کا اثر قبول کررہے تھے، حضرت مجدد کے ایک خلیفہ حضرت شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد کی ہدایت کے مطابق

دارالحکومت آگرہ میں اپنا مرکز قائم کیا ہوا تھا۔ چونکہ تحریک کو دن بدن مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔ لہٰذا جہانگیر اپنے بعض مشیروں کے بہکاوے میں آکر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ واقعی حضرت مجدد اس کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔

حضرت مجدد کی تحریک جس تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اس کے خلاف مزاحمت بھی شدید سے شدید تر ہو رہی تھی۔ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ایسا کس کے ایماء پر کیا جا رہا تھا اگرچہ میدان مخالفت میں نام نہاد ''مسلمان'' ہی اترے ہوتے تھے، لیکن یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انہیں ہندوؤں کی اشیرباد حاصل تھی۔ وہ بھلا کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ اسلام کی عظمت بحال ہو اور مسلمانوں کا ملی تشخص ایک دفعہ پھر ابھرے۔ وہ جبکہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے ناپاک منصوبے بنا رہے تھے۔ حضرت مجدد کی تحریک نے انہیں بوکھلا کر رکھ دیا۔ وہ دوقومی نظریہ کی اساس کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ جبکہ حضرت مجدد دوقومی نظریہ کی شناخت کے لیے کھڑے تھے۔ اور ایک طرف وہ بکاؤ ملا تھے جو چند سکوں کی خاطر فتوے بیچ رہے تھے۔ جنہیں ہندو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے تھے، پھر بادشاہی نظام کو الگ خطرہ لاحق تھا، لہٰذا جہانگیر اپنے تحفظ کی خاطر حضرت مجدد کی تحریک کے خاتمے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ بالآخر اس نے حضرت مجدد کو نظر بند کرنے کا تہیہ کر لیا۔

ان تمام مشکلات کے مقابلے میں حضرت مجدد اور ان کے جان نثار معاونین تھے، وہ ہر قسم کے خطرات و مشکلات سے بے پروا ہو کر اصلاح کی مہم جاری رکھے ہوئے تھے، گویا انہیں ''چومکھی'' لڑائی لڑنا پڑ رہی تھی، مگر انکے عزم و حوصلہ میں کسی مرحلہ پر بھی ذرہ بھر فرق نہ آیا۔

حضرت مجدد کے خلاف کس قسم کی گھٹیا اور توہین آمیز مہم چلائی جا رہی تھی۔ اس کا کچھ اندازہ دارالحکومت آگرہ میں حضرت مجدد کے سفیر شیخ بدیع الدین کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے مرشد کو لکھے، جس میں وہ بڑے دکھ درد سے لکھتے ہیں کہ آگرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ''مشائخ عظام'' سے بُغض و عداوت رکھتے ہیں، اور ان کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔ حضرت مجدد اور ان کے رفقاءِ کار کو گالیاں دیتے ہیں[۹۲]۔

اس طرح ان کو حکومت کی طرف سے مختلف مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومتی کارندے انہیں تنگ کرتے۔ اور ان کے مشن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔

لہٰذا یہ بات قرین قیاس نظر آتی ہے کہ جہانگیر کیطرف سے حضرت مجدد کیخلاف انتقامی کارروائی کی ایک بڑی وجہ شیخ بدیع الدین کی وہ اصلاحی مہم بھی تھی جو وہ حضرت مجدد کے ایماء پر چلائے ہوئے تھے۔

اردو دائرۃ معارف اسلامیہ کے مقالے میں بھی یہی وجہ قرار دی گئی ہے۔ ۱۶۱۹ء/ ۱۰۲۸ھ میں جہانگیر نے آپ کو آگرے میں طلب کیا، آپ اس وقت تبلیغِ دین میں مصروف تھے، آپ کے پُر جوش مرید شیخ بدیع الدین نے جہانگیر کے لشکر کے اندر اصلاحی مہم شروع کی ہوئی تھی۔ جہانگیر نے اس کو برا سمجھا اور حضرت کو بلا کر انہیں قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا[۹۳]۔

اگرچہ حضرت مجدد کی گرفتاری کی وجوہات میں سے ایک نمایاں وجہ یہی تھی لیکن جہانگیر جیسا باعقل وہوشیار انسان صرف اسے بنیاد بنا کر حضرت مجدد کو پس دیوار زنداں نہ کرنا چاہتا تھا، وہ درباری مُلاؤں کے ذریعے حضرت مجدد پر الزام تراشی کے بعد اسے ایک خالص مذہبی معاملہ قرار دینا چاہتا تھا اور اسی منصوبے کے تحت ایک مخصوص طبقہ حضرت مجدد پر طعن و تشنیع کر رہا تھا، چنانچہ جب شیخ بدیع الدین نے حضرت مجدد کو اس صورتحال کی رپورٹ بھیجی تو حضرت مجدد نے شیخ بدیع الدین کے نام اپنے مکتوب میں فوراً ان تمام بے بنیاد الزامات کی وضاحت کی جو آپ پر لگائے جا رہے تھے[۹۴]۔

آپ نے بڑے مؤثر انداز میں تحریر فرمایا کہ یہ پروپیگنڈا جھوٹا ہے ان تمام عقائد سے جو میرے نام سے منسوب کیے جا رہے ہیں میرا کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے واضح انداز میں فرمایا:

> وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے افضل جانے اُس کا حال دو امر سے خالی نہیں ہے یا تو وہ زندیق محض ہے یا جاہل وہ شخص جو حضرتِ امیر کو حضرت صدّیق سے افضل کہے اہل سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے۔

لیکن مخالفین کے زبردست پروپیگنڈہ کی وجہ سے ''جہانگیر'' قائل نہ ہوسکا اور اس نے حضرت مجدد کو اپنے دربار میں طلب کر کے خود صحیح صورتحال کا تجزیہ کرنا چاہا۔ جہانگیر اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ حضرت مجدد جیسی عظیم شخصیت کو اپنے دربار میں بلانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ وہ اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ اس کے معتمدین و مشیران میں حضرت مجدد کی تحریک کے ہمنوا اور ان کے پیروکاروں کا ایک طبقہ

موجود ہے۔ لہٰذا حضرت مجدد کی دربار میں تشریف آوری کے موقع پر ان مشیران کی موجودگی اور جہانگیر کا متوقع رویہ غیر معمولی صورتحال پیدا کرسکتا تھا، لہٰذا ''جہانگیر'' نے نہ صرف انتظامیہ کے اندر موجود حضرت مجدد کے پیروکاروں کو حضرت مجدد کے دربار میں آمد سے بے خبر رکھا بلکہ اس موقع پر ان کی دارالحکومت میں غیر موجودگی کا اہتمام بھی کردیا ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ایسے تمام اعلیٰ عہدے داروں کو مختلف علاقوں میں بھیج دیا گیا۔

جہانگیر کے وزیراعظم آصف جاہ نے جہانگیر کو مشورہ دیا کہ شیخ احمد کے بارے میں احتیاط سے کام لے۔ کیونکہ ان کا اثر ہندوستان' ایران' توران اور بدخشاں میں پھیلتا جارہا ہے اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاہیوں کو شیخ احمد کے مریدین کے پاس جانے اور عہد کرنے سے روکا جائے نیز شیخ احمد کو نظر بند کردیا جائے لیکن ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ تھا بڑے بڑے امراء اُن کا احترام کرتے تھے اور ان کے معتقد تھے۔ پس جہانگیر نے پہلے ان امراء کو ایک ایک کرکے دوردراز علاقوں میں بھیج دیا۔ خان خاناں کو دکن بھیجا، صدر جہاں کو مشرق میں۔ خان جہاں کو مالوہ میں خان اعظم کو گجرات میں اور مہابت خاں کو کابل میں [۹۵]۔

یہاں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امراء کے علاوہ فوج میں بھی حضرت مجدد کی تحریک زور پکڑ رہی تھی اور اب صرف ہندوستان تک ہی یہ محدود نہ رہی تھی بلکہ احیائے اسلام کا یہ مشن ہندوستان سے نکل کر دوسرے ممالک میں پھیل رہا تھا اور جہانگیر اسے اپنے خلاف ایک سازش سمجھ رہا تھا، خاص طور پر حضرت شیخ بدیع الدین کے آگرہ میں تشریف لانے اور فوجوں سے اسلامی اقدار کی بحالی کی بیعت لینے سے اسکے اندیشے بڑھے۔ جنہیں ہندوؤں اور ان کے ایجنٹوں، نام نہاد مسلمانوں اور درباری ملاؤں نے اور تقویت دی۔

اس لیے جہانگیر نے ان اندیشوں کے پیش نظر حضرت مجدد سے مذاکرات کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ خود ان کی شخصیت کا اندازہ لگاسکے۔ بہرحال اس نے مذاکرات کے لیے مذہبی موضوع ہی کو منتخب کیا۔

حضرت مجدد جب ''دربار جہانگیر'' میں تشریف لائے تو اس وقت زیادہ تر بحث طلب مسئلہ وہی پروپیگنڈہ تھا جو حضرت مجدد کے خلاف کیا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو خلفائے راشدین سے بہتر سمجھتے ہیں۔ تقریباً تمام مؤرخین جہانگیر اور حضرت مجدد کے درمیان ہونے والی گفتگو میں اسی مسئلے کو سرفہرست قرار دیتے

ہیں۔ ایک ہندو مصنف لکھتا ہے۔

> Shaikh Ahmed Sirhindi's case is sometimes as another example of persecution for religious opinions. He has his deputies and followers in every part of the Country. He was the leader of Chishtia. Qadria and Naqshabandia groups of muslims. Some muslims theologions complained to Jahangir that in some of his writings Ahmed Sirhindi clamied to have risen to a status higher than that of caliphs.[۹۶]

ترجمہ۔ شیخ احمد سرہندی کا معاملہ مذہبی آراء کی وجہ سے مظالم کی ایک اور مثال ہے مملکت کے ہر حصے میں ان کے مرید اور معتقد تھے، وہ مسلمانوں کے چشتیہ قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے سربراہ تھے کچھ مسلم زعماء نے جہانگیر سے شکایت کردی کہ اپنی بعض تحریروں میں احمد سرہندی نے خلفاءراشدین سے برتر ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔

جہانگیر نے ”توزک جہانگیری“ میں بھی اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ مذاکرات کا اصل موضوع مندرجہ بالا معاملہ تھا۔

ایک اور معاملہ جس کی طرف اکثر اشارہ کیا جاتا ہے۔ یعنی بادشاہ کو سجدہ نہ کرنا درحقیقت یہ بھی بہت اہم معاملہ تھا، لیکن جہانگیر صرف اپنی انا کا مسئلہ بنا کر حضرت مجدد کو نظر بند نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ وہ اپنے دامن کو بچانے کے لیے ایک ایسا الزام لگانا چاہتا تھا جس کی وجہ سے حضرت مجدد کا مذہبی وسیاسی وقار ختم ہوجائے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ بلکہ اس میدان میں جہانگیر کو زبردست شکست ہوئی اور فتح مند حضرت مجدد ہی ہوے۔

حضرت مجدد کو یقیناً احساس تھا کہ ان کیخلاف لگائے گئے بے بنیاد الزامات کے علاوہ سجدہ نہ کرنے کی صورت میں جہانگیر اسے ذاتی وقار کا مسئلہ بھی بنائے گا۔ لیکن وہ اس امر کا تہیہ کرکے گئے تھے کہ وہ ہرگز ہرگز

اپنا سر اس کے سامنے نہیں جھکائیں گے بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جو شخصیت پورے عالم اسلام کی راہنمائی کا پرچم لیکر اٹھی تھی اور احیائے اسلام کی تحریک کی قیادت فرما رہی تھی، بھولے بھٹکے مسلمانوں کو توحید خداوندی و رسالت محمدی کے پرچم تلے متحد کر رہی تھی خود ایک جابر حکمران کے سامنے سرنگوں ہو جاتی۔ سر رام شرما نے لکھا ہے کہ شہزادہ خرم نے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ ملاقات سے قبل اس بات سے آگاہ کر چکا تھا کہ بادشاہ سجدے کے معاملہ بڑا سخت ہے لہٰذا آپ کو اپنے رویہ میں لچک پیدا کرنی چاہیے لیکن آپ نے اس کی پروانہ کی۔

> The shaikh however had turned down the suggestion of the prince and declared that no one could claim the rite of prostration from him except god.[۹۷]

شیخ نے شہزادہ کی تجویز مسترد کر دی اور اعلان کر دیا کہ خدائے ذوالجلال کے علاوہ مجھ سے کوئی عبادت و اطاعت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

یہی حضرت مجدد کا وہ عظیم تاریخی کردار ہے جو تاریخ میں سنہری لفظوں میں محفوظ ہے اور آپ کے عزم اور بلند ہمتی کی مثال پیش کرتا رہے گا۔

آپ نے اسیری اور مظالم تو برداشت کر لیے لیکن کسی طرح بھی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا، سر رام شرما بھی یہی کہتا ہے کہ حضرت مجدد کو جو سزا دی گئی تھی وہ ان کے جرم کی نوعیت سے زیادہ تھی، وہ لکھتا ہے۔

> The punishment that was awarded to him had been more in the nature of Chastiment for his refusal to perform the "Sijda" than for his religious opinion.[۹۸]

ترجمہ۔ جو سزا انہیں دی گئی اس کی نوعیت اس سزا سے کہیں زیادہ ہے جو اس وجہ سے دی جاتی کہ انہوں نے (حضرت مجدد نے) اپنی مذہبی رائے کے پیش نظر سجدہ نہیں کیا تھا۔

لیکن یہ بات تاریخی دلچسپی کی حامل ہے کہ خود جہانگیر نے حضرت مجدد کی گرفتاری کے سلسلے میں سجدہ نہ

کرنے کی وجہ کہیں نہیں لکھی۔ شاید اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے بدنامی کا داغ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''تو زک جہانگیری'' میں حضرت مجدد کی گرفتاری کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں اپنے آپ کو خلفائے راشدین سے افضل و برتر قرار دیا تھا۔

> بنابریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین ساز حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست واز ہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود وباعدم خرد ودانش بغایتِ مغرور وخود پسند ظاہر شد۔ صلاحِ حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزنداں محبوس باشد۔ باشوریدگی، مزاج وآشفتگی دماغش قدرے تسکین پزیرد وشورش عوام نیز فرونشیند، لاجرم برائے رائے سنگدلن حوالہ شد کہ درقلعہ گوالیار مقید دارد[۹۹]۔
>
> ترجمہ۔ اس وجہ سے میں نے حکم دیا تھا کہ آئین ساز عدالت میں انہیں حاضر کیا جائے۔ میں نے ان سے جو کچھ پوچھا وہ معقول جواب نہ دے سکے۔ عقل ودانش سے بہرہ اور نہایت مغرور وخود پسند دکھائی دیتے تھے مجھے انکی اصلاح احوال اسی میں نظر آئی کہ انہیں چند روز کے لیے زندانِ ادب میں قید کردیا جائے۔ تا کہ ان کے مزاج کی شورش اور دماغ کی آشفتگی دور ہوجائے اور عوام کی شورش بھی ختم ہوجائے۔ چنانچہ رائے سنگدلن کے حوالے کردیا گیا۔ تا کہ انہیں قلعہ گوالیار میں قید کردے۔

جہانگیر نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملاقات کے وقت وہی مسلہ پوچھا تھا۔ جس کے متعلق حضرت مجدد کے بارے میں غلط الزام تراشی کی گئی تھی کہ وہ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر سے برتر وافضل سمجھتے ہیں۔

حضرت مجدد نے اس کا تسلی بخش جواب اس انداز سے دیا کہ ''جہانگیر'' سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ اب اعتراض کی اور کوئی صورت نہ تھی۔

جہانگیر ہر قیمت پر حضرت مجدد کی تحریک کو روکنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت مجدد ایسی شخصیت نہیں جن سے کسی بات پر سمجھوتہ ہوسکے دوسری طرف اسے اس کے بعض مشیروں نے اپنے پروپیگنڈے کی وجہ

سے یقین دلا دیا تھا کہ حضرت مجدد کی تحریک اس کے اقتدار کے لیے زبردست خطرہ ہے۔

جب جہانگیر اور اس کے حواریوں نے مذہبی معاملہ کی آڑ لیکر حضرت مجدد کو نظر بند کرانے کی سازش ناکام ہوتے دیکھی تو محفل میں موجود جہانگیر کے ایک درباری نے اس کی توجہ اس طرح مبذول کرائی کہ حضرت مجدد نے نہ صرف آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ معمولی سی تعظیم وتکریم بھی نہیں کی۔ جہانگیر فوراً لال پیلا ہوگیا اور حضرت مجدد کی نظر بندی کے احکامات جاری کر دیے[100]۔

واقعات سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ "جہانگیر" نے صرف اسی وجہ سے حضرت مجدد کو نظر بند نہیں کرایا تھا کہ انہوں نے بادشاہ کی عزت وتکریم نہیں کی۔ بالفرض المحال اگر حضرت مجدد کچھ شاہی رسوم وآداب کو بجا بھی لاتے تب بھی ایسا لگتا ہے کہ جہانگیر حضرت مجدد کی گرفتاری کا تہیہ کر چکا تھا، اس لیے کہ وہ ہر قیمت پر حضرت مجدد کی تحریک کا خاتمہ چاہتا تھا۔ کیونکہ اس تحریک سے وہ بے حد خائف تھے۔ اس نے پہلے ایک منصوبے کے تحت غلط الزام لگا کر انہیں نظر بند کرنا چاہا۔ مگر حضرت مجدد کی وضاحت سے جب بات نہ بن سکی تو سجدہ نہ کرنے کا بہانہ بنا کر آپ کو پس دیوار زنداں کر دیا۔

جہانگیر سجدہ نہ کرنے کو بھی شاید نظر انداز کر دیتا۔ اگر اسے یقین ہوتا کہ حضرت مجدد "کچھ لو اور کچھ دو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کریں گے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ حضرت مجدد کو اپنے مشن سے ہٹانا ناممکن ہے۔ اس لیے اس نے انہیں نظر بند کرانے کا ہی فیصلہ کیا۔ ورنہ صرف سجدہ نہ کرنے کی سزا نظر بندی نہیں ہوسکتی۔ اس سزا کے پیچھے جو محرکات تھے ان میں حضرت مجدد کی ولولہ انگیز شخصیت ان کی پر جوش تحریک اور ان کی تحریک کی عوامی مقبولیت تھی۔

جہانگیر کی اپنی خود نوشت کو پڑھ کر اس حقیقت میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ وہ حضرت مجدد کو خطرہ سمجھتے ہوئے ان کی نظر بندی کے لیے کس قدر بے تاب تھا۔ حضرت مجدد کو مغرور، خود پسند قرار دے کر اپنی انا کو تسکین دینا چاہتا تھا۔ جس کو حضرت مجدد کے مجاہدانہ روّیہ کی وجہ سے ٹھیس پہنچی تھی، اور پھر ان کی گرفتاری کی وجہ یہ قرار دینے کیساتھ ساتھ کہ ان کے مزاج میں تبدیلی آئے۔ یہ بھی قرار دیتا ہے کہ اس سے عوام کے اندر شورش ختم ہو جائے گی۔ گویا جہانگیر حضرت مجدّد کی تحریک کو شورش سمجھتا تھا، یا پھر یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ان کے رویہ کی وجہ سے عوام میں ان کیخلاف جذبات پیدا ہو گئے تھے۔

حالانکہ یہ دونوں نظریے غلط تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہی حضرت مجدد کی تحریک مغلیہ خاندان کے لیے

کوئی سازشی مہم تھی اور نہ ہی حضرت مجدد کے خلاف عوام میں کوئی شورش بپا تھی۔

بہر حال جہانگیر کی منصوبہ بندی ناکام ہوئی۔ یہ نظر بندی حضرت مجدد کے مزاج میں تبدیلی بھی نہ لا سکی اور حضرت مجدد کے پس دیوارِ زنداں چلے جانے کی وجہ سے بھی ان کی تحریک ختم نہ ہو سکی۔ آپ نے اپنا مشن جاری رکھنے کا عزم کیا ہوا تھا اس لیے جیل جا کر بھی اپنا کام جاری رکھا اور اپنے پیغام کی اشاعت کی۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کی مثالیں مشکل سے ملتی ہیں۔ گویا آپ اپنا سب کچھ "دینِ مصطفیٰ" کی بحالی کے لیے وقف کر چکے تھے اور اس کے لیے نہ ہی انہیں حالات و خطرات کی پروا تھی اور نہ آپ نے مصلحت پسندانہ روّیہ کو اپنایا۔

آپ کا یہی روّیہ غیر مُسلم مصنّفین کو بہت کھٹکا ہے (The Preaching of Islam) (دعوتِ اسلام) کا مصنف پروفیسر۔ ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ برصغیر میں مسلم علماء کے عظیم تبلیغی مشن اور ان کے پرجوش ولولہ سے حضرت مجدد کے تذکرے کے ضمن میں لکھتا ہے:

> دو برس تک آپ قید خانے میں رہے اور اس عرصہ میں آپ نے ہزاروں کافروں کو جو ان کے ساتھ محبوس تھے مسلمان کیا[۱۰۱]۔

اور پھر تبلیغی مشن کے تذکرے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا ایسا شوق ہے کہ وہ موقع اور بے موقع ہر وقت اس کی تلقین کے لیے تیار رہتے ہیں[۱۰۲]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی تحریک کا مقصد صرف مسلمانوں کے اندر ہی "تحریک احیائے اسلام" کو بیدار کرنا نہیں تھا بلکہ وہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے اس عظیم مشن کو بھی از سرِ نو زندہ کرنا چاہتے تھے جس کا آغاز سب سے پہلے برصغیر میں اولیائے کرام ہی نے کیا تھا، جبکہ درباری ملّا اس عظیم مشن کو آگے بڑھانا تو ایک طرف، خود مسلمانوں کو بے دین بنانے پر تلے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے حضرت مجدد کو میدان عمل میں آنا پڑا۔ اس میدان عمل میں آنے کی وجہ سے حضرت مجدد کو جس قسم کی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا، اس کی ایک جھلک آپ کے ایک مکتوب سے ملتی ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:

> بادشاہ کی طرف سے جو تکلیف ہے اسے اپنے بزرگ و برتر آقا کی

> کمال مہربانی اور رضامندی کا دروازہ سمجھتا ہوں اور اس قید کو اپنے لیے باعث سعادت گردانتا ہوں[۱۰۳]۔

مشکلات اور پُرخطر حالات میں آپ کا عزم کتنا جواں تھا؟ اپنی تحریک کے راستے کی رکاوٹ کے بارے میں آپ کا کیا نقطۂ نظر تھا؟ اس کا اظہار فلسفیانہ انداز میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے مکتوب میں یوں فرماتے ہیں:

> مصائب وشدائد میں اگرچہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں سے بہرہ ور ہونے کی امید ہوتی ہے، اس دنیا کی بہترین دولت غم واندوہ اور اسکے دسترخوان کی بہترین خوش ذائقہ نعمت درد والم ہے ان شکرپاروں کو اللہ تعالیٰ نے تلخ دوا کے باریک خول میں لپیٹ دیا ہے اور اس طریقے سے آزمائش کا راستہ کھولدیا ہے، سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی تلخی سے شیرینی کی طرح شادکام ہوتے ہیں[۱۰۴]۔

حضرت مجدد کہنا یہ چاہتے تھے کہ مشکلات سے قطعاً گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ وقتی چیزیں ہوتی ہیں، اگر کسی قسم کی مشکل پیدا ہوتی ہے تو دراصل وہ بھی قدرت کی طرف سے ہوتی ہے گویا وہ مومن کے عزمِ صمیم کا ایک امتحان ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ اپنے پسندیدہ لوگوں کو اس طرح کی مشکلات سے آزمانا چاہتا ہے اور بالآخر تائیدایزدی کی وجہ سے یہ لوگ کامیاب وسرفراز ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد بھی اپنی تحریک میں کامیاب وکامران ہوئے وہ جہانگیر جو آپ کی تحریک کا سخت ترین دشمن تھا۔ بالآخر آپ کی تحریک سے متاثر ہوگیا اور اسطرح آپ کی تحریک نے ایک فعال اور عوامی تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ کیونکہ حکمرانوں کی اصلاح کا مرحلہ تو ایک حد تک ختم ہوچکا تھا اب عوام الناس کو مذہبی بدعقیدگی کی اس دلدل سے نکالنا تھا جس میں وہ عہد اکبری میں ایک منظم منصوبے کے تحت ڈال دیے گئے تھے۔

جہانگیر نے عرصۂ قید کے دوران آپ کے ساتھ اور آپ کے خاندان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ایم۔ اے، ڈی۔ لٹ۔ لکھتے ہیں۔

> اس آزمائش میں انہوں نے جس وقار، استقلال اور علوِ ہمت کا مظاہرہ کیا وہ ہماری روحانی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ تذکرہ نگار تو نہیں لکھتے لیکن پروفیسر محمد فرمان نے ایک مکتوب سے قیاس لگایا ہے کہ معاملہ صرف قید و بند کا نہ تھا بلکہ جائیداد بھی ضبط کی گئی اور انہیں اور ان کے خاندان کو ‘‘حویلی وسرا و چاہ و باغ و کتب و اشیائے دیگر سے محروم ہونا پڑا لیکن اس پیکر تسلیم و رضا پر ذرہ بھر اثر نہ ہوا[۱۰۵]۔

ان تمام مشکلات کا حضرت مجدد پر اثر تو نہ ہوا البتہ جہانگیر خود سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ کیا جذبہ ہے جو حضرت مجدد کو اپنے موقف سے ذرہ بھر پیچھے نہیں ہٹنے دیتا اور اسے بالآخر احساس ہو گیا۔

سر رام شرما کے الفاظ ہیں:

> His opinion had remained unchanged meanwhile but Jahangir had discovered that his earlier order had been extended from him by interested court theologions.[۱۰۶]
>
> ترجمہ۔ اُن (حضرت مجدد) کی رائے تو تبدیل نہ ہوئی جہانگیر پر یہ بات منکشف ہوئی کہ اس کا سابقہ حکم مفاد پرست درباری مُلّاؤں کی وجہ سے تھا۔

یعنی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ حضرت مجدد کی تحریک مغلیہ خاندان کیخلاف کسی قسم کی تحریک نہیں ہے اور نہ ہی اس تحریک کا مقصد حکومت کیخلاف کوئی بغاوت کرنا ہے۔ بلکہ یہ ایسی پرامن تحریک ہے جس کا مقصد برِصغیر میں ‘‘احیائے اسلام’’ ہے اور گمان غالب یہی ہے کہ جہانگیر کی ذہنی تطہیر میں وہ امرائے سلطنت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوئے ہوں گے، جو حضرت مجدد کی تحریک کے پرجوش حامی اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ جب حقائق کھل کر سامنے آئے تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکی کہ حضرت مجدد کیخلاف اس منظم پروپیگنڈے کے پیچھے ان ‘‘درباری ملاؤں’’ کا ہاتھ تھا، جن کا ذاتی مفاد چونکہ دربار سے وابستہ تھا اس لیے وہ حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک سے خوف زدہ تھا۔ جونہی ‘‘جہانگیر’’ درباری ملاؤں کے اس گھناؤنے کردار سے واقف ہوا اس نے حضرت مجدد

کو رہا کر دیا۔

حضرت مجدد کی تحریک کے عروج کا زمانہ دراصل وہی ہے جب آپ رہا ہو کر باہر آئے اور کھلے بندوں اپنا ''پیغامِ حق'' لوگوں کو سنایا اور کہاں تو وہ زمانہ تھا کہ بات بات پر پابندی تھی اور کہاں وہ دور آیا کہ بادشاہ کی صدارت میں عظیم الشان محفلیں منعقد ہوتیں۔ حضرت مجدد وعظ و نصیحت فرماتے اور اس طرح شاہی سرپرستی میں ''اسلام'' کی تبلیغ واشاعت کا دور لوٹ آیا، جو ایک عرصہ کے لیے منقطع ہو گیا تھا اور یہی حضرت مجدد کی تحریک کی سب سے بڑی کامیابی ہے اور اسی کامیابی کے حصول کے لیے آپ نے جیل سے رہائی کے بعد بھی سرہند جانا قبول نہیں فرمایا تھا۔ جبکہ جہانگیر نے کہہ دیا تھا۔

> مرضی ہو تو سرہند تشریف لے جائیں ورنہ لشکر شاہی کے ساتھ رہیں آپ نے تبلیغ کے پیش نظر لشکر شاہی کے ساتھ رہنا پسند کیا اور اصلاحِ حکومت کی ۱۰۷۔

اصلاحِ حکومت کے سلسلے میں منعقد ہونے والی ایک تقریب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مجدد یوں لکھتے ہیں:

> خصوصاً امشب کہ ہفت دہم رمضان بود آں قدر را از بعثتِ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات واز عدم استقلال عقل واز ایمان بآخرت وعذاب وثواب دراں واثبات رویت واز خاتمیت نبوت خاتم الرسل واز مجدد ہر مأۃ واز اقتداء بخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وسنۃ تراویح واز بطلانِ تناسخ واز احوال جن وجنیان واز عذاب وثواب ایشان وامثال آنہاں بسیار مذکور شد وبحسنِ استماع مسموع گردید وہم چنیں دریں ضمن اشیائے دیگر از احوال اقطاب وابدال واوتاد وبیان در خصوصیات ایشاں کذا وکذا مذکور گشت، الحمد للہ سبحانہ، کہ بجاے نمانند، وتغیر ظاہر نمی شود، دریں واقعات وملاقات شائد حق را سبحانہ، وتعالیٰ مصلحتہا وسرہا مکنون بود، الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لاان ھدانا اللہ، لقدجاء ت رسلنا بالحق ۱۰۸۔

ترجمہ۔ خصوصاً آج سترہ رمضان کی رات (جو موضوعات زیر بحث

> رہے) ان میں پیغمبرانِ کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری اور یہ کہ عقل مستقل اور کافی نہیں آخرت کے عذاب وثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین (رضوان اللہ عنہم) کی پیروی، تراویح مسنون ہونا، تناسخ کا باطل ہونا، جنوں کا ذکر، ان کے عذاب وثواب کا مسئلہ، اور اس قسم کی بہت سی باتوں کا تذکرہ رہا (جہانگیر) نے خوشدلی سے سنا، اسی سلسلے میں اقطاب وابدال وواتاد کی خصوصیتوں کا ذکر بھی ہوا۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ بادشاہ پر برہمی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ شاید ان مُلاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں ہوں اور انکے اسرار ان میں پوشیدہ ہوں۔
>
> خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ہماری اس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی جسے ہم اس کی راہنمائی کے بغیر پا نہیں سکتے تھے، بلاشبہ خدا تعالیٰ کے پیغمبران پیغامِ حق کے ساتھ تشریف لائے۔

یہ مکتوب اس امر کی طرف واضح طور پر اشارہ کر رہا ہے کہ آپ جیل سے رہائی کے بعد کس قدر جوش اور ولولے سے اپنی تحریک کے پیغام کو پھیلا رہے تھے، تقریباً پچپن سال کی عمر میں ایک شب میں اس قدر موضوعات پر بحث کرنا عزمِ جواں کے بغیر مشکل ہے۔ لگتا ہے کہ حضرت مجدد ان موضوعات پر بحث اس لیے فرماتے تھے کہ یہ مسائل اس وقت تک متنازعہ فیہ بن چکے تھے، اگرچہ یہ سب اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ لیکن جیسا کہ تفصیل سے ذکر آچکا ہے۔ عہدِ اکبری میں ان عقائد کو اسطرح مسخ کیا گیا کہ شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے، مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے توہمات ڈال دیے گئے، انہی شکوک وشبہات کے ازالے کے لیے حضرت مجدد ان موضوعات کو اپنے لیکچرز کے لیے منتخب فرماتے تھے، دربار شاہی میں ہونے والے ان لیکچرز کا مقصد جہاں امرائے سلطنت کی ذہنی تعمیر تھا وہاں خود جہانگیر کے عقائد کی اصلاح بھی تھی، کیونکہ ابوالفضل اور فیضی جیسے خودساختہ دین کے پجاریوں کی زیرنگرانی پروان چڑھنے والے بادشاہ کے ذہن کی اصلاح کوئی آسان کام نہ تھا۔

اور یہ اہم فریضہ حضرت مجدد شاہی محل میں بیٹھ کر خود سرانجام دینا چاہتے تھے، ورنہ یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد کا مقصد صرف شاہی دربار تک محدود رہنا تھا۔ آپ کا طویل عرصے تک دربار شاہی سے منسلک رہنا آپ کی تحریک کا ایک حصہ تھا۔

حضرت مجدد نے بادشاہ‘ شاہی خاندان‘ امراء‘ روسا کی اصلاح کیساتھ ساتھ عوامی اصلاح کی مہم جاری رکھی ہوئی تھی اور آپ ہر محفل میں اپنی تحریک کی اشاعت کے لیے سرگرم عمل تھے۔

صاحبزادگان کے نام لکھتے ہیں:

> صحبت ہائے عجیب وغریب مے گزارند۔ بعنایت اللہ سرِ موئے دریں گفتگو ہائے امور دینیہ واصولِ اسلامیہ مُساہلہ ومداہنیت راہ نمی یابد۔ زاں عبارات کہ در خلوات ودر مجالس خاصہ بیان مے گردد دریں معرکہ ہا بتوفیق اللہ سبحانہ، بیان می نماید اگر یک مجلس را نویسد دفترے باید[۱۰۹]۔
>
> ترجمہ۔ عجیب وغریب مجلسیں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنی ان ساری گفتگوؤں میں دینی امور واسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا۔ وہی باتیں جو خالص مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتی تھیں۔ ان میدانوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی بیان ہو رہی ہیں۔ اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

حضرت مجدد کی اسی ولولہ انگیز تحریک کا نتیجہ تھا کہ پورے معاشرے میں ایک بار پھر انقلاب برپا ہو گیا اور خود جہانگیر آپ کی تحریک کا زبردست مدد ومعاون بن گیا۔

ایک وقت وہ تھا کہ اس نے حضرت مجدد کو خود سر قرار دے کر پس دیوار زنداں کر دیا تھا ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اور اس کا بیٹا شہزادہ خرم جو بعد میں شاہ جہاں کے نام سے موسوم ہوا۔ مجدد کے ارادتمندوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

خزینۃ الاصفیاء میں اس کا ذکر یوں ملتا ہے۔

> بادشاہ (جہانگیر) از محبان شیخ شد۔ بحدیکہ گاہی آں جناب را از خود جدا نمی کرد۔ وشہزادہ خرم را واصل حلقہ مریدان شیخ نمود۔ چنانچہ عہد

> شاہ جہاں و عالمگیر بادشاہاں باہمہ مجددیہ می شدند۱۱۰۔
>
> ترجمہ۔ جہانگیر حضرت مجدد کے محبان میں سے تھا، یہاں تک کہ ایک لمحہ بھی حضرت سے جدا نہیں ہوتا تھا، شہزادہ خرم کو اس نے حضرت کے حلقہ مریدان میں شامل کیا۔ چنانچہ شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد تک سربراہان سلسلہ مجددیہ کے بیعت تھے۔

اس پیراگراف سے اس دور کا حال معلوم ہوتا ہے جب جہانگیر حضرت مجدد کا زبردست گرویدہ ہو چکا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی تعلیمات اپنا اثر دکھا چکی تھیں اور جہانگیر نے راہِ حق سے آشنائی حاصل کر لی تھی، نتیجۂ نظامِ حکومت اور مملکت کے ڈھانچہ میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ لہٰذا یہاں ان چند واضح تبدیلیوں کا ذکر کرنا ضروری ہے جنہیں مورخین نے واضح طور پر محسوس کیا ہے۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ تبدیلیاں حضرت مجدد کی عظیم کاوشوں اور آپ کی تحریک کے نتائج کا ایک حصہ تھیں۔ ان تبدیلیوں میں سے ہندوؤں اور ہندومت کے معاملہ میں شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی پالیسی میں تبدیلی اظہر من الشّمس ہے جیسا کہ تاریخی حقائق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اکبر کی لادین پالیسی کے پیچھے ہندوؤں کا ایک بہت بڑا منصوبہ تھا۔ اس منصوبے کے تحت وہ جہانگیر کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ آغاز میں ہندو لابی نے جہانگیر کے بجائے جہانگیر کے بیٹے ”خسروؔ“ کو تخت نشین کرانے کی سازش کی تھی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ خسرو شہزادہ سلیم کے مقابلے میں ان کی طرف داری زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہے اور اکبری روایات کی زیادہ پاسداری کر سکتا ہے، مگر مسلمان امراء کی بروقت کوششوں سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔ اور ہندو لابی اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی، جیسا کہ ”حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات“ کے مولف آبادشاہ پوری نے لکھا ہے:

> جہانگیر کی تخت نشینی میں بھی حضرت مجدد کے اُن عقیدت مند امراء کا ہاتھ تھا، الحاد اور بے دینی کے علمبردار امرائے دربار جہانگیر کے بیٹے خسرو کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے، اسلام پسند امراء نے جہانگیر کی حمایت اس شرط پر کی تھی کہ وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اکبری دین کا قلع قمع کرے گا، اور شریعتِ اسلامی کو رائج و نافذ کریگا۱۱۱۔

مگر ایسا لگتا ہے کہ جہانگیر تخت نشینی کے بعد ہندوؤں کی مکارانہ چالوں میں ایسا پھنسا کہ اپنا وعدہ ایفا نہ کر سکا۔ اگرچہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی خاطر حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں جہانگیر کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا، مگر جہانگیر شاید چند سیاسی مصلحتوں یا ہندوؤں اور مفاد پرست عناصر کی غلط راہنمائی کی وجہ سے کوئی واضح قدم نہ اٹھا سکا۔ بلکہ جب اسے یقین دلایا گیا کہ حضرت مجدد کی تحریک اس کی حکومت کے لیے ایک چیلنج ہے تو اس نے حضرت مجدد کو گرفتار کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر جونہی اس پر حقیقت منکشف ہوئی تو اس نے ہندوؤں کے بارے میں وہی رویہ اختیار کیا جس کے بحیثیت ذمّی قوم کے وہ حقدار تھے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ جہانگیر کے اندر جذبۂ اسلام موجود تو تھا لیکن یہ چنگاری بجھ چکی تھی۔ حضرت مجدد کی تحریک نے اسے ہوا دی تو یہ جذبہ شعلہ زن ہو گیا، اس لیے ہندو جو ایک عرصے سے نظامِ حکومت پر چھائے ہوئے تھے آہستہ آہستہ ان کا اثر و نفوذ ختم ہونے لگا۔ جہانگیر نے نہ صرف ان کی سیاسی قدر کو ختم کیا بلکہ ان کے مذہبی حقوق پر بھی نظرِ ثانی کی اور انہیں وہی مراعات حاصل رہیں جو انہیں اکبر کے دور سے پہلے حاصل تھیں، اس طرح اس نے انہیں احساس دلایا کہ وہ بہرحال ایک محکوم قوم ہیں، اور مسلمان ان کے حاکم اور مسلمان ان کی حفاظت کے صرف اس وقت تک ذمہ دار ہیں، جب تک وہ خود مملکت کے قوانین کا احترام کریں گے، اور ان پر عمل درآمد کریں گے۔ جہانگیر کی اس مذہبی پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندو جو اپنی مذہبی شان و شوکت کے بل بوتے پر اپنی سیاسی قوت میں دن بدن اضافہ کر رہے تھے اور اس طرح اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے دوبارہ اسی مقام پر آن کھڑے ہوئے جہاں عہدِ اکبری سے پہلے تھے، اس کی ایک واضح مثال تو مندروں کی دھڑا دھڑ تعمیر ہے، عہدِ اکبری میں حکومتی مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومتی خزانے سے جس طرح کروڑوں روپے سے بلا اجازت عظیم الشان مندر تعمیر کیے گئے تھے، جہانگیر اور بعد میں آنے والے حکمرانوں نے انہیں منہدم کرا دیا۔ دراصل یہ عظیم الشان عمارتیں تعمیر کر کے ہندو اپنی قوم کے اندر ایک طرح کا تعصب پیدا کر کے ہندو قومیت اور ہندو ملّی تشخص کو اجاگر کرنا چاہتے تھے، تاکہ ہندوؤں کے اندر اور خصوصاً نوجوان نسل کے اندر یہ احساس تقویت پکڑے کہ وہ نسلاً اور مذہباً ہندو ہیں اور مسلمان بیرونی حاکم ہیں جو غاصب بنے بیٹھے ہیں، ہندوؤں کو یقین تھا کہ یہ نظریہ جس قدر جلد ابھرے گا اسی قدر جلد مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہوگا۔ اگرچہ اس وقت انہوں نے واضح طور پر اس کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن صدیوں بعد ہندوؤں کی مختلف تحریکوں کے نتیجے میں جو بات سامنے آئی

اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کی سوچ مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ اسی طرح رہی ہے۔

ہندوؤں کی اس سوچ سے جب جہانگیر آگاہ ہو گیا تو اس نے وہ تمام طریقے استعمال کیے جو ہندومت کی اشاعت میں رکاوٹ ہو سکتے تھے اور خود اس کی اپنی زندگی بھی اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھل گئی۔

Central Structure of the Mughul Empire (مغلیہ حکمرانوں کی مرکزی پالیسی) میں سر رام شرما جہاں جہانگیر کی اس پالیسی کا تذکرہ کرتا ہے جب اس نے ہندومت کو پھیلانے میں مدد دی تھی اور اس کے دوست بیر سنگھ بندیلا نے متھرا میں اپنے دور کا ایک فقید المثال مندر تعمیر کرایا تھا وہاں بڑے دکھ اور درد سے اس کا بھی ذکر کرتا ہے جب جہانگیر کے عقائد میں اتنی تبدیلی آ گئی کہ وہ اجمیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دینے گیا تو وہاں کے مندر کو فوری طور پر گرانے کا حکم دے دیا[۱۱۲]۔

اسی طرح کی اور بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جہاں اس نے ہندو تہذیب (نشانات) کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ وہاں اس نے اس طرح بھی اپنی توجہ مبذول کی کہ عوام الناس کو قرآن مجید کی تعلیمات سے روشناس کرایا جا سکے۔ سر رام شرما کے بقول اس نے ایک ممتاز عالم دین سید محمد کو قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ اس وقت فارسی ہی برصغیر کی سرکاری زبان تھی اور عوام الناس اسی زبان کو سمجھتے اور خط و کتابت کرتے تھے، حضرت مجدد کی تحریک کے نتیجہ میں جہانگیر کی پالیسی میں ایک اور تبدیلی یہ آئی کہ اس نے فوراً ایک حکم کے ذریعے مسلمانوں کے ہندو ہونے پر پابندی لگا دی۔ جبکہ اس سے قبل ہندو یہ مہم بڑے زور شور سے چلائے ہوئے تھے اور عہد اکبری میں اسے قانونی تحفظ بھی حاصل تھا۔ جہانگیر نے علاوہ ازیں مسلمانوں کی از سر نو تنظیم پر خصوصی توجہ دی اور مملکت کے اہم عہدوں میں انہیں دوبارہ نمایاں مقام دیا۔ ورنہ پہلے تمام کلیدی اسامیوں پر ہندو چھا چکے تھے اور مملکت کی پالیسی پر ان کا پورا اثر و نفوذ تھا۔

تزک جہانگیری میں خود اس نے تذکرہ کیا ہے کہ اس نے از سر نو مسلمان مجسٹریٹ اور جج مقرر کیے اور صدر الصدور ہندوستان میں ایک ایسا عہدہ تھا جو اپنے دور میں ایک ''جج'' کے عہدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ممتاز مذہبی شخصیت اس عہدہ پر فائز ہوتی تھی جس کے فیصلے پوری مملکت پر اثر انداز ہوتے تھے تمام شعبوں پر صدر الصدور کا ایک خاص اثر ہوتا تھا، اس عہدہ سے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی وابستگی کا پتا چلتا ہے اور برصغی

میں مسلم حکومت کے خدوخال اور نمایاں ہوتے ہیں۔ اکبر نے اس عہدہ عظیم پر فائز جلیل القدر شخصیت شیخ عبدالنبی کو جس طرح ذلیل ورسوا کیا تھا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے لیکن جہانگیر نے اس عہدہ کی اہمیت کو دوبارہ بحال کیا اور اسطرح مسلمانوں اور علمائے کرام ومشائخ عظام کو وہ مقام حاصل ہو گیا جو ایک بحرانی دور کی وجہ سے کھو گیا تھا۔

ملک کی سیاسی پالیسیوں میں تبدیلی کے علاوہ حضرت مجددؒ کی تحریک نے جہانگیر کی ذاتی شخصیت پر بھی کافی اثر کیا۔ وہ جہانگیر جو ایک حد تک مذہب سے دور جا رہا تھا۔ اسطرح واپس ہوا کہ رمضان المبارک کے روزے بھی قضا نہ کیے۔ مشائخ سے اس قدر الفت پیدا ہوئی کہ اجمیر شریف تک پیدل چل کر گیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر حاضری دی۔

جہانگیر جو کبھی ہندوانہ تقریبات میں جایا کرتا تھا حضرت مجدد کی تحریک سے متاثر ہونے کے بعد نہ صرف ان تقریبات میں جانا چھوڑ دیا بلکہ دربار میں سرعام ہندوانہ نظریات کی کھل کر مخالفت بھی کرتا تھا۔

مملکت میں چونکہ کہیں کہیں ہندو اثر ونفوذ ابھی باقی تھا اس لیے غیر شرعی افعال مکمل طور پر بند نہ ہوئے تھے، لہٰذا جہانگیر کو جونہی کسی غیر شرعی فعل کا علم ہوتا فوراً اسکی بندش کا حکم جاری کرتا تھا۔

ابن الحسن نے اپنی کتاب (Central Structure of the Mughal Empire (P-63) (مغلیہ حکومت کا مرکزی ڈھانچہ) میں اس فرمان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو جہانگیر نے قطب الملک کو بھیجا تھا اور جس میں غیر شرعی افعال کو فوراً بند کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اور پھر تاریخ نے وہ منظر دیکھا کہ وہ جہانگیر جو کسی وجہ کے بغیر حضرت مجدد کو نظر بند کرا دیتا ہے انصاف کی ایسی روایات قائم کرتا ہے کہ آج تک اس کا نام انصاف کی دنیا میں ضرب المثل ہے ابن حسن نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے:

> Jahangir and Shahjhan regard themselves, at least in theory as Muslim kings. They also not think themselves above Islamic law. This idea finds its expression on several occasions.[۱۱۳]

ترجمہ۔ جہانگیر اور شاہ جاں کم از کم نظریاتی طور پر اپنے آپ کو مسلمان

حکمران سمجھتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اسلامی قوانین سے بھی برتر نہیں سمجھتے تھے۔ اس نظریے کا اظہار بار بار مواقع پر ہوا۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر یہ تبدیلی حضرت مجدد کی تحریک کا اثر نہیں تھا؟ آج کا مورخ جب بھی جہانگیر کا ذکر کرتا ہے تو اس کی ابتدائی غلطیوں اور لغزشوں کے باوجود اسے منصف مزاج، مذہب پرست، راسخ العقیدہ مسلمان حکمران قرار دیتا ہے۔

ممتاز مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے الفاظ میں:

> In matter of religion, he was a believing muslim and supported the cause of orthodoxy.[۱۱۴]

> ترجمہ۔ وہ مذہب پر یقین کامل رکھنے والا مسلمان تھا اور اس نے اہل سنت کی زبردست حمایت کی۔

جہانگیر کے اس پہلو پر ہندو اور یورپین مورخین کے علاوہ کچھ مسلمان مورخین نے بھی اعتراض کیا مثلاً ابنِ حسن لکھتا ہے:

> ترجمہ۔ حوصلہ مند، منصف مزاج، رحمدل اور معاف کرنے کی خصوصیات کیساتھ ساتھ بادشاہ کو مذہبی امتیازات سے بالاتر ہونا چاہیے[۱۱۵]۔

دراصل یہ سوچ ایک سیکولر سوچ ہے جو موجودہ دور کی پیداوار ہے اسلام میں سیاست و مذہب کے درمیان کوئی فرق نہیں روا رکھا گیا۔

چونکہ جہانگیر حضرت مجدد کی بدولت اس حقیقت سے باخبر ہو چکا تھا اس لیے اس نے مملکت کے تمام وسائل کو احیائے اسلام کے لیے وقف کردیا۔ اس کی پالیسی کو متعصبانہ و جانب دارانہ پالیسی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ڈاکٹر قریشی انہی قسم کے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> They could not understand that believer need not be intolerant."

> ترجمہ۔ وہ لوگ یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ خدا کو ماننے والے کو متعصب

ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یعنی اگر کوئی صحیح طریقے سے اسلام کی اشاعت کرتا ہے تو اس سے غیر مسلموں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

بہرحال یہ بات ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت مجدد کی تحریک نے حالات کا دھارا اسطرح موڑا کہ وہ حکمران جو اسلام کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے، اس کی عظمت کے امین اور اس کے وقار کی بحالی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

یہاں مختصراً ان سیاسی عوامل کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کی وجہ سے جہانگیر کو حضرت مجدد کے متعلق اپنی پالیسی تبدیل کرنا پڑی۔

> جہانگیر نے حکومت کے بڑے بڑے اراکین کو آپ کے قید کیے جانے سے پہلے ہی مختلف علاقوں کے گورنر بنا کر ادھر ادھر بھیج دیا تھا۔ مصلحت اسکے نزدیک یہ تھی کہ آپ کے اوپر گرفت کرنے میں اسے آسانی رہے، لیکن جب ان گورنروں کو آپ کی گرفتاری کا علم ہوا تو سب نے آپس میں ایکا کر کے جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی حتی کہ مہابت خان لودھی، مرتضیٰ خان، تربیت خان، سید صدر جہاں، سلام خان، خان جہاں لودھی، حیات خان، دریا خان، غرض آپ کے تمام معتقدین جہانگیر کے مقابلے کو نکل آئے۔

مہابت خان نے شاہانِ بدخشان وخراسان اور توران سے امداد لے کر جہانگیر پر لشکر کشی کا حکم دے دیا، جہانگیر بھی اپنی فوج وسپاہ لے کر مقابلے کو نکلا، ابھی دونوں لشکر مقابلے پر آئے ہی تھے کہ جہانگیر کے لشکر سے بہت سے آدمی مہابت خان سے جا ملے۔ آخر جہانگیر اور آصف جاہ دونوں کو مہابت خاں نے گرفتار کر لیا اور خطبے وسکے سے اس کا نام باہر نکال دیا۔

اس کے بعد مہابت خان نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں تفصیل عرض کی اور درخواست کی کہ ہماری خواہش ہے کہ مغل سلطنت کے تخت پر آپ جلوہ افروز ہوں۔ آپ نے اس کے جواب میں مہابت خاں کو لکھا:

> مجھے سلطنت پانے اور حکومت کرنے کی ہرگز ہوس نہیں، اور میں تمہارے اس فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے جو قید وبند کی صعوبتیں اٹھائی ہیں وہ کسی اور مقصد کے لیے ہیں۔ وہ مقصد جب پورا ہو جائے گا تو میں آپ سے آپ قید سے رہائی پالوں گا۔ یہ فساد میرے مقصد میں حائل ہے۔ بہتر ہے کہ تم بغاوت سے باز آ جاؤ اور خود اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرلو۔ اور میں بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی قید سے رہائی پالوں گا۔ اس اثناء میں ''نور جہاں'' کو بھی گرفتار کیا جا چکا تھا جو جہانگیر و آصف جاہ کی گرفتاری کی اطلاع پر انہیں چھڑانے آئی تھی، قریب تھا کہ مہابت خاں کے غیظ وغضب سے یہ تینوں اپنے کیے کی سزا پا لیتے آپ کا خط آ گیا، مرشد کے حکم کی تعمیل کی۔ مہابت خان جہانگیر کے پاس آیا، اور کہا میں اپنے مرشد کے حکم سے آپ کو رہا کرتا ہوں اور اسکے بعد جہانگیر کو تخت شاہی پر بٹھا کر تمام آداب شاہی بجالایا[۱۱۶]۔

اس کے بعد کی صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ''روضۃ القیومیہ'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

> بادشاہ نے چاہا کہ شیخ سے ملاقات کرے مگر شیخ نے جواب دیا کہ جب تک میری شرائط قبول نہ کی جائیں میں ملاقات سے معذور ہوں۔

شرائط یہ تھیں:

اوّلاً...... سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے۔

ثانیاً...... تمام مساجد جو منہدم کی گئی تھیں از سرِ نو تعمیر کرائی جائیں۔

ثالثاً...... ذبحِ بقر کے امتناعی احکام منسوخ کیے جائیں۔

رابعاً...... احکامِ شرعی کو جاری کر کے قاضی، مفتی اور محتسب مقرر کیے جائیں۔

خامساً...... جزیہ پھر سے جاری کیا جائے۔

سادساً...... بدعت کو روکا جائے اور احکام شرع کو نافذ کیا جائے۔

سابعاً...... وہ تمام لوگ جو اس جھگڑے میں محبوس کیے گئے تھے رہا کیے جائیں۔

بادشاہ نے یہ شرائط منظور کرلیں۔ اور شیخ احمد آ کر بادشاہ سے ملے بادشاہ نے خلعت اور نذر پیش کی۔ ازاں بعد شیخ چھ برس زندہ رہے اور بادشاہ ہر اہم امر میں ان سے خاص طور پر مشورہ کرتا تھا۔[۱۱۷]

ڈاکٹر شفیق علی خاں نے حضرت مجدد کی اس شاندار کامیابی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> At last the Mujaddid succeded in his efforts. Jahangir cancelled all these orders of his father which were against the spirit of Islam and thus Deen-e-illahi came to an Ignoble end.[۱۱۸]

> ترجمہ۔ بالآخر حضرت مجدد اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر نے اپنے باپ کے تمام غیر اسلامی احکامات منسوخ کردیے، اور اس طرح دین الٰہی اپنے اختتام کو پہنچا۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

> The King befriended and respected the Shaikh. He listened to his advice.After Maghrib prayers the king would grant his special, audience where Shaikh would talk about religious affairs to Jahangir. He asked his son Shahjahan to become a spiritual disciple of the Shaikh.[۱۱۹]

> ترجمہ۔ بادشاہ کے ان سے قریبی مراسم تھے اور وہ شیخ کی عزت واحترام کرتا تھا وہ ان کے پندونصائح سنتا اور نماز مغرب کے بعد سامعین کی ایک خصوصی محفل کا اہتمام کرتا۔ جہاں شیخ مذہبی معاملات سے متعلق جہانگیر سے بات چیت کرتے جہانگیر نے اپنے بیٹے شاجہاں سے کہا کہ وہ شیخ کا مرید بن جائے۔

حضرت مجدد کی صحبت کا اثر شاہجہاں پر پڑا اور اس نے بحیثیت راسخ العقیدہ سنی مسلمان امورِ سلطنت سرانجام دیے۔ حضرت مجدد کی محفلوں کے اثر سے تصوف سے گہرے تعلق کی وجہ سے اس نے مختلف اولیائے کرام سے فیض حاصل کیا۔

یہ وہی محفلیں تھیں جن کا تذکرہ حضرت مجدد نے اپنے صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید اور محمد معصوم کے نام اپنے مکتوب میں کیا تھا۔

تاریخی شواہد یہی بتاتے ہیں۔ جہانگیر کی نجی زندگی میں ایک زبردست انقلاب برپا ہوگیا وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا اور یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ جب اس کے نظریات وافکار میں تبدیلی آئی تو اس کا براہِ راست اثر حکومتی پالیسی اور سرکاری اداروں پر پڑا۔

جہانگیر کی زندگی کے اس انقلاب میں چونکہ حضرت مجدد الف ثانی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے ہندوستان کے صوفیائے کرام سے اس کی قلبی عقیدت ایک فطری امر تھا۔ لہٰذا حضرت مجدد کا عقیدت مند ہونے کیساتھ ساتھ وہ دیگر صوفیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا۔ اور ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر روحانی استفادہ کرتا۔

حضرت میاں میر (ولادت ۹۳۸ھ وفات ۱۰۴۵ھ) اس زمانے میں لاہور میں علم وعرفان کے موتی لٹا رہے تھے۔

آپ کے کمالات کا شہرہ سن کر شہنشاہ جہانگیر کو آپ سے ملنے کا شوق ہوا۔ لاہور سے چلنے کے بعد اس نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور یہ پیغام بھیجا کہ لاہور سے روانہ ہونے کے بعد اس کو آپ کا نام معلوم ہوسکا۔ اگر لاہور میں ہوتا تو وہ خود حاضر خدمت ہوتا۔ اب آپ خود ہی ازراہ نوازش اس کے پاس تشریف لے آئیں۔

آپ نے جہانگیر کی درخواست منظور فرمائی۔ جہانگیر نے آپ کی بہت آؤ بھگت کی۔ بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ جہانگیر آپ سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں آپ سے عرض کیا۔

جو کچھ سلطنت کا زر ومال ہے اور جواہر وغیرہ ہے وہ میری نظر میں اینٹ کے پتھر کے برابر ہے اگر آپ توجہ فرمائیں تو میں دنیاوی تعلقات کو چھوڑ دوں۔

آپ نے یہ سن کر جہانگیر سے فرمایا۔ تم پہلے اپنے جیسا خلقت کی نگہبانی کے لیے کوئی شخص مہیا کرو۔

پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر مشغول کروں گا۔

جہانگیر یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ ”اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمائیں“ آپ نے وعدہ لے لیا کہ جو طلب کریں گے وہ دے گا۔

جہانگیر نے کہا ”ہاں ضرور دوں گا“ آپ نے فرمایا:

”تو بس یہی چاہتا ہوں کہ مجھے رخصت دو“ جہانگیر نے آپ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا[۱۲۰]۔

جہانگیر اسی طرح حضرت مادھو لال حسین کا بھی عقیدت مند بن گیا اور اس نے آپ کا روزنامچہ لکھنے کی خدمت بہادر خاں کے سپرد کی[۱۲۱]۔

حضرت شیخ سلیم چشتی کے صاحبزادے شیخ قطب الدین کو جہانگیر نے اونچے عہدے پر فائز کیا[۱۲۲]۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......شفیق بریلوی، محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک، ص۔ ۴۱

۲......محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک، ص۔ ۳۹

۳......چوہدری محمد علی، ظہور پاکستان

۴......Dr. Shafiq Ali Khan. "Two Nation Theory" P.101

۵......خزینۃ الاصفیاء، بحوالہ تاریخ نظریہ پاکستان، ص۔ ۳۹، ۴۰

۶......"Two Nation Theory" P.102

۷......ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص۔ ۱۵

۸......شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص۔ ۷۷

۹......وحید احمد مسعود، سوانح حضرۃ بابا فرید الدین مسعود، ص۔ ۲۵

۱۰...... صلاح الدین ناسک تحریک آزادی، ص۔ ۷۲

۱۱......تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص۔ ۲۹

۱۲......ایضاً ص۔ ۴۶

۱۳......تاریخ فرشتہ بحوالہ ایضاً، ص۔ ۵۷

۱۴......تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص۔ ۵۷

۱۵......ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید

۱۶......*"Two Nation Theory"*

۱۷......سید مناظر احسن گیلانی، تذکرہ مجدد الف ثانی (مرتبہ محمد منظور نعمانی)، ص۔ ۷۸

۱۸......ملا عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' ص۔ ۳۰۵

۱۹......"Two Nation Theory"

۲۰......"Two Nation Theory"

۲۱......Bamleer Gascoigns,"The Great Mughuls" P.081)

۲۲......IBID P-81

۲۳......آباد شاہ پوری، حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات. ص, ۳۸

۲۴......"The Great Mughuls" P.82

۲۵......"The Great Mughuls" P.82

۲۶......"The Great Mughuls" P.82

۲۷......"The Great Mughuls" P.81

۲۸......Sir Ram Sherma., "The Religious policy of the Mughul Emperor" P-42-43

۲۹......IBID P.22 ۳۰......IBID P.23 ۳۱......IBID P.23

۳۲......بحوالہ ایضاً، ص۔ ۲۴

۳۳......ملا عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ، ص۔ ۲۴

۳۴......"Two Nation Theory"P.92

۳۵......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۲۶

۳۶......"The Great Mughuls" P-81

۳۷......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۴۳

۳۸......ایضاً، ص۔ ۲۴۰

۳۹......ایضاً، ص۔ ۲۴۴

۴۰......منتخب التواریخ، ص۔ ۳۳۸

۴۱......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۴۰

۴۲......منتخب التواریخ، ص۔ ۳۰۸

۴۳......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۴۶، ۲۴۷

۴۴......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۵۶

۴۵......مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، ص۔ ۳۰

۴۶......مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، ص۔ ۳۰

۴۷......منتخب التواریخ، ص۔ ۲۵۹

۴۸......منتخب التواریخ، ص۔ ۳۹۱

۴۹......ایضاً، ص۔ ۳۷۲

۵۰......ایضاً، ص۔ ۳۷۶

۵۱......ایضاً ص ۳۹۲

۵۲......حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات، ص۔ ۵۲، ۵۳

Syed Anwar Ali, "Real Achievement of the Human life" P.233......۵۳

"Two Nation Theroy". P.92......۵۴

"Two Nation Theroy".P.95 ......۵۵

IBID P.96 ......۵۶

The religious policy of the Mughul Emperors P-71 ......۵۷

۵۸......مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب ۹۲، ص۔ ۱۶۲، ج ۲

۵۹......ابوالکلام آزاد، تذکرہ

۶۰......مکتوب ۴۶ جلد اول۔ ص، ۶۵

۶۱......مکتوب ۲۶۶، جلد اول

۶۲......ایضاً

۶۳......منتخب التواریخ۔ ص، ۳۱۱

۶۴......سید مناظر احسن گیلانی۔ تذکرہ مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی، ص۔ ۸۷

۶۵......تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۸۹

۶۶......مکتوب ۴۷۔ ص۔ ۶۵ جلد اول

۶۷......مکتوب ۸۱، ص۔ ۱۰۶، جلد اول

۶۸......مکتوب ۴۷، ص۔ ۶۶، جلد اول

۶۹...... مکتوب ۴۷، ص۔ ۶۵، جلد اول

۷۰...... مکتوب ۹۲، ص۔ ۱۶۲، جلد دوئم

۷۱...... سررام شرما۔ ادی ریلجیس پالیسی آف دی مغل ایمپررز، ص۔ ۷۳ (مغل حکمرانوں کی مذہبی پالیسی)

۷۲...... مکتوب ۶۸، ۹۲، ص۔ ۱۳۸، ۱۶۲، جلد دوم

۷۳...... مکتوب ۸۱، ص۔ ۱۰۶، جلد اول

۷۴...... "The Great Mughuls" P81

۷۵...... مکتوب ۶۵، ص ۸۲۔ ج اول

۷۶...... مکتوب ۴۷، ص ۶۵، جلد اول

۷۷...... (تلخیص) مکتوب ۶، ص۔ ۱۷، جلد دوم

۷۸...... مکتوب ۶۵، ص۔ ۸۲، ۸۳، جلد اول

۷۹...... مکتوب ۸۱، ص ۱۰۶، جلد اول

۸۰...... مکتوب ۱۹۵، ص۔ ۱۹۵، جلد اول

۸۱...... مکتوب ۶۷، ص۔ ۱۳۳، ۱۳۴، جلد دوم

۸۲...... مکتوب ۶۷، ص۔ ۱۳۵، جلد دوم

۸۳...... مکتوب ۴۷، ص۔ ۶۵، جلد اول

۸۴...... مکتوب ۴۷، ص۔ ۶۶، جلد اول

۸۵...... مکتوب ۵۱، ص۔ ۶۸، جلد اول

۸۶...... مکتوب ۴۸، ص ۶۶، ۶۷، جلد اول

۸۷...... مکتوب ۱۹۳، ص۔ ۱۹۳، ۱۹۴، جلد اول

۸۸...... مکتوب ۱۹۳، ص۔ ۱۹۴، جلد اول

۸۹...... مکتوب ۵۳، ص۔ ۷۰، جلد اول

۹۰...... مکتوب ۱۹۴، ص۔ ۱۹۴، ۱۹۵، جلد اول

۹۱...... خزینۃ الاصفیاء بحوالہ رودِ کوثر، ص۔ ۲۷۰

۹۲...... زبدۃ المقامات، بحوالہ رود کوثر، ص۔ ۲۶۴

۹۳...... اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص۔ ۱۲۶

۹۴...... رودِ کوثر، ص۔ ۲۶۷

۹۵...... مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، ص۔ ۳۳

۹۶......"Religious Policy of the Muguhl Emperors" P.80

۹۷......"IBID" P. 80-81 ۹۸...... "IBID" P.81

۹۹......تو زک جہانگیری، ص۔ ۲۷۵

۱۰۰......حضرات القدس دفتر دوم، ص ۸۹۔ ۹۰

۱۰۱......ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔ دعوتِ اسلام مترجم شیخ عنایت اللہ، ص۔ ۳۸۹

۱۰۲......ایضاً، ص۔ ۳۹۰

۱۰۳......مکتوب ۸۷، ص۔ ۱۳۱، جلد سوم

۱۰۴......مکتوب ۲۹، ص۔ ۴۶، جلد دوم

۱۰۵......رودِ کوثر، ص۔ ۲۷۱

۱۰۶......"IBID" P.81

۱۰۷......اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص۔ ۱۶۶

۱۰۸......مکتوب بنام صاحبزادگان، مکتوب نمبر ۴۳، ص ۷۶۔ جلد سوم

۱۰۹......ایضاً

۱۱۰......خزینۃ الاصفیاء، ص۔ ۶۱۳، حصہ اول

۱۱۱......حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات، ص۔ ۶۴

۱۱۲......(مغلیہ حکمرانوں کی مذہبی پالیسی)، ایضاً، ص۔ ۸۶

۱۱۳......"Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi".

۱۱۴......"The Administration of the Mughul Empire" P-7

۱۱۵......"IBID" P.7

۱۱۶......سید بشیر احمد سعدی "دس ولی" ص۔ ۱۶۹، ۱۷۰

۱۱۷......روضۃ القیومیہ، بحوالہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، ص۔ ۳۴، ۳۵

۱۱۸......"Two Nation Theory" P. 96 ۱۱۹......"IBID" P.95

۱۲۰......ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، "تذکرہ اولیائے پاک و ہند" ص۔ ۲۸۴

۱۲۱......ایضاً، ص۔ ۲۶۳

۱۲۲......تاریخ فرشتہ بحوالہ، ایضاً، ص۔ ۲۴۸

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ سوم

اولاد بھی ہے پیکر آیاتِ الٰہی
ہیں ان کے کمالات میں ہمرنگ یہ ابرار
(تاؔج)

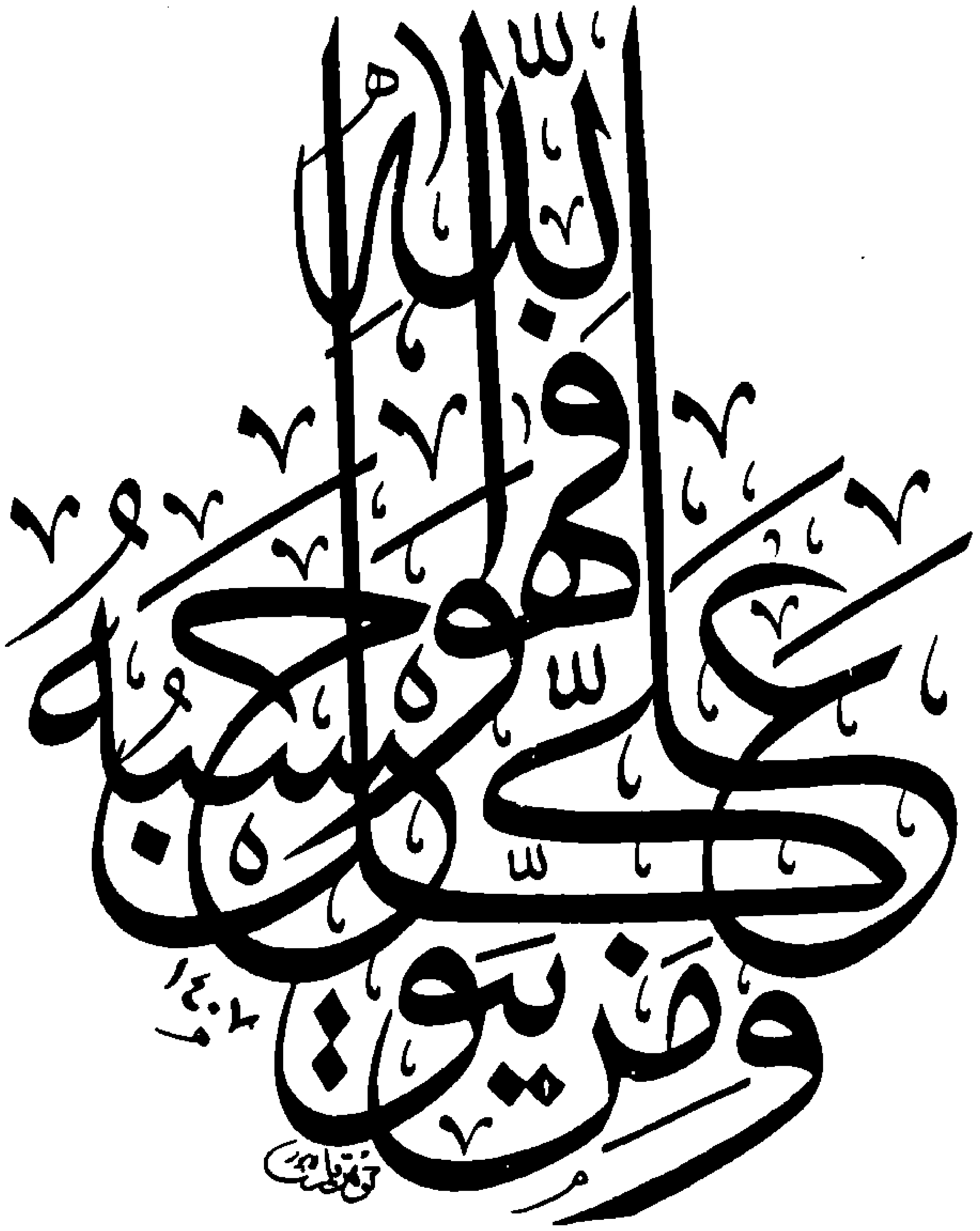
ومن يتوكل على الله فهو حسبه
١٤٠٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خاندانِ مجدد کا زریں کردار

سردار علی قادری

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی کی وفات (۱۰۳۴ھ) کے بعد ان کے صاحبزادگان اور نامور خلفاء نے حضرت مجدد کے مشن کو جاری رکھا۔ اگرچہ حکمران طبقے کی اصلاح ہو چکی تھی لیکن عوام کے اندر بعض غیر اسلامی رسوم ورواج کا خاتمہ اور انہیں روحانیت کی تعلیم دینا ان حضرات کا مشن تھا۔ خانقاہ مجددیہ اس دور میں ایک عظیم الشان اسلامی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس خانقاہ کے اندر اسلام کے اصول وضوابط پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی جاتی تھی اور مسلمانوں کے کردار اور شخصیت کو مثالی بنانے کے لیے ان کی تربیت ہوتی تھی، یہ کام اتنی ٹھوس بنیادوں پر ہوا کہ اس کے اثرات بعد کی صدیوں میں ظہور پذیر ہوئے۔

اکبری دور کی خرافات کی بدولت بے راہرو مسلمانوں کو تشکیک کی دلدل سے نکال کر یقین اور حقانیتِ اسلام کے عقیدے کو اسطرح دلوں میں اجاگر کر دیا گیا کہ ''دوقومی نظریہ'' کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئیں۔

سید ابوالحسن علی ندوی ''خانقاہ مجددیہ'' کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

> حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) کی خانقاہ میں ایک ایک ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے۔
>
> ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور سیکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ ۱۰۵۲ھ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو

> سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہم رکاب تھے۔ طالبین کا اتنا مجمع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجہاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا، مجدد صاحب کے نامور خلیفہ اور صاحبزادہ خواجہ معصوم (م ۱۰۷۹ھ) کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے[1]۔

شاہجہاں جو جہانگیر کے بعد ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا حکمران بنا تھا، بحیثیت مجموعی ایک اچھا حکمران تھا، اس نے اسلامی عظمت و سطوت کے اظہار کے لیے مساجد بنوائیں، اولیائے کرام سے خصوصی عقیدت و لگاؤ رکھتا تھا اور ہندوؤں کے متعلق اس کا رویہ نرم نہیں تھا۔ بلکہ اس نے نئے مندروں کی تعمیر روک دی تھی۔

شاہجہاں کی یہ مذہبی پالیسی ہندوستان میں مسلم قومیت کے احیاء کے لیے اہم کوشش تھی اور بالواسطہ طور پر حضرت مجدد کی بے مثال تحریک کا ایک نتیجہ تھی۔

روحانیت سے اس کے تعلق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب حضرت میاں میر کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

> شہنشاہ شاہجہاں دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے شاہجہاں کو نصیحت فرمائی۔ عادل بادشاہ کو اپنی رعایا اور سلطنت کی خبر گیری کرنی چاہیے اور اپنی تمام ہمت اپنی تمام ولایت کو آباد کرنے میں صرف کرنی چاہیے کیونکہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد ہے تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پُر ہوگا[2]۔
>
> شاہجہاں نے اپنے زمانے میں اکثر بدعتوں کو جو جہانگیری دور میں باقی رہ گئی تھیں دُور کیا اور حکم دیا کہ اشرفی اور روپے کے سکوں پر کلمہ طیبہ اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کندہ کیے جائیں اور تمام شہروں، قصبوں اور دیہات میں مسجدیں اور مدرسے بنائے جائیں۔ چنانچہ بکثرت مساجد اور مدارس تعمیر کیے گئے اور علماء و فقراء اور حفاظ کے

وظائف مقرر کیے گئے۔ اور دین اسلام کی ترویج میں بے حد کوشش کی گئی[3]۔

حضرت مجدد کے صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم نے بھی اپنی زندگی میں مکاتیب کا سلسلہ جاری رکھا۔ حکمرانوں کے نام ان کے خطوط اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ وہ حکمرانوں کی اصلاح سے غافل نہیں رہے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ حکمرانوں کی قلبی تطہیر میں صوفیہ کرام کا کس قدر ہاتھ تھا۔

شاہجہاں سے متعلق H. Moreland, Atul Chandra Chatherjee لکھتے ہیں:

> Like his father. Shah Jahan was the son of a Rajput mother, so that by blood he was more than half a Hindu, but he is the first of the dynasty who can be described as an orthodox Muslim. It could be going too far to call him a systematic persecutor, but the Administration was invigorated on the religious side, and the interests of Islam were put first. Hindus were prevented from building new temples, the Jesuit missionaries at Agra were for a short time actively presecuted, in the Chronicles Moslems stand out quite clearly as the ruling class.[4]

ترجمہ۔ اپنے باپ کی طرح شاہجہاں ایک راجپوت ماں کا بیٹا تھا۔ اس طرح خونی رشتے کی وجہ سے وہ نصف سے زیادہ ہندو تھا۔ لیکن شاہی خاندان کا وہ پہلا فرد تھا جسے ایک سنّی مسلمان کہا جا سکتا ہے، اسے ظالم کہنا تو زیادہ مناسب نہ ہوگا۔ لیکن انتظامیہ مذہبی طرف دار ضرور بن گئی تھی، اور اسلام کے مفادات کو مقدم رکھا جاتا تھا۔ ہندوؤں کو نئے مندر تعمیر

> کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ عیسائیوں کا آگرہ میں تبلیغی مشن مختصر عرصے میں تیزی سے تباہ کردیا گیا اور تاریخ میں مسلمان بالکل واضح طور پر حکمران طبقہ بن گئے۔

نظامِ حکومت میں اتنی واضح تبدیلیاں حضرت مجدد کی تحریک کی مرہونِ منت نہیں تھیں تو اور کیا تھا؟

مغلیہ سلطنت کا نامور حکمران اورنگ زیب عالمگیر ایسی شخصیت ہے جس پر حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات و افکار کا براہِ راست انقلاب آفریں اثر نظر آتا ہے۔ وہ ایک مثالی مسلمان حکمران تھا، جس نے خود اپنے کردار سے ثابت کیا کہ ایک مسلمان حکمران کی شخصیت اور کردار کو کس سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا چاہیے اس کے دور میں برصغیر میں اسلام، نظام حکومت و سیاست کے ہر شعبہ میں اس طرح دخیل ہو چکا تھا کہ اس کی واضح اور گہری چھاپ دکھائی دیتی تھی، اسلامی علوم اور خصوصاً اسلامی فقہ پر حکومتی سطح پر ''ریسرچ'' ہوتی تھی اور اس کے نتیجے میں ایک عظیم علمی ذخیرہ ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے مسلمانانِ ہند کے سامنے آیا، جو مسلمانانِ عالم کے لیے وجہِ افتخار بنا۔ مختصر یہ کہ اسلام اس کے دور میں عروج پر تھا اور ہندوؤں کی پالیسیاں دم توڑ چکی تھیں۔ اسی لیے تو متعصب انگریز اور ہندو مصنفین اسی کے متعلق لکھتے ہیں:

> Aurangzeb had many good qualities, great personal courage, a cool and clear head, Untiring industroy, a deep sense of religion and complete control over the ordinary passions of human nature; but these could not avail against his lack of statesmanship himself a rigid Moslem, his guiding principle was to organise the empire in strict accordance with the public law of Islam, and he persued this course without any recognition of the facts which it is a stateman business to take into account. His reign was thus tragedy, for his religions, as he

understood it compelled him to wreck his Sirhindi by reversing the policy adopted by Akber, which had made its existance possible.[۵]

ترجمہ۔ اورنگ زیب بہت سی اچھی خصوصیات کا حامل تھا، عظیم ذاتی حوصلہ، معتدل مزاج، کبھی نہ تھکنے والا جسم، مذہب کا گہرا شعور اور انسانی فطرت کے عام جذبات پر مکمل کنٹرول، لیکن یہ خصوصیات اس کی حکومت کرنے کی صلاحیت کی کمی کو پورا نہیں کرسکتی تھیں، وہ ایک سخت مسلمان تھا۔ اس کا راہنما اُصول سلطنت کو اسلام کے شخصی قانون کے مطابق سختی سے منظم کرنا تھا، اور اس نے یہ راستہ ان حقائق کو تسلیم کیے بغیر اختیار کیا۔ جن کو خاطر میں لانا ایک حکمران کا کام ہوتا ہے، اس کا دورِ حکومت اس طرح اس کے مذہب کے لیے ایک المیہ تھا، جیسا کہ وہ خود بھی سمجھتا تھا۔ مذہبی جذبے نے اسے اپنی سلطنت کو تباہ کرنے اور اکبر کی اختیار کردہ پالیسی سے انحراف پر مجبور کیا جس (پالیسی) نے اس کی موجودگی کو ممکن بنایا تھا۔

کتاب مذکورہ کے ہندو اور انگریز مصنّفین نے اس پیرایہ میں جس خبثِ باطن کا اظہار کیا ہے اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اورنگ زیب کا عہد جو مسلمانانِ برِصغیر کے لیے ایک زریں عہد تھا ہندوؤں کے لیے کتنا کٹھن تھا۔ اس میں اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کو اسلام کے لیے المیہ قرار دیا گیا ہے، شاید اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب کے بعد مغلیہ سلطنت کی شان وشوکت کا خاتمہ ہوگیا اور یہ سب اورنگ زیب کی پالیسی کی وجہ سے ہوا۔ اگر اورنگ زیب یہ پالیسی اختیار نہ کرتا تو شاید مغلیہ سلطنت ختم نہ ہوتی اسی لیے تو لکھا ہے کہ اس نے (اورنگ زیب نے) اکبر کی پالیسی کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جس پالیسی نے اس کے وجود کو ممکن بنایا تھا، یعنی اکبر اگر ہندوانہ پالیسی اختیار نہ کرتا تو ہندو مغلیہ سلطنت کے خاتمے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کردیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کا خاتمہ اورنگ زیب کی پالیسیوں کے نتیجہ میں نہیں ہوا بلکہ اس کے

جانشیں نااہل ثابت ہوے اور باہمی لڑائیوں کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ وگرنہ اورنگ زیب نے ایک کامیاب حکمران کیطرح حکومت کا نظام چلایا۔

یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ اورنگ زیب کو برسرِ اقتدار لانے میں خاندانِ مجدد کی قوتیں ہمراہ تھیں۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی حضرت مجدد کے صاحبزادہ حضرت شیخ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ کی دعاؤں کی مرہون منت تھی، ورنہ شاہجہاں کے بعد اس کے بیٹے داراشکوہ کی تخت نشینی کا زیادہ امکان تھا۔

شاہجہاں کے آخری دنوں میں وہی سیاہ وسفید کا مالک بن گیا تھا۔

> داراشکوہ کو ہندوستان پر پوری طرح تسلُّط حاصل ہوگیا تو اس نے شاہجہاں کے پاس امورِ سلطنت اور رعایا کی خبریں پہنچانی بند کر دیں۔ وہ نہ ہی بادشاہ کی خیریت وعافیت کی اطلاع رعایا کو دیتا۔ حتیٰ کہ شہزادوں کے خطوط بھی بادشاہ تک پہنچنے کی ممانعت کر دی بلکہ بادشاہ کیطرف منسوب کر کے خود اپنی حسبِ منشا خطوط کے جوابات دینے اور جملہ احکامات جاری کرنے لگا۔ اورنگ زیب کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو بہت غصہ آیا۔ چونکہ حضرت عروۃ الوثقیٰ (خواجہ محمد معصوم) نے اس کو سلطنتِ ہند کی بشارت دی ہوئی تھی اس نے مراد بخش کو اپنے ساتھ ملا کر چالیس ہزار سوار اپنے ہمراہ لے کر ہند کا رخ کیا۔ یہ دونوں دریائے نربدا کے پار آ گئے۔ جب ان کی آمد کی خبر داراشکوہ کو ہوئی تو بادشاہ کی طرف سے ان کو حکم امتناعی صادر کر دیا۔ لیکن اورنگ زیب نے کہلا بھیجا کہ تم اتنی مدت باپ کی خدمت میں رہے ہو۔ اب ہمیں اُن کی خدمت میں رہنے دو۔ داراشکوہ نے دوبارہ حکمِ امتناعی بھیجا۔ لیکن اورنگ زیب نے پروانہ کی اور اکبرآباد کا رخ کیا۔ جب داراشکوہ نے دیکھا کہ اورنگ زیب سر پر چلا آ رہا ہے تو مجبوراً ہندوستان کے مہاراجہ (جسونت) سے کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے اورنگ زیب کو ہندوستان نہ آنے دو۔ مہاراجہ ایک کثیر لشکر لے کر اورنگ زیب کے مقابلے کے لیے روانہ ہوگیا۔

> نیز داراشکوہ نے قاسم خاں نامی ایک رکن سلطنت کو بھی ایک کثیر فوج دے کر مہاراجہ کے ساتھ کیا۔ ابھی یہ مالوہ پہنچے تھے کہ اورنگ زیب سر پر آ پہنچا۔ مہاراجہ جسونت نے اورنگ زیب کو پیغام بھیجا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں آگے بڑھنے نہیں دونگا۔ اورنگ زیب نے حضرت عروۃ الوثقیٰ کے فرزند محمد اشرف کی خدمت میں (جنہیں حضرت عروۃ الوثقیٰ تسلی کے لیے اس کے پاس چھوڑ گئے تھے) دعاوتوجہ کی درخواست کی۔ آپ نے توجہ بالخیر کے بعد فرمایا کہ اِن شاء اللہ آپ کی فتح ہوگی اور چونکہ حضرت عروۃ الوثقیٰ کا باطن مبارک (دلی توجہ) آپ کی طرف ہے اس لیے نہ صرف یہ فتح بلکہ اور بہت سی فتوحات کی قوی امید ہے۔
>
> اورنگ زیب یہ خوشخبری سن کر نہایت فرحاں وشاداں ہوا اور فاتحہ پڑھ کر جنگ کے لیے روانہ ہوگیا۔ دونوں طرف سے جنگ کا بازار گرم ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اورنگ زیب کو فتح حاصل ہوئی اور مہاراجہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اورنگ زیب شکرِ الٰہی بجالایا[٦]۔

خاندانِ مجددیہ کی طرف سے اورنگ زیب عالمگیر کی روحانی حمایت کس قدر اہم فیصلہ تھا اور اس فیصلہ کا برصغیر کی مستقبل کی سیاست پر کتنا گہرا اثر پڑنے والا تھا اس کا اندازہ اورنگ زیب اور داراشکوہ کی شخصیات کے باہمی جائزے سے کیجیے۔

> ان کے درمیان فقط ذاتی مقاصد وخواہشات ہی کی دیوار حائل نہ تھی بلکہ ان کے خیالات ان کے عقائد، ان کے طور طریقوں اور ان کی طبیعتوں میں بُعد المشرقین تھا۔ داراشکوہ اور اورنگ زیب دونوں مذہب میں دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن ان کے مذہب میں زمین وآسمان کا فرق تھا، داراشکوہ آزاد خیال صوفیوں کا پیرو تھا، اورنگ زیب متشرع بلکہ متشدّد علماء کا۔ دارا کی وسعتِ مشرب کا تو یہ عالم تھا کہ وہ ہندو موحدین کی مجلس

میں اسی ذوق وشوق سے شریک ہوتا۔ جس طرح مسلمان صوفیہ کی محفل میں اورنگ زیب کا یہ حال تھا کہ اس کے نزدیک شیعہ مسلمان بھی زندیق تھے۔ بعد میں یہ رنگ ہلکا ہوگیا۔ لیکن شروع میں جو اورنگ زیب کا حال تھا اس کا اندازہ ایک خط سے ہوتا ہے جو اس نے ایّام شہزادگی میں شاہجہاں کو لکھا اور جس میں والی گولکنڈہ کی نسبت کہا ہے:

رفض وسب اصحاب کبار را کہ محض کفر وزندقہ است در قلمرو خویش شائع گردانیدہ[7]۔

ترجمہ۔ عظیم المرتبت صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں جو کفر اور گمراہی ہیں اس کی حدود سلطنت میں عام ہورہی ہیں۔

بنابریں اس امر میں کسی قسم کا ابہام نہیں رہ جاتا کہ خاندان مجدّدیہ نے اورنگ زیب کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

حضرت خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم شاہجہاں کے آخری ایام میں ۱۶۵۶-۵۷ء میں اکٹھے حج کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً تین سال ہندوستان سے باہر رہے جب وہ روانہ ہوئے تو داراشکوہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ واپس پہنچے تو عالمگیر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ دونوں بھائیوں کی بلکہ خاندانِ مجددیہ کے تمام سربرآوردہ افراد کی قدردانی ہوئی۔ لیکن خواجہ محمد سعید کی صحت اب ٹھیک نہ رہتی تھی وہ سفرِ حج میں ہی ایک دفعہ اتنے بیمار ہوئے تھے کہ امیدِ زیست نہ رہی تھی۔

واپسی پر ایک دفعہ اورنگ زیب کی دعوت پر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سخت بیمار ہوگئے، بادشاہ نے علاج میں بڑا اہتمام کیا لیکن طبیعت نہ سنبھلی۔ چنانچہ آپ سرہند کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ سرہند میں مدفون ہوئے۔ آپ کا سال وفات ۱۰۷۰ھ بتایا جاتا ہے[8]۔

حضرت شیخ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ (حضرت مجدد کے تیسرے صاحبزادے)

جب خانقاہ مجددیہ پر رونق افروز تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ

سیف الدین کو اورنگ زیب کے لشکر میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا۔
اورنگ زیب آپ کے ارشادات کو توجہ اور ادب سے سنتا تھا[9]۔

حضرت عروۃ الوثقیٰ کی وفات اورنگ زیب کے دسویں سال جلوس ۱۰۷۹ھ (۶۹-۱۶۶۸ء) میں ہوئی مزار مبارک سرہند میں ہے[10]۔

حضرت عروۃ الوثقیٰ کے بعد آپ کے صاحبزادہ شیخ محمد صبغۃ اللہ قدس سرّہٗ (۱۰۳۲ھ تا ۱۱۲۱ھ) مسند نشین خانقاہِ مجددیہ رہے۔ اورنگ زیب آپ کا بھی معتقد رہا اور حاضری دیتا رہا[11]۔

حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ قدس سرّہ ۱۰۳۴ تا ۱۱۱۴ھ/ ۱۶۶۵ تا ۱۷۰۲ھ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے فرزند دوم تھے، حضرت خواجہ محمد نقشبند جب حج کے لیے جانے لگے تو شاہجہاں آباد میں اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کا استقبال کیا اور شاہی محل میں ٹھہرایا اور بڑے تزک و احتشام سے رخصت کیا۔ وہ ان کا اس قدر معتقد تھا کہ اپنے چہیتے بیٹے شاہزادہ کام بخش کو حضرت کی صحبت میں رہنے کا مشورہ دیا اور وہ آپ کے ساتھ رہنے لگا۔ اس کا تذکرہ حضرت خواجہ محمد نقشبند نے اپنے مکتوبات میں بھی کیا ہے[12]۔

۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوالحسن تاناشاہ پر چڑھائی کرنے کے سلسلہ میں عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ آج رات ہم اس بارے میں استخارہ کرتے ہیں، جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوگا بتا دیا جائے گا۔ دوسرے دن بادشاہ حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تم کو فتح ہوگی اور مخالفین رسواء اور ذلیل ہوں گے[13]۔

اورنگ زیب کو حضرت حجۃ اللہ سے اس درجہ کی عقیدت تھی کہ وہ ایک عام آدمی کی حیثیت سے آپ کی محفل میں حاضر ہوتا اور مریدین کی صف میں مراقبے میں شامل ہو جاتا۔ حضرت اس سے اس وقت بات چیت کرتے جب مراقبہ اور وظائف سے فارغ ہو جاتے حتّٰی کی جب حضرت حجۃ اللہ سواری پر سوار ہوتے تو اورنگ زیب احتراماً پیادہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا[14]۔

جب کبھی حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ دار الحکومت میں قیام پذیر ہوتے تو اورنگ زیب عالمگیر راتوں کو تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور تنہائی میں فیض حاصل کرتا ۱۵۔

شاہی خاندان کے تمام افراد آپ کے معتقد تھے، شاہجہاں کی بیٹی گوہر آراء آپ کی مرید اور عقیدت مند تھی، اور شاہجہاں آباد میں وہی آپ کے قیام کا انتظام کرتی تھی ۱۶۔

حضرت شیخ محمد معصوم عروۃ الوثقٰی کے تیسرے صاحبزادے حضرت شیخ محمد عبید اللہ مروج الشریعہ (۱۰۳۷ھ/ تا ۱۱۱۷ھ) اور چوتھے صاحبزادے حضرت شیخ محمد اشرف محبوب اللہ (۱۰۴۳ھ/ تا ۱۱۵۰ھ) یکے بعد دیگرے سربرآرائے مسند خانقاہ مجددیہ ہوے، آپ کے پانچویں صاحبزادے حضرت خواجہ سیف الدین محی السُنہ ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء تا ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء تھے، اورنگ زیب عالمگیر حضرت خواجہ سیف الدین کا مرید تھا آپ کو ہی حضرت عروۃ الوثقٰی نے اورنگ زیب کی باطنی تطہیر کے لیے شاہجہاں آباد بھیجا تھا۔ ممکن ہے کہ اس دور میں اورنگ زیب آپ سے بیعت ہوا ہو۔ آپ کی شخصیت اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ خاندانِ مغلیہ میں ابھی تک جو غیر اسلامی نقوش باقی تھے وہ آپ نے ختم کیے۔ آپ جب شاہی محل میں پہنچے تو وہاں پر آپ کو ہندو اثرات کے تحت بنی ہوئی تصاویر نظر آئیں۔ آپ نے محل میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ جب تک یہ تصاویر نہیں ہٹائی جائیں گی میں اندر داخل نہیں ہوں گا۔ نتیجتاً وہ تصاویر ہٹائی گئیں ۱۷۔

اورنگ زیب شروع سے ہی مذہبی خیالات کا حامل تو تھا ہی لیکن آپ کی صحبت اور وعظ و تربیت نے کچھ اور رنگ دکھایا اور یوں وہ ایک مثالی اسلامی حکمران بن گیا۔ یہ آپ کی ہی تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ اس نے ہندوستان کے ساحلوں پر عیسائیوں کے شاہجہاں کے زمانے میں تعمیر کردہ قلعوں کو ختم کیا، یہ قلعے ساحلی شہروں کے علاوہ پہاڑوں اور دشوار گزار مقامات پر بھی بنائے گئے تھے اور باقاعدہ دیہات آباد کر لیے گئے۔ اذان اور نماز پر پابندی لگا دی گئی۔ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی نابالغ اولاد کو گرجا میں تربیت دی جاتی۔ جہاں پادری اسے عیسائیت کی طرف مائل کرتے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی کافی تعداد کو عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کو پتا چلا تو اس نے ان کے مرکزی مقام

گوا (جزیرہ) پر فوج کشی کا حکم دیا۔ گلشن آباد کے فوجدار معتبر خان نے بڑی آسانی سے قلعہ فتح کر لیا[۱۸]۔

علاوہ ازیں اس نے امورِ مملکت کو جس طرح چلایا اس کا خاکہ شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف میں یوں کھینچا ہے۔

> تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس نے بھنگ وغیرہ کاشت کرنے کی ممانعت کر دی۔ شراب نوشی ممنوع قرار دی۔ جواء بند کر دیا۔ بدکاری کے خلاف پوری کوشش کی۔ بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں۔ ان احکام کی تعمیل کرانے کے لیے محتسب مقرر کیے۔ ۱۶۶۴ء میں اس نے ستی کی ممانعت کی اور بچوں کو بطور غلام یا خواجہ سرا بیچنے کے خلاف احکام جاری کیے۔
>
> اس کے علاوہ اس نے خود اپنی پرہیزگاری اور سادگی سے اپنی رعایا کے لیے نیک مثال قائم کی۔ بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا۔ اگرچہ وہ خود موسیقی کا ماہر تھا لیکن اس نے گانے والوں اور گانے والیوں کو دربار سے ہٹا دیا۔ اس کی سالگرہ پر جو اسراف ہوتا تھا۔ اسے ترک کر دیا اور شاہجہاں کی ضیافتوں اور فضول خرچیوں کی وجہ سے رعیت پر جو ٹیکسوں کا بوجھ پڑا ہوا تھا۔ اسے ہلکا کر دیا۔ اس نے تقریباً اسّی ٹیکس معاف کیے۔
>
> وہ عالموں اور بزرگوں کی قدر کرتا۔ اس نے ملک کا انتظام شرع کے اصولوں پر قائم کیا تھا۔ اور عدل وانصاف کا محکمہ علماء کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت اسلامی قوانین سے متعلق کوئی مستند اور جامع کتاب نہ تھی۔ اس نے تمام ملک کے قابل علماء کو جمع کر کے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے حنفی فقہ کی ضخیم کتاب مرتب کروائی۔ جو اب تک بڑی اہم اور مستند سمجھی جاتی ہے۔
>
> وہ خود بڑی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف لکھ کر کماتا۔ اس نے ۲۱ فروری

۱۷۰۷ء کو بروز جمعہ نوے سال کی عمر میں بمقام احمد نگر میں وفات پائی اور اورنگ آباد سے بارہ کوس کے فاصلے پر ''روضہ خلد آباد'' میں دفن ہوا۔ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ چار روپے دو آنے جو میں نے ٹوپیاں بنا کر کمائے ہیں میرے کفن پر خرچ ہوں اور تین سو پانچ روپے جو میں نے قرآن شریف لکھ کر ہدیۂ حاصل کیے ہیں مساکین میں تقسیم کیے جائیں۔ حسب وصیت اسکی تدفین نہایت سادہ ہوئی اور اس کی قبر پر کوئی عالی شان عمارت نہیں [۱۹]۔

ایک کامیاب حکمران ہونے کے علاوہ وہ ایک زاہد وعبادت گزار متقی مسلمان تھا۔ وہ کابل وقندھار سے لیکر دکن تک کا حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ اوّل وقت میں نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتا تھا۔ سنن ونوافل کی پابندی کرتا تھا۔ سخت گرمی میں رمضان کے روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کے علاوہ عشرہ اخیر میں اعتکاف کرتا تھا۔ ہر ہفتہ، بدھ، جمعرات اور جمعہ روزہ رکھتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہ کر اذکار میں مصروف رہتا۔ ہر صبح تلاوت قرآن مجید کرتا اس کی اس نہج پر تربیت حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے حضرت خواجہ سیف الدین نے کی۔ جن کا وہ مرید تھا۔ اور ان کی صحبت میں اکثر حاضر ہو کر ان سے باطنی استفادہ کرتا [۲۰]۔

حضرت خواجہ سیف الدین نے حکمران کی تربیت کے ساتھ ''عوامی اصلاحی مہم'' بھی شروع کر رکھی تھی، شیخ سیف الدین سرہندی متوفی ۱۰۹۶ھ کی خانقاہ (دہلی) میں طالبین کے ہجوم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صاحب ''ذیل الرشحات'' کے بیان کے مطابق ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت ان کے دسترخوان پر اپنی فرمائش اور خواہش کے مطابق کھانا کھاتے تھے [۲۱]۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی کی تعلیمات کا اتنا گہرا اثر اورنگ زیب پر پڑا کہ اس نے مسلم ہندوستان سے ہندوؤں کی اس تہذیبی یلغار کے خاتمے کا منصوبہ تیار کرلیا جو وہ اکبر اور جہانگیر کے ابتدائی دور میں کر چکے تھے۔ مندروں کے انہدام سے متعلق ایک واضح پالیسی اختیار کی گئی اور ہندوؤں کے مقدس

مقامات بنارس اور متھرا کے مندر بھی منہدم کر دیے گئے۔ ستی کی رسم ممنوع قرار دی گئی۔ اس نے مندروں کو گرا کر اس کی جگہ گائے کے مذبح خانے تعمیر کرائے[۲۲]۔

> Aurangzeb thus destroyed the foundations on which Akbar had built the empire-the acquiscence of the masses and the active support of the Rajputs.[۲۳]
>
> ترجمہ۔ اورنگ زیب نے اس طرح وہ بنیاد تباہ کر دی جس پر اکبر نے سلطنت کی تعمیر کی تھی، یعنی عوام کی اطاعت اور راجپوتوں کی بھرپور حمایت۔

بڑی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اورنگ زیب نے ایک جہدِ مسلسل کے بعد مسلمانوں کے جس کھوئے ہوئے وقار کو بحال کیا تھا اور ان کے اندر ایک نئی روح پھونک کر ایک لازوال کارنامہ سرانجام دیا تھا اور ہندوؤں کا اثر و نفوذ ختم کر کے مغلیہ سلطنت کو حقیقی اسلامی سلطنت بنایا تھا۔ اورنگ زیب کے بعد آنے والوں نے اس وقار کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ ہندو مرہٹے ہر جگہ دندنانے لگے، اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت ایک دفعہ پھر بحران کا شکار ہو گئی۔ لیکن اس دفعہ بحران مذہبی کے ساتھ ساتھ سیاسی بھی تھا۔ جس کا تعلق براہِ راست مغلیہ سلطنت کے زوال، مملکت کی حدود میں کمی اور مرکز کے وجود کی غیر اثر پذیری سے تھا۔

> اورنگ زیب کے فوراً بعد ہی اس کے تینوں بیٹوں میں اقتدار کی جنگ چھڑ پڑی۔ معظم نے اپنے بھائیوں اعظم اور کام بخش کا خاتمہ کر کے خود اقتدار سنبھالا۔ ”قطب الدین شاہ عالم بہادر“ (۱۷۰۷/ ۱۷۱۲ء) بنا[۲۴]۔
>
> اورنگ زیب کی وفات کے بعد خواجہ محمد زبیر شمس الدین (۱۰۹۳/ ۱۱۵۲ء) نے ہی شاہزادہ محمد معظم (بہادر شاہ) کو تخت و تاج کی خوشخبری دی تھی[۲۵]۔
>
> شاہزادہ بہادر شاہ کے دور میں سکھوں نے بھی سر اٹھایا۔ انہوں نے کافی لوٹ مار مچائی۔ سرہند کے فوجدار وزیر خاں کو شہید کیا۔ اور سرہند پر قبضہ کر لیا۔ مساجد اور مزارات کو منہدم کیا۔ ادھر سکھوں کی بغاوت پھیل رہی

تھی اور ادھر شہزادہ معظم بہادر شاہ بھی اسی راستے پر چل نکلا جس پر اکبر چلا تھا۔ یعنی دین میں ترمیم کرنے اور عقائد کو بگاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ خواجہ محمد زبیر نے اپنے پند و نصائح سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن جب اسکی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپ نے اس کے لیے بد دعا کی اور وہ مر گیا[۲۶]۔

شاہ عالم کے بعد اسکے چار بیٹوں میں جنگ شروع ہوئی جہاندار شاہ (۱۷۱۲/۱۷۱۳ء) اپنے بھائیوں کی لاشوں سے گزر کر قصر شاہی تک پہنچا۔ لیکن اس کے مقتول بھائی عظیم کے بیٹے فرخ نے بغاوت کر دی۔ اس کے لیے اس نے الہ آباد کے صوبیدار سید علی اور اس کے بھائی سید حسین علی خاں کی مدد سے جہاں دار شاہ کے خلاف اعلان جنگ کیا، آگرہ میں لڑائی ہوئی اور جہاندار کو قتل کر دیا گیا[۲۷]۔

خاندان مغلیہ کے ساتھ خاندان مجددیہ کا برابر رابطہ جاری تھا۔ سجادگان خانقاہ مجددیہ ان کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے، لیکن باہمی آویزش اور قتل و غارت گری شاید انہیں اس طرف سوچنے کی مہلت نہیں دے رہی تھی، خانقاہ مجددیہ کے سجادہ نشین اور حضرت عروۃ الوثقی کے چھٹے صاحبزادے حضرت شیخ محمد صدیق محبوب الٰہی (۱۰۵۷ھ تا ۱۱۳۰ھ) شہنشاہ فرخ سیر کے پیر طریقت تھے، ۱۱۲۳ھ میں فرخ سیر سلطنت کا سربراہ بنا تو اس نے خانقاہ مجددیہ میں تحائف اور ہدایا بھیجے۔ ۱۱۲۸ھ میں فرخ سیر نے سکھوں کیخلاف کارروائی کا فیصلہ کیا اور کارروائی شروع کرنے سے پہلے حضرت خواجہ محمد زبیر سے دعائے خیر کرائی۔ آپ نے دعائے خیر کے ساتھ ساتھ سکھوں کے خلاف بھرپور تحریک کی تلقین کی۔ جس کے نتیجے میں عبدالصمد، نے گورداسپور میں سکھوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ بالآخر سکھوں کا گرو گوبند گرفتار ہوا جسے بعد میں مع دو تین ہزار فوج دہلی میں قتل کر دیا گیا[۲۸]۔

فرخ سیر کو حکمران تو بنا دیا گیا لیکن اصل حکمرانی سید عبداللہ خان اور حسین علی خان کی تھی۔ لہٰذا فرخ کو قتل کر کے رفیع الدرجات جیسے دمہ کے مریض کو کٹھ پتلی حکمران بنا دیا گیا۔ جو تین ماہ بعد چل بسا یہی حال رفیع الدولہ کا ہوا۔ اس کے بعد انہیں سید برادران نے شاہ عالم کے پوتے روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے

۱۷۴۸ء میں بادشاہ بنوایا جو ۱۷۵۹ء تک حکمران رہا۔ محمد شاہ ہی نے ان سید برادران کا خاتمہ کرایا۔ مگر یہ عیاش حکمران اتنا نا اہل تھا کہ وہ مرکز کو مضبوط نہ رکھ سکا۔ جس کی وجہ سے سردار چن قلیچ خان نے دکن کے صوبوں میں خودمختار ریاست قائم کردی اور حیدر آباد کو دارالحکومت بنایا۔ جبکہ سعادت خاں نے اودھ میں خودمختاری کا اعلان کردیا۔ علی وردی خاں نے بنگال بہار اڑیسہ میں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی[۲۹]۔

جب سلطنت مغلیہ روبہٗ زوال تھی تب بھی خانقاہ مجددیہ نے اپنا کردار ادا کیا۔ چونکہ حکمرانوں سے پیرانِ طریقت کا بلاواسطہ رابطہ قائم تھا۔ اس لیے وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رہا[۳۰]۔ لیکن مغلیہ خاندان کے افراد اب عیش وعشرت اور لہو ولعب میں پڑ چکے تھے۔ اس لیے ان نصائح کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور وہ دن بدن کمزور ہوتے گئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت جو پہلے بنگال اور مخصوص علاقہ جات تک محدود تھی اس کی حدود بڑھنے لگیں۔ اس صورتحال کو دیکھ کر خانقاہ مجددیہ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد زبیر نے عیاش حکمرانوں سے کہا تھا کہ:

> برے کاموں سے باز آ جاؤ ورنہ تم پر ایسی بلا نازل ہوگی جو پہلے تم پر نازل نہ ہوئی تھی[۳۱]۔

لیکن حکمران عیاشیوں اور باہمی جھگڑوں میں الجھے رہے، ادھر اندرون خانہ اقتدار کی کشمکش جاری تھی اور ادھر ہندو مرہٹے اپنی خونریز کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے، دراصل جو علاقے خودمختار ہوئے وہ بھی انہی کی کارروائیوں کے نتیجے میں ہوئے۔ کیونکہ مرہٹوں نے جنوبی ہند کے کچھ علاقہ جات پر قبضہ کرلیا تھا، اس حدِ فاصل کی وجہ سے مرکز اور جنوب کے صوبوں کا رابطہ نہ رہ سکا۔

> جنوب ہند میں آزاد مسلم ریاستیں بن گئیں۔ جنہیں مرہٹوں نے شمال کے مسلمانوں سے علیحدہ کردیا اور انہوں نے (مرہٹوں نے) ملک کا مرکز گجرات سے اڑیسہ تک قبضہ میں کرلیا اور اپنا اثر دہلی اور آگرہ کے مضافات تک بڑھالیا[۳۲]۔

یہ ہندوؤں کے عزائم کی ایک واضح جھلک تھی وہ مغلیہ سلطنت کو کمزور ہوتا دیکھ کر اس پر قبضہ کے خواب دیکھ رہے تھے اور ہندومت کے نفاذ کے جلد از جلد خواہاں تھے۔

نادرشاہ نے دہلی پر حملے کر کے رہی سہی کسر پوری کردی پھر حکمران

> یکے بعد دیگرے نااہل ثابت ہو رہے تھے۔ شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء) کے دور میں انگریزوں نے جو کہ بنگال پر قبضہ کر چکے تھے، دہلی آگرہ اور الہ آباد پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور برائے نام بادشاہت رہ گئی۔ اس کے بعد اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء) بھی اپنے باپ کیطرح انگریز کا وظیفہ خوار تھا[۳۳]۔

اکبر شاہ ثانی کا بیٹا سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ ثانی اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس نے اپنے بڑھاپے میں بھی انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی قیادت کی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی اور اسطرح مسلم ہندوستان سے مسلمانون کی حکومت کا باب ختم ہو گیا۔

اس مرحلہ پر اٹھارویں صدی عیسوی کی ان چار اہم شخصیات کا مختصر تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے اقتدار کی بحالی کی بھرپور کوشش کی۔ اور حتی الوسع اسلامی حکمرانی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مدھم لو کو ایک بار پھر جلا بخشنے کی کوشش کی اپنی سعی میں کسی حدتک یہ شخصیات کامیاب بھی ہوئیں۔ لیکن عیش و عشرت کی وجہ سے تباہی و بربادی برصغیر کے مسلمانوں کا مقدر بن چکی تھی۔ یہ چار شخصیات جنہوں نے ڈوبتے ہوئے اسلامی اقتدار کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور سراج الدولہ کی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے دور ۱۷۰۳ء سے ۱۷۶۳ء میں مسلمانوں کے فکری انتشار کو دور کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ حیدر علی، ٹیپو سلطان اور سراج الدولہ نے میدان کارزار میں عملی جہاد کے ذریعے بیرونی طاقتوں کے اقتدار کے خاتمہ کے لیے جدوجہد کی۔

شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں۔

> شاہ ولی اللہ قومی زندگی کے ایک بڑے نازک دور میں پیدا ہوئے ان کا ظہور اس زمانے میں ہوا جب اسلامی حکومت کی بنیادیں اکھڑ رہی تھیں اور اس ملک میں صدیوں جاہ وجلال سے حکومت کرنے کے بعد مسلمان اس قدر آرام طلب اور کمزور ہو گئے تھے کہ وہ مرہٹوں اور سکھوں کے مقابلے میں تساہل اختیار کرتے تھے۔ شاہ صاحب کو اس صورتحال کا

> افسوس ہوتا ہوگا۔ لیکن جو شخص عملی کام کرنا چاہے اسے اپنا دائرہ عمل محدود اور معین کرنا پڑتا ہے۔ شاہ صاحب اپنے آپ کو اس امر کے لیے موزوں نہیں سمجھتے تھے کہ وہ عملی زندگی میں دخل انداز ہو کر واقعات کی رو کو روکیں۔ لیکن جس کام کے لیے وہ موزوں تھے اور جو کچھ کم ضروری نہ تھا (یعنی رسول اکرم ﷺ کی خلافت باطنیہ) اس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی۔ وہ ان عیوب اور کوتاہیوں سے پوری طرح واقف تھے جو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں گھر کر گئی تھیں اور جن کی وجہ سے انہیں یہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہو رہا تھا۔ شاہ صاحب نے انہیں پوری طرح بے نقاب کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کا ازالہ ہو جائے[۳۴]۔

یہاں شیخ محمد اکرام کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عملی کام کے لیے اپنے آپ کو موزوں نہیں سمجھتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے عملی جدوجہد کی تاکہ مسلمان اپنا اقتدار بحال کرسکیں اور اس کی واضح مثال احمد شاہ ابدالی کو آپ کیطرف سے دعوت ہے جس نے ہندوستان میں آکر مرہٹوں کی کمر توڑ دی۔ جن کی یورشوں سے ہندوستان کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا۔

> نواب نجیب الدولہ، شاہ ولی اللہ کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے اور شاہ صاحب ہی کے مشورے پر انہوں نے اور ان کے رفقاء نے احمد شاہ ابدالی کو بلایا تھا۔ اس طرح شاہ صاحب نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے اپنے پروگرام کا ایک حصہ مکمل کرلیا۔ چنانچہ پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی کامیابی نے دہلی کے سیاسی افق کو مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے محفوظ کر دیا، اس واقعہ کے دو برس بعد ۱۱۷۶ھ یعنی ۱۷۶۳ء میں امام ولی اللہ نے وفات پائی[۳۵]۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان دونوں باپ بیٹا وہ بہادر جرنیل ہیں جنہوں نے عزم و استقامت کے ساتھ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کیا، جو مسلم ہندوستان پر اپنا قدم جما رہی تھیں، حیدر علی اور ٹیپو سلطان انگریزوں کی

بڑھتی ہوئی طاقت سے برسرپیکار تھے، جو تاجر کی حیثیت سے یہاں آئے تھے[۳۶] اور اب مسلمانوں کا زوال دیکھ کر مسلم ہند پر حکمرانی کے منصوبے بنا رہے تھے، اور مختلف علاقوں پر قبضہ جما رہے تھے، اگرچہ حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کا حلقہ جدوجہد ایک ریاست یعنی میسور تک محدود تھا، لیکن انہوں نے انگریزوں کے مقابلے میں علمِ جہاد بلند کر کے مسلمانانِ برصغیر کی تاریخ میں درخشندہ روایات قائم کیں۔

> حیدرعلی نے انگریزوں کو وہ سبق دیا۔ جسے وہ آج تک نہیں بھلا سکے۔ بنگلور پر قبضہ کے آٹھ دن بعد حیدرعلی نے اپنے لڑکے ٹیپو سلطان کی مدد سے انگریزوں کو ناک چنے چبوائے۔ پوری انگریزی فوج گرفتار کر لی گئی۔ جس میں ایک جنرل ۴۶/اعلی افسر ۵۴۰/دیگر فوجی عہدے دار اور چھ ہزار سے زائد سپاہی شامل تھے ان کے تمام اسلحہ اور دیگر ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا[۳۷]۔

> حیدرعلی (۱۷۱۷ء۔۱۷۸۲ء) کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی تھی۔ جو اس نے ہندو اور انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے گزار دی اسے اسی خطرہ کا احساس ہو گیا تھا کہ انگریز ہندو کی سازش کی وجہ سے مسلم ہند پر برسراقتدار آ جائے گا۔ اس لئے اس نے اپنی زندگی کا مقصد انگریز کیخلاف جہاد بنا لیا۔ اسے جب بھی آرام کا مشورہ دیا گیا، اس نے جواب دیا۔
>
> مسلمان اور مسلمان کی سرزمین کفار کے ہاتھوں خطرے میں ہے۔ میں نے آرام کیا تو خدا کو کیا جواب دوں گا[۳۸]۔

اس کے بہادر بیٹے فتح علی ٹیپو سلطان نے بھی اس کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی مسلمانوں کے اقتدار کی بحالی کے لیے وقف کر دی۔ اسے اس بات کا شدید رنج تھا کہ بیرونی حملہ آور آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور مسلمان انتشار کا شکار ہیں۔ اس نے نظام علی خاں نظام الملک کو ایک خط میں لکھا۔

> مسلمانوں کے باہمی نفاق کا فائدہ اٹھا کر مرہٹے اور انگریز ملک پر حاوی ہو چکے ہیں، اگر مسلمان اب بھی اشتراکِ عمل کر لیں تو ان کی بگڑی بن

سکتی ہے۔ ورنہ نا اتفاقی حیدر آباد اور میسور دونوں اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ کردے گی۔ مصلحت کا تقاضا ہے کہ دونوں سلطنتیں انگریزوں اور دیگر اسلام دشمن عناصر کے مقابلے میں متحد ہو کر ڈٹ جائیں ۳۹۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا ۵ مئی ۱۷۹۹ء کو جب اس مجاہد کو سپرد خاک کیا گیا تو گویا شجاعت و عزم کے پیکر کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا گیا۔

اس سے قبل بنگال میں (نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کیخلاف جو جنگیں لڑیں وہ بھی ہماری تاریخ کا روشن حصہ ہیں۔ لیکن اس سے غیروں کے بجائے اپنوں نے بے وفائی کی اور بالآخر ۱۷۵۷ء میں اسے شہید کر دیا گیا۔

ہم اس حقیقت سے پہلو تہی نہیں کر سکتے کہ ان شخصیات کے مسلمان قوم پر بہت احسانات ہیں کہ انہوں نے زوال کے وقت بھی مسلم تشخص کے وقار کو بحال رکھا۔ اور مسلمان قوم کی خودداری اور شجاعت کی روایات کو مٹنے نہیں دیا۔

اس طرح امتِ مسلمہ کو احساس دلاتے رہے کہ وہ خطرات میں گھر چکے ہیں۔ اسی لیے اپنے آپ کو بچانے کے لیے میدانِ عمل میں آ جائیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی آواز پر زیادہ توجہ نہ دی گئی۔

☆……☆……☆

حواشی

۱……سید ابوالحسن علی ندوی۔ "نزھۃ الخواطر" بحوالہ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص۔ ۳۴۴

۲……سکینۃ الاولیاء، بحوالہ تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص۔ ۲۸۵

۳……روضۃ القیومیہ، رکن دوم، ص۔ ۱۸، بحوالہ سید زوار حسین "انوار معصومیہ"

۴……"A short History of India" P. 240

۵……"IBID" P.249

۶……انوار معصومیہ، ص۔ ۹۷

۷......شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ص۔ ۴۵۵، ۴۵۶

۸......ایضاً ص۔ ۳۳۵، ۳۳۶

۹......ایضاً ص۔ ۳۳۶

۱۰......ایضاً ص۔ ۳۳۸

۱۱......انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۱۸

۱۲......وسیلۃ القبول، مکتوب ۵۶، بحوالہ انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۲۵

۱۳......مآثرِ عالمگیری، ص۔ ۱۸۸، ۱۹۰، بحوالہ ایضاً

۱۴......روضۃ القیومیہ، رکن سوم، ص۔ ۱۱۱ تا ۱۱۳، بحوالہ ایضاً ص۔ ۱۲۷

۱۵......روضۃ القیومیہ، رکن سوم، ص۔ ۱۲۳، بحوالہ ایضاً ص۔ ۱۲۹

۱۶......روضۃ القیومیہ، رکن سوم، ص۔ ۱۲۷، بحوالہ ایضاً

۱۷......مآثرِ عالمگیری، ص۔ ۵۷، بحوالہ ایضاً ص۔ ۱۳۶

۱۸......منتخب اللباب، ص۔ ۳۵۶، بحوالہ ایضاً ص۔ ۱۲۴

۱۹......رودِ کوثر، ص۔ ۴۵۸، ۴۵۹

۲۰......انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص۔ ۳۷۴، ۳۷۵

۲۱......ایضاً ص۔ ۳۴۴

۲۲......"A Short History of India."

۲۳......"IBID" P. 350

۲۴......سید ریاض احمد شاہ، تاریخ پاک و ہند، ص۔ ۷/۸

۲۵......روضۃ القیومیہ، رکن چہارم، ص۔ ۳۳، بحوالہ انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۵۱

۲۶......روضۃ القیومیہ، رکن چہارم، ص۔ ۹۰، بحوالہ انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۵۱ تا ۱۵۶

۲۷......تاریخ پاک و ہند، ص۔ ۷

۲۸......انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۵۸

۲۹......تاریخ پاک و ہند، ص۔ ۱۱۔۱۲

۳۰......ایضاً

۳۱......انوارِ معصومیہ، ص۔ ۱۶۸

۳۲...... "A short Hitory of India" P. 265

۳۳...... تاریخ پاک و ہند، ص۔ ۱۷

۳۴...... رود کوثر، ص۔ ۵۸۵

۳۵...... عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص۔ ۶۰

۳۶...... ایضاً

۳۷...... تحریک آزادی، ص۔ ۱۳۳

۳۸...... ایضاً ص۔ ۱۳۴

۳۹...... ایم۔ اے۔ قدوس، سعید اطہر، تاریخ پاک و ہند، ص۔ ۴۲۵، ۴۲۶

☆ ☆ ☆

اللہ نور السمٰوٰت والارض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شیخ احمد سرہندی

(سلسلۂ مجددیہ کا نقطۂ آغاز اور سلطنتِ مغلیہ پر اس کے اثرات)

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بیولر (سالم عبداللہ)

ترجمہ: ڈاکٹر سید عدنان خورشید مسعودی

☆☆

نوٹ: ڈاکٹر آرتھر بیولر (سالم عبداللہ) نے فراخدلی سے اپنی کتابوں سے استفادے اور ترجمہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہم ان کے ممنون ہیں۔ (مرتبین)

جب سلسلۂ نقشبندیہ ہندوستان میں باقاعدہ ایک سلسلہ کے طور پر ترویج پا چکا تھا، تو اس سلسلہ کی تاریخ میں اس کی تیسری جہت کا آغاز شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء۔ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے کیا۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سنہ ہجری کے دوسرے ہزار سال میں دین کے احیاء کرنے والے کہلائے۔ وہ حضرت باقی باللہ (علیہ الرحمۃ) کے مشہور مریدین میں شمار ہوتے تھے۔ جن کی روحانی استعداد کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ تین ماہ سے بھی کم عرصہ میں راہِ سلوک کی تمام منازل طے کراتے ہوئے حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ (حضرت) بہاء الدین نقشبند (علیہ الرحمۃ) کے بعد ہندوستان کے کسی نقشبندی بزرگ نے اتنا عروج نہیں پایا۔ دونوں حضرات نے معاشرے میں صوفی طریقۂ کار کے کردار کی نئے سرے سے تعریف کی اور سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک کو ترقی دی۔ شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کی اہمیت اور اس سلسلہ میں ان کی اثر انگیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں ''مجددیہ'' کے نام سے ایک نئی شاخ کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی اور آگے آنے والے سلسلۂ نقشبندیہ کے آپ بانی کہلائے[۳۹]۔

اکبر جو اپنے آپ کو ایک ایسے نئے دین کا بانی کہلاتا تھا جو مختلف انواع واقسام کی مذہبی اکائیوں کے نظریات کو ملا کر تشکیل دیا گیا تھا۔ اس دین کو ماننے والے وسطی ایشیا اور انڈیا میں تھے۔ شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) نے عالی ہمت رفقاء کے ساتھ مل کر اکبر کے دین الٰہی کے خلاف کام کیا۔ تاکہ اسلامی قوانین کو اسوۂ حسنہ اور سنت کے مطابق نافذ کیا جاسکے۔ شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) نے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد و یکجا کرنے کے لیے اپنے دائرہ کار کی تعریف وتوضیح سُنّی عقائد کے مطابق پیش کی تاکہ مسلمان متحد ہو کر مغلوں کی ان سیاسی شخصیات کے خلاف مزاحمت کر سکیں جو تمام مذہبی معاشروں کو ملا کر ایک نیا آفاقی دین ایجاد کرنا چاہ رہے تھے۔ اکبری دربار کے بہت سے اراکین شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کے وسیع حلقۂ مریدین میں شامل تھے۔ اکبر کے انتقال کے بعد برصغیر میں مسلمانوں کی ذاتی شناخت اور واضح ہوتی چلی گئی جس کی متعدد وجوہات میں سے ایک اہم وجہ شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کا سیاسی اثر ورسوخ اور تعلقات تھا۔ مگر اس کے باوجود غیر مسلم مذہبی ادارے مسلسل اورنگ زیب (۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء) اور اس کے بعد آنے والے حکمرانوں کی سرپرستی میں چلتے رہے۔ اکبر کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کے جانشین جہانگیر نے ایک سال کے لیے شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کو پابندِ سلاسل (قید) کر دیا، اس کی وجہ شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کا وہ متنازعہ فیہ دعویٰ تھا جس کے مطابق (بقولِ مخالفین) وہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے بھی زیادہ بلند روحانی مقام پر فائز ہوئے[40] ہندوستان میں حضرات نقشبندیہ، بادشاہوں اور حاکموں کو اس وقت تک مشاورت سے نوازتے رہے جب تک کہ مغلوں کی حکمرانی کا سورج غروب نہ ہو گیا۔

۱۰۳۲-۳۳ھ/ ۱۶۲۳ء میں شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے اپنے منجھلے صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کو اپنا سب سے اہم خلیفہ وجانشین مقرر کیا اور ان کو آئندہ آنے والا ''قیوم'' قرار دیا۔

> ''قیوم'' وہ زندہ شخص ہوتا ہے جو روئے زمین پر موجود تمام صوفیہ سے زیادہ بلند روحانی مقام کا حامل ہوتا ہے۔ ''قیوم'' کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو وجود عطا کرتا ہے اس طرح ''قیوم'' موجودات کو قوت فراہم کرتا ہے[41]۔

اپنے والد گرامی[42] کی طرح خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ بھی امراء شاہی اور امورِ مملکت چلانے والوں کو خطوط لکھتے تاکہ اسلامی قوانین اور اسلامی حکمت عملی کو پورے ہندوستان میں رواج دیا جائے، اور شرعی

قوانین نافذ العمل ہو جائیں[43] یہ کہا جاتا تھا کہ اورنگ زیب، جو کہ دارالشکوہ کا چھوٹا بھائی تھا، شاہ جہاں کے انتقال سنہ ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء کے بعد سرہند جا کر خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے ملا اور وہاں آپ کا باقاعدہ مرید ہو گیا[44] اس بات کا مزید ثبوت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ اور ان کے بیٹے حجۃ اللہ محمد نقشبند علیہ الرحمۃ سنہ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء کے جمع کردہ خطوط سے بھی ملتا ہے۔ ان خطوط سے پتا چلتا ہے کہ اورنگزیب ایک وقت میں خود سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات کا پیروکار رہا[45]۔

جب شاہجہاں کا انتقال ہو گیا' اورنگزیب اور دارالشکوہ کے درمیان جانشینی کی جنگ شروع ہوئی تو اورنگ زیب نے نقشبندی اکابرین سے مدد چاہی، صوفیہ اس بات میں خصوصیت رکھتے تھے کہ حکمران کی طرف سے وسیلہ بن کر فضل الٰہی اور تائید الٰہی کو ان کی طرف مرکوز کریں۔ خواجہ محمد معصوم (علیہ الرحمۃ) نے اپنے بھتیجے خواجہ سعد الدین جو کہ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ کے بیٹے تھے، اور اپنے بیٹے محمد اشرف (دونوں سعد الدین اور محمد اشرف حج کی تیاریوں میں مصروف تھے) دونوں کو حکم دیا کہ فوراً اورنگزیب کے پاس جائیں، دونوں کو آپ نے ایک خط کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ اورنگزیب کے ساتھ رہیں[46] جبکہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے خود مکہ مکرمہ کا ارادہ کیا تا کہ اس مقدس شہر میں موجود علماء اور حضراتِ صوفیہ کو اورنگزیب کی روحانی مدد کے لیے تیار کریں، آپ نے خود بھی اورنگزیب کی فتح کے لیے دعا فرمائی، خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے اپنے بڑے صاحبزادہ خواجہ صبغت اللہ (علیہ الرحمۃ) کو بغداد روانہ کیا تا کہ سلسلہ قادریہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے حضور یہ عرض کی جائے کہ داراشکوہ کی حمایت ترک کر دیں کیونکہ اس نے اپنے نام کے ساتھ حنفی قادری لکھنا چھوڑ دیا ہے' اور اسی سے برصغیر میں حضرات نقشبندیہ دارالشکوہ کو سلسلہ قادریہ کے لائق اور اس سلسلہ پر قائم نہیں سمجھتے[47] شیخ عبدالقادر جیلانی (علیہ الرحمۃ) کی روحانی مدد کے ختم ہونے کے بعد داراشکوہ فضلِ الٰہی اور عطائے ربانی سے دور ہو گیا' اور یوں وہ بے طاقت ہو کر رہ گیا۔ بات یہ نہیں ہے کہ آیا حضراتِ نقشبندیہ نے اپنی دعاؤں سے بند باندھا یا اپنے روحانی حلقہ کو اس معاملے میں فعال کیا بلکہ ان حضرات صوفیہ کا نظریہ یہ تھا کہ شاہجہاں کی جانشینی کا فیصلہ آسمانوں میں پہلے سے ہو چکا تھا مگر یہ قضائے معلق تھی۔ صوفیہ کو یہ طاقت و مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایسے فیصلہ پر اثر انداز ہو کر دنیا میں ہونیوالی تبدیلیوں پر اثر انداز ہو سکیں۔ حضرات مجددیہ یہ چاہتے تھے کہ حضراتِ صوفیہ اپنی اعجازی، کراماتی اور دنیاوی طاقت کو کام میں لائیں' بالکل اسی طرح جس طرح ان کے

روحانی آباؤاجداد وسطی ایشیا پر اثر انداز ہوئے۔

اورنگزیب کی جیت اور اس کے جانشین بن جانے کے بعد، مغلوں کا یہ آفاقی نظریہ دم توڑ گیا کہ تمام مذاہب یکساں طور پر صحیح ہیں' اور تمام جہانوں کے مذاہب آپس میں مل کر ایک مذہب بن سکتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کی شناخت مزید شدت اور مضبوطی کے ساتھ ابھر کر سامنے آئی۔ جب تک مغلوں کی حکومت رہی شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کے خلفاء ومریدین اس حکومت کے انتظامی امور میں حصہ لیتے رہے[۴۸] مگر یہ بات کہ کس حد تک حضراتِ نقشبندیہ اورنگزیب کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوئے' قابل بحث ہے۔ نقشبندی یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ معاشرہ کے قائدین اور حکمرانوں پر اثر انداز ہو کر اسلام کو جو کہ اسوۂ حسنہ اور عقیدۂ اہلِ سنت وجماعت کے مطابق ہو، طاقت پہنچا سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ اور ان کے خلفاء نے کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان شیوخِ عظام اور ان کے اہم خلفاء جن کے ہزاروں مریدین تھے، ان کو یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ اسلامی قوانین (شریعت) اور اسوۂ حسنہ پر استقلال کے ساتھ کاربند رہیں' اور راہِ سلوک[۱] (طریقۂ صوفیہ) میں ترقی پاتے رہیں۔ دوسری طرف سیاسی حکمت ومصلحت کا خیال کرتے ہوئے ان مشہور مذہبی شخصیات نے حکومت کی حمایت بھی جاری رکھی (تاکہ اسلامی قوانین کو رائج کیا جاسکے) مغلوں نے تمام خانقاہوں اور مزارات کو زمینیں اور جائیدادیں ہدیہ کیں۔ جس کے بدلے انہوں نے چاہا کہ یہ حضرات ان کی حکومت کی ترقی کے لیے دعا گو رہیں[۴۹]۔

حکومت کی اس طرح زمین وجائیداد ہدیہ کردینے سے اکثر صوفیہ کی دنیاوی زندگی میں ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ مغل حکمران مثلاً ہمایوں اور شاہجہاں جو کہ حضراتِ نقشبندیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے نہیں تھے، انہوں نے بھی حضراتِ صوفیہ (جن کے سلسلوں سے وہ تعلق رکھتے تھے) کو زمین وجائیدادیں ہدیہ کیں تاکہ اہم امورِ مملکت میں ان کی حمایت وسفارش حاصل کرسکیں۔ مغل حکمرانوں اور صوفیہ کے مابین یہ تعلق مملکت کے سیاسی وانتظامی امور پر غالب رہا۔ جہانگیر نے بھی شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمۃ) کے خلاف جو قدم اٹھایا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ حکومت میں بے چینی واضطراب کو کم کرے۔ اسی طرح شاہجہاں نے سید آدم بنوری سنہ ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۴ء جو کہ شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کے اہم خلیفہ تھے کو یکدم سنہ ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء میں حجازِ مقدس بھیج دیا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ شاہی قاصد نے لاہور سے اطلاع دی تھی کہ دس ہزار افغانوں کا خوفناک لشکر ان کے مصاحبین میں شامل ہوگیا ہے[۵۰] سیاسی معاملات کو سیاسی حل درکار ہوتا ہے' اور روحانی معاملات کو

تشفی، روحانیت سے ہوتی ہے۔ حضراتِ صوفیہ مغل حکمرانوں کے لیے بہت کارآمد رہے مگر ان کو کبھی ناقابلِ تسخیر نہیں سمجھا گیا۔ جب بھی انہوں نے سیاسی حدود وقیود سے تجاوز کیا تو وہ بہرحال حکمرانوں کی رعیت تھے۔

☆......☆......☆

حواشی

۳۹......ڈیوڈ ڈیمرل (David Damrel) کا خیال ہے کہ شیخ احمد سرہندی کی تحریک وسط ایشیائی نقشبندی اثرات کے بجائے آپ کے والد کے ذریعے پہنچنے والے چشتی صابری اثر کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ کریں:

''The Naqshbandi Reaction Reconsidered''

۴۰......نقشبندی یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کو شیعہ سازش کی وجہ سے جو کہ جہانگیر کی شیعہ بیوی نور جہاں نے کی تھی قید کیا گیا تھا۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سازش کی ابتداء اس وقت ہوئی جب شیخ احمد سرہندی نے سجدۂ تعظیمی سے انکار کر دیا۔ شیخ احمد سرہندی کی زندگی سے لے کر اب تک قید کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوحنا فرائیڈ مان (Yohanan Fried Mann) نے اپنی کتاب

"Shaykh Ahmed Sirhandi An Outline of his Thought and a Study of his Image in the eyes of Posterity"

میں شیخ احمد سرہندی کی شخصیت پر بحث کی ہے۔ ان کے معاصرین کے خیالات، ان کے ناقدین اور معترضین کے تاثرات زیر بحث لائے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے سترہویں صدی عیسوی کے مآخذ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے محمد اقبال مجددی نے اپنی کتاب ''احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری'' میں فرائیڈ مین یوحنا کی کتاب کے مآخذ کی علاوہ اور بہت سے ماخذ کا ذکر کیا ہے، جو فریڈمان اپنی کتاب میں استعمال نہ کر سکا۔ شیخ احمد سرہندی کا سب سے زیادہ فاضلانہ اور محققانہ جائزہ زوار حسین نے اپنی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' اور ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد نے اپنی کتاب ''سیرت مجدد الف ثانی'' میں کیا ہے۔

۴۱۔ جے۔ جی۔ جے ترہار (J.G.J.Ter Haar) کی کتاب

Followers and Heir of Prophet: Shaykh Ahmed Sirhandi as Mystic(1564-1624)

کے ص ۵۵۔۱۵۳ ملاحظہ فرمائیں۔ خواجہ محمد معصوم کے بعد اگلے دو قیوم حجۃ اللہ نقشبند (م ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء) اور محمد زبیر (م ۱۱۵۲ھ/۱۷۴۰ء) تھے اور دونوں خواجہ محمد معصوم کے نسبی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۴۲۔ شیخ احمد سرہندی نے اکبر اور جہانگیر کے دور حکومت میں بہت سے ایسے لوگوں کو خطوط تحریر کیے جو سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ زیادہ تر خطوط میں کسی دوسرے شخص کی سفارش کی گئی ہے۔ ان خطوط کا جائزہ لینے کے لئے ترہار (Terhaar) کی کتاب Followers and Heir of Prophet کا ص ۱۶۔ ۱۷ ملاحظہ کریں۔

۴۳۔ اورنگزیب کو لکھے گئے پانچ خطوط کو مکتوبات معصومیہ (تین مجلدات) میں جمع کیا گیا ہے۔ خط نمبر ۶۴ پہلی جلد میں ہے جو کہ اورنگزیب کے بادشاہ بننے سے پہلے لکھا گیا تھا۔ خطوط نمبر ۲۲۱/۳‘ ۱۲۲/۳‘ ۶/۳‘ ۵/۲‘ ۲۲۷/۳ بھی اورنگزیب کے بادشاہ بننے سے پہلے لکھے گئے تھے، شیخ احمد سرہندی کی اولاد، افراد خاندان اور مغل دربار کے اراکین نے جو خطوط اورنگزیب کو لکھے ان پر ایس۔ اطہر عباس رضوی نے اپنی کتاب History of Sufism in India جلد اول و دوم میں ۴۸۲۔ ۹۱ میں تبصرہ قلمبند کیا ہے۔ کیونکہ شاہ جہاں اور ولی عہد شہزادہ دارالشکوہ (م۔ ۱۶۵۹ء/ ۷۰۔ ۱۰۶۹ھ) سرینگر میں موجود ایک قادری شیخ ملا شاہ سے عقیدت رکھتے تھے‘ لہٰذا شیخ محمد معصوم کا ان حضرات کو خط لکھنے کا جواز نہیں بنتا۔

۴۴...... حضرت سیف الدین نے اپنے مکتوب سیفیہ خط نمبر ۸۳ ص ۲۴۔ ۱۲۳ میں حضرت خواجہ محمد معصوم کی کتاب ’’حسنات الحرمین‘‘ ص ۱۱۲ میں یہ بات نقل کی ہے کہ اورنگزیب حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں تین دفعہ حاضر ہوا اور اس کے گواہ خواجہ محمد معصوم کے پوتے اور خلیفہ حضرت سیف الدین ہیں، اورنگزیب کا حضراتِ نقشبندیہ سے تعلق کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کرنا چاہیے (خواجہ سیف الدین کا بیان تاریخی حیثیت سے قابل اعتبار ہے اس لیے محشی کے یہ ریمارکس تعجب خیز ہیں۔ مترجم) کیونکہ اورنگزیب برہان الدین شطاری برہان پوری کی خدمت میں روحانی فیض لینے کچھ کئی دفعہ حاضر ہوا۔ اورنگزیب کی یہ خواہش کہ مرنے کے بعد اس کو زین الدین شیرازی چشتی کے مزار کے قریب دفن کیا جائے‘ سے پتا چلتا ہے کہ اس کی باقی ماندہ حکومت میں نقشبندی سلسلہ کے لیے کوئی خاص کشش باقی نہیں رہی تھی۔ کارل آرنسٹ (Carl Ernst) نے اپنی کتاب

"Etennal Garden: Mysticism History and Politics at a South Asian Sufi Center"

ص ۶۱۔ ۳۸ میں صوفیہ کی تاریخ نویسی میں عصبیت کے عنصر کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

حسنات الحرمین دراصل خواجہ محمد معصوم کے سفر حرمین الشریفین کے ملفوظات و مکاشفات کا مجموعہ ہے جسے ان کے فرزند حضرت محمد عبید اللہ نے جمع کیا۔ (محمد عالم مختار حق)

۴۵...... خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات معصومیہ خط نمبر ۲۲۰، ۱۹۴، ۱۲۲، ۶‘ ۲۲۷‘ ۲۲۱ ملاحظہ کریں۔ حجۃ اللہ نقشبندی کی کتاب ’’وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول‘‘ ص ۱۳۹ جسے کہ خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب

Naqshbandi influence on Mughal Rules and Politics

کے ص ۵۰۔ ۴۹ پر نقل کیا ہے۔

٤٦......احسان سرہندی کی کتاب ''روضۃ القیومیہ'' ج دوم ص ٩١ اور خواجہ محمد معصوم کی کتاب ''حسنات الحرمین'' ص ١٢٦ میں نقل کیا گیا ہے کہ محمد اشرف نے میدان جنگ میں خدا کی مدد چاہنے کے لیے دعا کی تاکہ اورنگزیب کو طاقت حاصل ہو اور وہ یہ مقابلہ جیت جائے، دارالشکوہ ہدی خانوں (Tantra) ہندو شیعوں اور ان کے ساتھ ساتھ صوفیوں کو قندھار کے معرکہ جو کہ ١٠٦٣ھ/١٦٥٣ء میں ہوا۔ اپنے ساتھ لے گیا، مگر وہ یہ لڑائی ہار گیا، اطہر عباس رضوی کی کتاب A History of Sufism in India کی ج دوم اور ص ٤١٤ ملاحظہ کریں۔

(تنترا سنسکرت کی مذہبی کتب کو کہا جاتا ہے' محمد عالم مختار حق)

٤٧......خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی کتاب حسنات الحرمین ص ٢٧۔١٢٧ ملاحظہ کریں۔ پروفیسر مجددی نے بہت سارے معاصرین کے مآخذ جمع کیے ہیں۔ (جو کہ صفحوں کے ریفرنس کے بغیر ہیں) جن میں جناب صبغت اللہ کی نہایت ہی اہم مداخلت کا ذکر کیا ہے، اگر حقیقتاً ایسا ہوا تھا تو ہوسکتا ہے حضرات نقشبندیہ نے یہ تصور کر لیا ہو کہ وہ (دارالشکوہ) دو طرح سے یعنی فقہ حنفی (جو کہ انڈیا میں سنت کی شناخت تھی) کے مطابق عبادات کے ارکان کو ادا کرنے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی تعلق سے دستبردار ہو گیا ہو۔

٤٨......اس زمانے کے نقشبندی حضرات اور اورنگزیب کے درمیان جو مکتوبات لکھے گئے ان کے تجزیے کے لئے محمد معصوم کی کتاب ''حسنات الحرمین'' کے ص ٥٩۔١٢٦ ملاحظہ فرمائیں۔

٤٩......ایک بیان جو کہ مغلوں کے آخری دور میں ہدیہ کی جانیوالی اس زمین کے بارے میں درج کیا گیا ہے جو انہوں نے ملتان میں بہاءالدین کے مزار کے لیے تحفہ دی تھی' اور چک نامہ بتاریخ ٢٥ ربیع الثانی ١١٤١ھ (بورڈ آف ریونیو فائل نمبر ١٥٧٥/١٣١) کا وہ اقتباس جس کا ترجمہ ہوا ہے' اور ڈیوڈ گل وارٹن (David Gilwartin) نے اپنی کتاب Empire and Islam کے ص ٤٥ پر نقل کیا ہے۔ خوش حالی کے لیے دعا کرنے کے برعکس یہ بھی ہے کہ شیخ بربادی کے لیے بددُعا کرے۔ چنانچہ پاکستان کی جدید سیاست میں پیر آف مانکی شریف کے خلاف اس وقت قانونی چارہ جوئی کی گئی جب انہوں نے ووٹروں کو اپنے حق رائے دہی کو استعمال کرنے سے یہ کہہ کر باز رکھنے کی کوشش کی کہ ''ایسے ووٹر جو صدر ایوب کی حمایت نہیں کر رہے وہ خدا کے قہر کو دعوت دے رہے ہیں''۔ پاکستان ٹائمز کی اکیس دسمبر ١٩٦٤ء کی اشاعت دیکھیں جس کو آڈرین سی میئر (Adrian C.Mayor) نے اپنی کتاب

"Pir and Murshid : An Aspect of Religious Leadership in West Pakistan"

کے ص ١٦٦ پر نقل کیا ہے، بعد میں صدارتی انتخاب کے قانون میں تبدیلی کر کے ایک دفعہ کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے انتخابات میں حصہ لینے والے کو اللہ کی ناراضگی کی دھمکی دینے کی ممانعت کی گئی، پاکستان ٹائمز کی ١٢ر جنوری ١٩٦٥ء کی اشاعت ملاحظہ کریں جس کو مذکورہ بالا کتاب کے ص ١٦٩ پر نقل کیا گیا ہے۔

۵۰......گو کہ یہ قطعی اور واضح طور پر نہیں لکھا گیا، ممکن ہے کہ ان میں بہت سے افغان اسلحہ بردار ہوں، مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب ''خزینۃ الاصفیاء'' (جلد اول و دوم) میں ج اول ص۳۱-۶۳۰ ملاحظہ کریں۔

نوٹ از مترجم

اس ترجمے میں حواشی کے نمبر شمار وہی رکھے گئے ہیں جو اصل کتاب میں ہیں تا کہ جو اصل کتاب سے تقابل کرنا چاہے آسانی سے تقابل کر سکے، یہ ترجمہ مندرجہ ذیل کتاب کے صفحہ ۶۶-۷۱ سے کیا گیا:

Sufi Heirs of the Prophet: The Indian Naqshbandiyya and the Rise of the Mediating Sufi Shaykh, Written by: Arthur F.Buehler, Forward by: Annemarie Schimmel University of South Carolina Press,1998, pp.66-71,

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

محمد علی جناح اور حضرت مجدد الف ثانی

مولانا محمد بخش مسلم

☆☆

میں ایک مرتبہ قائد اعظم سے ملا تو میں نے پوچھا کہ ''پاکستان کب بنے گا'' انھوں نے کہا

> یہ سوال بے معنی ہے پاکستان اس وقت ہی بن گیا تھا جس وقت پہلا ہندو مسلمان ہو گیا تھا۔

میں نے کہا کہ جس طرح برسوں پہلے آپ کے بزرگوں نے ہندوستان میں اسلام کو بچایا تھا اسی طرح آپ بھی آج کے دور میں اسلام کو بچا رہے ہیں۔

میری بات سن کر انھوں نے اس کی وضاحت مانگی تو میں نے کہا کہ مغل بادشاہ اکبر نے جب دینِ الٰہی کا آغاز کیا تھا، مجدد الف ثانی نے اُس کی مخالفت کی تھی۔ اس مخالفت میں وہ لوگ بھی پیش پیش تھے جو مجدد الف ثانی سے بیعت تھے اور یہ لوگ آپ کے اجداد تھے...... میری بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے اور بولے۔

> آج مجھے پتا چلا ہے کہ میرے عزیز و اقارب سرہند جانا کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ قائد اعظم کے اجداد مجدد الف ثانی سرہندی سے گہری عقیدت رکھتے تھے...... اور اُس وقت تک وہ اپنے آپ کو مکمل نہیں سمجھتے تھے جب تک وہ مجدد کے مزار پر حاضری نہیں دے لیتے تھے۔

(قومی ڈائجسٹ، لاہور، شمارہ اگست ۱۹۸۳ء، ص ۲۰، انٹرویو مولانا محمد بخش مسلم۔ بی۔ اے)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سرمایۂ ملّت کا نگہبان

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

(شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

☆☆

امامِ ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

علامہ اقبال نے اس ایک شعر میں عہد اکبری اور عہد جہانگیری کی پوری تاریخ کو اجمالی طور پر سمو دیا ہے اور اس اضطراب وانتشار اور اُن خطرات وحوادث کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے جو اس وقت ملّتِ اسلامیہ کو درپیش تھے اور جس کے نتیجے میں ''سرمایۂ ملّت'' اس قدر غیر محفوظ ہو گیا تھا کہ رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور شیخ احمد سرہندی جیسی شخصیت ابھری جس نے سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا واقعی حق ادا کیا اور جسے سب سے پہلے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب دیا اور آج پوری دنیا انہیں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے، آج کی اس مجلس میں میری گزارشات کا مقصد اولاً اس امر کا جائزہ پیش کرنا ہے کہ سرمایۂ ملت کس حد تک غیر محفوظ ہو گیا تھا اور ثانیاً یہ کہ آپ نے اس کی نگہبانی کا فریضہ کس طرح ادا فرمایا، اس بات سے یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آجائے گی کہ آپ کو مجدد عقیدت کی بنا پر کہا جاتا ہے یا حقیقت کی بنا پر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اکبر کے متعلق لکھا ہے۔

"It is well known that he broke away from Orthodox Islam"

اسلام سے رشتہ توڑنے پر جس سے جوڑا ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔

"He re Commended for this the Sun or its earthly counter part fire" "Moghal Rules in India"

ایک اور متشرق گیرٹ نے عہد اکبری کی جو تصویر پیش کی ہے حسب ذیل ہے:

"The study of Arabic was discouraged. The Practice of shaving the beared was introduced.The Muslim era changed for a solar year. The customs of prostration before the King was also introduced to the disgust of orthodox muslims. No new mosques were built and the old ones were not repaired. Akbar's mode of life on the whole ceased to be that of a muslim and constantly approached to the Hindu idea of Dharma as modified by himself.

(Moghal Rule in India, by Garret p-80)

لیکن عہد اکبری کی اس تصویر کو دیکھ کر جو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے حضرت مجدد کی مشہور تصنیف ''اثبات النبوۃ'' کے اُردو ترجمے کے مقدمے میں پیش کی ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے عہد اکبری کا جو خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

ابوالفضل اور فیضی بلکہ ان کے باپ ملا مبارک کی وجہ سے دین اور پھر نبوت پر اعتراضات شروع ہو چکے تھے اور بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی۔ انہی ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو نا معقول کہا تھا اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔

نماز، روزہ اور شعائر اسلام کو ''تقلیدات'' یعنی عقل کے خلاف سمجھا گیا۔ ابوالفضل کی نگرانی میں محل

کے اندر عبادت کے لیے ایک آتش خانہ تیار ہوا۔ نصاریٰ کی طرح ناقوس، صُور، تثلیث اور ان کی تعریفیں اکبر کا وظیفہ تھیں۔ برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کیجاتی۔

سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی قشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہرِ فطرت حتیٰ کہ گائے اور اسکے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا۔ خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا۔ گائے کا گوشت حرام اور خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ سود، شراب اور جواء حلال سمجھا گیا۔ خود کو سجدہ کراتا تھا۔ اور دیگر شعائرِ اسلام کی جو توہین کی گئی وہ حیطۂ تحریر میں لا نہیں سکتا۔

بدایونی نے دینِ الٰہی کی جو تفصیل پیش کی ہے یہ ہے:

اس دین مین شامل ہونے والوں کا کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'' تھا جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے ان کو مذکورہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل عہد نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

من کہ فلاں ابن فلاں ہوں۔ اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی سے (جو باپ داداؤں سے دیکھا اور سنا تھا) علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبری شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں۔ (جلد دوم، ص ۲۷۳)

''اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا تھا اور شاہی محل کے نیچے دو جانور زیارت کے لیے رکھے گئے کہ انکا دیکھنا بھی عبادت تھا۔ تناسخ پر یقین کیا گیا اور عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا۔

قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا۔ احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے۔ ہندو تو ہندو ہی تھے، ہندو مزاج مسلمان بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو گئے۔

دین اسلام کے دشمنوں نے جب کبھی بھی اسلام کو سرنگوں کرنیکی مذموم کوششیں کی ہیں اُن کو سب سے بڑا حربہ یہی رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان کی وابستگی کو مضمحل کر دیا جائے۔

چنانچہ جہاں ہندوؤں نے شانِ رسالت مآب میں طعن و تشنیع سے کام لینا شروع کر دیا۔ وہاں بعض مسلمانوں نے ابوالفضل اور شیخ مبارک کے اثر سے نبوت سے انکار کر دیا اور کہا کہ توحید کے عقیدے کی موجودگی میں رسالت پر ایمان ضروری نہیں۔ حضرت مجدد نے نبوت کی ضرورت و اہمیت پر ایک رسالہ اثبات النبوۃ تحریر فرمایا اور مضمحل اور ڈگمگاتے ہوئے ذہنوں کو ازسرِ نو استحکام بخشا۔

حضرت مجدد کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تصوف کو جس میں عجمی رنگ پیدا ہو چکا تھا نکھار کر پیش کیا اور شریعت اور حقیقت کی اہمیت بیان فرمائی اور اس امر پر زور دیا کہ ”طریقت وحقیقت خادمانِ شریعت اند“ تا کہ مکاشفات اور مشاہدات اور وجدان ومحویت میں جو کیفیت وحلاوت حاصل ہوتی ہے اس کی تمام تر بنیاد شریعت پر ہو، یہ نہ ہو کہ محبت کی وادی میں سالک راہِ شریعت کے جادۂ مستقیم سے بھٹک کر راہِ ضلالت اختیار کر لے۔ اس سلسلے میں یہ ذکر بھی بے حد ضروری ہے کہ اس وقت تصوف کے تین سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ ہندوستان میں موجود تھے۔ نقشبندیہ سلسلے کو جو حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں لے کر آئے، اصل فروغ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی دیا۔

اس سلسلے میں حضرت مجدد نے ایک اور بڑا کارنامہ انجام دیا کہ تصوف میں وحدت الوجود کے نظریے کے بجائے وحدت الشہود کے نظریے کو پیش فرمایا جو سراپا جوش وحرکت ہے۔ تا کہ امتِ مسلمہ ایک فعال اور مؤثر کردار ادا کر سکے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حسن نظامی کو ایک خط میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

> آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سر الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو کہا تھا، کہ مجھے سر الفراق کہا جائے۔ اس وقت بھی میرے دین میں یہی امتیاز تھا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملی تشخص کو ابھارا، ہندوؤں کی تاریخ کے عمیق مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے انتہائی مکاری سے بدھ دھرم جین دھرم اور پارسیوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا تھا کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رکھا ان کی مذموم کوشش یہ تھیں کہ مسلمانوں کو بھی اس طرح اپنے اندر جذب کر لیا جائے۔ حضرت مجدد نے شعائرِ اسلامی کے سلسلے میں انتہائی مثبت اقدام فرمایا۔ قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور اسوقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک شعائرِ اسلامی کو از سرِ نو بحال نہ کیا جائے۔ چنانچہ جہانگیر کو اس امر پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی ملّی تشخص کے ابھارنے سے دو قومی نظریہ کو جِلا ملی جو ظہور پاکستان پر منتج ہوا۔ حضرت مجددؒ کا ایک گراں قدر کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اسلامی نظام کو از سرِ نو منظم کیا۔ آپ نے امراء‘ رؤساء‘ حکام‘ سپہ سالاران مجاہدین علماء اور مشائخ کو تبلیغی خطوط لکھے۔ آپ نے شہنشاہِ وقت کو بیش قیمت مشورے دیے۔ تبلیغی وفود کو اندرون ملک بھجوایا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ان تمام مساعیِ جمیلہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ امر روزِ روشن کیطرح عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ کے سامنے اقتدار، جاہ و حشمت، زر و مال اور حصول سلطنت بالکل ہیچ تھے۔ ورنہ جب جہانگیر کو قید کر لیا گیا تھا آپ بڑی آسانی سے سلطنت پر قابض ہو سکتے تھے آپ نے سپہ سالار کو لکھا کہ بادشاہ کی تعظیم و احترام حسبِ سابق بجالائیں اور یہ واضح کر دیا کہ آپ کا مقصدِ وحید اور مشن صرف یہی ہے کہ احیاءِ کلمۃ اللہ کا فریضہ بجالایا جائے اور بس۔ آپ کے مکتوبات شریف کے مضامین اور وہ علوم و معارف اور اسرار و رموز جو آپ نے انمیں بیان کیے ہیں کو دیکھ کر انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور آپ کے تبحر علمی اور آپ کے مقاصد اعلیٰ کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان آپ کی مساعیِ جمیلہ کے نتائج کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''ایسے حالات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خان خاناں، صدر جہاں خان اعظم، خان جہاں، مہابت خاں، تربیت خان، اسلام خان، دریا خان، سکندر خاں' مرتضیٰ خان جیسے امراء کو اپنے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرایا۔ سجدۂ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم ہوگئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں اور جس قدر خلافِ شرع قوانین رائج تھے سب منسوخ ہوئے۔ فنِ مصوری جو عہد جہانگیر میں بامِ عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فنِ تعمیر اور فنِ خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب ہوئی، دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ ملی پھر حضرت کے شاگردان سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت مظہر جانِ جاناں، شاہ غلام علی جیسے بزرگوں نے دینی خدمات انجام دیں۔

آخر میں لکھتے ہیں ''دین سے متعلق جتنے مسائل ۱۰۰۱ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی دوسرے ہزارہ کے اختتام تک کھڑے ہوں گے ان سب کا حل صراحۃً یا کنایۃً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے''۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی
علماء وصوفیہ اور دانشوروں کی نظر میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

☆☆

۱...... مولانا محمد غوثی مانڈوی

بالانشین مسند محبوبیت، وصدر آرائے محفل وحدانیت، خدیو مقام فردیت وصاحب مرتبہ قطبیت[1]

۲...... شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

نقشبندیوں کے عجائب تصرفات ہیں، ہمت باندھنا کسی مراد پر، تو اس مدعا کا ہمت کے موافق ہونا، اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا، اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا، اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا، ان میں واقعاتِ عظیمہ متمثل ہوں، اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر، زندہ ہوں یا اہلِ قبور، اور لوگوں کے خطراتِ قلبی پر اور جو اِن کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں[2]۔

بندۂ ضعیف ولی اللہ نے طریقہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے، انھوں نے سید عبداللہ سے اور انھوں نے شیخ آدم بنوری سے، انھوں نے شیخ

احمد السہر ندی سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالاحد سے، انھوں نے شاہ کمال سے[۳]۔

اور مجھ کو اجازت دی مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح بخاری وغیرہ صحاح ستہ کی معتمد ثابت القول حاجی محمد افضل نے شیخ عبدالاحد سے، انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے انھوں نے اپنے دادا (کذا) شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے[۴]۔

الرسالة التی انشاها اوحد زمانه و مزید اوانه الجهبذ الراسخ فی الشریعة والطریقه و طود الشامخ فی المعرفة والحقیقة فاجوالسنة قامع البدعته سراج الله الموضوع یستضئی به من شاء من عباده المومنین وسیف الله المسلول علی اعدائه من الکفرة والمبتدعین الامام العارف العالم اللامعی مولانا الشیخ احمد الفاروقی الماتریدی الحنفی النقشبندی السرهندی جزاء الله سبحانه عن المسلمین خیر الجزاء واحله بجرمثه الخلدوبواه حظیرة الرضا[۵].

شہامت ونجابت، کثرتِ علم، توقدِ ذہن، استقامتِ عمل، اللہ اور رسول کے بارے میں اپنی غیرت، کراماتِ جلیلہ اور مقاماتِ کثیرہ وغیرہ صفاتِ محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفسِ قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں، اس کے بہت سے احسانات اہلِ ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے، **من لم یشکر الناس لم یشکر الله**[۶]۔

واعتراف بکونه مجددا اکابر العلماء والاولیاء فی زمانه مثل الشیخ فضل الله برهان بوری و مولانا الشیخ حسن الغوثی و مولانا عبدالحکیم سیالکوتی ومولانا جمال

الدین الطالوی و مولانا حسن القبادانی و مولانا میر کشا و مولانا المیر مومن البلخیین و مولانا یعقوب العرفی الکشمیری[۷]۔

۳......علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) اسی طرح رطب اللسان نظر آتے ہیں:۔

> برستا بادل جس کے چھینٹے عرب وعجم پر چھا گئے، چمکتا آفتاب جس کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیل گئی، ظاہری اور باطنی علوم کا جامع، پوشیدہ اور چھپے ہوئے خزانوں کا خازن[۸]۔

۴......شاہ غلام علی نقشبندی مجددی

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ (م۔۱۲۴۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

> چاروں عالی شان سلسلہائے طریقت سے اخذ وکسب فیوض کے علاوہ اللہ کی درگاہ سے مواہب جلیلہ اور عطایائے نبیلہ سے سرفراز ہوئے ہیں، ان کے کمالات اور حالات سمجھنے میں عقل متحیر و عاجز ہے، حضرت خواجہ (باقی باللہ) فرمایا کرتے تھے کہ ”آسمان دنیا کے نیچے ان جیسا کوئی نہیں۔“ اور امتِ مسلمہ میں ان جیسے چند ہی لوگ گزرے ہیں، آپ کی معلومات اور مکشوفات صحیح ہیں اور اس قابل ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نظر میں لائی جائیں، حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کے مکاتیب شریفہ سے آپ کے کمال کا علم ہوتا ہے[۹]۔

۵......قاضی ثناء اللہ پانی پتی

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) حضرت مجدد کی نہ صرف مجددیت بلکہ الف ثانی کی مجددیت پر اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں:۔

> جب پہلا ہزارہ گزر گیا اور ایک اولوالعزم مرد کامل کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ

> نے اپنی عادت قدیمہ کے تحت دوسرے ہزارے کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا کہ تمام اولیاء میں ان جیسا اولوالعزم مجدد کوئی نہ ہوگا......اس کو نبیوں، رسولوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طینت سے پیدا فرمایا، وہ مقامات اور کمالات عطا فرمائے گئے جو کسی نے نہ دیکھے تھے اور آخر زمانے میں اس کے طفیل یہ کمالات عام اور ظاہر کیئے گئے[۱۰]۔

۶......نواب صدیق حسن خان

نواب صدیق حسن خان (م۔ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) نواب صدیق سسن خان حضرت مجدد کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

> شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی عالم وعارف اور کامل ومکمل تھے، طریقہ نقشبندیہ میں اپنے عہد کے امام اور خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراء النہر، شام، روم اور مغرب بعید تک پھیلا ہوا ہے، آپ کے مکتوبات شریف جو تین جلدوں پر مشتمل ہیں، وہ اس حقیقت پر دلیل واضح ہیں کہ آپ علوم شریعت میں کمال تبحر کے مالک اور سلوک ومعرفت کے انتہائی مقام پر فائز تھے،......آپ کے حالات زندگی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں آپ کے تمام کمالات کو بیان کرنے کی گنجایش نہیں......وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں فرق وامتیاز آپ ہی کی افادات عالیہ میں سے ہے......آپ کی قدر ومنزلت معلوم کرنے کے لیئے یہ جاننا کافی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جان جاناں (جیسی بلند ہستیاں) آپ ہی کے طریقے سے منسلک تھے۔ آپ کا طریقہ کتاب وسنت کی اتباع پر مبنی ہے، ظاہر وباطن ہر طرح سے، کتاب وسنت کے مخالف کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، آپ کے مکتوبات منازل معرفت وقبول کو طے کرنے کے لیئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، طالب صادق اور سالک کسی بھی وقت ان کے مطالعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا[۱۱]۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانی کے مکشوفات کے علو مرتبت کا اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ وہ سب کے سب چشمۂ صحو سے نکلے ہیں اور کبھی شریعت کے خلاف نہیں ہوئے بلکہ بیشتر مکشوفات کی شریعت تائید کرتی ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے، اولیاء اللہ میں آپ کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء میں اولوالعزم حضرات کا[١٢]۔

٧...... ڈاکٹر محمد اقبال

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے[١٣]۔

○

حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ 'گسستن' اچھا ہے یا 'پیوستن' میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں...... آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سر الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے ''سر الفراق'' کہا جائے، اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے، آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ ''شانِ عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں[١٤]۔''

○

انھوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک طریقہ وضع ہوا، ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوے وہ یا تو وسط ایشیاء یا سرزمین عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انہیں کا طریقہ ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔

○

شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس ''مصلح عظیم'' (Great Reformer) کی نگاہوں میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے، ان کا ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات و مشاہدات سے پہلے، جو وجود حقیقی کا مظہر ہیں، عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم ''رہنما توانائی'' کی دنیا کہتے ہیں...... ہم نے اسی لیے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا[15]۔

ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں، خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے پھر درحقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بنا پر ''انا الموجود'' کہہ سکے یعنی وہ اپنی وجود کنہ اور اساس کو پالے۔۔۔ خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے، اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا[16]۔

۸...... ابوالکلام آزاد

یہی نسبت اور ارادت کی ایک دولت ہے جو شاید ہم بے مائیگان کار اور تہی دستانِ راہ کے لیے توشۂ آخرت اور وسیلۂ نجات ثابت ہو، اگر اس کے دامن تک ہاتھ نہ پہنچ سکا تو اس کے دوستوں کا دامن تو پکڑ سکتے ہیں، اللہ اس راہ میں ثبات و استقامت عطا فرمائے اور اس کے دوستوں کی محبت و ارادت سے ہمارے قلوب ہمیشہ معمور اور آباد رہیں[۱۷]۔

۹...... اشتیاق حسین قریشی، وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی، کراچی

اخلاقی اور مذہبی جذبے کی ایک زبردست موج تھی جو ان کے قلب و روح میں لہریں مار رہی تھی، ایسا روحانی تلاطم دنیا روز روز نہیں دیکھا کرتی، اتنی شدت سے جو بات (ان کے) دلوں سے پھوٹی ملّت اسلامیہ کے دل تک جا پہنچی[۱۸]۔

۱۰...... ڈاکٹر پیٹر ہارڈی، لندن یونیورسٹی، لندن

شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں اسلام کو خود تصوف کے ذریعہ متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انھوں نے تردید کی اس کے منشاء و مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا[۱۹]۔

۱۱...... پروفیسر ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ، ٹفٹس یونیورسٹی، امریکہ

جہاں تک شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے مذہب میں ان کا نقطۂ نظر حقیقی طور پر سنّیت کا حامل ہے اور وہ ہندوستان کے پہلے عالمِ دین یعنی شیخ احمد سرہندی کے نقطۂ نظر سے زیادہ مختلف نہیں جنھوں نے اکبر کی اس عجیب و غریب کوشش کی سخت مخالفت کی کہ وہ سیاسی مقاصد کے لیے مختلف مذاہب کا ملا جلا ایک مذہب بنائے۔ بہرحال دونوں کے

سامنے ایک ہی سوال تھا کہ اسلام کو کس طرح تقویت دی جائے، دونوں اس کے لیے کوشاں رہے[۲۰]۔

○

اس میں شک نہیں کہ شیخ احمد کے اثرات نہایت ہی شاندار تھے، آپ نے تبلیغ وارشاد سے بحث ومباحثے سے اور رسل ورسائل کے ذریعہ اہم امراء مملکت کو یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں اسلام کے اندر بہت سی بدعات داخل ہوگئی ہیں، ان کو ترک کردینا چاہیے اور اسلام کی طرف لوٹ جانا چاہیے[۲۱]۔

○

شیخ احمد کی تعلیمات آپ کے سینکڑوں مریدین وتلامذہ کے ذریعہ دور دور تک پھیل گئیں شہنشاہ اورنگ زیب آپ کے ایک صاحبزادے کا معتقد ومرید ہوگیا اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے اہلِ دانش وبینش شیخ احمد کی تعلیمات سے وابستہ ہوگئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک ہوگئے[۲۲]۔

۱۲...... **ڈاکٹر محمد حفیظ ملک**، یونیورسٹی آف ولانوا (امریکہ)

اس میں شک نہیں کہ آنے والی نسل پر حضرت مجدد نے بڑا اثر ڈالا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی پکار ''چلو محمد کی جانب چلو'' نے سیاست اور مذہب دونوں پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ آپ کی تعلیمات نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے اندازِ فکر کو متاثر کیا...... ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں لادینیت کی سخت مخالفت کی اور ان قوتوں کو تحریک دی تاکہ اکبر سے پہلے کے حالات پیدا ہوجائیں چنانچہ جہانگیر کے پوتے اورنگزیب بادشاہ کے عہدِ حکومت میں آپ کی کوششیں بارآور ہوئیں[۲۳]۔

۱۳......ڈاکٹر عزیز احمد، یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا

یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ ہندوستان میں شیخ احمد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے اسلام پر انقلاب انگیز اثرات ہوئے، اس تصور نے سنیوں، عقلیت پرست آزاد خیالوں اور وجودیوں کو ایک مسلک میں منسلک کر دیا، اس نے شریعت وطریقت کے درمیان کشاکش کو کم کر دیا اور صوفیہ وعلماء کے قدیم جھگڑوں کو ختم کر کے ان کو یکجا کر کے مستحکم کر دیا اور یہ بات بھی تعجب انگیز نہیں کہ ہندوستان کے باہر بھی شیخ کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوئے[۲۴]۔

۱۴......فاضل جلیل علامہ محمد ہاشم خان مجددی سرہندی

قربِ الٰہی وولایت، علم وعرفان، زہدوتقویٰ، جہادومجاہدات، تبلیغ دین واصلاح مسلمین ان سارے فضائل وکمالات میں اگر اولیاء اللہ ومقربین وواصلین، علماء وعرفاء، زہادومتقین، مجاہدین ومبلغین ومصلحین کو بنظر تحقیق دیکھیں گے تو حضرت مجدد قدس سرہ العزیز ہر طبقے میں افضل واعلیٰ وارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنف کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ آپ بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی ہیں اسی بناء پر آپ کے سراقدس پر تجدید الف ثانی کا تاج رکھا گیا اور اسی وجہ سے آپ خلعت قیومیت سے نوازے گئے جو کہ ولایت میں سب سے اونچا مقام ہے۔ انہیں صفات وکمالات مافوق العادۃ کو دیکھ کر حضرت خواجہ وحدت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نگین گشت در حلقۂ اولیاء
چوں در انبیاء خاتم الانبیاء[۲۵]

۱۵...... **ڈاکٹر محمود حسین**، وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی، کراچی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ان بزرگوں میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے اس برعظیم میں اسلام کے احیاء اور اس کی سیاسی سربلندی کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں واقعہ یہ ہے کہ جہانگیر کے زمانے سے لے کر اب تک جو بھی اسلامی مفکر اس برعظیم میں پیدا ہوے اور جتنی بھی اسلامی تحریکیں یہاں اٹھیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانی کے کام سے منسلک ہے۔ شاہ جہاں کی اسلام دوستی، عالمگیر کی حکمتِ عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور خود تحریکِ پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد کی تعلیمات سے جاملتی ہیں[۲۶]۔

۱۶...... **سید غوث علی شاہ**، چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ، کراچی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ رواسم کفر سے بریّت حاصل کیے بغیر ایمان و اسلام کی برکتوں سے فیض نہیں اٹھا سکتے۔ آپ نے واضح فرمادیا کہ:۔

رواسم کفر و شرک کی تعظیم بھی شرک میں داخل ہے۔ جو بھی کفر و اسلام دونوں پر ایمان لاتا ہے وہ مشرک ہے اور دونوں کے احکام کو ملا جلا کر ان کی پیروی کرتا ہے وہ بھی مشرک ہے۔ یاد رکھو! کفر و رورسمِ کفر سے بریّت و بیزاری شرط اسلام ہے۔ (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم مکتوب ۴۱)

اس لیے کفر و اہلِ کفر سے اظہار بریّت اور قلب و قالب سے شریعت اسلامیہ پر اظہارِ ایمان اسلام و اہلِ اسلام کی سربلندی کے لیے شرط لازم ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لیے مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی

شریعت کی نوعیت، اہمیت اور افادیت کے ہر پہلو پر اپنے مکتوبات میں روشنی ڈالی ہے۔ پھر نہ صرف اس کے احیاء تبلیغ، ترویج اور تنفیذ پر عوام وخواص علماو صوفیا، اربابِ درباروا قتدار کو مائل، راغب اور آمادہ کیا بلکہ ان ہی کے تعاون سے جنوبی ایشیاء کے طول وعرض میں ایک ہمہ گیر پر امن تحریک چلا کر اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے عالمِ اسلام نے ان تجدیدی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو موجودہ ہزار سالہ دور کے لیے ''مجددِ اعظم'' تسلیم کیا اور ''امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' کے لقب سے سرفراز کر کے آپ کی بارگاہِ عالیہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا[۲۷]۔

۱۷......ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

علامہ اقبال نے اس ایک شعر میں عہدِ اکبری اور عہدِ جہانگیری کی پوری تاریخ کو اجمالی طور پر سمو دیا ہے اور اس اضطراب وانتشار اور ان خطرات وحوادث کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے جو اس وقت ویدک دھرم اور برہمن راج کا چراغ روشن کرنے کی ہنود کی سازش کی بناء پر ملت اسلامیہ کو درپیش تھے اور ''سرمایۂ ملت'' غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی نے تجدید واحیائے اسلام کا علم بلند کر کے سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا واقعی حق ادا کیا۔

انھوں نے ''ملتِ ما جدا گانہ است'' کا نعرہ لگا کر ملی تشخص کو ابھارا جس سے دوقومی نظریے کو جلا ملی جو ظہورِ پاکستان پر منتج ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو جس میں عجمی رنگ پیدا ہو چکا تھا اپنے اصل اسلامی روپ

میں نکھار کر پیش کیا اور فرمایا کہ ''طریقت و حقیقت خادمان شریعت اند'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نبوت کے بارے میں پیدا کیے گئے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور شاہکار تصنیف ''اثبات النبوۃ'' کو تحریر فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیا۔ آپ نے امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے اسلامی نظام کو ازسرِ نو منظم کرنے کے لیے امراء، رؤساء، حکام، سپہ سالار، مجاہدین، علماء ومشائخ کو تبلیغی خطوط لکھے۔ شہنشاہ وقت کو بیش قیمت مشورے۔ آپ نے تبلیغی وفود کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بھجوایا آپ کی مساعی جمیلہ سے شعائر اسلامی کا شعور و ادراک ازسرِ نو ابھرا اور آپ کی تعلیمات کے دوررس اثرات اطراف واکناف عالم میں پھیلے اور آنیوالے معاشروں پر گہرے اثرات مرتب کیے اور مکتوبات مجدد کا تو کیا کہنا۔

ہر لفظ کمالات و معارف کا ہے شہکار[۲۸]

۱۸...... پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق ابڑو، چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جامشورو (سندھ)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم عقلیہ اور علومِ نقلیہ میں اپنے دور کی بین الاقوامی شخصیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے اپنا معیارِ زندگی بنایا اور اپنی ساری زندگی اقامتِ دین، تزکیہ نفس علم و حکمت اور رضائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصول میں گزار دی۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔ ''من خدارا ازاں پرستش می کنم کہ رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) است۔'' ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ ''جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت کے حوالے سے مانا، اس نے مانتے ہوئے بھی نہ مانا اور جس نے آپ کو رسالت کے حوالے سے مانا بیشک اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا'' ایک روز آپ نے میرے

آقا و مولیٰ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی، اسی روز اہلِ خانہ کو جشن منانے اور ہر قسم کے کھانے پکانے کا امر کیا۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی کا سب سے اہم اور دلچسپ باب ان کی اصلاحی اور تجدیدی تحریک کے متعلق ہے جس کی وجہ سے برصغیر کی تاریخ کا رخ تبدیل ہوگیا۔ یہ آپ ہی کی تجدیدی تحریک کی برکات تھیں کہ ہندو راجپوتوں اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کو ختم کر کے اورنگ زیب جیسے متقی اور خداترس حکمراں پیدا کیے[۲۹]۔

۱۹...... مفتی محمد علیم الدین نقشبندی، جامعہ سلطانیہ، جہلم

حضرت غوث صمدانی، قیوم زمانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علمائے ربانیین، اولیائے کاملین، عرفائے راسخین، زاہدین، عابدین، متقین، واصلین، مبلغین، مجتہدین، مجددین، مصلحین اور محسنین میں نہایت اعلیٰ وارفع شان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حساب ظاہری اور باطنی انعامات سے سرفراز فرما رکھا ہے۔ قیومیت کی خلعت زیبا آپ کے قدوقامت پر سجی اور دوسرے ہزار سال کی تجدید کا نورانی تاج آپ کے سرِ مبارک کی زینت بنا۔

مخدوما! یہ حقیقت ہے کہ اہلِ اسلام کی اجتماعی اور انفرادی، دینی اور روحانی مشکلات کا حل حضرت امام ربانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف مبارکہ میں موجود ہے۔ یہ مشکلات دورِ حاضر کی ہوں یا مستقبل میں رونما ہونے والی ہوں۔ مکتوبات مبارکہ کے تین دفتر اور دیگر تصانیف آپ کے اصلاحی، تبلیغی اور تجدیدی جہاد کی ولولہ انگیز دستاویز ہیں۔ یہ ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہے[۳۰]۔

۲۰...... ڈاکٹر آرتھر ایف بیولر سالم عبداللہ، (یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا، امریکہ)

Ahmad Sirhindi: The Advent of the Mujaddidiyya

Shaykh Ahmad Sirhindi (971/1564 -1034/1624) initiated the third stage of Naqshbandi history, when the Naqshbandiyya became an Indian lineage.known as "the renewer of the second millennium" (mujaddid-i-alf-i-thani), he was the most famous of Baqi billah's disciples and exhibited his extraordinary spiritual aptitude by becoming a successor to Baqibillah in less than three months. More than any other Indian Naqshbandi after Baha'uddin, both redefined the role of Sufipractice in society and elaborated Naqshbandi mystical exercises. The renaming of the path to Mujaddidiyya reflects the significance of Sirhindi's influence; he is regarded as a co-founder by the later Naqshbandiyya.[۳۱]

۲۱...... ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی، اسلام آباد

He ranks among the class of reformers Ibn Tayimiya, his style is at times unusually telling and modern. In this sense, with all the richness of his thought, Iqbal has but simply rendered in magical poetry what Shaikh Ahmad, the Mujaddid, had preached as his central theme three hundred years before.

○

Shaikh Ahmad had re-discovered orthodoxy through spiritual experience. He now embarked on an intensive and feverish endeavour to bring back sufism to orthodoxy. He wrote works like Risala A'lmabda' wa'l-ma'ad (showing that the end of sufism is the beginning of Islam, Risala dar Radd-i-Rawafid (against the Shi'a) and a colossal number of letters propagating the true doctrine; he trained an immense number of people and sent them not only into the major towns of India but also to Afghanistan and Transoxiana. Among the Irage number of eminent contemporaries who became his disciples was Shaikh Mirak, prince Dara Shikoh's tutor.[۳۲]

☆......☆......☆

حواشی

۱......محمد غوثی: اذکار ابرار (؁۱۳۲۶ھ) (ترجمہ گلزار ابرار ؁۱۰۲۲ھ) مطبوعہ ؁۱۳۲۸ھ ص۔ ۵۳۳ تا ۵۴۴

۲......شاہ ولی اللہ: شفاء العلیل ترجمہ اردو قول الجمیل، ۱۲۲

۳......ایضاً، ص۔۱۲۶

۴......ایضاً، ص۱۲۶

۵......محمد منظور نعمانی: تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۹ء، ص۔۳۰۳

نوٹ:...... ہمیں افسوس ہے کہ نارسائی کی وجہ سے شرح رسالہ رد الروافض کا مطالعہ نہ کیا جا سکا، مختلف کتابوں سے اس کے چند اقتباسات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں جن سے شاہ صاحب کی نظر میں حضرت مجدد کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ (مسعود)

۶......محمد منظور نعمانی: تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء، ص۳۰۴

۷......محمد مراد بن عبداللہ: نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ھ، ص۳۲

۸......غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۱۳ھ، ص۴۷

۹......شاہ غلام علی دہلوی: ایضاح الطریقۃ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۱۳ھ، ص۴۷

۱۰......قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی: ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ، ص۶۳

۱۱......نواب صدیق حسن خاں: تقصار اجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ، ص۱۱۰۔۱۱۱

۱۲......نواب صدیق حسن خاں: ریاض المرتاض، ص۲۱۔۳۲۲

۱۳...... انوار اقبال: مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص۲۶۸، مضمون علم ظاہر و باطن، مطبوعہ اخبارِ وکیل وامرتسر، ۲۸ جون ۱۹۱۶ء

۱۴......مکتوب محرب ۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ع (علامہ اقبال اور تصوف، کراچی ۱۹۶۷ء، ص۳۰)

۱۵...... اقبال: تشکیل جدید الٰہیات، ص، ۲۹۸

۱۶......اقبال: تشکیل جدید الٰہیات۔ ص، ۳۰۰

۱۷......ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص۔۲۵۵ و ۲۵۶

۱۸......اشتیاق حسین قریشی: دی مسلم کمیونٹی آف دی انڈو پاکستان سب کانٹی نینٹس، ہیگ، ۱۹۶۲ء، ص۲۰۵

۱۹...... Wm Theodre de Bary: Sources of Indian Traditions, New York 1959. pp.449

۲۰...... The Muslim World (U.S.A) April 1992, pp.11

۲۱...... "Studies in Islam" Vo.I, No.2, April,1964, pp.108

۲۲...... Ibid. pp.III

۲۳...... Hafeez Malik: Muslim Nationalism in India and Pakistan, Washington, 1963.

۲۴...... Rivista Degli Studi Orientali, Rome, 1961,pp.1

۲۵......محمد مسعود احمد: سیرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص۱۰

۲۶...... ایضاً، ص ۸

۲۷...... پروفیسر عبد الباری صدیقی: مکتوبات امام ربانی بحیثیت ماخذ ایمانیات، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۔۱۵

۲۸...... یادگار مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۲۔۲۲

۲۹...... ایضاً، ص ۲۸۔۲۹

۳۰...... ایضاً، ص ۲۶۔۲۷

۳۱...... Arthur F. Buehler: Sufi Heirs of the Prophet, Carolina, 1998, pp.66-68

۳۲...... Selected Letters Of Shaykh Ahmed Sirhindi, Karachi, 1968, pp. v, 23

☆......☆......☆

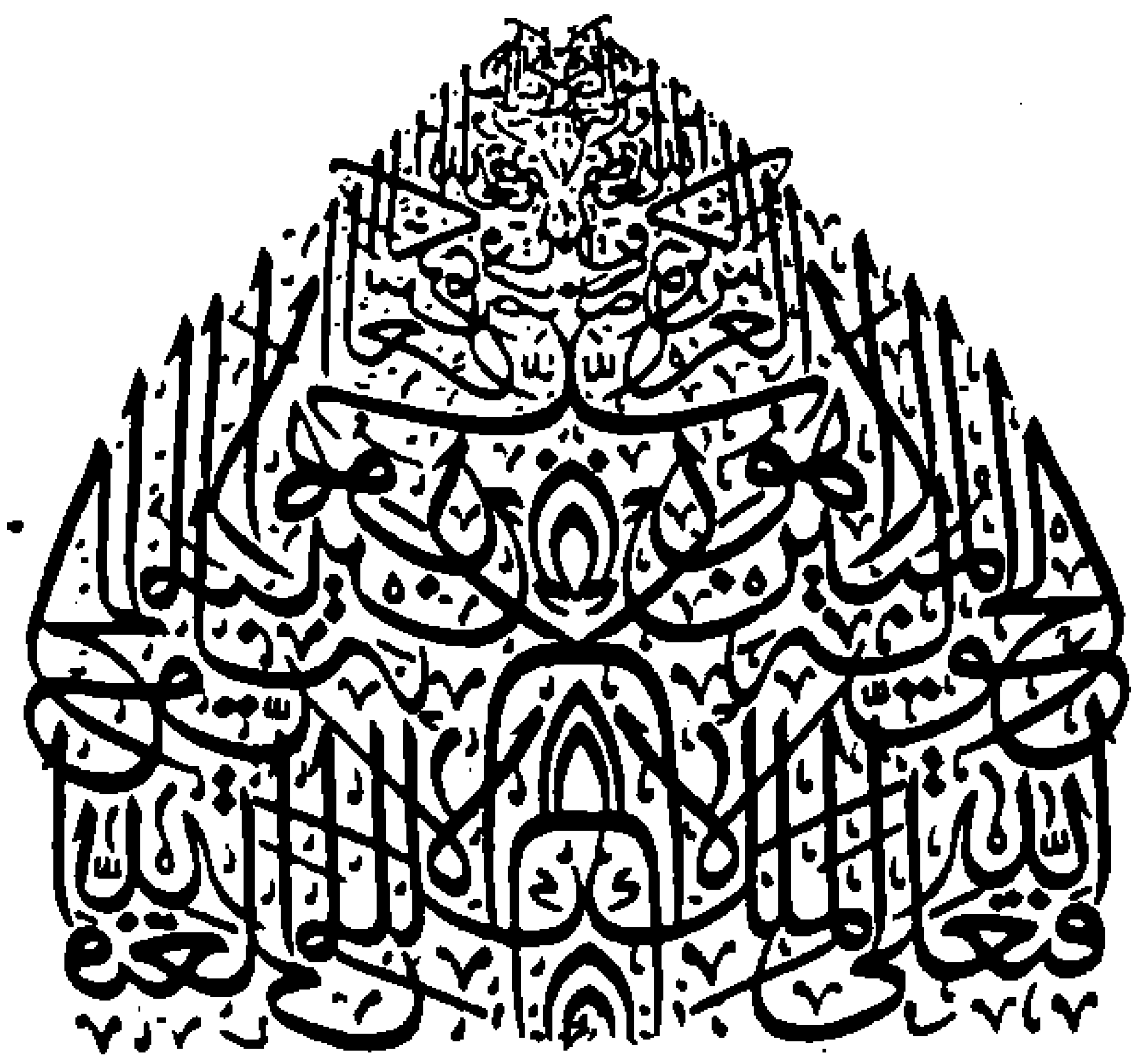

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ چہارم

منتخب کر کے زمیں سرہند کی اپنے لیے
سرزمینِ ہند کی قسمت سنواری آپ نے

(اقبال سرہندیؔ)

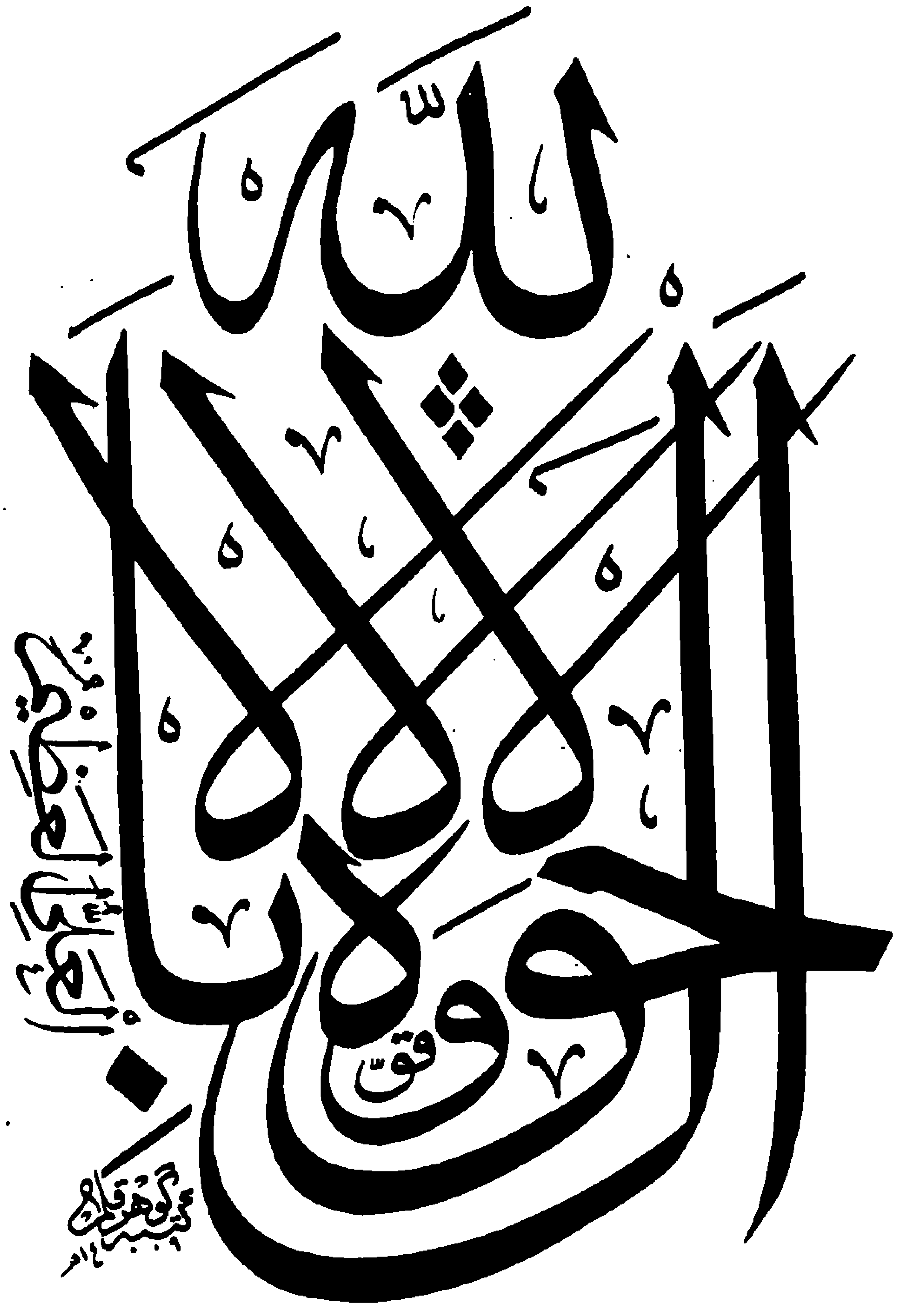
لا حول ولا قوة إلا بالله
العلي العظيم
کتبہ محمد گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی کا سفرِ آخرت

خواجہ بدرالدین سرہندی خلیفہ امام ربانی مجدد الف ثانی

مترجمہ: مولانا اعزاز الدین احمد صدیقی

☆☆

جمیع حمد وثنا اس ذات پاک کو زیبا ہے جس نے موت کو پل گردانا اس لیے کہ دوست دوست کی طرف پہنچ جائے اور اپنے دوستوں کے کوچ فرمانے میں بہت سے عجیب وغریب امور کو ہویدا فرمایا اور دوستوں کے ہاتھوں سے ہزار بجلیاں کرامت کی چمکادیں اور ان کے ہاتھوں کے مشرق سے صدہا آفتاب کرامت کے دکھادیے اور درود وسلام اس فخر انام پر ہو کہ جس نے معجزات سے خلائق کو عاجز بنایا اور اولیاء کرام میں اپنے اعجاز کو بصورت کرامت ظاہر فرمایا اور ان کی اولاد واصحاب اور جملہ متبعین پر درود وسلام ہو۔

اس کے بعد فقیر حقیر خاکسار آستانہ اولیاء کرام اور کمترین ونیاز مند ورثہ انبیائے عظام شیخ بدرالدین پسر شیخ ابراھم نقشبندی احمدی، باشندہ سرہند کا ظاہر کرتا ہے کہ بعض اصحاب حضرت قدس سرہ نے اس حقیر سے (درخواست) کی کہ چند کلمہ بیان میں بعض خوارق اور کرامتیں حضرت قطب الاقطاب اور غوث الاوتاد، اعلم الزمان، اکمل الوقت، مجدد الملۃ، محدث الامۃ، شیخنا وامامنا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ احمد فاروقی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے جو کہ رحلت فرمانے سے پہلے یا بعد کو ظہور میں آئے ہیں اور جو کہ آنحضرت قدس سرہ نے ازروئے پیشین گوئی کے اپنے انتقال کے سال اور ایام سے خبر دی ہے وہ احاطۂ تحریر میں لا۔ لہٰذا ان کے سوال کی اجابت کو اپنی سعادت مندی جان کر اس معنی پر پیش قدمی کی اور جو کچھ وقت تحریر کے یاد آیا قلم کے حوالے کیا اور اس رسالہ کا ''وصالِ احمدی'' نام رکھا۔ اور اب اللہ تعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا طالب ہوں۔

معلوم ہو کہ حضرت قدس سرہ الاقدس ماہ شعبان سنہ ایک ہزار تینتیس ۱۰۳۳ ہجری نبوی میں گوشہ نشین اور خلوت گزین ہوئے اور ایک خاص جگہ اپنے مکان میں مقرر فرمائی کہ بجز ادا کرنے نماز جمعہ کے اس جگہ سے باہر تشریف فرما نہیں ہوتے تھے بلکہ نماز پنجگانہ بھی اسی خلوت خانہ میں مع چند یارانِ طریقت کے ادا فرماتے تھے۔ اور وہ لوگ بعد تمام ہونے نماز کے باہر چلے آتے تھے الغرض دم واپسیں تک یہی گوشہ نشینی اور خلوت گزینی اور خلق سے انقطاعِ کلی اور صحبت سے دوری رہی۔

میرے مخدوم زادہ عارف ربانی صاحب اسرارِ سبحانی حضرت شیخ محمد سعید و شیخ محمد معصوم سلمہما ربہما حضرت عصمت پناہ اپنی والدہ ماجدہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ شب برات کو حضرت قدس سرہ خلوت خانہ میں شب بیداری فرما رہے تھے کہ یکا یک دو پہر رات گزری ہوگی کہ اندر مکان کے تشریف لائے اور میں مصلے پر بیٹھی ہوئی تسبیح پڑھ رہی تھی دریافت کیا میں نے کہ آپ نے نماز تہجد ادا کر لی۔ فرمایا ابھی نہیں چونکہ میں اپنے میں کسی قدر سستی پاتا ہوں اس لیے دل میرا چاہتا ہے کہ قدرے آرام کر کے واسطے تہجد کے اٹھوں۔ بعد اس کے ایک لحظہ خواب استراحت فرما کر اٹھے اور پانی طلب کر کے وضو کیا میری زبان سے نکلا۔ خدا جانے آج کی رات کس کا نام ورق ہستی سے مٹایا گیا ہوگا۔ اور کس کا لکھا گیا ہوگا ارشاد ہوا کہ تم از روئے شک و تردد کے کہتی ہو۔ کیا حال ہوگا اس شخص کا جو جانتا اور دیکھتا ہے کہ نام اس کا مٹا دیا گیا۔ اس میں اشارہ اپنی جانب تھا۔ اور یہی دونوں مخدوم زادہ سلمہما ربہما حضرت عصمت پناہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت قدس سرہ الاقدس سے دریافت کیا کہ آپ نے اس قدر اہل و عیال سے بے رغبتی اور خلق سے بے تعلقی کس لیے اختیار فرمائی ہے ارشاد ہوا کہ زمانہ میرے انتقال کا بہت ہی نزدیک اور نہایت ہی قریب ہے پس جس آدمی کو ایسا معلوم ہو اس کو زیبا اور لائق ہے کہ اپنے کو بزور عبادت میں مشغول کرے اور تسبیح و استغفار اور درود و تلاوت قرآن مجید اور ذکر وغیرہ سے ایک دم غافل نہ ہو اور غیر حق سے بالکل علیحدگی اختیار کرے تم سب بھی مجھ کو خدا پر چھوڑ دو۔

اور یہی دونوں مخدوم زادہ عصمت پناہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے پہلے بیماری کے حضرت قدس سرہ الاقدس سے دریافت کیا کہ آپ میں نشانی ناامیدی کی زندگی سے اور سامان کوچ کا ظاہر ہے اور شوق ملاقات رفیق اعلیٰ باہر پس اس قدر خیرات کہ دافع بلا ہے کس لیے کرتے ہیں جس کے جواب میں یہ مصرعہ ہندی پڑھا۔ مصرعہ

آج ملاوا کنت سیوں سکھی سب جگ دئیوں وار

(ترجمہ) مل جائے وہ یار تو کردوں جان و مال نثار

الغرض حضرت قدس سرہ نے اس مدت میں ظاہر و پوشیدہ دن اور رات بہت کچھ خیرات و مبرات کی۔

اور یہی دونوں مخدوم زادہ حضرت عصمت پناہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت قدس سرہ اس مکان میں کہ جس میں بود و باش آپ کا تھا تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ اب کے موسمی جاڑے میں اس مکان میں نہیں ہونگا۔

لوگوں نے عرض کیا شاید اس مکان میں جو کہ خلوت کے واسطے درست فرمایا ہے قیام فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا اس جگہ بھی نہیں پھر خدام نے دوبارہ عرض کی کہ پھر کہاں رونق افروز ہوئیے گا ارشاد کیا کہ ان مکانوں میں سے کسی میں نہیں دیکھو خود بخود کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اتفاقاً موسم سرما آنے تک اس عالم فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما ہوے۔

اور یہی مخدوم زادہ نقل کرتے ہیں کہ سنہ ایک ہزار چوبیس ہجری میں اس وقت عمر آپ کی ترپین سال تھی فرمایا کہ ساٹھ سال سے زیادہ اپنی عمر کو نہیں دیکھتا ہوں میں اور یہ بات قضائے مبرم سے ظاہر ہوتی ہے اور سنہ ایک ہزار بتیس ہجری میں اجمیر شریف سے دونوں مخدوم زادوں کو تحریر فرمایا کہ زمانہ میری تمام عمر کا نزدیک ہے اس لیے کہ اجازت نامہ دنیا کے عوض آخرت کا مرحمت ہوا اور وصیت بھی یکا یک ارقام فرمائی (اگر اس کی تفصیل مطلوب ہو تو آنحضرت کے مکتوبات شریف میں مطالعہ فرمائیں۔)

جس وقت کہ دونوں مخدوم زادے اجمیر شریف میں آنحضرت قدس سرہ الاقدس کی ملازمت میں حاضر ہوے آپ نے تنہائی فرما کر ارشاد کیا کہ مجھ کو جہاں اور جہانیوں سے کچھ بھی تعلق نہیں رہا۔ اب مجھ کو چھوڑ دینا چاہیے یہ سن کر صاحبزادوں کو سخت پریشانی ہوئی فرمایا کہ طریقہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے چلا یا آیا ہے اس کی وجہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔

اور سنہ ایک ہزار تینتیس ۱۰۳۳ھ ہجری میں یعنی رحلت فرمانے سے چھ مہینے پیشتر ایک حاجت مند کی سفارش میں ایک خط مقرب حضرت خاقانیہ صادق خاں کو تحریر فرما رہے تھے اس وقت یہ فقیر بھی آنحضرت قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا اور مگس رانی کر رہا تھا آنحضرت قدس سرہ لکھ رہے تھے اور یہ فقیر دیکھتا جاتا تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ معلوم شریف ہووے کہ جب سے بادشاہ نے فقیر کو رخصت مطلق فرمایا

ہے اسی وقت سے تنہائی اختیار کی ہے بعنایۃ اللہ سبحانہ، اوقات جمعیت سے گزرتے ہیں کیونکہ اس شہر میں ہر سال وبا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سال میں زندگی وفا نہ کرے۔ باقی خوش رہو۔

جب کہ زمانہ تنہائی کا چھ سات مہینے کو پہنچا عارضہ ضیق النفس کا جو کہ ہر سال آنحضرت قدس سرہ الاقدس کو ہوا کرتا تھا مع بخار کے لاحق ہوا میرے خیال میں وہ دن سترھویں ذی الحجہ کا تھا۔ شدائد امراض کے بہ نسبت گزشتہ سالوں کے زیادہ تر تھے۔ مخلصوں کو صحت سے مایوسی ہوئی۔

نقل ہے کہ ایک روز عارف ربانی میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، سے فرمایا کہ آج کی رات حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کو میں نے خواب میں دیکھا نہایت مہربانی اور عنایت میرے حال پر فرماتے ہیں اور اپنی زبان مبارک کو میرے منھ میں ڈال کر فرماتے ہیں کہ میرے اس شعر

افلت شموسُ الاولین و شمسنا
ابدا علی افق العلی لاتغرب

اور اس قول میں **قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ**۔ آدمی حیران ہیں کہ حل اس کا لکھو اس ضعف سے تم کو صحت حاصل ہوگی چونکہ اس ضعف میں شوق ملاقات حق کا آنحضرت پر بہت غالب تھا بہ سبب کمال شوق کے گریہ وزاری طاری ہوا حتیٰ کہ اس کلمہ کے ساتھ دم بدم رطب اللسان تھے **اللھم الرفیق الاعلیٰ** اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ تمہاری بیماری کا علاج نہیں ہے تو سو روپیہ راہ خدا میں دوں بعد اس کے عارف ربانی میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ اللہ ربہ نے عرض کیا کہ حضرت سلامت اس قدر نامہربانی اور بے شفقتی ہم پر کیوں ہے۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ تر دوست ہے ان شاء اللہ بعد رحلت کرنے کے حالت حیات کی نسبت زیادہ تر مہربانی اور اعانت کی جاوے گی اس لیے کہ تعلق بشری بعض وقتوں میں اعانت اور توجہ کے مانع ہے اور بعد انتقال کے چونکہ فراغت اور تجرد ہے کوئی مانع نہیں اور بھی میرے مخدوم زادہ سے منقول ہے کہ حضرت قدس سرہ کو رات میں زیادہ تر ضعف ہوتا تھا یہاں تک کہ بے قرار کر دیتا تھا اور دن میں کم، رات کی سختی کے کم ہو جانے سے حسرت وافسوس کرتے تھے۔ اس واسطے کہ وہ تکلیف اور بے آرامی آپ کے لیے عین راحت ولذت تھی اور فرماتے تھے کہ جو لطف اور حلاوت سختی کی حالت میں حاصل ہوتی ہے وہ راحت وعافیت میں ہرگز نہیں ملتی۔ کیونکہ وہ بہت بلند مرتبہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ بموجب بشارت دینے حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کے حضرت کو صحت حاصل ہوئی

اور ضعف جاتا رہا طبیبوں نے دوستوں کو خبر خوشی کی سنائی آنحضرت قدس سرہ نے فرمایا سبحان اللہ جو معاملات کہ حالت مایوسی اور دردمندی میں حاصل تھے وہ سب صحت کے سبب سے پوشیدہ ہو گئے چونکہ آنحضرت قدس سرہ ہمیشہ بموجب **کل یوم ھو فی شان** آناً فاناً معاملات جداگانہ اور کیفیات روزانہ ترقی پر تھیں اور تازہ نسبتیں ظاہر ہوتی تھیں اور ہر مقام کے موافق حکم ملتا تھا۔ اس واسطے کسی چیز کا جانا آپ کے حق میں موجب نقصان کا نہ تھا کہ دوست کو دوست کے ساتھ آگ اور باغ برابر ہے۔ اور میرے مخدوم زادہ فرماتے ہیں کہ ----- بارھویں تاریخ محرم ۱۰۳۴ھ ایک ہزار چونتیس ہجری میں مجھ سے فرمایا کہ چالیس اور پچاس دن کے درمیان میں تمہارا مقبرہ ہوگا۔ سننے والوں کو گمان ہوا کہ شاید اسی ضعف میں آپ کا وصال ہوگا کیونکہ ضعف روبصحت آیا یہاں تک کہ آپ واسطے نماز کے مسجد میں جاتے اور نماز با جماعت ادا فرماتے اس میں ایک ہفتہ گزر گیا اور آپ کو ایسی عافیت نصیب ہوئی کہ لوگوں کے خیال سے آپ کا وہ فرمانا کہ چالیس اور پچاس روز کے درمیان گزر جاؤں گا جاتا رہا۔ اور اس مشہود کو واقعہ اور خواب پر محمول کرنے لگے اور تاویلات اور تعبیرات سے اپنے دلوں کو اطمینان اور تسلی دینے لگے۔ لیکن آنحضرت قدس سرہ الاقدس اس خطاب کے ملنے کے بعد سے دن گنتے اور وصال کے منتظر تھے چنانچہ جمعرات کی رات بائیسویں صفر کو خدام سے فرمایا کہ آج کا دن اس معاملہ کا چالیسواں دن ہے دیکھیے اس دس دن میں کیا ہوتا ہے۔

اور بھی مخدوم زادہ شیخ محمد سعید سلمہ ربہ نقل فرماتے ہیں کہ انہیں ایام صحت میں آنحضرت نے فرمایا جو کمال کہ انسان کے واسطے مخصوص اور ممکن الحصول ہے بہ طفیل جناب رسالت مآب ﷺ کے مجھ کو اس سے حصہ حاصل ہوا۔ مخدوم زادہ میرے فرماتے ہیں کہ اس بات کے سننے سے میرا دل سخت پریشان ہوا اور سمجھا میں کہ بمقتضائے آیہ کریمہ:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
و رضیت لکم الاسلام دیناً

شاید اس عالم سے کوچ فرمائیں گے بلکہ اس خطرہ سے بہت کچھ صدمہ اور پریشانی کھینچا میں نے یہاں تک کہ جمعرات کے دن تیئسویں تاریخ صفر کو وقت عصر کے قبائیں صوفیوں کو تقسیم فرماتے تھے اس وقت آپ فقط فرجی پہنے ہوئے تھے جیسے کہ آنحضرت حسب عادت نیچے قبا کے فرجی پہنتے تھے اس وقت نہ تھی۔ سردی کی وجہ سے بخار آ گیا اور آپ لیٹ گئے۔

میرے مخدوم زادہ عارف ربانی حضرت شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت اس رات وقت تہجد کے اٹھے اور وضو کر کے نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھی اور فرمایا کہ یہ آخری تہجد ہماری ہے۔ بغور سننے اس بات کے میرے دل میں آیا کہ بیماری سے صحت پا کر پھر بیمار ہونا اور اس عالم سے رحلت فرمانا گویا اس معنی میں بھی پیروی جناب سرور کائنات کی ہے وہ بھی آں حضرت قدس سرہ کو نصیب ہوئی چونکہ جناب سرور عالم ﷺ بھی اسی طرح بیماری سے صحت پا کر چند روز بعد پھر بیمار ہو کر اس عالم سے رحلت فرما ہوے۔

میرے مخدوم زادہ عارف ربانی حضرت خواجہ شیخ محمد سعید اور خواجہ شیخ محمد معصوم سلمھما ربھما نقل کرتے ہیں کہ اسی حالت ضعف میں حافظ عبدالرشید سے فرمایا کہ دو روپیہ کے کوئلے واسطے انگیٹھی کے لاؤ بعد اس کے ارشاد ہوا کہ ایک ہی روپے کے لاؤ۔ اس واسطے کہ کوئی واعظ دل میں کہتا ہے کہ اس قدر فرصت کہاں ہے جو دو روپیہ کے کوئلے جلا دیں شیخ حبیب خادم نے عرض کی حضرت سلامت زمانہ سردی کا ہے کام آئیں گے اس پر فرمایا کہ ملا حبیب اس قدر درازی وقت اور زندگی کی امید کہاں مگر ایسا ہی کرو جبکہ سب کوئلے آ گئے ان میں سے ایک روپیہ کے جدا کیے اور فرمایا کہ اس قدر ہمارے واسطے کافی ہیں اور باقی ایک روپیہ کے زنان خانہ میں بھجوا دیے اپنے واسطے جو ایک روپیہ کے جدا کیے تھے وہ آپ کے وصال تک ختم ہو گئے ان میں سے کچھ باقی نہ رہے۔ اس حالت مرض میں صحت کی حالت سے زیادہ تر علوم اور معارف آنحضرت پر ظاہر ہوے کہ ان کو دونوں مخدوم زادہ عالی مرتبت اپنے پر ظاہر و ہویدا کیا۔ ایک روز معارف وحقائق کے بیان میں ایسے سرگرم تھے کہ ضعف اور ناتوانی کے سبب سے طاقت گویائی کی نہ رہی تھی۔ مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے عرض کی کہ حضرت سلامت ضعف آپ کو بہت ہو گیا ہے اس قدر کلام کی طاقت نہیں ہے بیان معارف کو صحت کے وقت تک موقوف کیجیے ارشاد ہوا کہ آئندہ وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو ہے شاید دوسرے وقت زبان یاری نہ کرے باوجود اس ضعف اور ناتوانی کے کوئی نماز آنحضرت قدس سرہ نے بدون جماعت کے نہ پڑھی الا ماشاء اللہ جیسا کہ چاہیے قومہ اور جلسہ ادا فرماتے تھے بلکہ جو دعا اور وظیفہ مقرر تھا سب ادا فرماتے تھے اور کوئی دقیقہ دقائق شریعت سے اور کوئی ادب آداب اعمال سے ترک نہ فرمایا۔ اصلاً سرِ مو حالت صحت سے کسی جزئیات شریعت میں کسی طرح کا فرق نہ ہوا۔

آخر رات منگل میں کہ دن وصال آنحضرت قدس سرہ کا تھا فرمایا اصبح یا لیل یعنی صبح ہو

اے رات اشتیاق وصال حق جل وعلیٰ میں ساتھ اس عبارت کے گویا ہوے اور دن وصال کا مقرر فرمایا جو خدام بیمارداری اور خدمت گزاری کے واسطے حضور میں تھے ان سے اس رات میں فرمایا کہ تم نے بہت محنت اٹھائی اب یہی رات محنت کی ہے۔ اس کے بعد بہ سبب ضعف کے استغراق اور بے ہوشی آپ پر طاری ہوئی۔

اس وقت عارف ربانی میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے عرض کی کہ حضرت سلامت یہ غیبت آپ کو استغراق سے ہے یا خواب سے ارشاد ہوا کہ استغراق سے ہے۔ بعض معاملات وحقائق درپیش ہیں اس لیے توجہ کرتا ہوں کہ پوری طرح ظاہر ہو جائیں اور اختتام کو پہنچیں اور ان معاملات کو ان سے بھی بیان فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی باریکیاں تھیں۔ اس بیماری میں اکثر اوقات وصیت بھی فرماتے تھے اور اتباع شریعت بلند اور التزام ملت پسند کی رغبت دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ شریعت کو دانتوں سے پکڑو۔ اور یہ بھی اس وقت ارشاد ہوا **النصیحة هی الدین** (نصیحت دین ہے) صاحب شریعت نے باریکیوں میں سے کوئی باریکی نصیحت کی نہیں چھوڑی ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میری تجہیز وتکفین میں اتباع نبوی **علیٰ مصدرها الصلوٰة والسلام** اور رعایت حدود شرعی کی بجالانا اس سے پہلے حضرت عصمت پناہ سے فرمایا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تم سے پہلے عنقریب رحلت کرونگا اپنے مہر کے روپیہ سے میرا کفن تیار کرانا۔

اور یہ بھی وصیت فرمائی کہ گمنام جگہ میں میری قبر بنانا اس پر میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے عرض کی کہ حضرت سلامت آپ نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ہماری قبر گنبد میں فرزند محمد صادق کے ہوگی اور جگہ قبر کی بھی آپ نے معین فرمادی تھی۔ اور شرافت وبرکت وانوار اس جگہ کے بیان کیے تھے۔ اب آپ ایسا فرماتے ہیں فرمایا ہاں میں نے کہا تھا لیکن اس وقت مجھے یہی شوق ہے اگر تم کو یہ منظور نہ ہو تو قریب مزار والد بزرگوار کے دفن کیجیو اور اگر یہ بات بھی منظور نہ ہو تو باغ میں دفن کیجیو اور قبر میری کچی رکھنا پختہ نہ بنانا جب کہ مخدوم زادہ نے بہت کچھ اصرار کیا تو فرمایا کہ تمہاری رائے پر چھوڑا میں نے جو مناسب ہو کیجیو رحلت سے پہلے فرمایا کہ میں استنجا کروں گا اگر طشت لاؤ اتفاقاً مولانا محمد قاسم آپ کے خادم طشت بغیر ریت کا لائے جس میں ریت تھا اس طشت کو نہ لائے۔ فرمایا کہ اس طشت میں قطرے اڑیں گے ریت والا لاؤ چونکہ کسی کو گمان آپ کے قرب وصال کا نہ تھا عرض کیا کہ قارورہ حکیم کو دکھائیں

گے۔ فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ اب میں پیشاب نہ کروں گا پس لوگوں نے اٹھا کر بستر پر بٹھا دیا اس جگہ مولف کہتا ہے کہ اس وقت چند باتیں میرے خیال میں آئیں وہ یہ کہ آنحضرت نماز فجر سے باطہارت تھے۔ اور یہ آپ کو معلوم تھا کہ وقت رحلت کا بہت قریب ہے نہ چاہا آپ نے کہ بدون طہارت کے رحلت فرمائیں اس واسطے کہ طہارت کے ساتھ رحلت کرنے میں بہت سے فضائل ہیں اور یہ جو فرمایا کہ چھینٹیں اڑیں گی یہ اشارہ حدیث شریف کی طرف تھا وہ یہ ہے کہ بچو پیشاب کے قطروں سے اس واسطے کہ اکثر قبر کا عذاب اس کے سبب سے ہوتا ہے۔ دوسرے حکیم کا جو ذکر آیا اس سے اعراض فرمایا یہاں تک کہ پیشاب کرنا ترک کیا۔

جب کہ عارف ربانی حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے آنحضرت کا سانس زیادہ چلتا ہوا پایا بے قرار ہو کر عرض کیا کہ حضرت سلامت آپ کے مزاج کا حال کیسا ہے۔ فرمایا کہ میں بہت اچھا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو اس حال میں دیکھتا ہوں کون سی خوبی ہے فرمایا وہ دو رکعت نماز ہم کو کافی ہے۔ اور مولانا محمد ہاشم آپ کے خادم نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کہ دو رکعت نماز جو پڑھیں میں نے کافی ہیں لفظ ''آن کا'' نہ فرمایا۔ یہ آخری گفتگو حضرت قدس سرہ کی تھی۔ اور یہ ثابت ہوا کہ آخرین تکلم تمام انبیاء علیہم السلام کا نماز کی بابت ہوا ہے گویا آنحضرت قدس سرہ نے بھی انبیاء علیہم السلام کا اتباع کیا۔ بعد ایک لحظہ کے جان گرامی آپ کے جسم مبارک سے علیحدہ ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور آپ کے وصال کے وقت یہ کیفیت تھی کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سیدھے رخسار کے نیچے تھی گویا کہ قبلہ رو بطریقۂ سنت خواب استراحت فرما رہے تھے۔ سنہ ۱۰۳۴ھ ایک ہزار انتیسویں چونتیس ہجری بتاریخ صفر کو منگل کے دن چاشت کے وقت رحلت فرما ہوے۔ عمر شریف آپ کی موافق سن شریف جناب رسالت مآب ﷺ کے ہوئی۔ گویا کہ کوئی دقیقہ اتباع کا نہ چھوڑا لیکن بہ سبب رعایت ادب کے تا کہ جمیع امور میں برابری نہ ہووے حضرت سرور کائنات ﷺ کی لازم نہ آئے تین دن پہلے تاریخ وصال جناب رسالت مآب ﷺ سے انتقال فرمایا باین حساب کہ تاریخ انتیس کو ہلال ربیع الاول کا دیکھا گیا اور دوسری تاریخ ربیع الاول کو حضرت سرور عالم ﷺ اس جہاں سے رحلت فرما ہوے اور آنحضرت قدس سرہ الاقدس اُنتیسویں صفر کو رحلت گزین ہوے۔ گمان قاصر میں اس حقیر کے زمانہ بیماری آنحضرت سالہائے عمر کے برابر تھا۔ بموجب حدیث شریف حمی یوم کفارة سنة یعنی ایک روز کا بخار ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے۔

اب یہاں سے وہ کرامتیں جو بعد وصال آنحضرت کے ظاہر ہوئیں نقل کرتا ہوں کہ غسل دینے کے وقت آنحضرت کے یہ حقیر موجود تھا جس وقت غسل دینے کے واسطے کپڑے اتارے میں ے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو آپ ناف پر باندھے ہوئے ہیں اور انگوٹھے کو ساتھ چھنگلیا کے حلقہ کیے ہوئے ہیں جیسے کہ نماز میں مستحب ہے، باوجودیکہ رحلت فرمانے کے بعد حضرت مخدوم زادہ شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو دراز کر دیا تھا جیسا کہ دستور ہے۔ جس وقت کہ دونوں ہاتھ آنحضرت قدس سرہ الاقدس کے ناف پر بندھے ہوئے دیکھے حاضرین کو نہایت تعجب ہوا کہ یہ عجیب کرامت حضرت سے ظاہر ہوئی اور جب لباس مبارک جسد مقدس سے اتارا اور تخت پر لٹکایا تو بطریق مسنون پائے مبارک جانب مغرب اور فرق مقدس بہ طرف مشرق کر دیا تھا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب وغیرہ کتب فقہ اور سیر سے ظاہر ہے۔ دیکھا ہم نے کہ آپ مسکرا رہے ہیں۔ اور غسل دینے کے وقت تک مسکراتے رہے۔ حاضرین کو اس بات سے اور زیادہ تعجب ہوا جس وقت آپ کو وضو کرا چکے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیا اور الٹی کروٹ آپ کو دے کر سیدھی جانب نہلایا اور جب سیدھی طرف کو لٹایا آپ نے سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ پر باندھ لیا حالانکہ قاعدہ ہے جب سیدھی طرف لٹاتے ہیں سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر ہرگز نہیں ٹھہرتا مگر آپ نے گویا اپنے اختیار وقوت سے پکڑ لیا تھا کہ نہ گرا۔ حالانکہ اعضائے شریف آپ کے موم سے بھی زیادہ نرم تھے۔

جبکہ آنحضرت کے لاشۂ مبارک و مقدس کو غسل دینے کے بعد واسطے کفن پہنانے کے لائے اور ہاتھوں کو پھیلایا حاضرین دیکھ رہے تھے کہ دست مبارک پھر باہم آئے یہاں تک کہ الٹے ہاتھ کے پہنچے پر داہنے ہاتھ کو ناف کے نیچے باندھ لیا اور چھنگلیا کو انگوٹھے کے ساتھ حلقہ کیا جیسا کہ نماز میں مستحب ہے، حاضرین نے شور وغل مچایا اس وقت میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے فرمایا کہ مرضی حضرت کی یہی ہے اسی طرح چھوڑ دو سچ فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے یعنی جس طرح زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح مرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دیوے اور اللہ صاحب فضل بڑے کا ہے۔

اور آنحضرت قدس سرہ، کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا ایک لفافہ دوسرا قمیص تیسرا ازار اور چاک قمیص کا دونوں طرف مونڈھوں کے کیا تھا۔ جیسا کہ روایت مفتیٰ بہ سے ثابت ہے اور آپ کے سر مبارک پر عمامہ نہیں باندھا۔ اس لیے کہ تمام محدثین اور فقہا کا اتفاق ہے کہ جناب رسالت ﷺ کو عمامہ نہیں دیا تھا۔ اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جیسا کہ صحاح اور اصول سے مستفاد ہے اور جامع الرموز میں زاہدی سے

نقل کیا ہے کہ صحیح تر قول یہی ہے کہ عمامہ کفن میں دینا مکروہ ہے۔ اور عبارت امام ابن ہمام کی شرح ہدایہ میں بھی اس معنی پر دال ہے جیسا کہ کہا ہے یعنی ہمارے نزدیک کفن میں عمامہ دینا جائز نہیں بعضوں نے بہتر جانا ہے اور سید شریف جرجانی وغیرہ شراح سراجی نے بھی ممانعت عمامہ میں تاکید کی ہے اور یہ حدیث بھی یعنی اللہ تعالیٰ وتر وطاق ہے اور دوست رکھتا ہے طاق کو اس امر کی تقویت کرتی ہے ------

اور امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں نقل فرماتے ہیں کہ بدعات امور سے وہ امر ہے کہ مقابل میں عمل اہل عصر کے عمل سنت کے چھوڑ دیتے ہیں یہ قبیح ہے۔ اس واسطے کہ عمل اہل اس عصر کا عمل سرور عالم اور اہلِ عصر سرور عالم ﷺ سے کسی طرح بھی بہتر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خیر القرون اور یہ شر القرون ہے۔ اور اس کلام کی تفصیل اس رسالہ میں گنجایش نہیں رکھتی جس کو مفصل مطلوب ہو وہ احیاء العلوم میں دیکھ لے۔ اور آنحضرت قدس سرہ الاقدس نے بھی اپنی حیات ظاہری میں کبھی کسی میت کو عمامہ نہیں بندھوایا۔ اس واسطے کہ اس فعل کو خلاف سنت جانتے تھے۔ اور آپ عمل سنت کے کرنے پر نہایت راغب تھے۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے۔

اور میرے مخدوم زادہ شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے نماز جنازہ کی پڑھائی اور بعد نماز جنازہ کے دعا کے واسطے توقف نہیں کیا اس واسطے کہ سنت یہی ہے فتاوٰی سراجی وغیرہ میں کتب معتبرہ سے نقل کی ہے کہ بعد نماز جنازہ کے کھڑے ہونا اور دعا پڑھنا مکروہ ہے۔ ہر چند کہ بعضے لوگ اس زمانہ میں بعد نماز جنازہ کے دعا پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ عمل خلاف سنت ہے۔ پس مناسب ہے کہ یہ نہ کرے اور موافق سنت کے کرے۔

بعد اس کے آنحضرت قدس سرہ کو قبہ منورہ میں حضرت خواجہ محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کیا اس واسطے کہ آنحضرت قدس سرہ الاقدس نے خواجہ محمد صادق رضی اللہ عنہ کی حیات میں اس جگہ ایک نور دیکھا تھا اور معلوم ہو چکا تھا کہ مرقد مطہر آپ کا اس جگہ ہوگا۔ بلکہ اس راز کو خواجہ محمد معصوم سے ظاہر کر دیا تھا مگر اتفاق سے انہوں نے حضرت سے پہلے رحلت کی لہٰذا استخارہ کے بعد مخدوم زادہ موصوف کو اس جگہ دفن کیا۔ چونکہ آنحضرت قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ میری قبر مقابل میرے فرزند کی قبر کے کرنا اس واسطے کہ اس جگہ ایک روضۃ ریاض جنت سے پاتا ہوں چنانچہ اس کی تفصیل مکتوبات شریف کے ایک مکتوب میں تحریر فرمائی۔ اور اس معاملہ کی اطلاع دینا اور اسی طرح معاملہ کا واقع ہونا آنحضرت قدس سرہ کی کرامتوں سے ہے۔ اور قبر آپ کی بقدر ایک بالشت بلند مثل کوہان شتر کے بنائی۔ اور آپ کے وصال کے دن کنارے آسمان کے

نہات سرخ ہوے تھے۔ کہتے ہیں کہ سرخ ہونا آسمان کا رونا اس کا ہے دوستان حق جل وعلا پر جیسا کہ شرح الصدور میں ہے یعنی پہنچی یہ بات...... کہ آسمان اور زمین دونوں روئے ہیں واسطے ایمان دار کے اور یہی اس شرح میں ہے کہ آسمان کا رونا کیا ہے اس کے کناروں کا سرخ ہونا اور اسی شرح میں حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے کہ یہ سرخی آسمان کی اس لیے ہے کہ وہ ایماندار کے مرنے پر روتا ہے۔

اور آپ کے رحلت فرمانے سے چار روز بعد شیخ پیر محمد سلطان پوری کہ وہ مرید آنحضرت قدس سرہ کے ہیں نقل کرتے ہیں۔ رات کو منتظر تھا میں کہ آنحضرت قدس سرہ کو خواب میں دیکھوں۔ اتفاقاً رات تمام ہوگئی دوسرے روز ظہر کے وقت مسجد میں آنحضرت کی واسطے نماز کے آیا میں۔ مؤذن نے تکبیر پڑھی اور آدمی واسطے نماز کے کھڑے ہوے اور عارف ربانی میرے مخدوم زادہ حضرت شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ، امام تھے۔ اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا۔ اس وقت میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت قدس سرہ میرے برابر کھڑے ہوے ہیں اور اپنے دست مبارک سے مجھ کو پکڑ کر اپنے قریب کرلیا۔ تا کہ فاصلہ درمیان میں نہ رہے آخر نماز تک آپ کو دیکھا میں نے اور آپ زردشالی فرجی پہنے ہوے تھے اور آپ کے پائے مبارک میں موزے تھے۔ اس وقت میں نے بغور دیکھا کہ شاید وہم وخیال ہو معلوم ہوا کہ بے ریب وشک آنحضرت قدس سرہ ہیں جب نماز ختم ہوئی تو آپ کو نہ پایا جب یہ بات شیخ پیر محمد نے بیان کی تو عارف ربانی میرے مخدوم زادہ شیخ محمد سعید سلمہ ربہ، نے فرمایا کہ میں نے بھی اسی طرح کا واقعہ دیکھا ہے آج کی رات میں جماعت خانہ کے حجرہ میں تھا صبح کے وقت دیکھا میں نے کہ آنحضرت قدس سرہ راہ دور سے تشریف لاکر میرے بستر پر رونق افروز ہوے اور مجھ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا مجھ پر آپ کا رعب طاری ہوا کہ فوراً نظر سے غائب ہوگئے اور شیخ عبدالعلیم فرزند حقائق آگاہ شیخ احمد برکی مرحوم کے نقل کرتے ہیں کہ فیروز خاں برکی نے حضور میں حضرات مخدوم زادوں کے نقل کی کہ لڑکا میرا بیمار تھا اور شدائد بیماری سے تڑپتا تھا میں نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے آنحضرت قدس سرہ کو دیکھا تھا اب وہ صورت مبارکہ آپ کی کچھ یاد ہے۔ اس نے کہا کہ حلیہ مبارک اور داڑھی شریف آپ کی میری نظر میں ہے پس کہا میں نے کہ اس کو نظر میں رکھ یہاں تک کہ وسواس دور ہوں اور آپ کے طفیل سے حضرت حق سبحانہ عز اسمہٗ صحت بخشے گا۔ یکایک اس کو نیند آگئی اور کہا دیکھتا ہوں میں کہ آنحضرت قدس سرہ موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ بابا (میں) خدا کے پاس پہنچا اور بہشت میں آیا میں اول سیدھے پاؤں کو بہشت میں رکھا میں نے اس کے بعد

سر کو اور بعد میں اُلٹا پاؤں رکھا۔ حاصل یہ کہ بہشت میں آیا اور خدا کے قدم کو پکڑا میں نے۔ کہا میں نے کہ حضرت سلامت مجھ کو بھی خدا تک پہنچایئے تا کہ میں بھی خدا کے قدم کو پکڑوں فرمایا ابھی تیرا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے، جب کہ میں خواب سے بیدار ہوا اپنے کو صحیح وسالم پایا اور کوئی اثر وسواس کا مجھ میں نہ رہا، بعد دس روز کے یہ خبر پہنچی کہ حضرت قدس سرہ الاقدس اس عالم سے رحلت فرما ہوئے۔ میرے مخدوم زادہ عارف ربانی حضرت شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ، نے فرمایا کہ میں نے آں حضرت قدس سرہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا میں نے کہ حضرت سلامت سوال منکر نکیر کا کیونکر گزرا فرمایا کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ، نے مجھ سے بہ کمال عنایت فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو یہ دو فرشتے تیری قبر میں آویں اور تیرے قدموں سے لپٹیں یعنی قدمبوسی کریں عرض کیا میں نے کہ الٰہی یہ دونوں تیرے ہی بارگاہ اقدس کے دراوزہ پر رہیں یہاں نہ آویں اللہ برتر نے نہایت مہربانی میرے حال پر فرما کر ان فرشتوں کو میرے پاس نہ بھیجا۔ اس کے بعد دریافت کیا میں نے حضرت سلامت قبر کی تنگی کی حالت کیا ہوئی فرمایا کہ ہوئی مگر نہایت کم۔ محمد ہاشم آپ کے خادم کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا یہ قول آپ کا تواضع پر محمول ہے ورنہ اصلاً تنگی نہیں ہوئی۔ میں حقیر فقیر بدرالدین عفی عنہ مولف رسالہ لکھتا ہوں کہ پانچ چھ روز بعد رحلت حضرت کے میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک راہ سے گزرتا ہوں شیخ فرید فاروقی راہ میں ملے۔ میں نے حضرت کو ان سے دریافت کیا جواب دیا کہ خلوت خانہ میں تشریف رکھتے ہیں اور عرفان پناہ ارشاد دستگاہ مرزا حسام الدین احمد کو خط تحریر فرماتے ہیں۔ فقیر بھی اندر پہنچا دیکھا کہ خط تحریر فرماتے ہیں خط کو میں نے مطالعہ کیا خط کا عنوان یہ تھا کہ ہم خود نگہبان اس جہاں کے ہیں ہم جہاں سے گزر گئے اور اس جہاں میں آ گئے تحقیق ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں اس کے آگے کا واقعہ یاد نہیں رہا بعد خط کو تہ کر کے اس کے اوپر یہ عبارت لکھی یہ خط مرزا کا بمہر خاص ہے۔ اور عارف ربانی میرے مخدوم زادہ شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ، نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت قدس سرہ الاقدس کو میں نے خواب میں دیکھا کہ انعامات اللہ جل شانہ کے آپ پر جو بعد وصال کے ہوئے ہیں ان انعامات خداوندی کو آپ بیان فرماتے ہیں اور شکریہ کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت سلامت خاص اپنی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے ہیں فرمایا ہاں مجھ کو شاکروں کے گروہ میں گردانا ہے میں نے عرض کیا کہ قرآن شریف میں آیت "**وقلیل من عبادی الشکور**" شان میں جماعت پیغمبروں کی ہے۔ یا مثل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمایا ہاں

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو اس جماعت میں داخل کیا۔ اور مولف رسالہ کہتا ہے کہ تاریخ وصال آنحضرت قدس سرہ کی جو میرے خیال میں آئی ہے وہ یہ ہے یعنی ''جاہ تربت پاک'' سے ظاہر ہے۔

مسمٰے احمدِ مرسل سفر کرد
زجرِ او فلک را سینہ شد چاک
بخاکِ تربتش چوں در گزشتم
نگہ کردیم ''جاہِ تربتِ پاک''
۱۰۳۴ھ

(ماخوذ از وصال احمدی مؤلفہ مولانا بدرالدین سرہندی، مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۸ھ، ص ۵۔۳۹)

☆......☆......☆

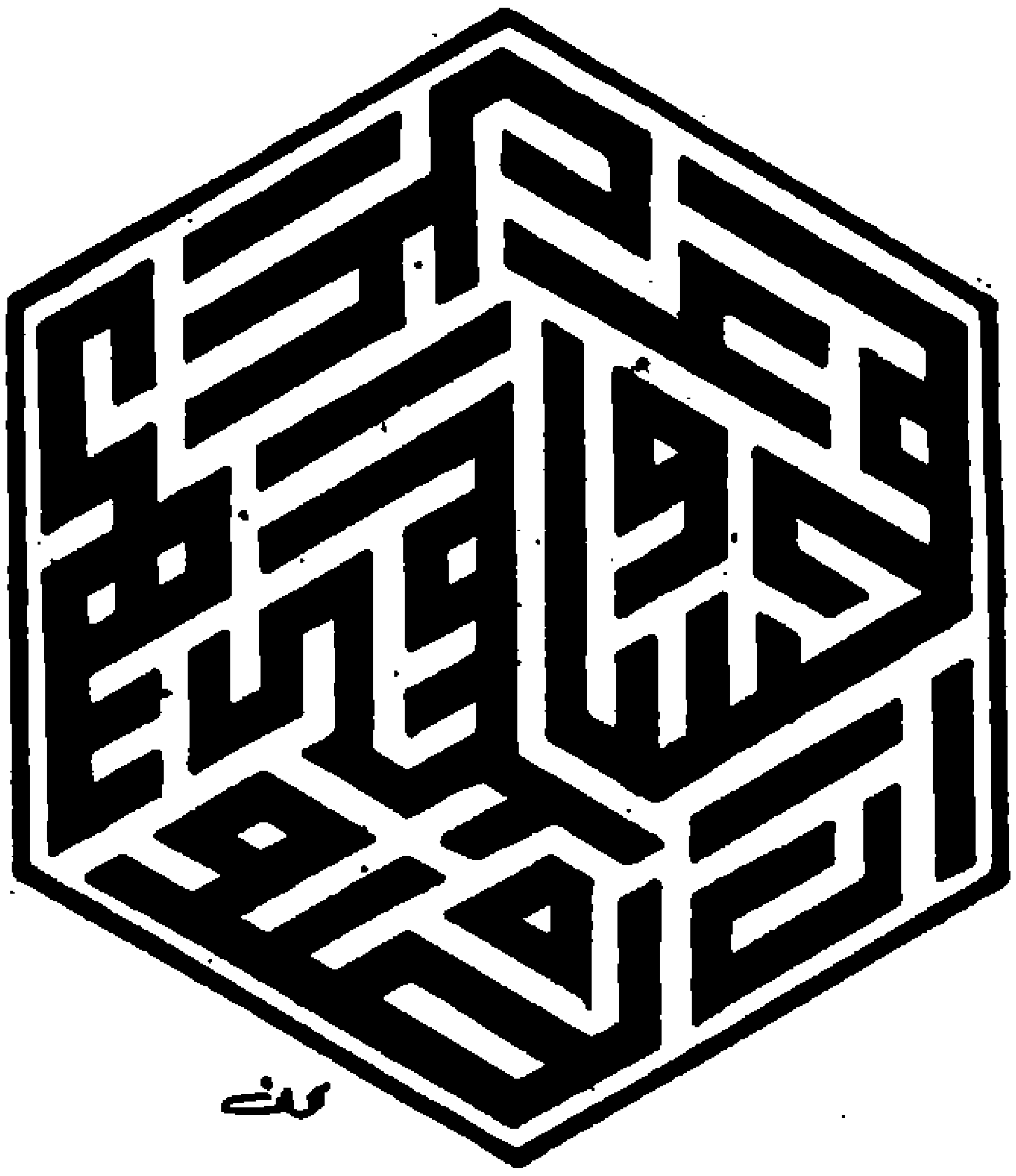

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشک باری ودل فگاری

خواجہ محمد ہاشم کشمی

☆☆

اشک ریزاں بنشستم سرِ ہررہ گزرے
ہر کہ از ہر طرف آید ز تو پُرسم خبرے

گاہ برخیزم و گاہے بنشینم چو غبار
ناتوانانِ ترانیست ازیں بہ سفرے

سوروش دلقِ سیہ پوشم و صدگونہ مشام
بکف آرم طلبم بوئے کبابِ جگرے

کاسۂ دیدہ نہم برکف و دریوزہ کنم
ز اشکِ رخسارِ گدایانِ درت سیم و زرے

خانہ از نے کنم و نغمۂ نے گرم پیش
تا مگر یابم ازیں راہ زیوسف اثرے

ہمچو آں تشنہ کہ از دشت بدریا آمد
سرنہم در رہِ آن کش نگرم چشم ترے

اہلِ ایں قافلہ سرگشتۂ ہیچ اندوشرا
دل گرو ساختہ ہاشم بخیالِ نظرے

(زبدۃ المقامات، (ترجمہ اردو) مطبوعہ سیال کوٹ ۱۴۰۷ھ، ص ۴۰۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاریخ ہائے وصال حضرت مجدد الف ثانی

خواجہ محمد ہاشم کشمی

☆☆

اَلآاِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ

۱۰۳۴ھ

اور اس قطعۂ تاریخ پر بھی:۔

یٰـآ یّھـاالانـام لقـد سـافـر الامـام
مـن کـان ذَیـلُ رافتـہٖ عُـروۃ القبول
قـطـب الـذی تَـفـوضَ رَبّ السمـآء لَـہ
حـال الّتـی تـحـیّـرفی شـانھـا الـعـقـول
مـاالـموتُ کـان بـدر کـمـالٍ قـدا نطلق
مـن مشـرقِ الـظھـورالـی الـمغـرب ----
لـمّـااصـاب اِرُثُ رسـولٍ بِـحَـقّـہٖ
اکتـب لـعـام رِحُـلَتـہٖ وارث الـرسـول

۱۰۳۴ھ

آپ کے ایک ہم پیر مولانا محمد صادق (کشمیری) نے بھی اس حدیث میں ھُو کا اضافہ کر کے تاریخ نکالی ہے:

الـمـوت ھـو جسـر یـوصـل الـحبیـب الی الـحبیـب

۱۰۴۵ھ

(زبدۃ المقامات (ترجمہ اردو) سیال کوٹ ۱۴۰۷ھ، ص ۴۰۳)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد کے سلسلۂ عالیہ کے حضراتِ قدسیہ

(مختصر حالات)

از۔ خواجہ بدرالدین سرہندی
(خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مترجم' مولوی اعزازالدین

☆☆

(۱)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپکی تعریف میں دونوں جہاں عاجز، آپ خاتم النّبیین سیّدالمرسلین' رحمۃ للعالمین' سرورِ عالم فخر بنی آدم' محبوبِ خدا ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وسلم حضور کی ولادت باسعادت بوقتِ صبح صادق بروز دوشنبہ بتاریخ بارہویں ربیع الاوّل بسال فیل بعد چھے سو برس حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور وفات شریف بروز دوشنبہ بتاریخ بارہویں ربیع الاول ۱۱ ہجری' مزارِ مقدس ومطہر مدینہ طیبہ حجرہ شریف حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۲)

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ خلیفۂ اول و جانشین یارِ غار جناب رسول مقبول ہیں۔ آپ دریائے عشقِ نبی میں غرق تھے۔ اس وجہ سے آپ کو سب کچھ حاصل ہوا۔ اور نسبت اور رابطہ سے تکمیل پائی۔ جامع کمالاتِ صوری و معنوی

ہوے۔ اور تمام اصحاب کرام میں افضل اور تمام خلقِ خدا کے سرور ہوے۔ ولادت آپکی بروز پنجشنبہ بتاریخ پندرہویں ربیع الاول بعد دو برس چار مہینے واقعۂ فیل سے وفات آپ کی بروز شب سہ شنبہ بائیسویں جمادی الثانی ۱۳ھ میں۔ مزار مبارک مدینۂ منورہ روضہ مقدس حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

(۳)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بڑے جاں نثار حبیب کردگار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فیضِ باطنی حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پایا اور ان کی خاص توجہ سے مرتبۂ تکمیل کو پہنچے۔ آپ ملک پارس میں پیدا ہوے۔ زبان آپ کی فارسی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا آبِ دہن آپ کے منہ میں ڈالا اسوقت سے عربی زبان بخوبی بولنے لگے۔ ایک ہرن اور ایک پرند آپ کے بلانے سے فوراً حاضر ہوا۔ وفات آپ کی دسویں رجب کو ہوئی مزار مبارک آپ کا مداین عراق میں ہے۔

(۴)

حضرت امام قاسم بن محمد بن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آپ کبار تابعین اعاظم فقہائے مدینہ منورہ سے ہیں۔ آپکی پرورش آپ کی پھوپی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے کی اور فیض باطنی آپ نے حضرت سلمان فارسی سے حاصل کیا، آپ کی عمر سو (۱۰۰) برس سے زیادہ ہوئی، مزار مبارک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے۔ وفات آپ کی چوبیسویں (۲۴) جمادی الاوّل ۱۰۷ھ میں ہوئی۔

(۵)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت امام حسین کے پرپوتے اور حضرت امام قاسم بن محمد بن حضرت صدیق اکبر کے نواسہ ہیں۔ فیض باطنی حضرت امام قاسم سے پایا۔ آپ بڑے کاملین اولیاء میں ہوے ہیں۔ ولادت آپ کی بروز

سہ شنبہ بتاریخ آٹھویں رمضان شریف ۸۰ھ میں اور وفات بروز دوشنبہ بتاریخ پندرہویں رجب ۱۴۸ھ میں ہوے۔ مزار مبارک مدینۂ منورہ مقام بقیع قبہ اہل بیت میں۔ وقیل ۱۴۹ء وفات ناصح تاریخ ایشان ست۔

(۶)

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بڑے اولیائے کاملین سے ہیں۔ آپ نے ایک سو ستر (۱۷۰) بزرگوں کی صحبت اور خدمت حاصل کی۔ اور حضرت امام جعفر صادق کے فیضِ روحانیت سے مرتبہ کمال کو پہنچے۔ آپ بڑے صاحبِ کرامت اور مقامات ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے اشارہ سے شیر خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دفعہ ایک حالت میں آپ نے فرمایا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ دوسرے وقت میں لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ کلمہ کہا تھا۔ آپ نے کہا اگر پھر میں یہ کہوں، تو سزائے شرعی دینا۔ جب دوبارہ پھر اُسی حالت میں آپ کی زبان سے یہ کلمہ جاری ہوا۔ تو بموجب ارشاد کے بعض نادان مریدوں نے چھریاں ماریں مگر آپ پر مطلق اثر نہ ہوا۔ ایک بے ادب نے اپنا پاؤں آپ کے قدم مبارک رکھ دیا۔ وہ شخص فوراً کوڑھی ہو گیا۔ ایک بار آپ دجلہ کے پار جانا چاہتے تھے کنارہ پر دو جانور پرندے ملے اور چاہا کہ آپ کو اپنے اوپر بٹھا کر پار پہنچائیں آپ نے فرمایا ہم ان پر فخر نہیں کرتے۔ اجرت دے کر کشتی پر جائیں گے ہم کو کرامت نہیں چاہیے۔ ولادت آپ کی ۱۳۴ھ میں اور وفات آپ کی بروز جمعہ پندرھویں شعبان ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک شہر بسطام میں۔ یہ شہر ملک فارس ہے۔ تاریخ وفات ''اکرم'' ۲۶۱ھ است۔

(۷)

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بڑے اولیائے کاملین سے غوثِ زمانہ تھے۔ آپ نے تربیت حضرت بایزید کی روحانیت سے پائی اور تکمیل کو پہنچے اور ظاہری سلسلہ آپ کا حضرت بایزید تک اس طرح ہے کہ آپ مرید حضرت شیخ ابوالمظفر مولانا ترک طوسی کے اور وہ مرید حضرت ابویزید عشقی کے اور وہ حضرت شیخ محمد مغربی اور وہ حضرت بایزید بسطامی کے آپ بڑے صاحب الکرامات تھے۔ ایک روز ایک جگہ آپ زمین کھود رہے تھے

وہاں پر چاندی، سونا اور جواہرات نکلے آپ نے سب کو پھینک کر فرمایا کہ ہم خدا کو چھوڑ کر دنیا کو نہیں لیتے ، ایک مرتبہ گرم تنور میں اپنے دست مبارک ڈال کر زندہ مچھلی نکالی۔ ایک دفعہ آپ دیوار تعمیر فرمارہے تھے اور شیخ بوعلی سینا کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے، اتفاقاً بسولی نیچے گر پڑی، پھر وہ بسولی خود بخود آپ کے ہاتھ میں آ گئی یہ دیکھ کر شیخ حیران ہوگئے۔ ایک بار محمود بادشاہ کو اپنا پیرہن مبارک دیا، جب محمود سومنات کی لڑائی پر گئے اور بڑی مشکل پیش آئی، یعنی شکست کا وقت قریب آ گیا، اس وقت محمود نے پیرہن مبارک اپنے ہاتھوں میں لے کر دعا مانگی کہ الٰہی اس کی برکت سے فتح دے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فوراً فتحیاب کیا۔ شب کو خواب میں آپ نے محمود سے فرمایا۔ کہ تو نے میرے پیرہن کی کچھ قدر نہ کی۔ اگر تو ان سب کے اسلام کے واسطے دعا مانگتا تو اللہ تعالیٰ سب کو مشرف بہ اسلام فرماتا۔ وفات آپ کی شبِ عاشورہ محرم ۴۲۵ھ میں ہوئی مزار مبارک خرقان میں ہے، خرقان مضافات بسطام سے ہے۔

(۸)

حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سے پایا آپ کے ایک مرید حمزہ نامی کی ہانڈی جس میں گوشت رکھا تھا۔ پھوٹ گئی اور گوشت کتا کھا گیا۔ آپ نے بدون ان کے عرض کرنے کے ان سے فرمایا کہ جو مرید اپنے پیر کا کہنا نہیں مانتا ہے اس کی ہانڈی یونہی پھوٹا کرتی ہے اور گوشت کتا کھالیتا ہے۔ ولادت آپ کی ۴۳۴ھ میں اور وفات چوتھی ربیع الاول ۴۷۷ھ کو ہوئی۔ مزار پُر انوار طوس میں ہے۔ جس کو اب مشہد کہتے ہیں اور فارمد ایک موضع ہے مضافات طوس سے ”عارفِ زبدۂ حق“ تاریخ ایشان است۔

(۹)

حضرت خواجہ محمد یوسف ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیضِ باطنی حضرت خواجہ بوعلی فارمدی سے پایا اور کملائے اولیاء میں سے آپ ہیں، آپ کی تصنیفات میں سے زینت الحیأ اور منازل السالکین اور منازل السائرین ہیں۔ حضرت علی برغش نے چند جز پائے آپ نے خواب میں ان کو بتایا کہ یہ جو میری کتاب زینت الحیأ کے ہیں۔ ایک شخص نے عین وقت

وعظ کے بے ادبانہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹا جاؤ شاید مرتے وقت تم ایماندار نہ ہوگے آخر ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ بادشاہ روم کے پاس سفیر ہو کر گیا اور وہاں نصرانی ہو کر مرا۔ ولادت آپ کی ۴۴۰ھ میں اور وفات ۲۷؍رجب المرجب ۵۳۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک مرو میں ہے۔ ہمدان ایک شہر ملک فارس میں ہے۔ ''ھو امام العارفین'' تاریخ الشان است۔

(۱۰)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی حضرت خواجہ محمد یوسف ہمدانی سے پایا اور حضرت خضر علیہ السلام سے خفیہ ذکر کی تعلیم پائی۔ پہلے آپ ذکرِ نفی اثبات باآواز بلند کیا کرتے تھے۔ آپ بڑے کامل و اکمل سر دفتر خواجگاں میں ہیں۔ آپ کا مرتبہ ولایت یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ روز مرہ ایک وقت کی نماز قوت باطنی سے بیت اللہ شریف میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا وصیت نامہ آدابِ طریقت میں مشہور ہے جو خواجہ کبیر کو آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ آپ کی یہ آٹھ (۸) اصطلاحیں۔ (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں مشہور ہیں اور طریقہ خواجگاں کی بنا انہیں پر ہے۔ وفات آپ کی بارہ ربیع الاول ۵۷۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک غجدوان میں۔ غجدوان بخارا سے قریب تین کوس کے ہے۔ ''مطلع نور یقین'' تاریخ ایشاں است۔

(۱۱)

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ عظمائے اولیاء اور کبرائے مشائخ ترک سے ہیں۔ علم۔ حلم۔ تقوٰی۔ نہایت درجہ رکھتے تھے۔ فیس باطنی آپ نے حضرات خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حاصل کیا اور مدت دراز تک سجادۂ ارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ وفات آپ کی غرۂ شوال ۶۱۶ھ میں ہوئی۔ مزار مقدس ربوگر میں سولہ (۱۶) کوس بخارا سے ہے۔ آپ کی عمر مبارک تخمیناً ایک سو پچیس (۱۲۵) سال کی ہوئی۔ ''شمسِ برج ہدا'' تاریخ ارتحالِ ایشان است۔

(۱۲)

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیضِ باطنی حضرت خواجہ محمد عارف سے حاصل کیا۔ ان کے اصحاب میں آپ بڑے ممتاز اور خلوت وجلوت میں دمساز تھے۔ ایک بزرگ نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ اس زمانہ میں صاحب جادۂ استقامت پر مستقیم ہیں۔ فرمایا حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی آپ گلکاری کا کام کیا کرتے تھے۔ خواجہ دہقان قلبی کے انتقال کے وقت آپ کی روح پاک علیین سے ان کے پاس آئی اور واپسی میں حضرت خواجہ علی رامتنی کے سر پر جو آپ کے خلیفہ جلیل القدر تھے بصورت مرغ سفید اڑتے ہوئے گزرے اور بزبانِ فصیح نہایت شفقت سے فرمایا۔ کہ اے علی مردانہ ہو اور اپنے کام میں ہر دم مشغول رہ اس آواز سے عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ جس سے تمام اہلِ مجلس بیہوش ہو گئے۔ ریوگر ایک گاؤں بخارا سے سولہ (۱۶) کوس ہے۔ وہاں سے غجدوان ایک کوس شرعی ہے۔ وفات آپ کی سترہویں (۱۷) ربیع الاول ۷۱۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع انجیر فغنی میں یہ سات (۷) کوس بخارا سے ہے۔ ''بادشاہِ عارفان'' تاریخ ارتحال ایشان است۔

(۱۳)

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی سے حاصل کیا اور بڑے زبردست اولیاء صاحب کمال وکرامات سے ہوئے۔ آپ نساجی کا کام کرتے تھے۔ ایک روز سید اتا صاحب کا لڑکا ترک پکڑ کر لے گئے، سید صاحب آپ کی خدمت میں آئے اور ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا جب تک لڑکا نہ آئے گا میں کھانا نہ کھاؤں گا، تھوڑی دیر گزری کہ لڑکا آپ کے پاس آ گیا۔ ایک روز تیرہ شخصوں نے یکے بعد دیگرے آپ سے عرض کیا کہ آج آپ میرے مکان پر کھانا تناول فرمائیں، آپ نے ہر شخص سے اقرار کر لیا اور شام کو ایک ہی وقت سب کے مکانوں پر موجود ہوئے ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے عرض کی کہ حضرت میں مثل آپ کے ہو جاؤں۔ پس آپ کی توجہ سے وہ بالکل صورت وسیرت میں مثل آپ کے

ہو گیا۔ مگر پھر چالیس دن زندہ رہا۔ خوارزم میں آپ نے اس طرح فیض جاری کیا کہ ہر روز دو مزدوروں کو بلاتے اور ان کو وضو کرا کر ذکرِ الٰہی کراتے اور اپنی توجہ سے ان کے قلبوں کو نورانی کرتے اور شام کو مزدوری دیکر رخصت فرماتے۔ اس طرح ہزار ہا آدمیوں کو گروہِ اولیاء میں داخل کر دیا۔ وفات آپ کی بروز دوشنبہ ستائیسیوں (٢٧) رمضان المبارک ٧٢١ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک شہر خوارزم میں کہ جو ملک فارس میں ہے۔ رامتین قصبہ ہے۔ بخارا سے چھ (٦) میل پر۔ نسّاج بفتح وتشدید۔ بِاَخذِہٖ کَشفُ اللُّغاتُ۔

مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

گر نہ علمِ حال فوق قابو دینے نہ دے
بندۂ اعیاں بخارا خواجۂ نساج را

ایک مشہور شہر خوارزم میں ہے۔ ہفصد و بست و یک ز ہجرت بود رفت آں شبلی وجنید زمان۔

(١٤)

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رضی اللہ تعالٰی عنہ

آپ نے فیضِ باطنی حضرت خواجہ علی رامیتنی سے پایا اور اولیاء اُولوا العزم سے ہوے۔ جب آپ کوشک ہندوان مسکن حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقشبند سے گزرتے تو فرماتے کہ یہاں سے ایک شخص کی خوشبو آتی ہے جس کے قدموں کی برکت سے یہ کوشک ہندواں قصر عرفان ہو جائیگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، وفات آپ کی دسویں (١٠) جمادی الآخر ٧٥٥ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سماس میں ہے۔ جو قریب بخارا کے ہے۔ ہادی واصل با خدا۔

(١٥)

حضرت سید امیر کلال رضی اللہ تعالٰی عنہ

آپ ولی مادرزاد تھے۔ ابتدائی زمانہ شباب میں آپ کو کُشتی کا شوق تھا، ایک روز حضرت خواجہ محمد بابا سماسی جہاں آپ کُشتی لڑ رہے تھے تشریف لے گئے اور آپ کو دیکھا، آپ بے قرار ہو کر دوڑے اور حضرت کے قدم مبارک پر گرے اور پھر مرید ہو کر فیض باطنی حاصل کیا۔ اٹھائیس (٢٨) برس آپ حضرت پیر و مرشد

کی خدمت میں رہے اور جامع علوم شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت ہوے۔ کام آپ زراعت کا کیا کرتے تھے۔ وفات آپ کی بروز پنجشنبہ بوقت نماز فجر پندرہویں (۱۵) جمادی الثانی ۷۷۲ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سوخاریہ میں ہے۔ جومضافات بخارا میں ہے، ''صاحبِ انوار عرفان بود'' تاریخ ارتحالِ ایشان است۔

(۱۶)

حضرت خواجہ خواجگاں امام الطریقۃ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ سرحلقہ خواجگانِ نقشبند اور امام الطریقہ ہیں بچپن سے آپ کے چہرۂ مبارک سے آثار کرامت اور ہدایت ظاہر تھے اور حضرت خواجہ محمد بابا سماسی کی فرزندی میں سرفراز تھے اور فیضِ باطنی حضرت سید امیر کلال سے پایا اور تکمیل حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے پائی۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی کے وقت سے حضرت سید امیر کلال تک حضرات طریقت ذکر جہر ہی کرتے تھے۔ آپ نے جہر چھوڑ کر خفی کو جاری فرمایا۔ آپ اس طریقہ عالیہ میں بڑے صاحب کرامت وولایت ہیں ایک روز آپ نے حضرت خواجہ علاؤ الدین کے پاؤں پر اپنا قدم مبارک رکھدیا۔ اس وقت تمام عالم ان پر منکشف ہوگیا حضرت مولانا محمد عارف سے فرمایا کہ مرجاؤ، وہ فوراً ہی مرگئے، پھر باشارہ غیبی فرمایا کہ زندہ ہوجاؤ، وہ زندہ ہوگئے۔ ایک شخص ایک رات اپنے محبوب کے ساتھ بوس وکنار میں رہا اور صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اشتیاق زیارت اور آپ کی محبت کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا واہ صاحب رات کو وہ کام کرو اور دن میں ہم سے یوں کہو، ہم سے محبت رکھنے والے اس کام کو ہرگز نہیں کرتے۔ وہ شخص یہ سنکر نہایت شرمندہ ہوے اور ہر فعل بد سے سچی توبہ کی۔ ولادت آپ کی ماہ محرم الحرام ۷۰۸ھ میں اور وفات شب دوشنبہ تیسری ربیع الاول ۷۹۱ھ میں ہوئی۔ مزارِ پرانوار قصبۂ عارفاں کہ جو تین میل بخارا سے ہے۔ ''قصر عرفان تاریخ'' وفات ہے۔

(۱۷)

حضرت خواجہ محمد علاء الدین عطار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی حضرت خواجہ سید بہاء الدین مشکل کشا سے حاصل کیا۔ آپ جامع علوم ظاہری وباطنی بڑے صاحب کرامت وولایت ہیں۔ آپ ایسا رتبہ عالی رکھتے تھے کہ جب حضرت خواجہ بزرگ کی آپ مسند ارشاد پر بیٹھے تو تمام اصحاب حضرت خواجہ بزرگ نے دوبارہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ایک

گروہ معتزلیوں پر آپ نے نظر ہدایت ڈالی۔ فوراً انکار حق سبحانہ تعالیٰ ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ ایک دفعہ آپ کے ایک مرید نے کسی عورت پر نظر ڈالی، جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے غصہ سے فرمایا ''کہ وہ بات بیان کرو ورنہ میں بتادونگا۔'' یہ سنکر وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور عرض کر کے توبہ کی۔ وفات آپ کی شب چہار شنبہ کو بعد نماز عشاء کے بیسویں (۲۰) تاریخ رجب ۸۰۲ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع توجہانیاں میں ہے، جو کہ ملک ماوراءالنہر میں ہے، ''شمس عارفان'' تاریخ وفات شریف ان کی ہے۔

(۱۸)

حضرت مولانا محمد یعقوب چرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بڑے اصحابِ کامل و اکمل حضرت خواجہ سید بہاالدین نقشبند کے تھے۔ باطنی فیض آپ نے حضرت خواجہ محمد علاءالدین عطار سے پایا۔ آپ نے کلام اللہ شریف کے آخر کے دو پاروں کی تفسیر لکھی ہے اور بڑے اسرار اس میں لکھے ہیں۔

اس کے دیکھنے سے ذوق وشوق بہت ہوتا ہے، آپ سے ایک روز حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا تھا کہ تمہارا ہاتھ گویا میرا ہاتھ ہوگا اور جو ان سے مرید ہوگا، وہ بعینہ میرا مرید ہوگا۔ آپ موضع چرخ کے رہنے والے تھے۔ وفات آپ کی پانچویں (۵) صفر ۸۵۱ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع ہلفتوہ' یہ موضع ملک خراساں میں واقع ہے۔ ''شمس الھدایت'' تاریخ وصال کی ہے۔

(۱۹)

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ ولی مادر زاد تھے۔ آپ نے فیض حضرت مولانا یعقوب چرخی سے پایا اور ایک نور کامل ہو گئے۔ حضرت مولانا ممدوح نے آپ کی نسبت فرمایا تھا کہ طالبانِ حق میں طالب ایسا ہونا چاہیے۔ آپ بڑے صاحب کرامت اور ولایت تھے۔ حضرت خواجہ ترک ثانی آپ کے مرید تھے ایک روز ہوا پر اڑے ہوئے جاتے تھے آپ نے یہ گستاخی دیکھ کر تمام حال سلب فرمالیا، اس بات پر وہ آپ کے جانی دُشمن ہو گئے۔ ایک روز تنہا پا کر چاہا کہ مار ڈالوں اور قریب جا کر چاہتے تھے کہ چھری ماریں اس وقت فوراً آپ ایک چرواہے کی شکل میں ان کو ظاہر ہوئے۔ انہوں نے حیران ہو کر تامل کیا۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے چھری

چھین کر اپنی اصلی صورت میں ہو کر فرمایا۔ کہ بتا اب میں تیرا کیا حال کروں۔ وہ قدم مبارک پر گر پڑے اور توبہ کر کے معافی چاہی۔ آپ نے ان کا قصور معاف فرمادیا اور جو حال سلب فرمایا تھا، عطا فرمادیا۔ سبحان اللہ آپ کی کیا رحمت تھی۔ شیخ ابوسعید جو آپ کے معتقدوں میں سے تھے، وہ ایک روز اپنے مکان میں ایک عورت جمیلہ پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے، ناگاہ حضرت کی آواز انہوں نے سنی کہ فرماتے ہیں اے ابوسعید کیا کرتا ہے؟ ابوسعید آپ کی آواز سے نہایت منفعل ہوے اور اس فعل ناجائز سے بچ گئے۔ ایک بار آپ کے چند خادم بازار کو گئے تھے ایک صاحب ایک خوش جمال کو دیکھنے لگے، دوسرے نے منع کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں شہوتِ نفسانی سے نہیں دیکھتا ہوں جب واپس آئے قبل اس کے کہ کچھ کہیں آپ نے فرمایا کہ میں تو اب تک نفس کے مکر سے مطمئن نہیں ہوں۔ آپ کب سے ایسے ہو گئے کہ بدون شہوت نفسانی کے دیکھنے لگے، وہ بہت شرمندہ ہوے اور توبہ کی جو خطرہ کسی کے دل میں برائی کا آتا تھا آپ فوراً بنظر ہدایت ظاہر فرمادیتے تھے۔ ولادت آپ کی ماہ رمضان المبارک ۸۰۶ھ میں اور وفات بروز شب دوشنبہ انتیسویں (۲۹) ربیع الاول ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سمرقند میں ہے۔ ''خواجۂ عابدان عبیداللہ'' تاریخ وفات ہے۔

(۲۰)

حضرت مولانا محمد زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ اقربائے حضرت مولانا یعقوب چرخی سے ہیں۔ فیض باطنی حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔ آپ ان کے بڑے مقبولوں، عاشقوں اور محرموں میں تھے اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ مرید ہونے سے پہلے ہمیشہ زہد و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روز باشارۂ غیبی حضرت خواجہ احرار کی خدمت میں آئے اور بیعت کی اور آناً فاناً میں تکمیل کو پہنچے اور اسی وقت آپ کو حضرت خواجہ نے صاحب ارشاد کیا۔ آپ نے ایک عالم کو اپنے فیضان سے مالا مال کیا۔ وفات آپ کی غرۂ ربیع الاول ۹۳۶ھ میں ہوئی مزار مبارک موضع وخش میں۔ یہ مضافات ملک حصار سے ہے۔ ''ہادی شیوخ'' تاریخ ہے۔

(۲۱)

حضرت خواجہ درویش محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ برادر ہمشیرہ زادہ بھی حضرت مولانا محمد زاہد کے تھے اور خلیفہ بھی، آپ نے بیعت ہونے کے بعد پندرہ (۱۵) برس تک نہایت مشکل زہد و ریاضت کی اور ایک روز سخت بھوک کی حالت میں آپ آسمان کی

طرف دیکھنے لگے اس وقت حضرت خضر علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد زاہد کی خدمت میں جاؤ اور ان سے صبر و قناعت سیکھو۔ آپ آپکی خدمت میں آئے اور کمال کو پہنچے۔ ایک مدت تک آپ مسند ارشاد پر رونق افروز رہے اور عالم کو دولتِ فیض سے مالا مال کیا۔ وفات آپ کی انیس محرم ۹۰۷ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک موضع اِسفرار میں جو مضافات شہر سبز ملک ماوراء النہر سے ہے۔ ''زہے شیخ ابدال'' تاریخ گفت۔

(۲۲)

حضرت مولانا محمد خواجگی امکنگی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی والد ماجد حضرت مولانا درویش محمد سے پایا۔ آپ بڑے کامل و اکمل ہوئے۔ تیس برس تک اپنا کمال چھپائے رہے۔ ایک مرتبہ تین آدمی آپ کے امتحان کرامت کے لیے آئے اور جو جو کچھ اپنے دل میں سوچا اور چاہا تھا۔ آپ نے وہی فرمایا اور ارشاد کیا کہ اس گروہ کا حال مختلف ہے۔ ان کے پاس امتحان کے ارادہ سے آنا نہ چاہیے۔ ایسے خیالات کے سبب سے ان کے برکات سے محرومی رہتی ہے۔ ان کے دیکھنے کو خالصاً لِللہ آنا چاہیے۔ ایک دفع عبداللہ خان والی توران نے آپ کو خواب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کمر بستہ حاضر دیکھا۔ جب خواب سے بیدار ہوا تو آپ سے ملا اور پہچان کر قدمبوس ہوا۔ ولادت آپ کی ۹۱۸ھ میں اور وفات آپ کی بائیسویں شعبان ۱۰۰۸ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک قصبۂ امکنگ میں۔ جو شہر بخارا سے تین میل ہے۔ ''مرکز دایرہ قطبیت'' تاریخ ہے۔

(۲۳)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ سمرقند کے رہنے والے تھے۔ اوّل آپ نے حضرت خواجہ احرار کی روحانیت سے تربیت پائی۔ پھر بہ بشارت حضرت خواجہ احرار حضرت مولانا خواجگی امکنگی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مرید ہو کر فیض باطنی حاصل کیا اور فقط تین دن میں کامل و اکمل ہو گئے۔ پھر حضرت پیر و مرشد کی خدمت سے باجازت رخصت ہو کر دہلی میں تشریف لائے۔ دہلی میں بڑی بڑی کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں اور آپ بہت جذب و عشق رکھتے تھے اور بہت کم سوتے اور نہایت قلیل کھانا تناول فرماتے اور بہت ہی کم بات کرتے تھے۔ شیخ چاند نامرد تھے آپ نے ان کو سینۂ فیض گنجینہ سے لگایا۔ فوراً وہ مرض انکا جاتا رہا۔ ایک روز ایک لڑکا قلعہ پر سے گر کر مر گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ مرا نہیں ہے صدمہ کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ یہ فرما کر اس

لڑکے کو آپ اٹھا کر اپنے حجرہ میں لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے آپ باہر لائے اور فرمایا کہ دیکھو یہ مرا نہیں تھا لوگ حیران ہو گئے۔ ولادت آپ کی ۹۷۱ھ میں اور وفات پچیسویں جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ میں۔ اکتالیس برس کی عمر شریف میں ہوئی۔ مزار مبارک دہلی میں بیرون شہر اجمیری دروازہ، ''بحر معرفت بود'' تاریخ وفات ہے۔

(۲۴)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نے فیض باطنی حضرت خواجہ باقی باللہ سے حاصل کیا۔ آپ بڑے کامل و اکمل پیشوا طریقہ ہائے ہیں اور آپ مرتبہ نہایت کے صاحب کرامت ولایت و ہدایت تھے۔ تمام عالم میں آپ کے فیضان کی آج تک دھوم ہے، اور رہے گی۔ اس واسطے کہ آپ تو مجدد الف ہیں۔ یہ مرتبۂ عالی تو خاص آپ ہی کا ہے۔ آپ کے حالات بیان سے باہر ہیں۔ آپ کی تعریف کرنا محال ہے۔ کتاب مقامات سعیدیہ میں لکھا ہے کہ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ شیخ احمد جی ایک آفتاب ہیں کہ جس کی روشنی میں مجھ سے ستارے ہزاروں گم ہیں۔ آپ کے فضائل و معارف آپ کے مکتوبات شریف سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ولادت شریف آپ کی نوسو اکہتر ۹۷۱ھ میں اور وفات شریف اٹھائیسویں (۲۸) صفر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔ عمر شریف آپ کی تریسٹھ (۶۳) سال کی ہوئی مزار مقدس و منور سرہند شریف میں ہے۔ ''ظلِّ محمد بود'' تاریخ وفات ہے۔

(۲۵)

حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی تعریف بھی بیان سے باہر ہے اس جگہ اتنی کافی ہے کہ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے منجھلے صاحبزادے اور دوسرے خلیفہ ہیں۔ آپ کے انوار سے عالم منور ہے اور آپ کے فیضان سے جہان فیضیاب ہے۔ ولادت آپ کی گیارھویں (۱۱) شوال ۱۰۰۷ھ یا ۱۰۰۹ھ میں اور وفات بروز شنبہ نویں ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں ہوئی۔ مزار مقدس سرہند شریف میں قریب روضۂ مبارک امام ربانی کے ہے۔

(۲۶)

حضرت خواجہ سیف الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ پانچویں نور نظر لختِ جگر عُروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہیں۔ آپ کمالات ظاہری و باطنی واستقامت شریعت اور ثبات طریقت میں مثل اپنے پدر بزرگوار کے تھے اور آپ ہی سے فیض باطنی حاصل کیا۔ ولادت آپ کی ۱۰۴۹؁ھ میں اور وفات بیسویں (۲۰) جمادی الاولےٰ ۱۰۹۶؁ھ کی رات میں ہوئی۔ مزار مبارک آپ کا سرہند شریف میں قریب روضۂ مقدس حضرت امام ربانی جنوب کی جانب ہے۔

(ماخوذ: خواجہ بدرالدین سرھندی: وصال احمدی، مکتبۂ نعمانیہ سیالکوٹ، مترجمہ اعزاز الدین، مطبوعہ ۱۳۹۷؁ھ، ص ۲۸۔۳۸)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مشائخِ طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ

(حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تک)

قاضی عالم الدین نقشبندی

☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَھٰذِہٖ سِلْسِلَتِیْ مِنْ مَشَائِخِیْ فِیْ طَرِیْقَۃِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ الْمُجَدِّدِیَّۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے چھ سو سال بعد بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ یعنی سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت اور قرآن مجید کا نزول ہوا۔ ترپن (۵۳) سال کی عمر میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں بارہ (۱۲) ربیع الاوّل کو دوشنبہ یعنی سوموار کے دن اس جہان فانی سے انتقال فرمایا۔ روضہ مبارک مدینہ منورہ میں زیارت گاہ خلائق وملائک ہے۔

خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شجرۂ نسب ساتویں پشت میں جناب رسول اللہ ﷺ سے جاملتا ہے۔ آپ کا اسم مبارک عبداللہ بن عثمان بن عامر ہے۔ اور والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر ہے۔ آپ

واقعہ فیل سے دو چار مہینے کے بعد پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے آپ افضل و اکمل ہیں۔ تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں (۲۲) جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کی مرقد مُبارک نبی ﷺ کے روضہ منورہ میں ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مقرب اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتُ (سلمان میرے اہلِ بیت میں سے ہے) فرمایا ہے۔ آپ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کی صحبت کے باوجود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے طریقہ اخذ کیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بھی صحبت رکھی۔ آپ کی عمر شریف بعض کے نزدیک دو سو پچاس سال اور بعض کے نزدیک تین سو پچاس سال ہے۔

اِن کی کُنیت ابوعبداللہ اور وطن اصلی اصفہان ہے۔ اِن کے والد مجوسی یعنی آتش پرست تھے۔ آپ نے آتش پرستی سے بیزار ہوکر دین موسوی اختیار کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں آئے۔ جس راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ جب اِسکے انتقال کا وقت آیا۔ تو اُس نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا۔ کہ عرب کے شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں پیغمبر آخرالزمان مبعوث ہوگا۔ تو اس کے دین کو اختیار کر لینا اور میری طرف سے بھی السلام علیکم عرض کر دینا۔ اور گذارش کرنا۔ کہ میں بھی غائبانہ ان کے دین کو اختیار کیے ہوئے اِنتظارِ دیدار میں دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ بعد ازاں آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو اختیار کیا۔ اور تمام عمر اسی جگہ بسر کردی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں دس رجب ۳۳ھ کو شہر مدائن میں رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک مدائن میں ہے۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حضرت امام قاسم بن محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں۔ امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پھوپھی یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر مُبارک میں تربیت پائی اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فیض حقیقی حاصل فرمایا۔ آپ

مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ حضرت یحیٰی بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے مدینہ منورہ میں امام قاسم سے بڑھ کر علم و عمل و فضل، فقہ و حدیث و تفسیر اور علوم طریقت و حقیقت میں کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی ہے۔ آپ نے ۲۳ جمادی الآخری ۱۰۱ھ کو رحلت فرمائی۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو اسمٰعیل اور آپ کا لقب صادق ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام فروہ بنت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ آپ امامان اہل بیت میں سے چھٹے امام ہیں سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کو دونوں طرف سے فیض و نسبت حاصل ہے۔ یعنی پہلی حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں۔ یعنی اپنے نانا کی طرف سے۔ دوسری اپنے آبا و اجداد یعنی حضرت امام محمد باقر و امام زین العابدین و امام حسین و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف سے۔ آپ مدینہ منورہ میں تیرھویں ماہ ربیع الاول ۸۰ھ میں دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ اور دوشنبہ کے دن پندرھویں رجب ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہی انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار پُر انوار جنت البقیع میں اپنے باپ دادا کے روضۂ مبارک کے پاس ہے۔

سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی طیفور بن عیسیٰ ابن آدم بن سروشان اور آپ کا لقب سلطان العارفین ہے۔ آپ اپنے زمانے کے تمام اولیاء میں سے اعلیٰ اور افضل ولی اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجل و اکمل خلیفہ تھے۔ آپ کے جدِ بزرگوار آتش پرستی کو چھوڑ کر دینِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے فرشتوں کے درمیان جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ اپنی والدہ ماجدہ کے فرمان کے بموجب تیس سال تک شام کے جنگلوں میں پھرتے رہے۔ آپ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ظاہری صحبت نصیب نہیں ہوئی بلکہ آپ کو اُن سے روحانی اور اویسی نسبت ہے۔

کیونکہ آپ کا ظہور امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال سے کئی سال بعد ہوا ہے۔ آپ قصبہ بسطام میں ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور پندرہویں شعبان ۲۶۱ھ کو جمعہ کے دن انتقال فرمایا۔ مزار پُر انوار بسطام میں ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام نامی علی ابن جعفر ہے۔ آپ کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ روحانی نسبت ہے۔ جو ان کے انتقال سے کئی سال بعد حاصل ہوئی۔ آپ قصبہ خرقان میں پیدا ہوئے۔ آپ بالکل اَن پڑھ تھے۔ کئی سال تک حضرت بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک پر جو خرقان سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ جاتے رہے۔ عشا کی نماز پڑھ کر تشریف لے جاتے۔ اور صبح کی نماز کو واپس آجاتے۔ مزار مُبارک جب تک سامنے رہتا۔ اس کی طرف پشت نہ کرتے۔ بلکہ پسِ پا لوٹتے۔ جب دُور نکل آتے۔ پھر سیدھے ہو جاتے۔ ایک دن قبر سے غیبی آواز آئی کہ اے ابوالحسن جا۔ خلقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلا۔ عرض کی کہ میں اَن پڑھ ہوں۔ آواز آئی۔ کہ اللہ تعالیٰ تم کو عِلم دے دیگا۔ چنانچہ اسی دن خرقان تک واپس آتے ہوئے تمام علوم دِل پر منکشف ہوگئے۔ آپ اپنے زمانے کے غوث وقطب تھے۔ آپ کے معارج کا حال اور محبّت آمیز اور پُر از ناز کلمات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوئے۔ جابجا کتابوں میں درج ہیں۔ آپ نے پندرہویں رمضان المبارک ۴۲۵ھ کو اس جہان سے رحلت فرمائی آپ کا مزار پُر انوار خرقان میں ہے۔

حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اِسم مُبارک فضیل ابن محمد ہے۔ آپ قصبہ فارمد میں جو شہر طوس کے گردونواح میں ہے۔ ۴۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد اور خراساں کے شیخ الشیوخ ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی سے باطنی نسبت اور علوم حقیقت کا استفادہ فرمایا تھا۔ آپ کو طریقت میں دونوں طرف سے نسبت حاصل ہے ایک شیخ ابوالقاسم گورگانی سے کہ وہ بھی خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ دوسرے شیخ المشائخ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے، آپ نے چوتھی ربیع الاول ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔ مزار مُبارک طوس میں ہے۔

حضرت خواجہ یُوسف ہمدانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ یُوسف رحمتہ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کا نام ابن ایوب اور کنیت ابو یعقوب ہے۔ آپ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پہ تھے۔ آپ نے فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابیں مولٰنا ابو اسحاق بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اور شیخ اسحاق شیرازی سے بھی استفادہ فرمایا۔ اور شیخ عبداللہ جونی اور شیخ حسن ہمدانی اور حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہم سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ نے اوّل خرقۂ خلافت شیخ عبداللہ جونی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ پھر حضرت ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں پہنچ کر کمالات کی تکمیل فرمائی۔ آپ شہر ہمدان میں ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۵۳۵ھ میں وفات فرمائی۔ آپ کا مزار مُبارک ''مَرو'' میں ہے۔ جو ہرات کے نزدیک ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ کا مولد و مسکن شہر غجدوان ہے۔ جو بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے اجل و اعظم خلیفہ اور خواجگان نقشبندیہ عالیہ کے سرحلقہ ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار خواجہ عبدالجمیل رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت خواجہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی محبت اور دوستی تھی۔ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے خوشخبری دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک فرزند بہت صالح اور نیک اور زاہد عطا فرمائیگا۔ اس کا نام عبدالخالق ہوگا۔ آٹھ کلمے جن پر خواجگان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے طریقہ کی بنا ہے۔ آپ ہی کے استنباط سے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

ہوش در دم ۔ نظر بر قدم ۔ سفر در وطن ۔ خلوت در انجمن
یادکرد۔ بازگشت ۔ نگہداشت۔ یادداشت

آپ نے بارہویں ربیع الاول ۵۷۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک غجدوان میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگرھی رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ محمد عارف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ کے اکبر و افضل خلیفہ ہیں۔ باطنی نسبت و فیض حاصل کرنے کے بعد خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی تک ان کی خدمت میں ہی رہے۔

پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد سجادۂ ارشاد پر بیٹھے اور طالبانِ حق کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ آپ نے یکم شوال ٦١٦ھ میں انتقال فرمایا۔ مرقد مبارک موضع ریوگڑھ میں ہے۔ جو بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمّد عارف رحمۃ اللہ علیہ کے اجل و اکمل خلیفہ ہیں آپ نے مصلحتِ وقت دیکھ کر طالبوں کو ذکرِ جہر کی تعلیم کی۔ ایک دن موضع املنی میں ذکرِ جہر کر رہے تھے کہ خواجہ حافظ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جو بخارا کے بڑے علماء میں سے تھے۔ حاضر خدمت ہو کر پوچھا کہ آپ کے طریق میں ذکر خفی ہے۔ آپ ذکر جہر کیوں کرتے ہیں فرمایا کہ ہم ذکر جہر اس لیے کرتے ہیں کہ سوتوں کو جگائیں۔ اور غافلوں کو آگاہ کریں۔ تاکہ خواب وغفلت کو چھوڑ کر راہِ راست پر آجائیں۔ نیز ذکرِ جہر مبتدی کے واسطے کافی ہے، اور منتہی و متوسط کیلئے ذکر خفی واجب و لازم ہے۔ کیونکہ قاعدہ اول ذکر جہر ہی ہے۔ آپ کا مولد و مسکن قصبہ انجیر فغنہ ہے۔ جو بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ آپ نے (١٧) سترہویں ربیع الاوّل ٧١٥ھ میں وفات پائی۔ مزار مُبارک موضع امکنہ میں ہے۔

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمود فغنوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلیفہ ہیں مذہب حنفی کے پابند تھے۔ اپنے زمانہ کے قطب تھے۔ جو کوئی ایک روز آپ کی صحبت میں بیٹھ جاتا حقیقت معرفت الٰہی تک پہنچ جاتا۔ آپ کا مولد شریف قصبہ رامیتن ہے۔ جو بخارا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ بھی بلحاظ استعداد طالبانِ طریقت مبتدی کو ذکرِ جہر اور متوسط و منتہی کو ذکر خفی کی تعلیم فرماتے۔ آپ کے چار مشہور و معروف خلفاء ہیں اول محمد کلاہ رحمۃ اللہ علیہ دوسرے خواجہ محمد صلاح رحمۃ اللہ علیہ تیسرے خواجہ محمد یار رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار شریف خوارزم میں ہے۔ چوتھے بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے ٢٧/ رمضان المبارک ٧١٨ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار پُر انوار خوارزم میں ہے۔ آپ کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل واکمل واعظم خلیفہ ہیں۔ آپ کا مولد ومسکن موضع سماسی ہے۔ جو بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے چار مشہور ومعرف خلیفہ تھے۔ اوّل خواجہ محمد صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا مزار سوخار میں ہے۔ دوسرے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند خواجہ محمود سماسی رحمۃ اللہ علیہ۔ تیسرے خواجہ دانشمند رحمۃ اللہ علیہ۔ چوتھے سید میر کلال رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے دسویں ماہ جمادی الآخر ۷۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مُبارک قصبہ سماسی میں ہے۔

حضرت خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم واکمل خلیفہ اور اپنے زمانے کے مقتدا و پیشوا تھے۔ اور سید بھی تھے۔ ایام حمل میں اگر آپ کی والدہ مکرمہ کوئی مشتبہ لقمہ کھا لیتیں تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا۔ جب تک باہر نہ نِکل جاتا۔ آرام نہ آتا۔ آپ نے پندرہویں جمادی الاول ۷۷۲ھ کو بروز جمعرات صبح کی نماز کے وقت وفات پائی۔ مزار پُر انوار موضع سوخار میں ہے۔ جو بخارا سے پینتیس فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔

خواجہ خواجگان حضرت سیّد شاہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اعظم واجل خلیفہ ہیں آپ کی نسبت وارادت بظاہر خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے۔ لیکن باطنی اور روحانی طور پر خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فیوض وبرکات اور کمالات حاصل کیے۔ آپ اپنے زمانے میں امام طریقت وحقیقت اور مقتدائے شریعت اور پیشوائے اہلسنت وجماعت تھے بچپن ہی سے کرامات وخوارق عادات اور آثار ولایت ظاہر اور نمایاں تھے۔ اور وہ مراتب ومقامات عالیہ جو آپ کو حاصل تھے۔ شاید ہی کِسی کو حاصل ہوے ہوں۔ آپ کو نقشبند اس لیے کہتے ہیں۔ کہ آپ سوداگر تھے۔ قالین بافی کا کارخانہ جاری کیا ہوا تھا جس میں قالینوں پر طرح طرح کی نقشبندی یعنی نقش ونگار کا کام کرتے اور کراتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب پچیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جا

ملتا ہے۔ آپ اٹھارہویں محرم ۷۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور تیسری ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ مزار شریف موضع قصر عارفان میں ہے۔ جو بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطّار رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی محمد ابن محمد بخاری ہے آپ سادات بخارا میں سے ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے آپ خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے اعظم خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ اور نسبتِ خلافت وارادت کے سوا آپ کو خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں نسبت دامادی بھی حاصل تھی۔ آپ روز دوشنبہ دوم ماہ رجب ۸۰۲ھ کو بیمار ہوئے۔ چہار شنبہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد انتقال فرمایا۔ اور بیسویں ماہ رجب ۸۰۲ھ کو مدفون ہوئے۔ مزار پُر انوار دہ جفانیال میں ہے۔

حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے بزرگ احباب اور اصحاب میں سے ہیں۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے بیعت فرما کر آپ کو خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے کر دیا۔ اور آپ نے ان کی خدمت میں کمالات وفیوض وبرکات حاصل کیے۔ آپ ظاہری باطنی علوم میں علامۂ دہر تھے۔ آپ نے علوم ظاہری یعنی فقہ۔ حدیث۔ تفسیر واصول وغیرہ ہرات اور مصر میں حاصل کیے آپ کا مولد ومسکن موضع چرخ ہے۔ جو غزنی کے نزدیک واقع ہے۔ آپ نے پانچویں ماہ صفر ۸۵۱ھ میں وفات پائی۔ مزار مُبارک شہر بلغنور میں ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ بن محمود بن شہاب الدین نقشبند قدس سرہ جو خواجہ محمد باقی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد بزرگوار میں سے ہیں۔ جو پہلے ولایت شاش میں سکونت رکھتے تھے۔ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ خواجہ محمود شاشی رحمتہ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر ہیں جو شیخ عمر یاغستانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسبت سولہ واسطوں سے حضرت عبد اللہ بن امیر المؤمنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ خواجہ احرار قدس سرہٗ نے بہت سے مشائخ وخواجگان سے فیض

حاصل کیا۔ مگر طریقت وسلسلۂ بیعت میں نسبتِ خاصہ آپ کو خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔ آپ ماہ رمضان ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بروز شنبہ انتیس ربیع الاول ۸۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار پُرانوار سمرقند میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔ نسبت ارادت و بیعت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اوران کی توجہ سے مراتب وکمالات خلافت وکرامت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کو فقر۔ تفرید۔ تجرید۔ ورع وتقوی وزہد میں نہایت اعلیٰ اور بلند مقامات ومراتب حاصل تھے۔ آپ نے غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار مبارک موضع رخش میں ہے۔

حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھانجے ہیں نسبت ارادت وخلافت اپنے ماموں یعنی خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ آپ ظاہری باطنی علوم کے جامع اور رموز طریقت وحقیقت کے واقف اور سخاوعطاء میں مشہور تھے۔ بیعت ہونے سے پہلے پندرہ سال زہد وریاضت میں بسر کیے۔ آپ نے انیس محرم ۹۷۰ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار مُبارک موضع استقرار میں ہے۔ جو شہر تستر آباد کے متصل ہے۔

حضرت خواجہ مولٰینا امکنگی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولٰنا خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندار جمند اور خلیفہ حق پسند ہیں۔ آپ کا طریق خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم تھا آپ کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔ آپ نے بائیسویں شعبان ۱۰۰۹ء میں وفات پائی مزار مُبارک امکنگ میں ہے۔ جس کو امکنہ بھی کہتے ہیں۔ جو سمرقند کے نزدیک ایک موضع ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اصل میں سمرقند وکابل کے رہنے والے تھے آپ کا سلسلۂ نسب شیخ عمر یاغستانی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ جو خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے آباواجداد میں

سے ہیں۔ آپ علوم ظاہری میں مولانا صادق حلوائی کے شاگرد ہیں۔ طریقت میں ظاہری نسبت وارادت مولٰنا خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ لیکن باطنی اور روحانی تربیت آپ نے خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے پائی حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دہلی میں تشریف لے آئے۔ ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کا آغاز آپ ہی سے ہوا ہے۔ آپ کی توجہ میں نہایت درجہ کی تاثیر تھی۔ آپ نے روز شنبہ پچیسویں جمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۱۲ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک دہلی میں شاہجہان آباد کے باہر صدر میں ہے۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محبوب سُبحانی مُجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب تیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ حنفی مذہب کے پابند اور اعتقادیات میں مجتہد تھے۔ آپ نے بعض علوم اپنے والد ماجد اور دوسرے علمائے سرہند سے حاصل کیے۔ پھر سیالکوٹ جاکر معقول کی کتابیں مولٰنا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اور حدیث کی کتابیں شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اور قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث وتفسیر کی سند حاصل کی۔ تصوف کی کتابیں بھی اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اور بعض سلسلوں میں بیعت واجازت بھی اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ عالیہ میں آپ کی بیعت اور ارادت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ سلسلہ قادریہ میں شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے، سلسلہ صابریہ چشتیہ اور سہروردیہ میں شیخ عبدالاحد رحمۃ علیہ سے۔ آپ ظاہری باطنی علوم ومقامات ومعارف میں یکتا تھے۔ آپ کے خوارق وکرامات بے شمار ہیں۔ آپ کے سات فرزندار جمند ہوے۔

اول......خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ جو عالمِ شباب میں داغِ مفارقت دے گئے۔

دوسرے......خازن الرحمۃ شیخ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ۔

تیسرے......عروۃ الوثقیٰ شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ۔

چوتھے......محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ جو حالت شیرخوارگی میں رحلت فرما گئے۔

پانچویں......شیخ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

چھٹے......محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔

ساتویں......محمد یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ جن کی اولاد بھوپال میں ہے۔

اِن سات فرزندوں میں سے دو فرزند شیخ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ آپ کے بعد مسند خلافت پر قائم مقام ہوئے۔ آپ ۱۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بروز سہ شنبہ بوقت صبح چھبیسویں ماہ صفر ۱۰۲۴ھ میں انتقال فرمایا مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ

شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے تیسرے فرزند ارجمند ہیں۔ ابھی تین ہی سال کے تھے کہ توحید وجودی کی باتیں آپ سے سرزد ہونے لگیں۔ آپ نے ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ سولہ سال کی عمر میں تمام ظاہری و باطنی علوم سے فارغ ہوگئے۔ پندرہ سال کی عمر میں ذکر و مراقبہ کا طریق اپنے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ سے سیکھ کر طریقہ مجددیہ کے رواج و اشاعت میں مصروف ہوئے۔ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر آپ ہی کا مرید تھا۔ آپ ۱۰۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور نویں ماہ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں رحلت فرمائی مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی
انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک فان مع العسر یسرا
ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی
ربک فارغب

خط دیوانی — کتبہٗ گوہر قلم [illegible]

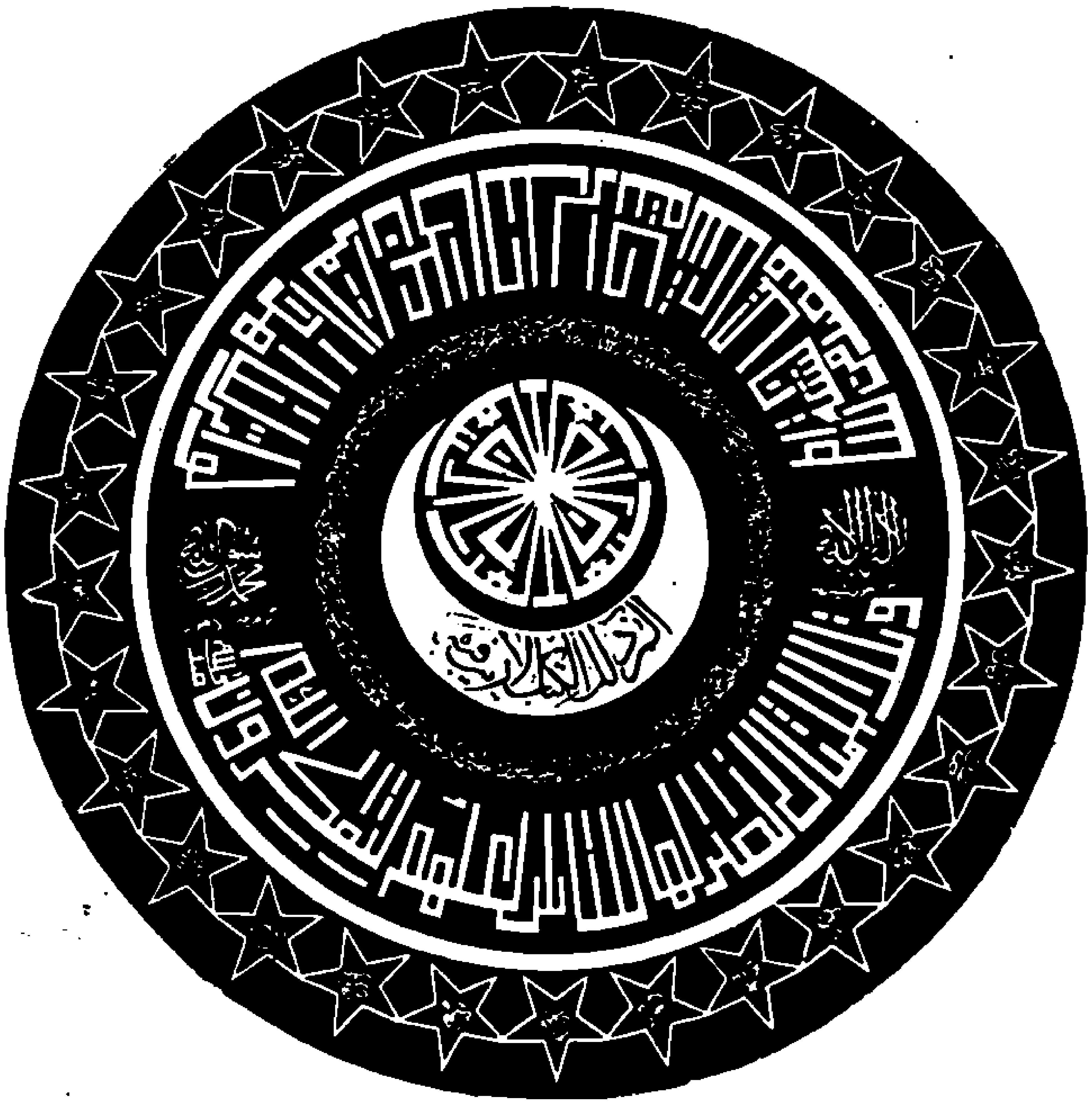

نقشِ قرآن، بیرونی حاشیہ ۳۰ ستارے تیس پارے
اندرونی حاشیہ عظمتِ قرآن پر آیت، کرسی ساد،
چاند کے باہر فاتحہ" چاروں قُل، گرم قلم،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

پروفیسر محمد حسین نقشبندی حسینی آسی

☆

؎ کرنی پڑتی ہے رہِ عشق میں چلنے کے لیے
کبھی پھانسی، کبھی نیزے، کبھی خنجر کی تلاش

وہ دولت عظیم جس کا نام ایمان ہے ربِ کریم کی ابنِ آدم پر سب سے بڑی عنایت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بندے کو اپنے خالقِ یکتا پر ایسا اعتماد ہو کہ اس کے مقابل سب سے بے نیاز ہو جائے اور دُنیا کی کوئی ترہیب وترغیب، یقین واعتماد کے اس رشتے کو مضمحل نہ کر سکے۔ اُسے اپنے مالکِ واحد جل وعلا کی کبریائی پر کامل بھروسا ہو، کہ دنیائے دنی کے جاہ واقتدار کو قطعاً وقعت نہ دے۔ ظاہر ہے زبان سے توحید ورسالت پر ایمان کا دعوٰی اتنا مشکل نہیں، دشوار ہے، تو اس کی دلیل کیونکہ بادی النظر میں پورے معاشرے کو دعوتِ پیکار دینا ایک ضعیف انسان کے لیے خطرات وحوادث کے وسیع میدان میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔ یہاں ماحول کے طواغیت سے نبرد آزمائی، دنیوی طنطنہ کے پجاریوں سے لڑائی، معاشرے کے قبائح سے جدائی اور پھر تحریص وترغیب کے دامِ ہمرنگِ زمین مگر مومن کامل کسی چیز کی بھی پروا نہیں کرتا۔ وہ اپنے نورِ یقین سے ماحول کی تیرگی کو دور کرتا ہے، اپنے نفسِ گرم سے گردوپیش میں زندگی کی روح پھونکتا ہے، ایمان اس کا سامان اور جذبات اس کا لشکر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُسے ہزار گونہ مشکلات کے لق ودق بیابانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر پایانِ کار میدان اسی کے ہاتھ رہتا ہے۔ یہ لوگ گنتی کے ہوتے ہیں۔ مگر سچ پوچھیے تو یہی زبدۂ مخلوقات ہیں۔ اور انہی کے دم قدم سے ارض وسما کی رونقیں قائم ہیں۔ اِقرار باللسان

(زبانی اقرار) کے ساتھ ساتھ تصدیق بالقلب (دلی تصدیق) کی اسی پختگی کا نام استقامت ہے۔ حضور اکرم نور مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو، جنہوں نے ایک جامع ومانع ارشاد کے لیے درخواست کی تھی یہی فرمایا تھا۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ یعنی کہہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر ثابت قدم رہ۔

اسلام کی داستانِ حیات میں نازک سے نازک اور تاریک سے تاریک ادوار بھی آئے ہیں۔ ملتِ حنفیہ کا سفینہ بارہا شبِ تاریک وبیمِ موج وگردابے چنیں حائل، کی کیفیت سے دوچار ہوا ہے۔ مگر پھر بھی آج تک اپنی اصلی شکل میں اگر محفوظ ہے تو انہی کی پرخلوص رہنمائی کی برکت ہے۔ حق یہ ہے کہ ان پاکیزہ نفوس کا تصوّرِ موت وحیات ہی بہت ارفع واعلیٰ ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک۔

ہر ایک قید سے بالا مقامِ ہستی ہے
یہ صبح و شام، یہ لیل و نہار کچھ بھی نہیں

چنانچہ کبھی اسی مقصد عظیم کی خاطر حضرت امام اعظم علیہ الرحمتہ نے عشرتِ خانہ، پرظلمتِ زنداں کو ترجیح دی اور کبھی نعرۂ حق ہی کی پاداش میں حضرت امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ نے دارورسن کو بوسہ دیا۔ غرض ربِ اکبر کے ان سچے بندوں نے کسی وقت بھی باطل کی حاکمیت تسلیم نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا مقدس فریضہ ادا کرتے ہوئے طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا حق ادا کردیا۔

وہ مردِ حق جس کا نام نامی زیب عنوان ہے۔ اس کی زندگی بھی اسی داستان ثبات واستقامت کا ایک درخشاں باب ہے۔ قدرت نے اُسے فتنۂ اکبر کے انسداد کے لیے انتخاب کیا تھا۔ اس نے بتکدۂ ہند میں رسمِ خلیل کو ایسی آب وتاب کے ساتھ زندہ کیا کہ اوہام وظنون کے بُت پاش پاش ہوگئے۔ جوروا ستبداد کے پیکروں نے اس کی موت وحیات کا فیصلہ خود کرنا چاہا مگر ربِ لم یزل کے دستِ قدرت نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملادیا۔ اس کے صواعقِ محرقہ نے ایک ایک خرمنِ باطل کو جھانکا، تاکا اور بالآخر جلا ڈالا۔ تکبر وغرور کے وہ مجسّمے جو اس کے وجود کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھے۔ خود مٹ گئے یا جھک گئے مگر اس کا نام آج بھی ایسا زندہ ہے کہ زندگی کو اس پر ناز ہے اور ایسا اونچا کہ مہ وانجم کی رفعتوں کو شرمندہ کررہا ہے۔ اس نے اسلام اور سنّت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے احیاء کے لئے تن، من، دھن

کی بازی لگائی اور عظمتوں کے خالق نے اُسے مجدد الف ثانی کے منصب جلیل سے نواز دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی ۹۷۱ ہجری میں حضرت شیخ عبد الاحد فاروقی چشتی علیہ الرحمۃ کے گھر پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر سیالکوٹ آ کر حضرت ملّا کمال الدّین کشمیری علیہ الرحمۃ سے علمِ دین کا اکتساب کیا۔ مولانا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ آپ کے ہم مکتب اور استاد بھائی تھے۔ آپ نہایت قلیل عرصے میں علم وفضل کے آفتاب نیمروز ہوگئے۔ ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی کافی دسترس میسر کر لی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے نسبت ہوئی تو سونے پر سہاگا ہوگیا۔ اب کیا تھا؟ زیادہ وسیع پیمانے پر ایمان وعمل کی مشعلیں روشن کرنے کا کام شروع ہوگیا۔

حضرت کے عنفوانِ شباب کے وقت ہندوستان کے تخت وتاراج پر جلال الدین اکبر قابض تھا۔ یہ شخص ابتداءً تو اسلام اور بزرگانِ دین سے واقعی عقیدت رکھتا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے شیطان کے بندوں نے اُسے دام تزویز میں پھنسالیا۔ ابنائے درہم ودینار نے خوشامد کے ایسے دریا بہائے جو اکبر کے سرمایۂ دین ودانش کو بھی بہالے گئے۔ اس کی ناخواندگی سے ابوالفضل وفیضی جیسے ”دانشمندانِ بے دین“ نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور وہ ان کی ابوالفضولیوں کے پیچھے لگ گیا۔ نوبت بانیجا رسید کہ ظالم نے شرعِ متین کے احکام کو پامال کرنے پر اکتفانہ کی بلکہ ایک جدید دین کا بانی بن بیٹھا۔ طرہ یہ کہ بے دین نے اسی کو دینِ الٰہی قرار دیا۔ دراصل اسلام اور اہلِ اسلام کی تذلیل واہانت ہی اس کا مطمحِ نظر بن گئی۔ کئی علمائے دین کو موت کے گھاٹ اسی لیے اتار دیا کہ وہ دینِ حق کے وفادار تھے نصرانیت کو کھلم کھلا پرچار کی اجازت تھی۔ ہندومت کو فروغ پانے کے پورے پورے مواقع حاصل تھے۔ فلسفہ یونانی کے واہموں کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں تھا۔ درستی جیسی انسان کش رسوم کی بقاء کا جواز تلاش کیا جاسکتا تھا۔ ہاں مگر گنجائش نہیں تھی تو رب اکبر کے بھیجے ہوئے دین اور سرورِ کون ومکان، ہادیِ انس وجان، حضور احمد مجتبیٰ علیہ التحتیہ والثنا کے دیے ہوئے قوانین حیات کیلیے نہیں تھی نوازشیں اُن کے لئے وقف تھیں۔ جو اسلام اور بانیِ اسلام (علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام) کے احترام کے خلاف نت نئے فتنے اور سازشیں ایجاد کرنے میں پیش پیش تھے۔ ذبح گاؤ جیسے شعائرِ اسلام پر اس لیے پابندی تھی کہ ہندو اپنی گاؤ ماتا کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخیاں بکنے والوں کو اس لیے امن میں رکھا گیا کہ اکبر اور ابوالفضل کی مخصوص امن پسندی کا یہی تقاضا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے جن چشم دید ہولناکیوں کی تفصیل دی ہے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔:

> اکبر کو خلیفۃ الزمان اور مہدی قرار دیا گیا۔ نصاریٰ کی طرح صور و ناقوس بجائے جاتے۔ برہما مہادیو بشن، کشن وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔ سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی اور خود بادشاہ اس کے ایک ہزار نام کا ورد کیا کرتا تھا، نام نہاد اکبر رب اکبر کے حضور جھکنے کے بجائے قشقہ لگا کر آگ پانی، درخت اور تمام مظاہرِ قدرت ہی نہیں گائے کے گوبر تک کی پوجا کرتا تھا خنزیر اور شیر کو مباح اور گائے کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا۔ سود، شراب اور جوے کو حلال ٹھہرایا گیا۔ سولہ سال سے پہلے لڑکے اور چودہ سال سے قبل لڑکیوں کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ جوان عورتوں کو مُنہ کھول کر چلنے کی تلقین کی گئی اور ختنہ کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی۔ مُردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھنے کا حکم دیا گیا۔ قبلہ کی طرف مُردے کے پاؤں کرنے کا آرڈر نافذ کیا گیا (اور خود بادشاہ بھی قبلہ ہی کی طرف پاؤں کرتا تھا) تناسخ پر یقین کیا گیا اور اکبر کو سجدہ کیا جاتا۔ قرآن کا مخلوق، وحی کو محال اور معراج و شق القمر کو غلط کہا گیا۔ احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے مبارک نام تبدیل کیے جانے لگے۔ فیضیِ بے فیض کتوں کی زبان مُنہ میں لیتا اور بعض دوسرے شعرا کی طرح ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ کم بخت جنابت کی حالت میں تفسیر سواطع الالہام لکھتا تھا۔
>
> علاوہ ازیں بہت سے عنوانات اور ہیں کہ کسی صورت میں زبان قلم پر لانے روا نہیں ہیں۔ (حضرت مجدد الف ثانی.....ایک تحقیقی جائزہ)

اندازہ کیجیے کتنی خباثتوں کی اشاعت کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی اور کتنے فتنوں کو شاہی سرپرستی حاصل تھی۔ ان کثیر التعداد فتنوں کی سرکوبی اور ایک مرد درویش جس کے پاس بظاہر نہ کُرسی اقتدار ہے اور نہ لاؤ لشکر مگر پھر بھی تو کلاً علی الحق خدمتِ دین کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اور وقت کے تیز گرد بادوں میں ایمان کے چراغ کو بجھنے نہیں دیتا۔ یہ سب کچھ سوزِ یقین کا اعجاز ہے اور اُسے وُہی سمجھتے ہیں جنہیں مادی دنیا سے ورا کسی عظیم و جلیل قادر کی ماورائی قدرتیں نظر آتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے مدِّ مقابل غیر منقسم برعظیم پاک و ہند کا شہنشاہ تھا۔ جو نہ صرف ایک نئے دین کا بانی تھا۔ بلکہ خلافت و نبوت کے پردے میں کبریائی تک کا مدعی تھا مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک علم ودانش کے وہ نمائندے تھے جو اپنی مخصوص ذہنیت کے ساتھ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے تھے۔ ایک طرف فلاسفہ یونان کی خرافات کا طوفانِ بلاخیز تھا۔ تو دوسری سمت نصرانیت و برہمیت کے ہولناک فتنے، شیخ مجدد نے اس چومکھی لڑائی کے لیے تابانی کردار کے ساتھ ساتھ مومنانہ فراست سے کام لیا اور عرصہ قلیل میں شبانہ روز کی مساعی جمیلہ سے مخلصین کی ایک جماعت تیار کر لی۔

حضرت کے طے فرمودہ لائحہ عمل کی دو شقیں بہت اہم تھیں۔ غربا کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی چلتی پھرتی تصویر بن جائیں۔ اہلِ اقتدار میں سلیم الطبع افراد کو خوفِ خدا سے روشناس کرا کے نظامِ کتاب وسنت کے قیام کی جدوجہد پر مائل کیا جائے۔

حضرت شیخ مجدد نے اپنی تمام قوّت کو اس جلیل القدر نصب العین کے لئے وقف کر دیا۔ زبان وقلم کو خوب استعمال کیا۔ ظاہر ہے جسے ربّ قدیر ہی پر بھروسا ہو۔ ربِ قدیر اس کے لئے کافی کیوں نہ ہوگا۔ (اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ) چنانچہ قدرت کی طرف سے دل کو انشراح کی وہ لازوال دولت، تقریر کو وہ تاثیر اور تحریر کو وہ تنویر ملی کہ انسانیت کی مُردہ رگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور ہزاروں تاریک دل جگمگا اٹھے۔ ایک طرف قیامت کے منکروں کو ''مبداء معاد'' سے خاموش کیا تو دوسری طرف ضرورتِ نبوّت سے انحراف کرنے والوں کو ''اثبات النبوۃ'' کا تازیانہ مہیّا کیا۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے۔ کہ ان کتابوں کے مدلّل و پرمغز مضامین عنفوانِ شباب میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن اُستدلال کا وہ عالم ہے کہ بڑے بڑے متکلمین سربگریباں ہو جاتے ہیں۔ توحید و رسالت کے موضوع پر ''رسالہ تہلیلیہ'' قلمبند فرمایا۔ اور نام نہاد ''مہدویت'' کے فتنے کے لِئے ''معارفِ لدنیہ'' کا اسلحہ تیار کیا۔

مختلف موضوعات پر مکتوبات شریفہ کا وسیع سلسلہ جاری کیا۔ جن میں ظواہرِ شریعت سے لے کر بواطن طریقت تک کے ہزاروں مسائل حل کیے ہیں۔ اور سیکڑوں عُقدے کھولے ہیں۔ نتیجۃً غربا کی ایک اچھی خاصی تعداد کے علاوہ کئی معزز ترین امراء نے بھی آپ کی صدائے حق پر لبیک کہی۔ انہوں نے دین الٰہی کی دھجیاں اُڑا دیں اور اکبر کی موت کے ساتھ اس کا رہا سہا اثر بھی زائل ہو گیا۔ ابوالفضل قتل ہوا۔ (تیغ اعجازِ رسول اللہ سرِ باغی بکشت) اور فیضی کتوں کی طرح بھونکتا ہُوا خلودِ عذاب کی طرف سدھارا۔

(سال فوتش چہ سگ پرستے مرد) ۔ ؁۱۰۰۴ھ

اکبر کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اس نے کتاب و سنّت کے دستور کے نفاذ کا وعدہ تو کر ہی لیا تھا۔ اور بظاہر یہی عہد اس کی کامیابی کا ضامن تھا۔ کیونکہ حضرت شیخ کے متوسلین نے اس کی امداد اسی شرط پر کی تھی "مگر اوّل اوّل اس کے ہاں بھی کئی قباحتیں قیام پذیر رہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی ان تمام غیر اسلامی رسوم کا مکمل استیصال چاہتے تھے۔ اِدھر عوام و خواص بھی جوق در جوق ان کے حلقہ اثر میں آ رہے تھے۔ حاسدین نے جہانگیر کے کان بھرنا شروع کر دیے۔ چنانچہ سلطان ہند کے دربار میں شہنشاہِ ولایت کی طلبی ہوئی۔ حضرت نے آدابِ شاہی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عائد کردہ الزامات کا مسکت جواب دیا۔ البتہ سجدۂ تعظیمی نہ کرنے سے مخالفین کو اور بھی موقع مل گیا۔ آپ نے عزیمت کی آبرو رکھتے ہوئے گوالیار کے گزشتہ زندان کو قبول فرما لیا۔ مگر غیر خدا کے سامنے جھکنا پسند نہ کیا۔ رب کی حکمت حضرت نے اس علاقے کو بھی اسلام کی روشنی سے منور فرما دیا اس عرصے میں جہانگیر گوناگوں پریشانیوں کا شکار ہوا۔ ذہنی کوفتوں، جسمانی بیماریوں اور سیاسی انقلابوں نے اس کا دماغ ٹھیک کر دیا۔ پھر جرنیل مہابت خان نے جو حضرت کا مرید صادق تھا۔ ایک فوجی کشمکش کے بعد جہانگیر اور اُس کی چہیتی ملکہ نور جہاں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت شیخ کی طرف سے قتل کی اجازت کے برعکس حسنِ سلوک کی تلقین ہوئی، تو جہانگیر کے دماغ کے رہے سہے پُرزے بھی درست ہو گئے۔ اب اس پر مردِ خُدا کی عظمت اور بے نفسی کھل چکی تھی۔ نہ جانے کیا خیال کر کے کبھی اس نے قید کے احکام صادر کیے تھے۔ مگر آج خود کسی نگہ کی تیغ بازی کا گھائل تھا، تائید ربانی نے حق و باطل کا فیصلہ خود کر دیا تھا۔ اب کسے سرتابی کی مجال تھی۔ چنانچہ جہانگیر حضرت امام ربانی کا حلقہ بگوش ہو گیا اور خلوص اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ دین و دنیا کی فلاح کو حضرت کی دُعا پر منحصر سمجھتا تھا۔

اصل میں حضرت شیخ کی عظمت جہانگیر کو زیر کرنے ہی میں مضمر نہیں بلکہ جہانگیر بلکہ تمام خاندان مغلیہ کی صحیح تربیت سے آپ کا مقامِ بلند نمایاں ہوتا ہے۔ حضرت نے اُنہیں اصولِ جہاں بانی سکھائے اور ان کے دلوں سے غرور و تکبّر کی آلائشوں کو نکال کر باہر پھینک دیا۔ ہند کے طول و عرض میں عظمتِ اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ ہاں ہاں، اب الحاد و بیدینی کے طوفان تھم چکے تھے۔ اور ہر کہیں حق کا آوازہ بلند ہو چکا تھا۔ کفر کی طاقت پاش پاش ہو چکی تھی۔ اور ایمان اپنی تجلیوں کے ساتھ ہند کے بام و در کو منوّر کر رہا تھا۔

یہ حضرت ہی کی پاکیزہ تعلیمات کا اثر تھا۔ کہ شاہجہان نے تخت طاؤس بنایا تو شہنشاہِ حقیقی کے دربار

میں سجدہ ریز ہو کر کہنے لگا۔ ''اے خدا میں تختِ طاؤس پر بیٹھ کر بھی تیرا ادنیٰ بندہ ہوں'' ہوتے ہوتے اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ آیا جو تخت شاہی پر جلوس کے باوصف کسوتِ فقر میں ملبوس تھا۔ اس کی ذات میں جو فقر و شاہی کا امتزاج تھا وہ اُنہیں کے صاحبزادے حضرت محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی نظر کیمیا اثر کا فیض تھا۔

مگر حضرت امام ربانی مجدد و منورِ الف ثانی کا دائرہ کار صرف ملک ہند تک محدود نہیں تھا۔ وہ سرورِ کونین ﷺ کے سچے اور عظیم نائب تھے۔ انہیں عرب و عجم کو فیضانِ علم و ولایت سے سیراب کرنا تھا۔ ان کا سینہ مشکوٰۃِ نبوّت سے مستنیر تھا۔ چنانچہ بیرونِ ہند بھی آفتاب سرہند کی مقدس شعاعیں پہنچیں۔ ماوراءالنہر کے اہل علم نے حضرت شیخ کی تعلیمات کی تصدیق کی اور بعض تو حلقہ ارادت میں بھی آ گئے۔ مصر اور دوسرے اسلامی ممالک میں حضرت کے مکتوبات شریفہ ترجمہ کی شکل میں پہنچے اور ان علاقوں میں ایسا شہرہ ہُوا کہ آج تک تفسیر و فقہ کے فضلا بڑے فخر کے ساتھ قَالَ المُجَدِّدُ الفَارُوقِی لکھ کر حضرت شیخ کی تصانیف کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

آپ کے ظہور سے قبل عموماً صوفیہ اور علماء کی تحقیقات میں کچھ فروعی اختلافات موجود تھے۔ شیخ مجدد نے شریعت کے اسرار اور طریقت کے غوامض سے ایسا پردہ اُٹھایا کہ فریقین مطمئن ہو گئے۔ امام ربانی ایک طرف حضرت امام اعظم کے خوشہ چین تھے۔ تو دوسری طرف حضور غوثِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے اکتسابِ فیض کر رہے تھے۔ چنانچہ علمِ ظاہر اور کشفِ باطن کو اس انداز سے ہم آہنگ کیا کہ سب کو یہ انفرادیت تسلیم کرنی پڑی۔ اسی مرتبہ جلیلہ کی پیش گوئی خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے ابتداہی کر دی تھی حضور کے ایک مکتوب شریف میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

> شیخ احمد نام مردیست در سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزے چند فقیر
> باو نشست و برخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار و اوقاتِ او مشاہدہ کرد
> بآں می نماید کہ چراغ شود کہ عالمہا ازوے روشن گردند۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

> میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ماہزاراں ستارہ در ضمنِ ایشاں گم اند۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی ایک بار ناراض ہو گئے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ ایک شخص حسن افغانی نے مکتوبات شریفہ کا مسودہ چرا کر شرارت سے فتنہ کھڑا کر دیا اس بدبخت نے بعض اپنی

عبارات کو سیدنا شیخ مجدد سے منسوب کر دیا۔ چنانچہ شیخ محقق نے ان کی تردید کی بعد میں جب حقیقت کھلی تو خود حضرت مجدد سے انہوں نے معذرت کر لی اور اپنی محبت کو ایک مقام پر یوں ظاہر کیا۔

''دریں ایام صفائے فقیر بخدمت شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است واصلا پردہ بشریت وغشاوۂ جبلت نماندہ''۔

آخر علم وعرفان کا یہ آفتاب ۲۸ر صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

شاعر مشرق فرماتے ہیں۔:

؎ حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خواجہ محمد معصوم مناقبِ آدمیہ کی روشنی میں

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد

☆☆

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے مرید خواجہ محمد امین بدخشی علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد و خلفاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا عنوان ہے ''مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ نقشبندیہ'' اس کتاب کا قلمی نسخہ جو مصنف نے خود ۷ محرم الحرام ١١٤٠ھ کو قلم بند کیا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ ہے۔ اس کا عکس حضرت والد ماجد پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے لندن سے منگوایا تھا...... یہ کتاب بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے مصنف خواجہ محمد امین بدخشی علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر خلیفہ شیخ آدم بنوری اور عظیم المرتبت فرزند خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے فیض یافتہ ہیں۔ اس کتاب سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مایۂ ناز فرزند خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے حالات سے متعلق چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن سے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے کمالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(١)

خواجہ محمد امین بدخشی کتاب کی تیسری فصل کا تعارف کراتے ہوئے خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ کو ان القاب سے یاد فرماتے ہیں:

> فصل ثالث در مناقب اجمالی مخدومی شیخ محمد معصوم قدس سرہ الذی ھو صاحب العلوم والاحوال و الکرامات، و مظہر الفیض والبرکات، کاشف الاسرار والرموز الالٰھیہ، الواقف علی التاویلات والاسرار القرآنیہ، المحقق

> بالحقیقۃ الصلوتیہ والکمالات الضمنیہ، الداخل فی الولات الاحمدیہ والصنوف الاصطفائیۃ، المشرف بالا صالۃ والطینۃ المحمدیہ علیہ وعلیٰ الہ و اخوانہ الصلوٰۃ والسلام......آں کہ حضرت شیخنا جامع العرفان والعلوم، صاحب الفیض العموم مولانا شیخ محمد معصوم علیہ رحمۃ اللہ القیوم، قطبِ وقت و مرشدِ عصر بودند، فرزند میانگی قطب الربانی مولانا شیخ احمد فاروقی کابلی بودہ اند قدس سرہ۔ (ورق۔۱۷۷)

(۲)

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ حضرت محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے القاب وآداب کے بعد فرماتے ہیں کہ:

> خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ قطبِ وقت اور مرشد زمانہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے منجھلے صاحبزادہ تھے۔ یعنی پہلے صاحبزادے خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ اور دوسرے صاحبزادے خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ اور تیسرے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ۔ آپ کے بعد بھی کئی صاحبزادے پیدا ہوئے جو نوعمری میں وصال فرما گئے۔

(۳)

حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر خلفاء میں تھے اس جلالت وعظمت کے باوجود آپ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو اپنے مرشد کریم کی جگہ تصور فرماتے اور کمال تعظیم وتکریم فرماتے۔ خواجہ محمد امین بدخشی لکھتے ہیں:

> حضرت شیخ احمد بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کریم کی جگہ آپ کو تصور فرماتے حلقہ میں اور خاص تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے‘ دعا کرتے‘ توجہ فرماتے اور ایک دوسرے سے فیض حاصل کرتے۔ (ورق ۱۷۷)

پھر دوسرے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے تیسرے بیٹے ہیں۔ ۱۰۰۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی آپ کی عمر ۷۳ سال تھی۔ آپ وفات فرما گئے اب آپ کی قبر سرہند شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ:

> میرے بیٹے محمد معصوم کے مبارک قدم میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوئے۔ کیونکہ آپ کی ولادت کے بعد ہی حضرت خواجہ عبدالباقی علیہ الرحمۃ کی صحبت مجھے نصیب ہوئی اور یہ سارے علوم و معارف ظاہر ہوئے۔

اپنی استعداد کی بلندی کی وجہ سے آپ کو قطبیت اور ولادیتِ محمدی حاصل ہے، اور آپ محمدی المشرب ہیں۔ آپ نے تین سال کی عمر میں کلمۂ توحید پڑھ کر بولنے کا آغاز فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے فرماتے تھے تو میرا محبوب ہے میں نے تو تجھے دائرہ غضب سے خارج کر دیا تا کہ اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ اور علوم متداولہ کی تحصیل سے جلد فارغ ہو کہ مجھے تم سے بہت عظیم کام لینے ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۶ سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور آپ نے تحصیل علوم کے دوران ہی ۱۱ سال کی عمر میں طریقت کی تعلیم دے کر قال و حال کو جمع فرما دیا۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد اگرچہ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے لیکن کارخانۂ حال' کارخانۂ قال پر غالب ہو گیا اور وہ بلند مرتبہ معصوم اپنی پوری ہمت کے ساتھ اپنے والد بزرگوار کے اسرار کے دریاؤں میں غوطے لگانے لگے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کی ترقی میں کوشاں رہتے اور آپ کو اپنے قریب صحبت میں رکھتے اور آپ نے اس کی تیاری کر لی کہ اس مخدومی کو کمالات قطبیت اور اپنی بلند خوبیوں سے نوازیں حتیٰ کہ تکمیلِ تربیت کے بعد خلافت سے مشرف ہوئے۔ (ورق۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸)

(۴)

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے لیے دعا فرمائی کہ وہ بادشاہ کی مصاحبت و ہم نشینی سے دور رہیں۔ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ محمد امین بدخشی لکھتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا بھی دی کہ تم بادشاہ کے مصاحب نہ بنو۔

الحمد للہ یہی ہوا کہ شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کی مصاحبت کے لیے بہت کوشش کی، میسر نہ ہوئی مگر کبھی

کبھار بلکہ اورنگزیب بادشاہ آپ کا مرید ہوا لیکن اس نے چاہا کہ آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتا رہے (غالبًا قلعہ معلّٰی میں) آپ نے قبول نہ فرمایا۔ نشاہی افسروں میں اور سرداروں کے متعلق کیا کہا جائے سیکڑوں آپ کے حضور میں آتے تھے اور باری باری خلوت میں مستفیض ہوتے تھے......علماء صلحاء اور خاص و عام طالبانِ طریقت ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے......الغرض حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ سے بہت محبت تھی آپ پر بہت ہی عنایت فرماتے تھے۔ آپ خلوتوں اور جلوتوں میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ کے مونس و دمساز تھے۔ (ورق۔۱۷۸) چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ مکتوباتِ معصومیہ کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ:

> اس رات جس کی صبح کو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ وصال فرمانے والے تھے۔ ہم دونوں بھائی حاضر تھے اس رات حضرت مجدد الف ثانی نے ہمارے سامنے بڑی بشارتوں اور بلند مقامات کا ذکر فرمایا۔ (ورق۔۱۷۱)

(۵)

حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ ۱۰۶۷ھ میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے آپ کے جانے کے بعد سرہند شریف میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور شاہ جہاں بادشاہ کے دو بیٹوں اورنگزیب عالمگیر اور داراشکوہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔ یہ جنگ اقتدار کی جنگ نہ تھی۔ بلکہ برِصغیر میں اسلام کی حفاظت کی جنگ تھی۔ داراشکوہ اپنے والد سے بیحد متاثر تھا۔ جس نے آخری زمانے میں اسلام کو سخت نقصان پہنچایا۔ اورنگزیب عالمگیر خواجہ معصوم علیہ الرحمۃ کے دامن سے وابستہ تھے اور برصغیر میں نظام مصطفیٰ کے علم بردار۔ برِصغیر کے حالات کی وجہ سے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو واپسی میں کچھ تردد تھا اسی تردو کے عالم میں آپ مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر مواجہہ شریف میں حاضر ہوئے آپ خود فرماتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے ظاہر ہوئے اور داراشکوہ کو قتل کرنے کا اشارہ فرمایا آخر یہی ہوا کہ داراشکوہ قتل ہوا۔ داراشکوہ کی تباہی سے چند سال پہلے خواجہ معصوم کو حضرت مجدد الف ثانی رضی تعالیٰ عنہ کے روضہ شریف کے اندر شہزادہ اورنگ زیب کے امیر المومنین اور

والی تخت وتاج ہونے کی بشارت ملی تھی۔ (ورق۔۱۸۳)

(۶)

مناقبِ آدمیہ کے مصنف خواجہ محمد امین بدخشی جو حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، پانچ سال آپ کی اور حضرت شیخ آدم بنوری علیہما الرحمۃ کی خدمت میں رہے آپ نے اخلاص اور محبت کے جو نظارے کیے وہ انہیں کی زبان سے سنیے۔ وہ فرماتے ہیں:

> میں پانچ سال حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں حاضر رہا۔ میں نے دونوں میں سے کسی میں امور مکروہ اور اغراضِ نفسانیہ کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ اس میں سے ہر ایک اپنے مرید کو دوسرے کی طرف متوجہ کرتا تھا۔ چنانچہ مخدومی حضرت معصوم علیہ الرحمۃ نے فقیر کو سید آدم بنوری علیہ الرحمۃ کی طرف متوجہ فرمایا اور حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی بکثرت مریدین کو حضرت خواجہ معصوم کی طرف متوجہ فرماتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے (ہمارے مخدوم زادے شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم علیہما الرحمۃ) ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ ہیں جو ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا ہے مبارک ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں خود اپنے ساتھ لے جا کر حضرت کی خدمت میں پیش کروں۔ بے شک کاملوں کا کام یہ ہے کہ طالبوں کو نفع پہنچائیں اور جھوٹے مدعیوں کا کام یہ ہے کہ خود فائدہ اٹھائیں اور اپنی دکان سجائیں۔ (ورق،۱۸۵)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ اخلاص ومحبت دے جس میں نفسانیت کا ذرہ برابر شائبہ نہ ہو اور ہم ایک دوسرے سے ایسی محبت کریں اور ایک دوسرے کو اسی طرح چاہیں جس طرح یہ حضرات چاہتے تھے۔

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب عالمگیر کے تعلقات پر ایک نظر

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

☆☆

خواجہ محمد معصوم، حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاجزادے تھے، وہ ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ کو بمقام بستی متصل سرہند پیدا ہوئے تحصیل علم اپنے پہلے بھائی خواجہ محمد صادق، والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے کی۔ سولہ سال کی عمر میں علوم و معقول و منقول سے فراغ حاصل کرلیا۔ تین ماہ میں حفظِ قرآن پاک فرمایا اور اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال ۱۰۳۴ھ کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور ان کی جانشینی کے فرائض انجام دینے لگے۔ رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، عضدی اور تلویح طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا سلسلۂ بیعت وارشاد بہت وسیع تھا۔ مغلیہ دور کے بڑے بڑے امراء اور ذی حیثیت اشخاص ان کے سلسلۂ ارادت میں منسلک تھے بہتّر سال کی عمر میں ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو خواجہ محمد معصوم کا انتقال ہوا مشہور شاعر سرہندی نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:

چراغِ خاندانِ نقش بنداں
فروغِ دینِ احمد خواجہ معصوم
بسوئے گلشنِ عقبیٰ قدم زد
ازیں ویرانہ آباد کہن بوم

ز دل پرسیدم از سالِ وفاتش
ندا آمد زِ عالم رفت معصوم

۱۰۷۹ھ

خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں اور یہ خطوط علوم ومعارف کا گنجینہ ہیں ان میں عقائد وکلام، عبادت ومعاملات مقامِ احسان وتقویٰ، تزکیۂ نفس، تہذیب واخلاق اوراصلاحِ اعمال سے متعلق ارشادات وتفصیلات ملتی ہیں۔

مکتوبات معصومیہ کی پہلی جلد ان کے صاحبزادے خواجہ عبیداللہ سرہندی نے جمع کی ہے اور یہ کتاب مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوئی ہے دوسری جلد ''وسیلۃ السعادۃ'' کے نام سے موسوم ہے اس کے مرتب مشرف حسین بن میر عمادالدین ہروی ہیں۔ یہ جلد خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین کی فرمائش وتحریک پر مرتب ہوئی ہے یہ کتاب لدھیانہ پریس میں طبع ہوئی تیسری جلد خواجہ محمد معصوم بخاری کی ترتیب دی ہوئی ہے یہ جلد امرتسر سے شائع ہوئی ہے۔

خواجہ محمد معصوم کے یہ خطوط جن لوگوں کے نام ہیں ان میں اکثر بڑی بڑی شخصیتیں ہیں اس میں عالمگیری دور کے نامور امراء اور پردہ نشین خواتین بھی ہیں یہ امراء حکام اور اعلیٰ منصب دار جن کے نام خطوط ہیں ان کے متعلق اگرچہ صراحت کیساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سب امراء وحکام خواجہ محمد معصوم کے حلقۂ ارادت میں منسلک تھے مگر ان میں سے بعض تو یقیناً مرید ہوں گے ان میں سے کئی خط شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام بھی ہیں۔ جن سے عالمگیر اور خواجہ محمد معصوم کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض تذکروں میں تو صراحت سے اورنگ زیب کا مرید ہونا لکھا ہے۔ خزینۃ الاصفیا (جلد اول ص ۶۴۰) میں مندرج ہے۔

> محمد داراشکوہ خلفِ شاہجہاں بادشاہ ومرید حضرت مُلّا شاہ قادری بود وعالمگیر اورنگزیب مرید حضرت معصوم سرہندی، فیمابین ہر دو برادران متنازع وعدوات واقع ازیں سبب داراشکوہ را باعزیزاں سرہند ہم کدورتے وتقاضے بود،

اگرچہ نقشبندی سلسلہ کے تذکروں میں بڑی تفصیل ملتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ مشائخ نقشبندیہ سے اورنگزیب عالمگیر کو تعلق خاطر ضرور تھا۔ خواجہ محمد معصوم کے مکاتیب میں ایک مکتوب اورنگزیب عالمگیر کے نام ہے یہ ایک طویل مکتوب ہے اس سے جانبین کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے اس مکتوب میں خواجہ محمد معصوم نے جہاد کی فضیلت، ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے اور بادشاہ کو خاص طور پر سے ترغیب دی ہے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے اعمال نامے میں ان اعمالِ حسنہ کے مثل لکھتے ہیں جو اس علاقہ میں لوگ امن کے ساتھ اس کی حمایت وحفاظت میں انجام دے رہے ہیں۔ یہ فضل عظیم کس قدر عالی شان ہے[1]۔
>
> افسوس! کہ یہ دور از کار (خواجہ محمد معصوم) اس نعمت خوشگوار سے بہ حسب ظاہر محروم ہے اور بعض عوائق وموانع کی وجہ سے اس قسم کی ''فی سبیل اللّٰہی'' جدوجہد سے مہجور ہے۔
>
> **یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا** (کاش میں ان کے ساتھ ہوتا اور بڑی کامیابی پر فائز ہوتا) لیکن از روئے باطن اپنے ساتھ ہی جاننا اور دعا اور توجہ کی راہ سے مدد ومعاون تصور کرنا۔
>
> ہم فقراء کا سرمایۂ راس المال یہی توجہ اور دعا ہے اگر گوشہ نشین فقراء سالہا سال ریاضت کریں اور چلّے کھینچیں اس عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔ (جو آپ کر رہے ہیں) وہ طاعات وعبادات جو ''جدوجہد دینی'' کے راستہ میں ہوتی ہیں۔ طاعات وعزلت پر ان کا درجہ کہیں زیادہ ہے۔

خواجہ محمد معصوم ایک دوسرے مکتوب میں اورنگ زیب عالمگیر کو لکھتے ہیں[2]۔ کمترین دعاگویاں نیازمند۔۔۔ نعمت امن وامانِ رونق اسلام اور قوت شعائر اسلام کے ظہور پر شکر وثنا کرتا ہوں نیز آپ کیلئے درازیٔ عمر شوکت وظفر اور نصرت کی دعا اپنے زاویہ نامرادی اور گوشہ شکستگی میں درویشوں کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔ چونکہ یہ دعا خلوص سے ہے اور پس پشت ہے اس لیے امید ہے کہ قرین قبولیت ہوگی۔

خواجہ محمد معصوم ایک دوسرے مکتوب میں اورنگزیب عالمگیر کو لکھتے ہیں [۳]۔

> آنجناب کی ''جمعیت باطن'' اور اس ''امر جلیل القدر'' کے تقید کے بارے میں لکھا تھا (اس کو پڑھ کر) شکر خداوندی بجالایا کہ باوجود ان ''اشغال صوریہ'' کے آپ کے دلِ حقیقت بین کو مطلوبِ حقیقی کے ساتھ ایک خاص تعلق اور مقصودِ تحقیقی کے ساتھ ایک مخصوص شوق ہے امید ہے کہ یہ تعلق روز بروز زیادہ ہوگا اور آتشِ شوق قوت پذیر ہوگی حتی کہ ذکر سے مذکور، دال سے مدلول اور لفظ سے معنی تک معاملہ پہنچ جائے گا۔

خواجہ محمد معصوم ایک اور خط میں بادشاہ عالمگیر کو مخاطب فرماتے ہیں [۴]۔

> آپ نے دعا و توجہ غائبانہ کی طلب اس شکستہ سے کی ہے، ہر چند پہلے بھی دُعا کرتا تھا اور توجہ میں مشغول رہتا تھا۔ لیکن اس وقت جبکہ اس قسم کی مہربانیاں اور خصوصیات درمیان میں آگئی ہیں ''جمع ہمت کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے طریق معہود پر ترقی باطن ازدیاد کیفیت استقامت نیز نصرت ظاہر کے لیے دُعا کرتا ہوں اور کسی طرح کوتاہی پر راضی نہیں ہوں آپ نے ''بارگرانبار جہانداری'' اور حسنِ خاتمہ کے متعلق بھی اظہار کیا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ کو اس بارے میں خوف عنایت فرمایا ہے اس لیے بہت کچھ (اچھی) امیدیں ہیں یہ خوف کار ہائے مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔

خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادے سیف الدین متوفی ۱۰۹۶ھ جو کہ گوشہ نشین تھے۔ عالمگیر کی تربیت کے لیے اس کے پاس گئے۔ اس خط میں مذکور ہے:

> فقیر زادہ (سیف الدین) جو کہ صاحب کمالات صوری و معنوی ہے عزلت اور عدم اختلاط کی عادت رکھتا تھا۔ چند آدمیوں میں بھی بیٹھنے کی اس کو عادت نہ تھی لیکن محض خیر خواہی نے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے (کہ آپ کے پاس گیا) مربی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے وہ خود درد و طلب دیتا ہے اور اپنی طلب میں دوڑاتا ہے اور خود راہِ وصل کھولتا ہے۔

اور صاحبزادہ سیف الدین کی صحبت کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ خواجہ محمد معصوم لکھتے ہیں [۵]۔

> الحمدللہ والمنتہ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین سرہندی) ''منظورِ نظرِ قبول'' ہوگیا۔ اور اس کی صحبت موثر ثابت ہوئی ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو کہ فقیر زادے کا شیوہ ہے۔ اس پر آپ نے اظہارِ شکر و رضا مندی کیا ہے اس عطیے (اظہار شکر پر) شکر خداوندی بجالایا۔

ان مکاتیب کے طرزِ نگارش اور اندازِ بیان سے عالم گیر اور محمد معصوم کے تعلقاتِ ارادت کا اندازہ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے بہت سے امراء و حکام کو بھی محمد معصوم نے خطوط لکھے۔ ان میں شمشیر خاں، میر غضنفر (ف، رمضان ۱۰۹۱ھ)، محمد باقر فتح آبادی، (ف ۱۰۹۲ھ) محمد عاشور بخاری، میر محمد خانی، تربیت خاں (ف ۱۰۵۳ھ) معین الدین، شیخ عبداللطیف لشکر خاں، اسلام خاں (ف، ۱۰۷۴ھ) مرزا ابوالمعانی ف ۱۰۷۴ھ سید محمد بیگ بلجر (ف ۱۰۷۳ھ) اور میر محمد یعقوب خاص طور سے قابل ذکر ہیں میرک معین الدین (ف ۱۰۹۵ھ) کو ایک مکتوب میں خواجہ محمد معصوم لکھتے ہیں [۶]۔

> نجات کو اتباعِ سنت و اجتناب از بدعت میں یقین کرو۔ اہلِ بدعت اور ملاحدہ سے تعلق صحبت نہ رکھنا۔ اس لیے کہ یہ لوگ دین کے چور ہیں جو فقیر شرعی وضع پر نہیں اور سنت نبوی سے آراستہ نہیں اس کو اپنی مجلس میں راہ نہ دینا۔

محمد عاشور بخاری کو لکھتے ہیں [۷]۔

''کتبِ شرعیہ اور احادیثِ نبویہ علی وجہ الکمال تہذیب اخلاق کی ضامن ہیں بمقتضائے شریعتِ غرہ'' عمل کرو اور سنن مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام امور میں پیشوا قرار دو۔ نجات اخروی اور درجات قرب الٰہی کا وصول اسی سے وابستہ ہے۔ امر معروف اور نہی منکر کو اچھی طرح انجام دو۔ اس میں کوتاہی نہ ہونا چاہیے۔ طعام، مقام اور کلام میں حد اوسط کی رعایت کرنا چاہیے [۸]۔''

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے خواجہ محمد معصوم شریعت کی پابندی کے سلسلہ میں برابر امراء کو لکھتے رہتے تھے۔ طوالت کے خوف سے مزید اقتباسات نہیں دیے گئے۔

خواجہ محمد معصوم کے منجھلے صاحبزادے حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی بھی بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے پاس رہے [۹] اور بادشاہ کو رُشد و ہدایت فرمائی۔ خواجہ محمد نقشبند ۱۰۳۴ھ میں سرہند میں پیدا ہوے حفظ قرآن کے

بعد اپنے چچا خواجہ محمد سعید سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی اور پھر اپنے والد خواجہ محمد معصوم سے علوم باطنی کی تکمیل فرمائی۔

خواجہ نقشبند ثانی کا ۹ محرم ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء میں انتقال ہوا ان کے خطوط دو جلدوں میں طبع ہوئے ان خطوط کا تاریخی نام وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول ۱۱۱۵ھ ہے۔

ان میں سے ۹ خطوط اورنگزیب عالمگیر کے نام ہیں اور متعدد خطوط امراء و عمائدِ سلطنت شیخ الاسلام بادشاہ زادی شائستہ خاں، عاقل خاں، سیف خاں، بختاور خاں، مکرم خاں، مصطفیٰ خاں اور مرزا میرک گرز بردار وغیرہم کے نام ہیں۔

ان خطوط سے یہ بات واضح ہوتی ہے ہے یہ بزرگانِ دین وقت کے حاکموں اور امیروں کی دینی تربیت کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اور اس دور کے فرمانروا اور اربابِ جاہ و دولت بھی ہدایت و نصیحت کی باتوں کو خوش دلی کے ساتھ سنتے تھے۔

☆……☆……☆

حواشی

۱…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی جلد دوم مکتوب ۶۴

۲…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی جلد سوم مکتوب ۶۔ یہ الفاظ خاص طور سے غور طلب ہیں ان سے ارادت و عقیدت کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

۳…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم جلد سوم مکتوب ۱۲۲

۴…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی جلد سوم مکتوب ۲۲۷

۵…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی جلد سوم مکتوب نمبر ۲۲۱

۶…… ایضاً جلد اول مکتوب ۷۹

۷…… ایضاً جلد دوم مکتوب ۱۴۵

۸…… مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی جلد دوم مکتوب ۱۴۵

۹…… وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول (مکتوبات محمد نقشبند ثانی حصہ اول مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ص ۱۳۹، حیدر آباد ۱۹۶۳ء)

☆……☆……☆

مقبرہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ علیہ الرحمہ

اورنگ آباد۔ مہاراشٹر۔ بھارت

مکتوب شریف خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ

بنام اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط اے اللہ! تو پاک ہے تیری شان نہایت بلند ہے اور تیری برہان نہایت واضح ہے تو آنکھ میں موجود ہے اور آنکھ تجھ کو مشاہدہ نہیں کرتی پس تو ہر چیز کے اس کی ذات سے زیادہ قریب ہے اور درمیان میں پردے حائل ہیں، (اے اللہ!) اپنی طرف ہدایت کرنے والے پر کہ جس کی ہدایت سے جہالت کی تاریکی چھٹ گئی اور گمراہی کے اندھیرے دور ہو گئے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر جو کہ پاکیزہ نفوس والے ہیں رحمت نازل فرما جب تک زمانے گردش کرتے رہیں اور اسباب اور جہانوں کے معاملے جاری رہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور کچھ دور چلے پھر فرمایا اے معاذ! میں تجھ کو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے (ڈرنے) سچ بولنے، عہد کو پورا کرنے، امانت ادا کرنے، خیانت نہ کرنے، یتیم پر رحم کرنے، ہمسایہ کی خبر گیری کرنے، غصہ کو ضبط کرنے، نرمی سے بات کرنے، سلام کی کثرت، امام کو لازم پکڑنے، قرآن مجید میں غور و فکر کرنے، آخرت کی محبت، حساب آخرت سے ڈرنے، آرزو میں کمی کرنے اور حسنِ عمل کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات سے منع کرتا ہوں کہ تو کسی مسلمان کو برا بھلا کہے۔ یا کسی جھوٹے کی تصدیق کرے، یا کسی سچے کی تکذیب کرے، یا امام عادل کی نافرمانی کرے، اور یہ کہ زمین میں فساد پھیلائے، اے معاذ! ہر شجر و حجر کے قریب اللہ تعالیٰ کا ذکر کر، ہر گناہ کیلئے توبہ کر، پوشیدہ گناہ کیلئے شیدہ طور پر اور اعلانیہ گناہ کیلئے اعلانیہ طور پر، اس کو بیہقی نے کتاب الزہد میں

روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سکوت فرمایا، اس شخص نے پھر عرض کیا میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا ہر دن میں ستر بار، اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

کمترین دعا گویان نیازمند حضرت سلطان الاسلام امیر المؤمنین انار اللہ برہانہ کی خدمتِ اشرف میں جو کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا سایہ اور عدل وانصاف کا گہوارہ اور ظلم وستم کی بنیاد کو اکھیڑنے والے ہیں عرض کرتا ہے۔

خَلِیْفَةٌ مَلَکَ الْآفَاقَ صَوْلَتُهُ وَالْحَقُّ کَانَ مَدَاهُ اَیَّةَ سَلَکَا
یَحُوْمُ حَوْلَ زُرَاهُ الْعَالِمُوْنَ کَمَا تَرَی الْحَجِیْجَ بِبَیْتِ اللهِ مُعْتَرِکَا

[وہ ایسا خلیفہ (بادشاہ) ہے جس کا غلبہ وحملہ تمام آفاق کا مالک ہے اور وہ جس طرف جاتا ہے اسکا منتہائے مقصد ہوتا ہے، اہلِ علم اس کی چوکھٹ کے گرد گھومتے ہیں جیسا کہ تو بیت اللہ کا حج کرنے والوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ہجوم کرتے ہیں۔]

اور نیازمندی وخاکساری کا اظہار اور امن وامان کی نعمت اور اسلام کی رونق اور اس کے شعائر کی قوت کا شکر وثنا ادا کرتا ہے اور گوشۂ نامرادی وشکستگی میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی عمر وشان وشوکت اور فتح ونصرت کی زیادتی کے وظیفۂ دعا میں جس کے ساتھ مدتِ دراز سے انس والفت میسر ہے مشغول رہتا ہے۔۔۔ چونکہ یہ دعا خلوصِ دل سے ہے اور پس پشت ہے اس لئے امید ہے کہ قبولیت کے قریب ہوگی، نبی امی اور ان کی آل امجاد علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ کے طفیل آپ کی حکومت وسلطنت کا آفتاب بزرگی وبلندی کے افق پر چمکتا رہے۔

(مکتوبات معصومی (ترجمہ اردو) مکتوب نمبر ۶ جلد سوم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۰ء ص۔ ۳۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خواجہ محمد معصوم اور خواجہ سیف الدین کے خطوط

بادشاہِ وقت، شہزادگان اور شہزادیوں کے نام

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

☆☆

خطوط نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے، پُرانے زمانے میں نہ فون تھا، نہ فیکس، نہ الیکٹرونک میڈیا، پیغام رسانی کا واحد اور اہم ذریعہ خط ہی تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت فرمائی، پھر حضرات اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے تبلیغ وارشاد کے اس ذریعے کو اپنایا اور اسلام کو پھیلایا۔ مثلاً حضرت جنید بغدادی، حضرت امام محمد غزالی، حضرت یحییٰ منیری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ محمد سعید، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت خواجہ عبدالاحد، حضرت خواجہ سیف الدین، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، امام احمد رضا خان محدث بریلوی، حضرت شاہ غلام علی، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ وغیرہ کے مکتوبات شریف مشہور ومعروف ہیں اور بھی بیسیوں مجموعے ہیں۔

غلام جابر مصباحی امام احمد رضا محدث بریلوی کے مکاتیب پر بہار یونیورسٹی (بھارت) سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ اردو کے دینی ادب میں ایک اہم اضافہ ہوگا۔

اردو مجموعات مکاتیب میں مرزا غالب، سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر محمد اقبال، سید سلیمان ندوی وغیرہ کے مجموعہ مکاتیب بھی معروف ہیں۔

معاصرین علماء ومشائخ، مریدین ومعتقدین کو تو سب ہی خطوط لکھتے ہیں، مگر بادشاہوں شہزادوں اور شہزادیوں کو بہت ہی کم کسی شیخ طریقت نے خطوط لکھے ہوں گے۔ مشائخ کرام میں شیخ عبداللہ احرار اس خصوص میں نہایت ممتاز ہیں، آپ نے خطوط کے ذریعہ بادشاہوں کی قسمت بدلی، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد احفاد نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا...... بادشاہ اور شہزادے آپ کے گرویدہ تھے، یہ معمولی بات نہیں بیشک بادشاہوں اور شہزادوں کا غلامانہ حاضر ہونا حیرت ناک ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے، آنکھوں دیکھا حال آپ کے صاحبزادے یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

> پوشیدہ نہ رہے کہ بادشاہ (اورنگ زیب عالم گیر) طریقۂ عالیہ میں داخل ہوکر بہت متاثر ہوئے، تین مرتبہ صحبت رہی (یعنی ملاقات ہوئی) چوں کہ شاہجہاں کی وفات واقع ہوگئی بنا بریں بادشاہ آگرہ تشریف لے گئے دیگر یہ کہ طالبین جو مور وملخ کی طرح کثرت رکھتے ہیں ان کے ہجوم کے متعلق کیا لکھے کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآباد سندھ، مکتوب نمبر ۸۳)

پھر جب خواجہ حضرت سیف الدین علیہ الرحمہ، دہلی تشریف لے گئے تو بقول صاحب انوار معصومیہ!

> جب حضرت خواجہ سیف الدین دھلی تشریف لے گئے اور وہاں بادشاہ، شہزادہ محمد اعظم، محمد معظم، شہزادی روشن آراء، نواب مکرم خاں، حافظ محمد حسن، (نواسۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی) حاجی عبدالرؤف (امام مسجد فتحپوری دہلی) اور بکثرت مخلوق آپ کی بیعت ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال تھی۔

(انوارِ معصومیہ، کراچی، ص ۱۱۶، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، لاہور، ص ۳۴)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ، شہزادہ معظم، شہزادی روشن آراء، حضرت خواجہ محمد معصوم اور ان کے صاحب زادے خواجہ سیف الدین کے مریدین تھے اور خاص عقیدت ومحبت رکھتے تھے، یہی محبت تھی جو ان خطوط کا محرک ہوئی جو آپ کے سامنے پیش کیے جارہے ہیں۔

ان خطوط کے مطالعہ سے بادشاہ، شہزادے اور شہزادی کی قلبی کیفیات اور روحانی ترقیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پڑھ پڑھ کر حیرت بڑھتی جاتی ہے کہ ان حضرات عالیہ نے قلعوں اور محلوں میں رہنے والوں کو کس عالم میں پہنچایا اور ان کے اندر کیسا حیرت ناک انقلاب برپا کر دیا...... یہ خطوط ان حضرات کے لیے عبرت ونصیحت ہیں جو سرے سے اولیاء اللہ اور ان کے روحانی تصرفات کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان حضرات کے خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جن ہستیوں کا وہ انکار کرتے ہیں انہوں نے اسلامی تاریخ بلکہ دنیا کی تاریخ میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے انسان ہی نہیں، سلاطین اور سلطنتوں کو بدل کر رکھ دیا...... آیئے آپ بھی یہ خطوط مطالعہ فرمائیں ان مکتوبات میں اوپر کا نمبر مقالہ کا نمبر ہے اور نیچے کا نمبر مجموعہ مکاتیب کا ہے۔

مکتوبات شریف خواجہ محمد معصوم بنام اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ

☆

مکتوب گرامی

۱

۵

الحمدللہ ذی الانعام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہٖ سید الانام وعلٰی آلہٖ الکرام وصحبہ العظام (اللہ تعالیٰ کا حمد وشکر ہے جو نعمتوں کا مالک ہے اور سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آلِ کرام اور اصحابِ عظام پر درود وسلام ہو) امابعد احقرِ فقراء جنابِ والا میں عرض کرتا ہے کہ یہ دعاگو اگرچہ ظاہری اعتبار سے حاضری کی دولت کے حصول سے دور ومہجور ہے اور اس قسم کے عظیم الشان کام اور بہت بڑے جہاد میں کہ ان دنوں میں (آپ کی) توجہ واقبال کی باگ جس کی طرف پھری ہوئی ہے داخل نہیں ہے لیکن معنوی وباطنی اعتبار سے خدمت وحضور میں ہے اور فتح ونصرت کی دعا کے ساتھ جو کہ فقراء کا وظیفہ (معمول) ہے، مشغول ومصروف ہے۔ ع

دیدۂ سعدی و جانِ ہمراہِ تست
سعدی کی آنکھیں اور جان تیرے ہمراہ ہیں

حدیث شریف میں آیا ہے:

المرء مع من احب

آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے

چونکہ (یہ فقیر) محبت صحیح رکھتا ہے (اس لیے) باطنی لحاظ سے کسی مقام اور معرکہ میں خدمت عالی سے جدا نہیں ہے اور ہر جگہ باطنی معیت رکھتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

تو اندر سے آشنا ہو جا اور باہر سے (ظاہر میں) بیگانوں کی طرح رہ،
ایسی اچھی صفت والا شخص دنیا میں بہت کم ہوتا ہے۔

بیشک صوفی کائن بائن ہوتا ہے یعنی ظاہر کے اعتبار سے مخلوق کے ساتھ موجود اور حقیقت و باطن کے اعتبار سے ان سے جدا ہوتا ہے کیونکہ اس کا باطن و حقیقت اس کے ظاہر سے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے ٹوٹ کر منزلوں دور چلا جاتا اور غیب الغیب سے مل جاتا ہے، ظاہر کی غفلت اس کے باطن میں سرایت نہیں کرتی، عوام کا باطن ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظاہر کی غفلت (ان کے) باطن میں سرایت کرتی ہے اور خواص کے لیے کہ جن کا باطن ظاہر سے منزلوں منقطع ہو چکا ہے ایسا نہیں ہے اور ظاہر کی غفلت باطن میں راہ نہیں رکھتی اور اس کے حضور و آگاہی میں کچھ نقصان نہیں لاتی کیونکہ حضور و آگاہی اس کا ملکہ (صفتِ راسخہ) ہو جاتی اور اس کی صفتِ لازمہ بن جاتی ہے جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہوتی ہے کہ کسی وجہ سے بھی اس سے جدا نہیں ہے، اس راستہ کے بعض سالکوں کو یہ قطعِ تعلق اور ماسوا کو بھول جانا اس درجہ تک حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ تکلف سے بھی ماسوا کو یاد کریں ہرگز ان کو یاد نہ آئے اور اگر بالفرض حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمران کو دیدی جائے (تب بھی) ماسوا کے اس نسیان کے سبب سے جو ان کو حاصل ہو چکا ہے ماسوا کا خیال ہرگز ان کے باطن میں راہ نہ پائے) یہ کمال ولایت کے کمالات میں سب سے پہلا کمال ہے اور فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اشیاء کے علمِ حصولی کے زوال سے وابستہ ہے، اگر اس مقام سے ترقی واقع ہو جائے اور علمِ حضوری بھی جو کہ اس مقام میں علم و عالم کا اتحاد ہے علمِ حصولی کی طرح زوال کی طرف رخ کر لے اور صحرائے عدم کی طرف

سامان لے جائے تو (یہ) فنائے نفس ہوتی ہے، اس کے بعد نفس اطمینان کے مقام میں آ جاتا، احکامِ الٰہی تعالیٰ شانہٗ کا فرمانبردار ہو جاتا، اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا، راضی و مرضی (عمدہ و پسندیدہ) ہو جاتا اور آیتِ کریمہ

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

اے اطمینان پائے ہوئے نفس تو راضی و مرضی (پسندیدہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا) کا مصداق ہو جاتا ہے اور ان دونوں کمالات کے اوپر دوسرے اور کمالات بھی ہیں جو ان دونوں کمالات کے ساتھ مشروط ہیں ان کمالات کو کیا بیان کرے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا
میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کرلیجیے

ومن بعد ھذا ما یدق صفاتہ
وما کتمہ احظی لدیہ واجمل

اور اس کے بعد وہ مقام ہے جس کی صفات کا بیان بہت مشکل ہے اور
وہ مقام ہے جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ مناسب و بہتر ہے۔

اور ہم اس مکتوب کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ہمارے پاس آنے سے تاخیر کی (یعنی روزمرہ کے وقت پر تشریف نہ لائے) حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم آفتاب کے قرص کو دیکھ لیں پھر آپ جلدی سے نکل کر تشریف لائے پس نماز کے لیے تکبیر اقامت کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اپنی نماز میں تخفیف کی پھر جب سلام پھیرا اور اپنی بلند آواز کے ساتھ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی صفوں میں اسی طرح بیٹھے رہو جس طرح کہ بیٹھے ہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا اے لوگو! آگاہ رہو بیشک میں تم کو ابھی اس چیز کی خبر دونگا جس نے مجھ کو آج کی صبح تم سے روکا، (وہ یہ ہے کہ) میں رات کو (نمازِ تہجد کے لیے) اٹھا پس میں نے وضو کیا اور جس قدر نماز میرے لیے مقدر تھی پڑھی، پھر مجھے اپنی نماز میں اونگھ آ گئی یہانتک کہ میں بھاری ہو گیا (یعنی مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میرا بدن وزنی ہو گیا) پس ناگہاں میں نے اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ کو اچھی صورت

(صفت) میں دیکھا پس اس (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے عرض کیا اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ پروردگار نے فرمایا کہ فرشتوں کی جماعت کس چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے؟ میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے تین بار یہی فرمایا (اور میں نے ہر بار یہی جواب دیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ (اس نے) اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنی چھاتی کے درمیان پائی پس میرے لیے ہر چیز ظاہر و روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔ پھر فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ فرمایا فرشتوں کی جماعت کس چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے؟ میں نے عرض کیا کفارات میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا (نماز کی) جماعتوں کی طرف قدموں سے چلنا اور نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناخوشگواریوں کے وقت (بھی) وضو پورا کرنا۔ فرمایا پھر کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا درجات کے بارے میں۔ فرمایا اور وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کھانا کھلانا اور بات میں نرمی کرنا اور رات کے کسی حصہ میں نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا (جو کچھ چاہے) مانگ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ
الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ
فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَّاَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ
وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْۤ اِلٰی حُبِّکَ

اے اللہ! بیشک میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں کے ترک کرنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم میں فتنہ (آزمائش) کا ارادہ فرمائے پس تو مجھ کو فتنہ میں مبتلا کیے بغیر وفات دے اور میں تجھ سے تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے نزدیک کر دے

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ حق ہے پس اس کو یاد رکھو پھر اس کو لوگوں کو سکھاؤ اور میں نے محمد بن اسمٰعیل ص ۳۱ (بخاری قدس سرہٗ) سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس حدیث کو احمد و ترمذی نے روایت کیا اور (ترمذی) نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مکتوبات معصومیہ (ترجمہ اردو) جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء ص ۳۰۔۳۳)

مکتوب شریف

٦

٦٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد

ذرۂ احقر عرض کرتا ہے کہ ان لوگوں کا وقت وحال کتنا اچھا ہے جنہوں نے اس بہت بڑے کام اور عظیم مہم کے لیے کمرِ ہمت کو پر مسرت خدمت میں چست باندھا ہے اور نیک نیتی کے ساتھ اس سخت سفر کو جو کہ حقیقت میں خیرات وبرکات کا پھل دینے والا اور درجات کی ترقی کا وسیلہ ہے ذوق وشوق کے ساتھ اختیار کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک جنت میں سو (۱۰۰) درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیا ہے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے کی مانند ہے اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک ساعت ٹھہرنا شب قدر کو مکہ مکرمہ میں حجرِ اسود کے نزدیک قیام کرنے سے بہتر ہے، اس کو امام بیہقی وابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (اس حدیث کے پیشِ نظر) علماء نے کہا ہے کہ اس حساب سے اللہ کی راہ میں ایک ساعت قیام کرنا دس کروڑ مہینوں کے قیام سے بہتر ہے اس لیے لیلۃ القدر کو مکہ مکرمہ میں قیام کرنا مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی اور جگہ کے دس کروڑ مہینوں کے قیام کی برابر ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مسلمانوں کے پیچھے کسی ایک رات پہرہ دیتا رہا اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پہرہ داری میں (اطمینان سے) روزے رکھ رہے ہیں اور نمازیں پڑھ رہے ہیں، اس کو طبرانی نے جید اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے علمانے کہا ہے کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ جس حاکم کے علاقہ میں لوگ اس کی حمایت وحفاظت میں امن وامان کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس حاکم کے اعمالنامہ میں بھی ان لوگوں کے نیک اعمال کی مثل لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل عظیم کس قدر عالی شان ہے، افسوس کہ یہ ناکارہ اس قسم کی خوشگوار نعمت سے باعتبار ظاہر محروم ہے اور بعض مشکلات اور رکاوٹوں کی وجہ سے اس جہاد فی سبیل اللہ کا تارک ہے۔

يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا

کاش کے ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی عظیم کامیابی حاصل کرتا

لیکن باطن کی رو سے اپنے ساتھ ہی جانیں اور دعا و توجہ کی راہ سے جو کہ فقرا کا معمول ہے ممد و معاون تصور فرمائیں، اگر گوشہ نشین فقر سالہا سال تک ریاضت کریں اور چلّے کھینچیں (تو بھی) اس عمل کی گرد کو نہ پہنچیں، جو طاعات و عبادات اس مقام میں ادا ہوتی ہیں گوشہ نشینی کی طاعات سے کئی گنا زیادہ (افضل) ہیں، اس جگہ کا ذکر و تسبیح کچھ اور ہی ثواب رکھتا ہے اور وہاں کی نماز علیحدہ مرتبہ رکھتی ہے اور اس مقام کے صدقات و نفقات کا درجہ بہت بڑا ہے اور اس معرکہ کے (اندر لاحق ہونے والے) امراض کا نتیجہ جدا ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے جہاد فی سبیل اللہ کے دوران اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کی پس بیشک اس کے لیے ہر کلمہ کے بدلے ستر ہزار نیکیاں ہونگی ان میں سے ہر نیکی دس گنا ہوگی اس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس اور زیادہ ہوگا، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور نیز آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا (کسی دوسری مسجد کی) دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور سرحد کی حفاظت کی سرزمین میں ایک نماز پڑھنا بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اس کو ابوالشیخ و ابنِ حبان نے روایت کیا ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرحد کی حفاظتی قیام گاہ میں ایک نماز پڑھنا پانسو نمازوں کے برابر ہے اور اس (جہاد فی سبیل اللہ) میں ایک دینار و درہم کا خرچ کرنا اس کے علاوہ (کسی اور نیک راہ) میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے، اور نیز آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہِ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے کسی مجاہد فی سبیل اللہ یا کسی غازی کے اہل وعیال کی یا کسی مکاتب غلام کی اس کے آزاد کرانے میں مدد کی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز کہ اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اس کو احمد و بیہقی نے روایت کیا ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کھڑا ہونا (اگرچہ) وہ اس میں تلوار میان

سے نہ نکالے اور وہ نیزے سے کسی کو زخمی بھی نہ کرے اور کسی پر تیر بھی نہ پھینکے ایسی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے جس میں آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہو (رواہ ابن البخاری) نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ یا ایک ساعت بھی بیمار ہوا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور اس کے لیے ایک لاکھ ایسے غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھا جائیگا جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک لاکھ (درہم) ہو، (رواہ ابن زنجویہ)۔ (اور اس میں کچھ) شک نہیں ہے کہ یہ خدمت و مہم جس کی طرف آپ متوجہ ہیں جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ ابوذر اور ذہبی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کی ہے کہ آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جن کو روافض کا نام دیا جائیگا وہ اسلام سے رفض (روگردانی و ترک) کریں گے پس تم ان کو قتل کرو کیونکہ بیشک وہ مشرکین ہیں، اور دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عنقریب میرے بعد ایک قوم آئیگی جو بدزبان ہوگی ان کو رافضی کہا جائیگا پس اگر تو ان کو پائے تو قتل کر و پس بیشک وہ مشرکین ہیں، انہوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں کیا علامت ہوگی؟ آپ نے فرمایا وہ تیرے بارے میں ان باتوں کا اضافہ کرینگے جو تجھ میں نہیں ہیں، اور سلف (پہلے لوگوں) پر طعن کرینگے اور اس (دار قطنی) نے دوسرے طریق (سند) سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے اور اسی طرح ایک اور طریق سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اس روایت سے یہ الفاظ زیادہ ہیں ”اور وہ اپنے آپ کو ہم، اہلِ بیت کے ساتھ منسوب کرینگے حالانکہ وہ ایسے نہیں ہیں اور ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سب کریں گے (برا کہیں گے)۔

فصل بالخیر (حدیث)

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

(اب) ہم جہاد اصغر (جہادِ اعدا) سے جہادِ اکبر (جہاد نفس) کی طرف لوٹتے ہیں

حدیث قدسی میں آیا ہے

عاد نفسک فانها انتصبت بمعاداتی

تو اپنے نفس سے دشمنی کر کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے

انسان کا نفسِ امارہ تصدیقِ قلبی اور اقرار لسانی کے باوجود اپنے کفروانکار پر مصر ہے، آسمانی احکام کی طرف مائل نہیں ہوتا اور احکامِ الٰہی جل سلطانہٗ کی اطاعت نہیں کرتا، وہ (نفس) چاہتا ہے کہ سب اس کے مطیع وفرمانبردار ہوں اور وہ کسی کا مطیع وفرمانبردار نہ ہو، برابری اور خودی کا دعوٰی اس میں...... راسخ ہے اور اَنَا رَبُّکُمْ (میں تمہارا رب ہوں) کی صدا اس کے اندر سے نکلتی رہتی ہے اسی لیے اس (نفس) سے دشمنی رکھنا (بارگاہِ الٰہی میں) پسندیدہ ومقبول ہوا اور شریعت منورہ کے موافق اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ جہاد کرنا اکبر قرار پایا، آفاقی دشمنوں کے ساتھ جہاد کا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے اور اندرونی دشمن (نفس) سے جہاد دائمی ہے ارحم الراحمین (اللہ تعالیٰ) نے اپنی کمال رحمت وشفقت سے ایمان حاصل ہونے اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پانے کے لیے تصدیقِ قلبی کو کافی قرار دیا اور نفس کو اقرار وتسلیم کا مکلف نہیں بنایا۔

چشم دارم کہ دہد اشکِ مرا حسنِ قبول
آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

وہ (اللہ) جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنایا ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ میرے آنسوؤں کو بھی حسن قبول عطا فرمائیگا

ہاں افرادِ انسانی میں بعض کاملین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا نفس امارگی سے نکل کر اطمینان حاصل کر لیتا ہے اور احکامِ الٰہی کا مطیع ہو کر مخالفت کی مجال اس میں باقی نہیں رہتی اور راضی ومقبول ہو جاتا ہے آیۂ کریمہ

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّة

اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو

اسی کی شان میں وارد ہوئی ہے ایمانِ کامل اور اسلام حقیقی اسی مقام میں جلوہ افروز ہوتا ہے، یہ ایمان زوال اور خلل سے محفوظ ہے بخلاف سابقہ ایمان کے کہ وہ زوال وخلل سے محفوظ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی (کامل) ایمان کی طلب کی ہے، اس موقع پر جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم کے لیے فرمایا:

اَللّٰهُم انی اسئلک ایمانا لیس بعده کفر

اے اللہ! میں آپ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو

اور آیۂ کریمہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ الآیہ

(ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ الخ)

اور آیۂ کریمہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں

میں گویا اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے اور حدیث نفیس

لن یؤمن احد کم حتیٰ یکون ھواہ تبعالما جئت بہ

تم میں سے کوئی شخص اسوقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشاتِ نفس میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں

میں یہی ایمان مراد ہے۔

صوفیائے کرام کے طریقے میں اولین مطلوب اسلام حقیقی کا حاصل ہونا ہے جو کہ نفسِ امارہ کے مطیع ہونے کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اسلام جو اطمینان نفس سے پہلے محض تصدیق قلبی سے حاصل ہوتا ہے (صوفیہ) اس کو مجازی اسلام کہتے ہیں اور اس کو حقیقی اسلام کہتے ہیں: **المجاز ینفی والحقیقۃ تثبت ولاتنفی** "مجاز کی نفی نہیں ہوتی" ارکانِ اسلام یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور تمام نیک اعمال جو اطمینانِ نفس سے پہلے وقوع میں آئے ہیں وہ گویا اعمال کی صورت (ظاہری شکل) ہے اگر نماز پڑھتا ہے تو نماز کی صورت ہے اور اگر روزہ دار ہے تو روزہ کی صورت ہے اور اسی قیاس پر تمام اعمال ہیں اس لیے کہ نفسِ امارہ ابھی تک اپنی سرکشی اور انکار پر قائم ہے اعمال کی حقیقت کس طرح ظہور میں آسکتی ہے اور جب نفس اطمینان کی حالت کو پہنچ جاتا ہے اور سرکشی و بغاوت سے باز آجاتا ہے تب اعمال کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور نماز و روزہ وغیرہما کی حقیقت ادا ہوتی ہے اور اس صورت و حقیقت کے فرق کے اندازہ ہی سے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے درجات اور قربِ الٰہی اور آخرت میں رویتِ باری کے مراتب میں فرق کو خیال کر لینا

چاہیے۔ مقربین کی جنتوں کو عوام مومنین کی جنتوں سے کیا نسبت ہے، قطرہ کو دریا کے ساتھ ایک (طرح کی) نسبت ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اور پانی کے اجزا سے مرکب ہیں، ان دونوں میں فرق اجزا کی کثرت وقلت سے ہے اور صورت کو حقیقت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے، رویت اُخروی (آخرت میں دیدارِ باری تعالیٰ) بھی سب کے لیے یکساں نہیں ہے (بلکہ) دیکھنے والوں کے درجات کے فرق کے مطابق اس کے بھی درجات ومراتب ہیں جیسا کہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے اس کی تصریح کی ہے پس قیاس کرنا چاہیے کہ اہلِ صورت واہل حقیقت میں سے ہر ایک کی بے کیف رویت (باہم) کیا نسبت رکھتی ہوگی۔

بود کہ صدر نشینانِ بارگاہِ قبول
کنند گوشۂ چشمے باہلِ صف نعال

کاش ایسا ہو کہ بارگاہِ قبولیت کے صدر نشین جوتوں کی جگہ پر بیٹھنے
والوں کی طرف بھی نظر کریں (یعنی کن انکھیوں سے دیکھ لیں

یہ صورت وحقیقت دونوں ہی شریعتِ عالیہ کے دائرہ میں داخل ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سنتوں اور باطنی انوار سے اخذ کی گئی ہیں، ایک شریعت کی صورت ہے اور دوسری شریعت کی حقیقت ہے پس تمام کمالات کا معدن روشن شریعت ہی قرار پائی اور کوئی کمال ایسا نہیں رہا جسے شریعت حقہ کے باہر تلاش کرنے کی ضرورت پڑے، اللہ تعالیٰ کی معرفت کہ جس کو اہل اللہ نے ادراکِ بسیط کے معنی میں قرار دیا ہے اور انسان کے کمال کو اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس کی تکمیل وکمال بھی نفس کی فنا واطمینان کے ساتھ وابستہ ہے۔

ہیچ کس را تا نگردد او فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(جب تک کوئی شخص مقام فنا حاصل نہ کرلے اس کے لیے بارگاہِ الٰہی
میں باریابی نہیں ہے)

پس ان تمام باتوں کا حاصل کلام یہ ہے کہ صاحبِ بصیرت عقلمندوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے حاصل کار اور نقدِ روزگار (یعنی تمام افعال واعمال) میں خوب اچھی طرح غور فرمائیں، جو شخص بھی یہ مطلوبہ

دولت رکھتا ہے فطوبیٰ وبشریٰ (تو اس کیلئے مبارکباد وخوشخبری ہے) جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ بجالایا اور نعمت اس کے حق میں پوری ہوگئی ورنہ وہ اس کی طلب سے فارغ نہ رہے اور جہاں کہیں سے (اس کی) کوئی بو اس کے دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے جائے (اس کی تلاش کرے)

ترسم کہ یار باما ناآشنا بماند
تا دامنِ قیامت ایں غم بما بماند

میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) محبوب ہمارے (حال) سے ناآشنا ہی
رہے (اور) قیامت کے دامن تک یہ غم ہمارے ساتھ رہے

والسلام اولاً وآخراً

(مکتوباتِ معصومیہ، جلد اول، مطبوعہ۔ کراچی، ص ۱۶۶۔۱۷۱)

مکتوب شریف

۳

۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے اللہ! تو پاک ہے تیری شان نہایت بلند ہے اور تیری برہان نہایت واضح ہے تو آنکھ میں موجود ہے اور آنکھ تجھ کو مشاہدہ نہیں کرتی پس تو ہر چیز کے اس کی ذات سے زیادہ قریب ہے اور درمیان میں پردے حائل ہیں، (اے اللہ!) اپنی طرف ہدایت کرنے والے پر کہ جس کی ہدایت سے جہالت کی تاریکی چھٹ گئی اور گمراہی کے اندھیرے دور ہوگئے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر جو کہ پاکیزہ نفوس والے ہیں رحمت نازل فرما جبتک زمانے گردش کرتے رہیں اور اسباب اور جہانوں کے معاملے جاری رہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور کچھ دور چلے پھر فرمایا اے معاذ! امانت ادا کرنے، خیانت نہ کرنے، یتیم پر رحم کرنے، ہمسایہ کی خبر گیری کرنے، غصہ کو ضبط کرنے، نرمی سے بات کرنے، سلام کی کثرت، امام کو لازم پکڑنے، قرآن مجید میں

غور و فکر کرنے، آخرت کی محبت، حساب آخرت سے ڈرنے، آرزو میں کمی کرنے اور حسنِ عمل کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات سے منع کرتا ہوں کہ تو کسی مسلمان کو برا بھلا کہے، یا کسی جھوٹے کی تصدیق کرے، یا کسی سچے کی تکذیب کرے، یا امامِ عادل کی نافرمانی کرے، اور یہ کہ زمین میں فساد پھیلائے۔ اے معاذ! ہر شجر و حجر کے قریب اللہ تعالیٰ کا ذکر کر، ہر گناہ کے لیے توبہ کر، پوشیدہ گناہ کے لیے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ گناہ کے لیے اعلانیہ طور پر اسکو بیہقی نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سکوت فرمایا، اس شخص نے پھر عرض کیا میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا ہر دن میں ستر بار، اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

کمترین دعا گویانِ نیاز مند حضرت سلطان الاسلام امیر المؤمنین انار اللہ برہانہٗ کی خدمت اشرف میں جو کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا سایہ اور عدل و انصاف کا گہوارہ اور ظلم و ستم کی بنیاد کو اکھیڑنے والے ہیں یہ عرض کرتا ہے۔ (ترجمہ عربی قصیدہ)

> وہ ایسا خلیفہ (بادشاہ) ہے جس کا غلبہ وحملہ تمام آفاق کا مالک ہے اور
> وہ جس طرف جاتا ہے حق اس کا منتہائے مقصد ہوتا ہے، اہل علم اس
> کی چوکھٹ کے گرد گھومتے رہتے ہیں جیسا کہ تو بیت اللہ کا حج کرنے
> والوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ہجوم کرتے ہیں۔

اور نیاز مندی وخاکساری کا اظہار اور امن وامان کی نعمت اور اسلام کی رونق اور اس کے شعائر کی قوت کا شکر وثنا ادا کرتا ہے اور گوشۂ نامرادی وشکستگی میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی عمر وشان وشوکت اور فتح ونصرت کی زیادتی کے وظیفۂ دعا میں جس کے ساتھ مدتِ دراز سے انس والفت میسر ہے مشغول رہتا ہے...... چونکہ یہ دعا خلوصِ دل سے ہے اور پسِ پُشت ہے اس لیے امید ہے کہ قبولیت کے قریب ہوگی، نبی امّی اور ان کی آل امجاد علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والبرکات العلیٰ کے طفیل آپ کی حکومت وسلطنت کا آفتاب بزرگی وبلندی کے افق پر چمکتا رہے۔

(مکتوبات معصومیہ، جلد سوم (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی، ص ۳۹۔۴۱)

مکتوب شریف

۴

۱۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط الحمدللہ العلی الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدن المصطفیٰ خیر الوریٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ الہ البررۃ التقیٰ واصحابہ اصحاب المقامات والدرجات العلیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی کوئی حالت اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ اس کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے اور اس بندہ کا چہرہ خاک آلود ہو اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں پر سجدہ کرتا ہے پس بندہ کو چاہیے کہ سجدہ کرے اور خوب رغبت سے کرے اور خوب دعا کرے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کا سجود اس کی پیشانی کے نیچے کی زمین کو زمین کے ساتوں طبق تک پاک کر دیتا ہے اور نیز حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنے اندر کوئی نقص وخامی نہ ہونے کے باوجود تواضع کی اور جس نے مانگنے کے بغیر اپنے نفس میں ذلت اختیار کی اور مال کو جو اس نے جمع کیا معصیت کے بغیر خرچ کیا اور اہلِ ذلت ومسکنت پر رحم کیا اور اہلِ فقر وحکمت سے میل جول رکھا اور اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا اور اپنے زائد مال کو (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کیا اور اپنے آپ کو فضول گوئی سے روکا، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

کمترین دعاگویان (یعنی یہ فقیر) حضرت ناصر الملۃ والدین، مرجع الاسلام ومؤید المسلمین، خلیفۃ اللہ تعالیٰ فی الارضین کے آستانۂ عالیہ کے مقیمین وعتبۂ عالیہ کے خادمین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ یہ مسکین بے بضاعت وناکارہ ہونے کے باوجود آں جناب کی سلامتی جان وایمان کی دعا سے فارغ نہیں ہے اور ترقی درجات اور ظاہری وباطنی استقامت کی طلب سے غافل نہیں ہے۔ ع

ایں دعا از من و از خلقِ جہاں آمین باد
یہ دعا میری طرف سے ہے اور تمام مخلوق کی طرف سے آمین ہے

حضرت سلامت برادرِ دینی شیخ عبدالعلیم نے ایک خط اس فقیر کو لکھا تھا اور (اس میں) آں جناب کی جمعیتِ باطنی اور اس امرِ جلیل میں مشغولیت وپابندی کے بارے میں لکھا تھا (اس کو پڑھکر) اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ

کا شکر بجالایا کہ ان ظاہری مشغولیات کے باوجود آپ کے حقیقت ہیں دل کو مطلوبِ حقیقی کے ساتھ ایک خاص تعلق اور مقصودِ تحقیقی کے ساتھ ایک مخصوص شوق ہے، امید ہے کہ یہ تعلق روز بروز زیادہ ہوگا اور آتشِ شوق قوت پذیر ہوگی، یہاں تک کہ (یہ تعلق) ذکر سے مذکور تک پہنچائے گا اور دال سے مدلول تک لے جائیگا اور لفظ سے معنی تک کھینچ لائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

قومے ز وجودِ خویش فانی
رفتہ ز حروف در معانی

ایک قوم اپنے وجود سے فانی (بے خبر) ہے وہ حروف سے معانی کے اندر چلی گئی ہے

اس بارگاہِ جل وعلا میں اسم ومعنی وغیرہ کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ ع

آنجا ہمہ آنست کہ برتر ز بیان ست

وہاں سب کچھ وہ ہے جو کہ بیان سے بالاتر ہے

اس سبحانہٗ کو لفظ ومعنی سے ماوراء طلب کرنا چاہیے اور آفاق وانفس، تجلیات وظہورات، توحید واتحاد اور مشاہدات ومکاشفات سے ماوراء ڈھونڈنا چاہیے

تو از خوبی نمے گُنجی بعالم
مرا ہرگز کجا گُنجی در آغوش

جب تو عالم میں خوبی کی وجہ سے نہیں سماسکتا (تو پھر) میری آغوش میں کہاں سماسکتا ہے

سیر وسلوک سے مقصود حجابات کا رفع ہونا ہے خواہ وہ حجابات وجوبی ہوں یا امکانی ہوں، نہ یہ کہ مطلوب کو جال میں لے آئیں اور عنقا کو شکار کرلیں۔

عنقا شکارِ کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ بادبدست است دام را

عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا تو اپنا جال اٹھالے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کو لگانا ایسا ہے جیسا کہ ہوا کو ہاتھ میں لینا (یعنی اسکو کچھ حاصل نہیں ہے)

یہ کمال (جو بیان ہوا) مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہے اور یہ دید (مذکور) ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کا نتیجہ ہے، امتیوں میں سے بعض ان حضرات کو اس کمال سے حصہ ہے جو کہ تبعیت و وراثت کے طور پر ان (انبیائے کرام) علیہم البرکات کے کمال تک پہنچے ہیں اور وہ ان حضرات کے صحو کی شراب سے گھونٹ پی کر سیراب ہوئے ہیں، اہلِ ولایت میں سے اہلِ سکر نے کمال کو شہود و مشاہدہ میں سمجھا ہے اور وہ تجلیات کے ساتھ خوش و لذت یاب ہیں اور توحید و اتحاد کی طرف گئے ہیں، یہ لوگ اگرچہ امکانی و ظلمانی حجابات سے نکل چکے ہیں لیکن نورانی و وجوبی حجابات میں رہ گئے ہیں اور ان سے رہائی نہیں پائی ہے اور ان کے شہود کو شہودِ حق اور اس کی تجلی سمجھ کر کہتے ہیں کہ تجلی ذات برقی ہے یعنی برقِ خاطف کی مانند ہے پھر پردہ میں آ جاتی ہے، اور جو اکابر کہ کمالاتِ وراثتِ (انبیاء) کے ساتھ متصف ہوئے ہیں اور انہوں نے توحید و اتحاد کو راستہ میں چھوڑ دیا ہے اور تجلیاتِ و ظہورات سے بلند ہو کر اور شہود و مشاہدی سے گزر کر حجاباتِ (ظلمانی و نورانی) سے پوری طرح باہر نکل چکے ہیں اور انہوں نے یقین کے ساتھ جان لیا ہے کہ یہ شہود اس سبحانہ وتعالیٰ کا شہود نہیں ہے اور یہ تجلی اس تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ مقدس کی (تجلّی) نہیں ہے بلکہ اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت اور اس کے کمالات میں سے کسی ایک کمال کا ظہور ہے جو کہ ذات کا حجاب ہے اور ذاتِ اقدس کا طالب اس کی صفات و کمالات کے شہود سے خوش نہیں ہوتا اور آرام نہیں پاتا، اسی لیے یہ اکابر حضرت خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کی طرح لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا) کہتے ہوئے اور اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ (میں نے اپنا رخ پھیر دیا) پڑھتے ہوئے اس (شہود) کے ماوراء کی طرف دوڑے ہیں اور انہوں نے اسم و صفت سے ذات تعالیٰ و تبارک و تقدس کے سوا اور کچھ نہیں چاہا ہے۔

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم
کہ نو پروازم و شاخِ بلندے آشیاں دارم

اس کے وصل تک رسائی سے پہلے میرا شوق مجھ کو سیکڑوں بار پاؤں سے گرا دیتا ہے کیونکہ میں نیا نیا اڑنے والا ہوں اور ایک بلند شاخ پر آشیاں رکھتا ہوں۔

اللہ سبحانہٗ ہمیں ان معانی کے ساتھ ایمان اور اس چشمہ سے ایک گھونٹ عطا فرمائے، آفتاب، جہانداری وسلطنت کے انواراور برکات واستقامت وترویجِ ملت کے آثار روزافزوں ہوں الحمد للہ اولاً وآخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائما وسرمداوعلیٰ آلہ الکرام وصحبہ العظام۔

(مکتوباتِ معصومیہ، جلدسوم، (ترجمہ اردو)، کراچی/ ص ۱۹۳۔۱۹۵)

مکتوب شریف

۵

۲۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب سے پہلے جس کو مقدم کیا جائے وہ اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوران کی آل پر درودوسلام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! قیامت کب آئیگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر (اس سوال سے) افسوس ہے تو نے اس (قیامت) کے لیے کیا سامان تیار کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے اورتو کوئی چیز تیار نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو (قیامت میں) اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم) کو اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ خوش نہیں پایا جتنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے خوش ہوئے (متفق علیہ) نیز حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھو پس اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ تم کو اللہ عزوجل کی طرف پہنچادے۔ امابعد، کمترین دعاگویان محمد معصوم تمام مخلوق کے پشت وپناہ اور تمام جہانوں پر اللہ کا سایہ حضرت امیر المومنین (اورنگ زیب عالمگیر) اللہ تعالیٰ ان کی دلیل کو روشن بنائے ان کی بارگاہِ پرنور کے باریاب حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا مکتوبِ عالی شان جو کہ کمال عنایت ومہربانی کے ساتھ قلمِ عنبرین رقم سے لکھا گیا تھا خواجہ محمد شریف بخاری نے عزیز ترین زمانہ میں پہنچایا

اور بے سروسامان فقراء کو عنایاتِ عالیہ سے نوازا۔ آپ کا مکتوب گرامی ہمیں موصول ہوا وہ ایسا مکتوب ہے کہ جس کی عبارتوں کے چہروں میں جنتِ نعیم کی تروتازگی ہے، اس (مکتوب) کے مضمون سے اس (طریقت کے) راستہ کا شوق وطلب ظاہر تھا اس لیے مقصد تک پہنچنے کی امید حاصل ہوئی۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اگر وہ (اللہ تعالیٰ) دینا نہ چاہتا تو طلب نہ دیتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جب دل نایافت کے باعث روتا ہے تو روح یافت کے باعث ہنستی ہے، دل کا رونا جو کہ شوق وطلب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے بزرگوں نے اس کو روح کی یافت پر دلیل قرار دیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عالمِ امر کے پانچوں لطائف آپس میں ہمسایہ وہمنشین ہونے کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے بعض بعض سے زیادہ لطیف ہیں اور جو لطیفہ کہ زیادہ لطیف ہے وہ عالمِ غیب سے زیادہ نزدیک ہے اور حضرت وہاب عزشانہٗ سے فیوض اخذ کرنے میں سبقت رکھتا ہے اور جب ان لطائف میں سے کسی لطیفہ پر کوئی انعام الٰہی وارد ہوتا ہے تو دوسرا لطیفہ جو کہ اس کے قریب ہے اس سے واقف ہو کر اس نعمت پر رشک وغبطہ کرتا ہے اور اس کی طلب میں کوشش کرتا ہے اور گریہ وشوق اس کو لاحق ہو جاتا ہے، اگر ان لطائف میں سے کسی لطیفے پر بھی کوئی غیبی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی تو تمام لطائف غافل رہتے ہیں اور طلب کی راہ بند ہو جاتی ہے پس دل کا رونا روح کی یافت پر دلیل ہے اس لیے کہ قلب وروح کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمسائیگی اور اتصال کی نسبت ہے اور ایک کی یافت سے دوسرا واقف ہے اور اس نعمت کے نہ پانے کے باعث روتا اور اس کی طلب میں دوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد واحسان ہے کہ فقیرزادہ (خواجہ سیف الدین رحمہ اللہ آپ کی) نظرِ قبولیت میں منظور ہو گیا ہے اور اس کی صحبت کا اثر حاصل ہو گیا ہے اور نیکی کا امر کرنا اور برائی سے روکنا جو کہ فقیرزادہ کی عادت ہے اس پر آپ نے شکر ورضامندی کا اظہار کیا ہے، اس انعام (اظہارِ تشکر) پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا اور یہ امر دعاگوئی میں اضافہ کا باعث ہوا، کیسی عجیب نعمت ہے کہ بادشاہت کی اس شان وشوکت اور سلطنت کے اس رعب کے باوجود حق بات قبولیت کے کان میں پڑے اور ایک نامراد کا قول مؤثر ثابت ہو،

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ هَدٰا هُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ

پس میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے جو بات کو سنتے ہیں پھر
احسن بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے
ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل ودانش والے ہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمدوّاٰلہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

(مکتوباتِ معصومیہ، جلد سوم (ترجمہ، اردو) مطبوعہ، کراچی، ص ۳۰۱-۳۰۳)

مکتوب شریف

٦

۲۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ الْعَارِفِیْنَ بِذِکْرِہٖ وَاَنْطَقَ اَلْسِنَتَھُمْ بِشُکْرِہٖ وَعَمَّرَ جَوَارِحَھُمْ بِخِدْمَتِہٖ وَسَقَاھُمْ بِمُحَبَّتِہٖ شَرَابَ مَعْرِفَتِہٖ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّے اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی صَلٰوۃً وَّسَلَامًا دَائِمَیْنِ اَبَدًا (سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے عارفوں کے قلوب کو اپنے ذکر کے ساتھ منور کیا اور ان کی زبانوں کو اپنے شکر کے ساتھ گویا کیا، اور ان کے اعضا کو اپنی خدمت کے ساتھ آباد کیا اور ان کو اپنی محبت کے ساتھ اپنی معرفت کی شراب سے سیراب کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ و رسول ہیں ان پر اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر، جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ و سلام ہو) اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کُلُّ شَیٍٔ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لبید (شاعر کا نام) نے کیا اچھا کہا ہے: ع

اَلَا کُلُّ شَیٍٔ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے

حق جل وعلا کے ماسوا ہر چیز فانی اور لاشی محض ہے ایک باطل ہے جو حق نما ہے اور ایک عدم ہے جو وجود جیسا ہے، اس (ماسوائے حق) کی ذات عدم ہے جو کہ ہر شر و نقص کا ٹھکانا ہے، اس (ماسوا) میں صفاتِ کمال کا وجود اور اس کے توابع مرتبۂ وجوب سے مستفاد و مستعار ہیں اور اس تعالیٰ شانہٗ کے کمالات کا

پرتو ہیں پس خیر وکمال سب کا سب اس بارگاہِ قدس کی طرف لوٹنے والا ہے اور شر ونقص تمام کا تمام ممکن کی طرف رجوع کرنے والا ہے، آیۂ کریمہ

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ

جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیری ذات سے ہے

اس معنی کی مؤید ہے۔ ممکن نے کمال نادانی کے باعث اپنی ذات کو فراموش کر دیا ہے اور اپنے ذاتی شر ونقص سے آنکھ بند کر کے اپنے عاریتی کمالات کو خیر وکمال خیال کیا ہے اور بھلائی کا مبداء جانا ہے اور طویل بنیاد اس بے بنیاد خیال پر رکھی ہے اور اسی وجہ سے اپنے مولا جل شانہٗ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ پیدا کیا ہے اور نفسِ امارہ کی رعونت و انانیت یہیں سے پیدا ہوئی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ اصل جو کہ کمال وجمال سے آراستہ ہے پردہ میں ہے اور نظر سے پوشیدہ ہے، اور ظل نے جو کہ نقص وشرارت کا منبع ہے تہمت کے ساتھ اپنے آپ کو اصل کے عنوان سے ظاہر کیا ہے اور ناظرین پر جلوہ گر ہوا ہے ۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

پری نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور دیو کرشمہ وناز میں مصروف ہیں، حیرت سے عقل جل گئی کہ یہ کتنی عجیب بات ہے

اور جب سالک (اللہ تعالیٰ کی) عنایت کی پیشقدمی سے اپنی عدمیت ذاتی پر اطلاع پاتا ہے اور اپنی صفات کمال کو اس (حق تعالیٰ) کے کمالات کا پرتو یقین کرتا ہے اور ان کمالات کو پوری طرح اصل کے حوالہ کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو جو کہ ان کمالاتِ (ربانی) کا آئینہ تھا محض خالی پاتا ہے اور عدم صرف دیکھتا ہے تو فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے اور نفسِ امارہ کی انانیت سے رہائی پا لیتا ہے اور نفسِ امارہ بتدریج مطمئنہ بن جاتا ہے اس وقت نعمت اس کے حق میں پوری ہو جاتی ہے، مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔

چوں بدانستی کہ ظلِ کیستی
فارغی گر مُردی و گر زیستی

جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا سایہ ہے تو پھر خواہ مردہ ہو یا زندہ تو
بے فکر ہے

اس کے بعد عرض ہے کہ آپ کے مکتوبِ عالی شان نے سعید ترین زمانہ میں پرتوِ نزول ڈال کر (ہم) بے سروسامان فقراء کو قسم قسم کی مسرت و شرف سے نوازا۔

از آمدنش چو گل شگفتم
دامن دامن بہار رُفتم

میں اس کے آنے سے پھول کی مانند کھل گیا، میں نے اپنے سارے
دامن میں بہار کو سمیٹ لیا

اور اس (مکتوبِ گرامی) کی رنگین و دلکش نظم کی فصاحت اور اس کے معانی و نکات کی بلاغت کا کیا بیان کیا جائے۔

فَفِیْ کُلِّ لَفْظٍ مِّنْہُ رَوْضٌ مِّنَ الْمُنیٰ
وَفِیْ کُلِّ سَطْرٍ مِّنْہُ عِقْدٌ مِّنَ الدُّرَرِ

پس اس کے ہر ہر لفظ میں آرزوؤں کا ایک باغ مضمر ہے، اور اس کی
ہر ایک سطر میں موتیوں کا ایک ہار پوشیدہ ہے

باطنی سبق کی کیفیت کو فقیر زادہ (خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ) کے خط میں پہلے لکھ چکا ہوں نظر عالی سے گزرا ہوگا۔ آپ نے اس شکستہ سے غائبانہ توجہ کی مدد طلب فرمائی ہے، اگرچہ قدیمی دعا گوئی کے باعث پہلے بھی (یہ فقیر) اکثر آنجناب کے لیے دعا و توجہ میں مشغول رہا ہے (لیکن اس وقت بھی جبکہ اس قسم کی مہربانیاں اور خصوصیات پیش آئی ہیں) میں سلسلۂ عالیہ کے مقررہ طریقہ کے مطابق باطن کی ترقی اور اس کی کیفیت کی زیادتی اور ظاہری استقامت و نصرت میں خود پوری توجہ کیساتھ پابند ہے اور کسی طرح بھی کوتاہی پر راضی نہیں ہے۔ آپ نے جہانداری (حکومت) کے بارِ گراں بار اور حسنِ خاتمہ کے بارے میں کچھ اظہار کیا تھا، چونکہ اس (اللہ) تعالیٰ سبحانہٗ نے اپنے کرم سے اس بارے میں خوف عنایت فرمایا ہے (اس لیے) بہت سی امیدیں حاصل ہوئیں، یہ خوف دشوار کاموں کو آسان کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

لَایَجْتَمِعُ خَوْفَانِ خَوْفُ الدُّنْیَا وَخَوْفُ الْاٰخِرَۃِ

دوخوف یعنی خوفِ دنیا اور خوفِ آخرت کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوتے

فقیر زادہ (خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ) کی ادائیگی خدمات اور لوازمِ خیرخواہی چونکہ آپ کی نظرِ عالی میں منظور ہوگئی ہیں (اس لیے یہ بات) اس کے لیے سعادت کا موجب اور امتیاز کا باعث ہوئی ہے، اور حق بات یہ ہے کہ فقیر زادہ جو کہ ظاہری وباطنی کمالات کا حامل ہے اور گوشہ نشینی کا اور میل جول نہ رکھنے کا عادی ہے چند آدمیوں سے بھی میل جول کا شوق نہیں رکھتا لیکن محض خیر خواہی نے اس کو اس بات پر (یعنی آپ کے پاس آنے پر) آمادہ کیا ہے۔ آپ نے برادرِ دینی کے بارے میں کہ وہ بھی ظاہری وباطنی کمالات سے آراستہ ہے کرم فرمایا تھا، پہلے بھی مشارٌ الیہ کے ساتھ صحبت کا حق ادا ہوتا تھا اب بھی حکمِ عالی کے بموجب زیادہ سے زیادہ کوشش کرے گا، حقیقی مربی وہ (اللہ) جل شانہٗ ہے، وہ خود ہی طلب کا درد بھی دیتا ہے اور خود ہی اپنی طلب میں دوڑاتا ہے اور خود ہی راہِ وصل کھولتا ہے۔ ع

از ماوشما بہانہ برساختہ اند
ہمیں اور تمہیں تو بہانہ بنایا گیا ہے

(خدا کرے) سلطنت کا سورج اور عدل وانصاف کا ستارہ (ہمیشہ) چمکتا رہے۔

(مکتوبات معصومیہ، جلد سوم، ترجمہ، اردو۔ کراچی۔ ص ۳۰۷۔۳۱۰)

مکتوبات شریف خواجہ سیف الدین بنام اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ

☆

مکتوب شریف

۱

۲۶

نحمدہٗ ونصلی ونسلم۔ امابعد۔ کمترین دعاگویان پس از عرضِ سلام معروض باریافتگان محفلِ مقدس معلٰی می گرداند۔ درود مرحمت آمود فرمانِ والاشان وتشریفِ خلعات کہ بہ تقریبِ غرابر مصیبت ازروے عنایت

شرف صدور یافتہ بود باعثِ امتیازی فقراءِ بی نوا گردید و موجبِ مزید دعاء دولتِ دوسرا و مقہوری مخاذیل اعداء گشت۔ اَخرَجَ الترمِذیُ من حدیث ابن مسعودٍ رضی اللّٰہ عنہُ من عَزَی مُصَابًا فَلَہٗ مِثلُ اَجرِہٖ. واخرجَ ابنُ ماجہ مِنْ حَدِیث ابنِ عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ عنہما مَامِنْ مُؤمِنٍ یعزیَ اخَاہُ بمصیبتہٖ اِلّا کَسَاہُ اللّٰہُ تعالیٰ من حلل الکَرَامۃ یَوْمَ القِیٰمَتہِ کَذا فِي تَنزِیۃ الشَّرِیْعَۃ وَاَخْرَجَ الْخَطِیْبُ مِنْ حَدِیْثِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُمَا مَنْ اَدْخلَ عَلیٰ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ فَرْحاً وَسُرُوْرَاًفِي دَارِ الدُّنیا فَاِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیٰمۃِ کَانَ مِنہُ قَرِیْباً فَاِذَ مَرَّبِہٖ هَوْلُ اِفْتِزَعَہٗ قَالَ لَہٗ لاَ تَخَفْ فَیَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ فَیَقُوْلُ اَنَا الْفَرْحُ وَالسُّرُورُالَّذِیْ اَدْخَلْتَہٗ عَلیٰٓ اَخِیْکَ فِي دَارِ الدُّنیا. کَذَافِي غَایَۃِ الْعُمَّالِ. نمی داند کہ شکر عموم نعمت اینست کہ شامل کافہ برایا ہست ادا نماید باسپاس خصوص عنایت کہ دربارۂ غرباء است بہ تقدیم رساند مَنْ لَّمْ یَشْکُرَ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرُ اللّٰہ. فِیْ الجَّامِعِ الصَّغِیْرُ السُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ اَکْرَمَہٗ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ ومَنْ اَهَانَہٗ اَهَانَہُ اللّٰہُ، وازانجا کہ ظل را بہ اصل شاہ راہ است امید کہ باطن حق مواطن بدوام حضور و نگرانی ملتذ بودہ بہ مقتضاے تعشقی کہ ظل را بہ اصل کائن است فنا و بقا دراں حریم متعال حاصل نمودہ رفعِ حجب فرمودہ باشند فی عَایَۃِ الْعُمَالِ لِلشَّیْخ الرَّضِیْ اَلْمُتَّقِیْ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَاکَانَ الْغَالِبُ عَلَی الْعَبْدِ الْاِشْتَغالُ بِی جَعَلْتُ بُغْیَتَہٗ وَ لَذَّتُہٗ فِی ذِکْرِیْ .فَاذَاجَعَلْتُ بُغْیَۃً وَلَذَّتَہٗ فِی ذِکْرِیْ عَشَقَنِیْ وَ عَشَقْتُہٗ فَاِذَا عَشَقَنِیْ وَعَشَقْتُہٗ رَفَعَتِ الحِجَابُ فِیْماً بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ. شمولِ عنایت در بار فضائل مآب اخوی شیخ عبداللطیف باعث خوش وقتی دعا گو گردید امیدوار ست کہ مورد مزید الطاف والا شود کہ بکمالات ظاہر و باطن محلی است۔ فی الحدیث اَکْرِمُوا الْعُلَمَاءَ وَوَقِّرُوْهُمْ وَاَجِیْبُوا الْمَسَاکِیْنَ وَجَالِسُوهُم. اخوان دینی شیخ محمد باقر و حافظ محمد محسن کہ بہ تقریب تعزیت رسیدہ اند عرض سلام نمایند۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ۔ حیدرآباد (سندھ)، ص۴۶۔۴۷)

مکتوب شریف

۲

۶

از ناز کیہائے واحتیاطات امامِ ہمام چہ وانمودہ آید۔ ہر چند ایں معانی بیشتر ہم بہ مطالعہ درآمدہ اَمَّـــا هُوَ الْمِسْکُ مَـاکررتـه، یتضوع۔ لیکن بہ مقتضاے حدیث. ان الله کـمـا یـحـب ان یُوتی بـالعزیمة یحب ان یوتی بالرخصة عمل بہ رخصت ہم احیاناً عزیمت است کَمَا هُوَ مختار جم مـن الـصـحـابة والـمشـایـخ والعلماء وهم فی غایة الورع وحسنِ ظن ہمہ واجب مع ذالک عمل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام درقبولِ ہدایا۔ از سلاطین وغیرہ معنی است کمافی الاحادیث بعض روایات وغیرہا کہ نوشتہ شدہ بہ مطالعۂ خاص درآید فی مـطـالـب الـمؤ مـنیـن ولبـاس الشهرة فی الرثاثة والتحشنِ مکرٰوة کذافی شریعۃ الاسلام وسبل الرسعنی عن الزینة والتجمل فی الدنیا. قال خـرج رسـول الله صـلـی الله عـلیـه ذات یوم وعلیه رداء قیمته الف درهم وربما قام الیٰ الـصـلوٰة وعلیه ردأ قیمتهُ اربعة آلاف درهم. ودخل علیه رجل من الصحابة یوما وعلیه رداء خـز فـقـال عـلیه الصلوٰة والسلام اذآ انعم علیٰ عبدٍ احب ان یریٰ اٰثَارَنعمةُ علیه .

وابـو حنیفه کان یرتدی برداء قیمته اربعمائة دینار واباح الله تعالیٰ الزینة فی قولهٖ تعالیٰ قـل مـن حـرم زینة اللهِ التیٓ اخرج عباده والطیباتُ من الرزق. وکان ابوحنیفة رحمة الله یـقـول لتـلامـذتـهٖ اذارجـعـتـم الـی اوطـانـکـم فعلیکم بالثیاب النفیسة وایاکم والثیاب الـخسیسة فـانـه مـع زهـا دتـه وورعـه وکـان یـوصیهـم بذلک کذافی الذخیرة وکان ابـو حـنیفة رحمة الله یجود قلنسوته وطیلسانه وخفیه ومحمد بن الحسن یلبس الثیاب الـنـفیسة فـی روضة الاحبـاب فـروة بن عمر خزامی کہ از قبل بادشاہ روم بردریاے عمان عامل بود از ارض بلقاء شترے سفید کہ اورافضہ می گفتند واسپے ودراز گوشے وجامہ چند نرم وقباے سندس وطلا بہ آن حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام برسمِ ہدیہ ارسال نمود وحضرت فرستادۂ اور اقبول فرمود۔ درکتاب مطالب المؤمنین فتوٰی برقبول کردن ہدیہ از سلاطین جائز دادہ است ودلیل براثباتِ مدعاے خود آوردہ کہ فـــی

قبول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الهدية من بعض المشركين دليل علىٰ ماقلنا كذافي المحيط ومن رق ثوبه رق دينه ورماده سترِ عورت است كذا سمع من الثقات وضرر شوق وتكلف حضور درانجا درحق جماعة است كه بدوام حضور بے تكلف نه رسيده اند۔ واما المنتهي فمعاملته وُراء الوراء كما صرّح به الامام في موضع آخر وآنچه امام دراحتياط ششم فرموده كه از دلِ خود فتوىٰ پرسيد از مفتيانه. اگروے از اہل دل است صريح است درارتكاب رخص۔ ولقد احتج من جوز اخذ مال السلاطين اذا كان فيهاحلال و حرام فهمالم يتحقق ان عين المأخوذ حرام بماروى عن جماعة من اصحابة انهم ادركوا ايام الائمة الظلمة واخذ والاموال منهم ابوهريرة وابو سعيد الخدرى و زيد بن ثابت وابوايوب وجريربن عبدالله وجابرو انس رضى الله عنهم عن مروان ويزيد وعن عبدالملك واخذ بن عمروابن عباس من الحجاج واخذ كثير من التابعين عنهم كالشعبى وابراهيم والحسن وابن ابى ليلى واخذ الشافعى من هارون الرشيد الف دينار فى دفعة واخذ مالک من الخلفاء اموالاجمة وقال ابوهريرة اذااعطاهُ معاوية رضى الله عنه سكت وان منعه وقع فيه وروىٰ نافع عن ابن عمر ان المختار كان يبعث اليه المال فيقبله ثم يقول لآاسال احدا ولا اردمارزقنى الله ناقة فقبلها وكان يقال لها ناقة المختار وعن نافع انه بعث ابن معمر الى ابن عمر ستين الفافقسمها على الناس ثم جاء ه سائل فاستقرض من بعد من اعطاه واعطى السائل ولما قدم الحسن ابن على على المعاوية رضى الله تعالىٰ عنهم فقال الا اجيزک بجائزة لم اجزها احدا من العرب ولا اجيز احدا بعدک من العرب فقال فاعطاه اربعمائة الف فاخذها وعن حبيب ابن ثابت لقد رأيت جائزة المختار لابن عمر وابن عباس فيقبلا نها فقيل ماهى فقالا مال وكسوة وعن الزبير. ابن عدى انه قال قال سلمان اذا كان لک صديق عامل او تاجريقارفه الربوا اى يباشره فدعاک الىٰ طعام او نحوه اواعطاک شيئا فاقبل فان الهنالک وعليه الوزر فان ثبت هذا من المزنى فالظالم فى معناه وعن جعفروعن ابيه ان الحسن. والحسين كانايقبلان جوائز معاوية وقال حكيم ابن جبير وقد جعل عاشر من اسفل الفرات فارسل الى العشارى اطعمونا مما عند كم فارسلوا

بطعام فاکل واکلنا معه وقال العلا ابن زبیر الازدي الی ابراهیم اطعمونا مما عندکم الّی وهو عامل علمی حلوان فاجازه فقبل وقال ابراهیم لاباس بجائزة العمال لان للعمال مؤنة ورزقا ویدخل بیته المال الخبیث والطیب فما اعطاک فهو من طیب ماله فقد اخذ هولاء کلهم جوائز السلاطین الظلمة هذا المخص کلام الامام فی الاحیاء بالجمله اطوار مشایخ مختلف است وکلهم علی الهدٰی وحضرت والدۂ مرحومہ در مسکنِ فقیر حاضر شده اند وفقیر درخدمتِ حضرت ایشان برائے ضیافتِ آن جناب مقید ست گویا شادی درخانہ برپا گردیدہ۔ از مشاہدۂ این واقعہ امیدوار یہاے عظیمہ درحقِ آن برادر بہم رسیدہ واشتیاق راحدے ونہایتے نماند والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدرآباد سندھ، ص ۱۴۔ ۱۷)

مکتوب شریف

۳

۲۲

حامدا ومصلیا۔ امابعد احقر فقراء بعدازعرضِ سلام وتحیۃ معروض می دارد کہ اخوی شیخ عبداللطیف ازخدمتِ آنحضرت دعاخوان وازشکروثناء رطب اللسان رسید وفرمانِ والاشان باحکایتِ پُرموعظت کہ ازروے کرم وعنایت نامزدایں درویش وفاکیش شدہ بود مصحوب مشارٌ الیہ شرفِ ورود نمودہ موجب ازدیادِ دعائے ظہرالغیب گردید۔ حقائقِ بلند ومعانی ارجمندِ آن لذت وذوقِ فراواں بخشید۔ ع

شکر نِعمتہاے تو چندانکہ نعمتہاے تو

الحق کہ دران حضرت جل وعلاء دینِ خالص می طلبند ودلِ سالم از تعلق ماسویٰ می خواہند۔ کریمہ اَلَا للہِ الدین الخالص۔ وکریمہ اذ جاء ربہ بقلب سلیم۔ دوگواہ عدل اندریں مدعی ودوشاہد صدق اندرین متمنی۔ دلے کہ مسکن ماسوٰی است دربارگاہِ کبریا خوار وبےنواست۔ ونہی ازانوارِ اوتعالیٰ۔ درخانہ دومہمان نہ گنجد۔

آمد سحر آن دلبرِ خونیں
جگراں
گفتار تو بر خاطرِ من بارِ
گراں
شرمت بادا کہ من بسویت
نگراں
باشم تو نہی چشم بہ سوئے
دگراں

فکرِ تخلیہ سراز اہم مہام است کہ مہمانِ عزیز خانہ خالی می خواہد انا عند منکسرة القلوب لاجلی۔ درعالمِ حقیقت انکسارِ دل سببِ سلامت اوست برعکس عالمِ مجاز ہرچند شکستہ تر بود از نایافتِ مرادات واز گنجایش ماسوٰی سالم تر وقابل تر بود برائے ظہورِ انوارِ کبریا۔ دلی کہ گرفتارِ غیر است از وچہ توقع خیر ست وروے کہ مائل بہ کہتر است نفسِ امّارہ از و بہتر است۔ آنجاہمہ سلامتِ قلب می طلبند وخلاصیِ روح می جویند وما گرفتاران در فکرِ تحصیل اسبابِ گرفتاری روح وقلبیم۔ ہیہات ہیہات ؎

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد
شب بہ آخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

والسلام

(مکتوباتِ سیفیہ، حیدر آباد، سندھ۔ ص ۳۸۔۳۹)

مکتوب شریف

۴

۲۳

امابعد۔ احقر دعا گویان قدیمی بعد از عرض سلام وتحیہ معروض مقدس معلّٰی می گرداند کہ بعضے فوائد از مکتوبات جدِ بزرگوار قدس سرہٗ انتخاب نمودہ بہ حضور لامع النورارسال داشت امید کہ تمام بہ مطالعہ خاص درآیند۔ منہامارابنص کاراست نہ فتوحاتِ مدینہ از فتوحاتِ مکیہ مستغنی ساخت' منہا' واین حال تامدتِ' مدید کشید واز شہور بہ سنین انجامید۔ ناگاہ عنایتِ بے غایت حضرت الٰہ جل سلطانہٗ از دریچۂ غیب درعرصۂ ظہور آمد وپردۂ روپوش بے چونی وبے چگونگی را برانداخت۔ علومِ سابق کہ مبنی از اتحاد وحدتِ وجود بودند روبہ

زوال آوردند واحاطه وسریان وقرب ومعیتِ ذاتیہ کہ دراں مقام منکشف شدہ بود مستتر گشتہ و بہ یقین معلوم گشت کہ صانع راجل شانہٗ باعالَم ازین نسبتہاے مذکورہ ہیچ ثابت نیست احاطۂ اوتعالیٰ علمی است چنانچہ مقرر اہلِ حق است۔ **شکر اللہ تعالیٰ سعیھم منہا** ازعلوم ومعارف وازاحوال ومقامات دررنگِ ابرنیسان ریختندوکارے کہ باید کہ بعنایت اللہ سبحانہٗ کردندوالحال آرزوے نماندہ است۔ الاآنکہ احیاء سنتے ازسنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نمودہ آیداحوال ومواجیدمرارباب ذوق اسلم باشد۔ می باید کہ ظن رابہ نسبتِ خواجہابزرگوارقدس اللہ تعالیٰ اسرارہم معمورداشتہ ظاہراً بہ کلیہ بہ متابعتِ سنن ظاہر یہ متحلّیٰ ومزین دارند ع

کار ایں ست غیر ایں ہمہ ہیچ

منہا۔ بعد از طے منازلِ سلوک وقطع مقاماتِ جذبہ معلوم شد کہ مقصود ازین سیروسلوک تحصیل مقامِ اخلاص است کہ مربوط بہ فناالہٰ آفاقی وانفسی است وایں اخلاص جزوے است ازاجزاے شریعت۔ چہ شریعت راسہ جزواست۔ علم وعمل واخلاص پس طریقت وحقیقت خادمِ شریعت اندرتکمیلِ جزوِاوکہ اخلاص است، حقیقتِ کاراین است۔ امافہم ہرکس ایں جانہ رسداکثرعالم بہ خواب وخیال آرمیدہ اندوبجوز ومویز اکتفانمودہ انداز کمالاتِ شریعت چہ دانندوبہ حقیقتِ طریقت وحقیقت چہ رسند۔ شریعت راپوست خیال می کنندوحقیقت رامغزمی دانندونمیدانندکہ حقیقتِ معاملہ چیست بہ ترہاتِ صوفیہ مغروراندوبہ احوال ومقاماتِ مفتون۔ **ھداھم اللہ سبحانہ سواء الطریق** ۔منہا۔ جمعے راازیں طائفہ کہ بہ حقیقتِ نمازآگاہ نہ ساختندوبہ کمالاتِ مخصوصہ اطلاع نہ بخشیدند۔ معالجاتِ امراضِ خودراازامورِدیگرجستندوحصولِ مراداتِ خودرابہ اشیاءدیگرمربوط ساختند۔ بلکہ گروہے ازینہا نمازرادورازکاردانستہ مبنہائے آن رابرغیروغیریت داشتند لاجرم تسکینِ خودراازسماع ونغمہ ووجدوتواجدجستندومطلوبِ خودرادرپردہ ہائے نغمہ مطالعہ نمودندورقص ورقاصی دیدنِ خودگرفتندباآنکہ شنیدہ باشند **ماجعل اللہ فی الحرام شفاء** اگرشمہ ازحقیقت کمالاتِ صوتیہ برایشان منکشف شدے ہرگزدم ازسماع ونغمہ نہ زدندے ویادوجدوتواجدنہ کردندے۔ منہا۔ حضرت خواجہ احرارقدس اللہ سرہٗ الاقدس می فرمودندکہ اگرمن شیخی کنم ہیچ شیخے درعالم نہ ماند۔ امام مراکارِدیگرفرمودند۔ وآں ترویجِ شریعت وتائیدِ ملت است لاجرم بہ صحبت سلاطین می رفتندوبتوسلِ ایشاں ترویج شریعت می فرمودندتم کلامہ الشریف، رجاواثق ست کہ موجب انبساطِ خاطرِ مقدس گرددوبہ ملال نہ انجامد۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآبادسندھ، ص ۳۱۔۴۱)

مکتوب شریف

۵

۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. لتسئلن فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتو االکتاب من قبلکم ومن الذین اشر کوااذا کثیراوان تصبروا وتتقوافان ذالک من عزم الامور۔ کمترین دعا گویان بعدازعرضِ سلام وتحیہ معروض مقدس معلیٰ می گرداند کہ ورودِ فرما عالی شان سبب سربلندی وموجبِ مزید اطمینانِ خاطر ومقہوری اعداے دین ورفع ظنونِ فاسدہ گردید الحمد للہ الذی بیدہ تتم الصالحات فی الحدیث من ادخل علی مؤمن سروراً فقد سرنی ومن اسرنی فقد اتخذ عنداللہ عھدا ومن اتخذ عنہ اللہ عھدافلن تمسہ النارابدا ؎

اگرہزار غم است از جہانیاں بردل
ہمیں بس است کہ او غمگسارِ ما باشد

ونعم ماقیل ؎

لیتک تحلوا والحیوة مریرة
ولیتک ترضی والانام غضاب
ولیت الذی بینی وبینک عامر
وبینی وبین العالمین خراب

فی الحدیث. المؤمن للمومن کالبنیان یشدبعضہ بعضا. قال عزمن قائل وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ۔ حضرت سلامت ایں حقیر خودرازاہل دین ودیانت بمراحل ابعدی داند۔ لیکن آن حضرت بہ مقتضاے حسنِ ظن کہ دارند مہربانیہا فرمودہ اند مورد عنایات والطاف ساختند ؎

گربرتنِ من زباں شود ہرموے
یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

والا اگر حقیقتِ کساد وشرارتِ نہانی اوظاہر شوداحدے پیرامون اونہ گردد وزصحبت، آشنائی اوگریزاں بود۔ اماچوں براتِ تہمت ازخود نیز ضروری است شمہ از حقیقت بہتان اعداء اللہ قبل ازیں معروض داشتہ بود

الحمدللہ کہ برخاطر اشرف مبرہن گردید فحمد اللہ، لیکن ازفکرِ عداوت دشمن درونی اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک ۔ درحق ادوار دگشتہ غافل وفارغ بال است وازعیوب مکنونہ، خودچشم پوشیدہ بہ عیوبِ دیگراں درآویختہ کہ اصلاح خودرا گذاشتہ باصلاح مردم پرداختہ کریمہ اتأ مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم نقدوقت است حاصلِ روزگارِاوخودکامی وہوس رانی است وبزم روزگارِاوخودشناسی وظاہرآ رائی است۔ وطاعتِ اوطاعتِ ہواست وعبادت سمعہ وریاست۔ کلامِ اوبے غرضِ نفسانی وسطوت اوبے وسوسۂ شیطانی نہ۔ استغنائے اوطمع آمیزاست وانزوائے اوکبرانگیز۔ بالجملہ طالبِ دنیا است وتارکِ عقبیٰ۔ این ہم قالی حالی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ہموارہ بہ مزید دعائے فتح ونصرت ومقہوری اعداءدین کہ شیوۂ قدیمی ایں خیرخواہ است رطب اللسان است وینصرک اللہ نصراً عزیزا۔ والسلام۔

(مکتوبات۔ سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد، سندھ، ص ۳۵۔۳۷)

مکتوب گرامی

٦

٥٣

اِنَّمَا یُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. اَلسَّلامُ عَلَيْكُم وَرَحْمَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ وَبَرَكَاتَهُ اِنَّ اللّٰهِ مَااَخَذَ وَلِلّٰهِ مَااَعْطىٰ وَكُلُّ بِاَجَلٍ مُسَمّٰى فَلْتَصْبِرُوْاوَلْتَحْتَسِبُوْااَمَّابَعْدُ فَاَعْظَمَ اللهُ لَكُمُ الْاَجْرَوَ اَلْهَمَكُمُ الصَّبْرَوَرَزَقْنَا وَاِيَّاكُمُ الشُّكْرَفَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَاوَاَهْلِيْنَاوَاَوْلَادَنَا مِنْ مَّوَاهِبِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ البهيةُ وَعَوَارِيَةِ الْمُسْتَوْدِعَةِ تَمَتَّعُ بِهَا اِلٰى اَجَلٍ مَعْدُوْدَةٍ وَيَقْبِضُهَا لِوَقْتٍ مَعْلُوْمٍ ثُمَّ افْتَرَضَ عَلَيْنَا الشُّكْرَاِذَااَعْطىٰ وَالصَّبْرَاِذَا ابْتَلىٰ فَاِنَّ فِي اللهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ فَبِاللهِ فَثِقُوْ وَاِيَّاهُ فَارْجُوْ فَاِنَّ الْمَحْرُوْمَ مِنْ حَرَمِ الثَّوَابَ. کمترین دعاگویان وخیرخواہان بعرض والامی رساند کہ ازاستماعِ این واقعۂ ہائلہ آن قدربہ این عاصی ودیگرفقرائے ایں طریقہ علیہ غم واندوہ روآوردہ کہ چگونہ معروض دارد رضینا مابقضاء اللہ تعالیٰ یقین کہ آں حضرت بہ آیۂ ترجیع خرسند خواہند بود۔ آن مرحومہ محترمہ دریں اواخرِ عمرعجب توفیق یافتند ودرحقِ مساکین محتاجان خیلے شفقت داشتند جزاہااللہ سبحانہ، خیرالجزاء وآنچہ شیوۂ خیرخواہی حقیقی است این حقیر باجمعے ازدرویشان سرگرم است بہ دعاواستغفارممدومعاون۔ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ

عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلیَّ اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمُ مَا الْمَیّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمَنْعُوتِ یَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ اَوْاُمٍّ اَوْاَخٍ اَوْصَدِیْقٍ فَاِذَا اَلْحَقَتْهُ کَانَ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ اللهَ تَعَالیٰ یُدْخِلُ عَلیٰ اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْض اَمْثَالِ الْجِبَال وَاِنَّ هَدْیَةَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ اَلْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ. صالحے مستور الحال پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم را در یقظہ دید کہ می فرمایند کہ چون بیگم مرحومہ خدمتِ فقراء بسیار نمودہ بود ازین سبب ایشاں را بخشید ند۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلیَ اللهِ بِعَزِیْزٍ۔ والسلام (مکتوبات سیفیہ۔ حیدرآباد سندھ، ص ۵۵۔۵۷)

مکتوب گرامی

۷

۵۶

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا. اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ سُبْحَانَهٗ وَبَرَکَاتُهٗ تَعَالیٰ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلیَّ اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ مَنْ کَانَتْ لَهٗ مُظْلِمَةٌ لِاَخِیْهِ مِنْ عَرْضِهٖ اَوْشَیْءٍ فَلْیَسْتَحْلِلْهُ مِنَ الْیَوْمِ قَبْلَ اَنْ لَا یَکُوْن دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا اِنْ کَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اَخَذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَةٍ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اَخَذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ. وَایضًا قَالَ صَلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ فِیْنَا. قَالُوْآ الْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمْ لَهٗ وَلَا مَتَاع فَقَالَ صَلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوةٍ وَیَاْتِیْ قَدْشَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطیٰ هٰذَا حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنَیْتَ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَاعَلَیْهِ اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثُمَّ طَرَحَ فِی النَّارِ. ہرگاہ فرائض را ایں حال خواہد شد فَمَا بَال النَّوَافِلَ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارُ. وبالجملہ اِعَانَةُ الظُّلْمَةِ وَالرِّفْضَةِ وَاِعْزَازَهُمْ وَاِحْتَرِامَهُمْ اَعَانَةُ لَهُمْ عَلیٰ الْمَعْصِیَةِ قَالَ سُبْحَانَهٗ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْویٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ فَالْحَذَرُ ثُمَّ الْحَذَرُ. قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلّٰی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم هَلَکَ الْمُفْلِسُوْنَ. والسلام۔ (مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد، سندھ۔ ص ۷۹۔۸۰)

مکتوب شریف

۸

۵۷

حَامِدًاوَّمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا. امابعد کمترین دعا گویان وخیرخواہان بعدازعرضِ سلام معروض مقدس معلّٰی می گرداند کہ دعا گوے قدیمی ہموارہ بہ دعائے ظہرالغیب کہ شیوۂ قدیمی است رطب اللسان است و چرانباشد کہ تقویتِ دینِ متین ونصرتِ ملتِ مبین وابستہ بہ سلاطینِ عظام است فِي الْحَدِيْثِ اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوَامَانِ لَايُصْلِحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَااِلَّا بِمُصَاحِبِهٖ فَالْاِسْلَامُ اُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَالَا اُسَّ لَهٗ مُنْهَدِمٌ وَمَا لَاحَارِسٌ لَهٗ ضَايِعٌ اَلدَّيْلَمِیُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَيْضًا فِی الْحَدِيْثِ السُّلْطَانُ الْعَادِلُ الْمُتَوَاضِعُ ظِلُّ اللهِ وَرُمْحُهٗ يُرْفَعُ اَوْيُرْقَعُ لِلْوَالِی الْعَادِلِ الْمُتَوَاضِعٌ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عَمَلُ سِتِّيْنَ صِدِيْقًا كُلُّهُمْ عَابِدٌ مُجْتَهِدٌ اَبُوالشَّيْخ عَنْ اَبِی بَكْرٍ۔ حضرت سلامت جامع الفضائل برادرِ دینی حافظ مقصود علی کہ حافظِ قرآن مجید و بحلیۂ صلاح وحق پرستی آراستہ است وسابق بہ منصب دوصد پنجاہی سربلندی داشت ومدتے است کہ درصحبتِ فقراء بہ وضع صلاح ووصفِ عبادت می گزارند و جمعے کثیر باخود وابستہ دارد امیدوارست کہ یومیہ فراخورِ اواز پیشگاہِ خلافت وجہان داری مرحمت شود کہ درین کبرسنِ بہ جمعیت بہ عبادت ودعا گوئی مشتغل باشد۔ اخوی کمالات دستگاہی شیخ عبداللطیف کہ ازمدتے بہ مرض مبتلا بود الحال شفایافتہ بہ دعاے محمودیِ دارین آن حضرت مشغول است وبعرض سلام جرأت می نماید۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدرآباد سندھ، ص۔۸۰۔۸۱)

مکتوب گرامی

۹

۵۹

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَفِی الشِّدَادِوَالرَّخَاءِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ مَااُوْذِیَ نَبِیٌّ نَحْوَاِيْذَائِهٖ وَمَاابْتُلِيَ رَسُوْلٌ مِثْلَ اِبْتَلَائِهٖ لِهٰذَا صَارَرَحْمَةٌ لِلْعَالَمِيْنَ وَسَيِّدُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ. وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ مَامِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّیْ اَخَاهُ بِمُصِيْبَتِهٖ اِلَّا كَسَاهُ اللهُ تَعَالٰی

مَنْ حُلَلِ الْكَرَامَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَنْ اِبْنِ حَزَمٍ. کمترین دعا گویان محمد سیف الدین بعرضِ والامی رساند که به ورودِ فرمانِ عالیشان سربلند گردید غریب نوازی فرمودند و دلهاۓ شکسته را بدست آوردند فــــی الْحَدِيْثِ مَنْ عَزیٰ مُصَاباً فَلَهٗ اَجْرُهٗ۔ مثلِ این همه تفقدات و مراحم به احوالِ نامرادان دلالت بر کمال تواضع آن حضرت دارد ؎

من که باشم که بران خاطرِ عاطر بگذرم
لطفهامی کنی اے خاکِ درت تاجِ سرم

چون شیوهٔ دعا گوئی و خیر خواہی از قدیم داریم ہمواره به دعاۓ سلامتی دارین آن حضرت رطب اللسان می باشیم خصوص دریں ایام مصیبت از صمیمِ قلب دعاها در حقِ آں حضرت نموده شد به اجابت قرین باد۔ مصیبت سو بلا ہر چند در ظاہر تلخ و بے مزه است لیکن فی الحقیقت ترقی بخش است و بحلاوت وطراوت چه جفاۓ محبوب نسبت به ایفاءِ او بیشتر لذت بخش و فرح آور است لِاَنَّ فِـي الْـجَلَالِ وَالْاِيْلَامِ مُـرَادُ الْـمَحْبُوبِ خَالِصٌ بِخَلَافِ الْجَمَالِ وَ الْاِنْعَامِ فِانَّهَا مَشُوْبَانِ بِمُرَادِ النَّفْسِ. در دنیا تمکین که است ہمین اندوه و حزن است خوش گفت ؎

غرض از عشقِ توام چاشنیِ درد و غم است
ورنه زیرِ فلک اسبابِ تنعم چه کم است

آرے ماتم و مصیبت که ہست از عصیان است که باوجود مشاہدهٔ این قسمِ امور ہیچ متنبه نمی شویم و بیش از بیش به حظوظِ نفسانی راغبیم و خواہانِ ترفع و تعلیٰ خود۔ حالانکه نص قرآنی است تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا و در احادیث کثیره وارد شده که از عذابِ قبر ہیچ کس را نجات نیست فَمِنْهَا مَاوَرَدَ الطِّبْرَانِيُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ تُوُفِّيْتُ زَيْنَبُ بنتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَخَرَجْنَا مَعَهٗ فَرَاَيْنَاهُ مُهْتَمًّا شَدِيْدَ الْحُزْنِ فَقَعَدَ عَلَى الْقَبْرِ وَجَعَلَ يَنظُرُ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ نَزَلَ فِيْهِ فَرَأَيْتُهٗ يَزِدَادُحُزْنًا ثُمَّ جَزِعَ فَرَايتُهٗ سُرِّىْ عَنْه فَتَبَسَّمَ فَسَئَلْنَاهُ فَقَالَ كُنْتُ اَذْكُرُ ضِيْقَ الْقَبْرِ وَضُعْفَ زَيْنَبَ وَكَانَ ذٰلِكَ يَشُقُّ عَلَيَّ فَدَعَوْتُ اللّٰهِ اَنْ عَنْهَافَفَعَلَ وَلٰكِنْ ضَغْطَهَاضَغْطَة سمعهَا مِنَ بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ الاالْجِنّ وَالاِنْسِ. وَمِنْهَا مَآاَخْرَجَ سَعِيْدُ ابْنِ مَنْصُوْرٍ وابنِ اَبِي الدُّنْيَا عَنْ زاذِانِ قَالَ لَمَّادَفَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِبْنَتَهٗ

رُقَیَّةَ جَلَسَ عِنْدَ الْقَبْرِ فَتَرَبَّدَ وَجْهُهٗ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ فَسَأَلَهٗ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ ذَکَرْتُ اِبْنَتِیْ وَضُعْفَهَا وَعَذَابَ الْقَبْرِ فَدَعَوْتُ اللّٰهُ فَفَرَّجَ عَنْهَا وَاَیْمُ اللّٰهِ لَقَدْ ضَمَّةً سَمِعَهَا مَابَیْنَ الْخَافِقَیْنِ اِلَّاالْجِنِّ وَالْاِنْسِ. وَمِنْهَامَاقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم هٰذَاالَّذِیْ تَحرکَ لَهُ الْعَرْشُ وَشَهَدَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَامِنْ الْمَلاۤئِکَةِ لَقَدْضَمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فَرَّجَ فَرِحَ عَنْهُ یَعْنیٰ سَعْدُبْنِ مَعَاذٍ قَالَ الْحَسَنُ تَحَرَّکَ لَهُ الْعَرْشُ فَرْحاً بِرَوحِهٖ. هرگاه به این جماعت که سِوائے اہلِ اسلام اند ایں نوعِ سلوک نمایند وائے بر ما عاصیان خصوص معامله ایں روسیاه که به معصاةِ دیگر نمی ماند وہمتش مصروف بظاہر آرائی وقبول خلق است ومطمحِ نظرِ او حظوظِ عاجله ومنتہائے مقاصد او ترفع وتکبر بر اقران فَالْوَیْلُ کُلَّ الْوَیْلِ چناں باید نمود که ایں نوع مخادع را چه قسم جزا خواہد بود وَمَاظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰکِنْ کَانُوْآ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْن این است حاصل عمر ونسخهٔ سیر وسلوک باہمین عنواں ایں عاصی را تصور فرموده گمانِ اصلاح ودرویشی دور نمایند ودر قطارِ اہلِ دنیا داخل دانند وچنانچه باگمانت به حسبِ ظاہر مہربانی می فرمایند ایں دور از کار را نیز ازیں زمره دانسته مہربانی می فرموده باشند نه بعنوانِ صلاح ودرویشی که بمراحل ازان دور ومہجور است۔ وایں معنی را بر تکلف وتحمل محمول نه فرمایند که واقع ونفس الامری است۔ حضرت سلامت ضعیفه مرحومه که قریب به سیزده وچہارده سال به انواعِ امراض مبتلا بود که یکے از انہا علتِ بطن است۔ ودر حدیث آمده که مَنْ قَتَلَهٗ بَطْنُهٗ لَمْ یُعَذَّبْ فِیْ قَبْرِهٖ ونیز وارد شده که. اَلْمَبْطُوْنُ شَهِیْدٌ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ اِنَّ اَکْثَرَشُهَدَآءَ اُمَّتِیْ لَاَصْحَابُ الْفُرُشِ وَرُبَّ قَتِیْلٍ بَیْنَ الصَّفَّیْنِ. والله اعلم بِغَیْبِه. نظر بایں حدیث امیدوار عظیمه است والغیب عندالله سبحانهٗ۔ والسلام (مکتوبات سیفیه، مطبوعه حیدرآباد سنده، ص ۸۳۔۸۵)

مکتوب شریف

۱۰

۶۰

امابعد می رساند که فرمانِ عالیشان وعطر که از روئے عنایت مرحمت شده بود ورودِ کرامت آمود فرمود وفلانے به زبانی نیز اظہارِ تفقداتِ مقدس نموده ادائے سپاس بے قیاس نمود۔ وباعثِ جمعیتِ خاطر شد وموجبِ مزید دعاءِ دولت دوسرا که از قدیم وظیفهٔ فقراء است گشت۔ این فقیر از اشتغال به ایں امرِ خطیر ہمواره فارغ نیست ونخواہد بود وَکَیْفَ یَفْرُغُ که از عہد بعید ربقهٔ خیر اندیشی در رقبهٔ جان دارد وایں سررشته را متین ومستحکم

می دارد وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ کہ آثارِ خیرخواہی برضمیرِ فیض پذیر ہم مبرہن گردیدو ایں معنی مراز ابرزبانِ الہام ترجمان گذشتہ والآن نیز رجاے بقاے مناسبتِ معنوی واثق کہ ایں ہمہ عنایات از آثار است و دید قصور کہ مرقومِ قلمِ محتشم گردیدہ مشعر از کمالِ دید است ازانجا کہ ممکن مرآتِ کمالاتِ وجوب است وتقابل لازم مرآت پس ممکن ہر چند در دید قصور پیشِ تقابلِ کمالات آن مرتبۂ مقدسہ آئینہ داری پیش وبضد ہا تتبیَّن الاشیاء وایں معرفت مراقبۂ اخص خواص است وکل لسان مناسب است۔ والسلام (مکتوباتِ سیفیہ، حیدرآباد سندھ ص۔۸۲)

مکتوب شریف

۱۱

۶۷

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم.

حَامِداًوَمصلیاً وَمُسَلِّمًا. اَمّابَعْدُفَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَاَوْثَقُ الْعُرٰی بِمِلَّةِ التَّقْوٰیٰ وَخَیْرُالْمِلَلِ مِلَّةُ اِبْرَاهِیْمَ وخَیْرُالسُّنَنِ سُنَّةَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم وَاَشْرَفَ الْحَدِیْثِ ذِکْرُاللّٰهِ وَاَحْسَنَ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ وَخیرُ الْاُمُورِ عَوَازِمُهَا وَشَرُّالْاُمُورمُحَدَّثَاتِهَاوَاَخصَّ الْهُدیٰ هُدیٰ الْاَنْبِیاء وَاَفْضَلُ الْمَوْتِ قَتْلَ الشُّهَدَآءِ وَاَعْمَی الْعَمٰی الضَّلَالَةَ بَعْدَ الْهُدیٰ وَخَیْرُ الْعِلْمِ مَانَفَعَ وَخیرُ الْهُدَی مَااتَّبِعَ وَشَرُّ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ وَالْیَدُ الْعُلْیَاخَیْرُ مِنْ یَدِ السُّفْلیٰ وَمَاقَلَّ وَکَفٰی خَیْرُ مِمَّا کَثُرَوَاَلْهٰی وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِیْنَ یَحْضُرُ الْمَوْتُ وَشَرُّ النَّدَامَةِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّایَاْتِی الصَّلٰوةَ اِلَّا دُبُراًوَاَعْظَمَ الخطَایَااللِّسَانُ الْکُذُوبِ وَخَیْرُ الْغِنِی غِنِیّ النفس وَخَیْرَالزَّادِ التَّقْوٰیٰ وَرَاْسُ الْحِکْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَیْرُ مَاوَقَرفِي الْقُلُوْبِ الْیقِیْنُ وَالْاِرْتِیَابِ مِنَ الْکُفْرِ وَالنِّیاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِیَّةَ وَالْغُلُوْلُ مَنْ حَرِّ جَهَنَّمَ وَالسُّکْرُکَیُ مِنَ النَّارِ وَالشعر مِنْ مَزَامِیرِ اِبْلِیْسُ وَالخمْرُ جَمَاعُ الْاِثْمُ وَالنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّیْطَانِ. وَالشَّبَابِ شُعْبَةُ مِنَ الْجُنُوْنِ وَشَرُّ الْمَکَاسِبُ کَسْبُ الرِّبٰووَشَرُّالمآکِل مَالُ الْیَتِیْمِ وَالسَّعِیْدُ مَنْ وَّعَظَ بِغَیْرِهٖ وَالشَّقِیُ مَنْ شُقٰی فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَاِنَّمَا یَصِیْرُ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَوْضَعِ اَرْبَعُ ارزعِ وَالْاَمْرُ

بِـالْاٰخِـرَةِ وَمَلاکُ الْعَمَلِ خَوَاتِمَهٗ وَشَرُّ الرُّویَارُویاَ الْکِذْبِ وَکل مَاهُوَ آتٍ قَرِیْبُ وَسِبَابُ الْـمُـؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَلُ الْمُؤْمِنِ کُفُرٌ وَاَکُلْ لَحمْهٖ مِنْ مَعْظِمَةِ اللهِ وَحُرْمَةَ مَالِهٖ کَحُرِمَةِ دَمِهٖ وِمَـنْ یَتَالیّٰ عَلیَ اللهِ یَکْذِبهُ وَمَنْ یَّغْفِرُ یتبع السمعَة یَّغْفِرِاللهُ لَهٗ وَمنْ یَّعْفُ یَعْفُ اللهُ عَنْهُ وَمَنْ یتبع السـمعَة یُسَـمِعُـه لِلّٰهِ مَنْ یُصْبِرْ یضاعف اللّٰهله وَمَنْ یَعْصِ اللهَ یُعَذِّبُهٗ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلاُمَّتِیْ قَالَهَا ثَلٰثًا اَخْـرَجَـهُ الْبَیْهَـقِـیِ فِیِ الدَّلَائِلِ وَالدَّیْلَمِی وَبْنِ عَسَاکِرٍ عَنْ عُقْبَةَ بِنْ عَـامِـر. احقر فقرا بعرض مقدس معلّٰی می رساند کہ دعاے خیریتِ دارین ومحمودی، نشاَتین بندگانِ حضرت ہرچند برکافہ انام لازم وثابت است لیکن نظر بر خصوصیت وعنایات پیغامات کہ از قدیم شاملِ حالِ ایں فقیر است واجب دانستہ بدل وجان در دعا گوئی مشغول است از قریب مجیب حضرت سلامت فضیلت دستگاہ اخوی شیخ عبداللطیف کہ غربت ونامرادی ومراتبِ فضل وکمالِ ظاہری وباطنی او بر بندگانِ حضرت ہویداست از صغرِ سن بہ معرضِ شکم مبتلا است اگرچہ روز صحت است باز عودمی نماید در حدیث نفیس آمدہ سَافِرو وانفحُوا اوَترزُقُوْا. اَخْرَجَهُ ابن سنی وابونُعِیم فِي الطِبِّ عَنْ اَبِی سعید چوں دریں ایام قوتِ سفر بہم رساندہ بود بحضور موفور السرور فرستادہ شد عمدہ استعا دخدمت بندگانِ حضرت است یقین کہ موردِ عنایات والطافِ بادشاہانہ خواہد گردید کہ از صمیم القلب در دعا گوئی وختم حضرات خواجہا بزرگوار مشتغل می باشد۔ حضرت سلامت کمالات اکتساب سید علی عرب عیدروس بعد از شکر عنایات کہ شاملِ حال اوشاہ سلام وتحیہ معروض می دارد وامید از مزید الطاف بادشاہانہ است خاندان سید مشارٌ الیہ در دیار عرب شہرتے تمام دارد ہر قدر کہ حضرت در حقِ مومی الیہ مہربانی فرمایند بہ موقع است۔ عزیزے است دیگر از قبیلۂ سید مذکور سید علوی نامی در علمِ حدیث بے نظیر است وکذٰلک فی الفقہ وحفظ القرآن ومع ہٰذا از خصائصِ ایں طریق حظ وافر برداشتہ وبہ اتفاق ایں فقیر زین العلم فی شرحِ عین العلم تالیف نمودہ وجرح وتعدیل احادیث آں نمودہ واحادیث دیگر نیز مندرج کردہ۔ بالجملہ نسخۂ مذکور غیر مکرر مؤلفہ شدہ بمشئیتِ سبحانہٗ متعاقب ارسال حضور پرنور خواہد نمود واین عزیز ارادۂ وطن دارد واعانتِ آں حضرت در حقِ او مطلوب است۔ اگر حکم والا صادر شود بہ ملازمتِ عالی مشرف شدہ متوجہ آن حدود گردد۔ درازنفسی از حد گذشت۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدرآباد، سندھ، ص۔ ۹۷۔ ۹۹)

مکتوب شریف

۱۴

۷۲

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْهُمَامُ خَاتَمُ الْحُفّاظِ مُرَبِّیُ الْمُرِيْدِيْن الْقُطبُ الرَّبَّانِيُ وَالْعَارِفُ الصَّمَدَ اِنِيّ الشَّيخ عَبْدُ الْوَهَّاب الشَّعْرَ اِنِیْ قدس اللّٰهُ تَعَالیٰ رُوحَهٗ مِمَّا اَنعَمَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیَّ بَعْدَ الْمُجَاهَدَةِ عِلْمِي بَعَوْنُ الْحَقِ تَعَالیٰ وَيُكْرِهُنِي اَوْ يَحِبُّنِیْ وَذَالِکَ بِنَظرِیْ اِلیٰ اعمالی وَمَا اَنَا مَنظُورٌ اِلَیْهِ فَاِنْ نَظَرْتُ فِي نَفْسِي وَرَاَيْتُهَا مُتَّبِعَةَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مُهْتَدِيَّةً بِهُدَى السَّلَفِ الصَّالِح بِحَسْبِ طَاقَتِهَا حَكَمْتُ بِاَنَّ الْحَقَّ تَعَالیٰ يُحِبُّهَا وَهُوَرَاض عَنْهَا وَاِنْ رَاَيْتُهَا مُخَالِفَةَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ قَلِيْلَةَ الْوَرَعِ قَلِيْلَةَ الزُهدِالْخُشُوعِ قَلِيْلَةَ الْخَوفِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالیٰ ذَاكِرَةً لِلدُّنيَا وَظَائِفَهَا وَمَنَا صِبهَا نَاسِيَةً لِّاٰخِرَةِ وَدَرْجَاتَهَا وَحكمت بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ يَكْرَهُنَا فَعَلَيْکَ يَااَخِیْ بِالتَّعَمُّلِ لِهٰذَا الْمِيزَانِ صُبْحاً وَمَسَاءً اِن لَّمْ تَسْتَطِعْ ذٰلِکَ فِی جَمِيْعِ السَّاعَاتِ لِتَعْلَمَ مَالَکَ وَمَا عَلَيْکَ وَلاَ تَنْظُرْ اَحداً غَيْرکَ بِيْنَکَ عَلیٰ فِعْلِ ذٰلِکَ فَاِنَّهٗ مَفْقُودٌ فِي هٰذَا الزَّمَانِ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلیٰ نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ . فَعُلِمَ اَنَّهٗ يَتَاكَّدُ عَلیٰ كُلِّ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ شَيْخٌ اَوْ اَخٌ صَادق اَنْ يَزِنَ اَفْعَالَهٗ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَلامِ الْاَئِمَّةِ لِيَنْظُرَ فِي رِبْحِه وَخُسْرَانِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ وَقَالَ فِی مَوْضَعٍ اٰخِرِاِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَدْطَوٰی عِلْمَ الْمَصَالِحِ عَنْ عِبَادَةٍ وَتَفردبه وَاَعْطَاهُمْ بَدلَ مِيْزَانِ الشَّرِيْعَةِ فَمَا كَانَ من مَحْمُوْدٍ فَهُوَ مِنَ الْمَصَالِحِ وَمَا كَانَ مِنْ مَذْمُوْمٍ فَهُوَ مِنَ الْمَفَاسِدِ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. قَالَ عَزَّمَنْ قَالَ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ فَلا وَرَبِّکَ لَايُوْمِنُوْنَ. حَتّٰی يُحَكِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ. وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآئَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَکَ. الْاٰية. يَادَاوٗدُ اِنَّاجَعَلْنَاکَ خَلِيْفَةً. وَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتيَّ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعاًلماجئت بِهٖ وَهٰذَا اِجْمَالُ جَمِيْلُ وَلِكُلِّ تَفْصِيْلُ جَزِيْلُ وَبِالْجُمْلَةِ مَلاکُ السَّعَادَاتِ

الدِّينِيَّةِ وَالدُّنيَوِيَّةِ اِتِّبَاعُه رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فِي جَمِيْعِ مَاجَاءَ بِهٖ وَهُوَ الدِّيْنُ وَالْإِسْلَامُ وَتَحْكِيْمُهٗ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فِيْمَا شَجَرَ بِاَنْشِرَاحِ الصَّدْرِ يَمْشِي حَيْثُ مَعَ الشَّرْعِ وَيَقِفُ حَيْثُ يَقِفُ مَعَ الشَّرْعِ ۔ ؎

مُحِبُّ اللهُ لَا يَهْوٰى خِلَافَهٗ
وَاِنْ اَعْطٰى عَلٰى ذٰلِكَ الْخِلَافَه

كُلُّ ذٰلِكَ مُفَصَّلٌ فِيْ كُتُبِ الْفِقْهِ وَنَبَذًا مِنْ ذٰلِكَ فِي الدُّسْتُوْرِ الشَّرِيْفِ الْاَعْظَمِ وَلٰكِنَّ النفس مِنْ شانها اِنْ تُحِبَّ الْإِطْلَاقَ وَالْاِنْشِرَاحَ وَيَكْرَهُ التحجير وَلَوْمِنَ الشَّارِعِ وَقَلَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُحِبُّ نَفْسَهٗ تَحْجِيْرُ الشَّارِعِ وَاِيْثَارِهٖ عَلٰى هَوَاهَا فَلِذَالِكَ تَرَى الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْكَفَرَةِ وَالرَّفَضَةِ وَالْجَهَلَةِ وَضَعُوْا قَوَاعِدَ وَضَوَابِطُ مِنْ عِنْدِ الْفَهْمِ عَلٰى خِلَافِ مَاوَرَدَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَاَقْوَالُ الْاَئِمَّةُ مِنَ الْمُعَامَلَات مَعَ الرَّعَايَا وَالْكُفَّارِ وَاَهْمَلُوْا ذٰلِكَ الدُّسْتُوْرَ الشَّرِيْف وَلَاعَبُوْا بِهٖ عَلٰى مَايُشَاهَدُ فَاِنْ اَرَدُوا التَّكْمِيل (پ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لكم دِيْنَكُمْ اَلْاٰيَة وَقَدْ قَالَ اللهُ اِن ينصر كمُ اللهُ فَلَاغَالِبَ لَكُمْ فَمَنْ جَائَهٗ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّهٖ اَلْاٰيَةِ وَاَسْئَالُ اللهَ التَّوفِيْقَ وَالسَّلَامَةَ وَالْعَافِيَةَ ۔

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد، سندھ۔ ص ۱۰۴۔۱۰۶)

مکتوب شریف

۱۳

۷۴

سلام وتحیہ از یں خیر خواہ درمعرضِ قبول آرند سبحانہٗ للہ الحمد کہ استیلاے حضور او تعالیٰ بر نہجے غلبہ نمودہ کہ دراماکنِ غفلت و ہنگامِ اختلاط بیشتر جلوہ می فرماید ایں امر جلیل آں قدر از اعظم عنایات اوست سبحانہ، واز قوت نسبتِ باطن خبرمی دہد و مشعر انجام کار در نفحات الانس در احوال حضرت نقشبندی می آرد کہ شخصے از ایشاں پرسید کہ درطریقۂ شما ذکر جہر درخلوت وسماع می باشد فرمود کہ نمی باشد پس گفت بناے طریقۂ شما برچیست فرمودند خلوت درانجمن بظاہر باخلق و بہ باطن باحق سبحانہٗ تعالیٰ ۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
این چنیں زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

آنچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ می فرماید کہ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللهِ اشارہ بہ ایں مقام است۔ لیکن باید دانست کہ فرق است در حضورِ مبتدی و حضورِ منتہی۔ مبتدی چونکہ بہ شرف فنا فی اللہ متحقق نہ شدہ است و نفسِ او ہنوز باقی است حضور او صاف نہ شدہ است و منتہی چوں جمیع صفات و وجود را بہ اصل سپردہ و بہ فنا فی اللہ مشرف شدہ حضورِ او در کمال انجلا است لہٰذا آن حضور را حضورِ خود بخود نامند یعنی حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ خود را خود حاضر است چہ سالک دریں وقت رخصت بہ صحراے عدم کشیدہ و مظہرِ تجلیات اسمائی و صفاتی گشتہ معشوق ہرگاہ می خواہد بباطنِ او بے خواست متجلی می شود شکرِ ایں قسم نعمتِ عظمیٰ بجا آوردن ضروری است لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ۔ والسلام (مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد۔ سندھ۔ ص ۱۱۰۔۱۱۱)

مکتوب شریف

۱۴

۷۶

امابعد۔ احقر بعد از تبلیغ قدیم دعوات ترقی درجات معروض می دارد کہ از استماع خبر ازلال رانا کہ راس کفرہ فجرہ است ایں دعا گوے صمیمی و جمیع مسلمین شادیہا نمودہ اند کہ تفصیلِ آں در دفترہا نہ گنجد۔ و شک نیست کہ ازلال رانا با ایں ہمہ غلبہ و اخذ جزیہ بہ انواعِ تحف و ہدیہ از کمال اعزاز دینِ متین است و معلوم نیست کہ در ملکِ ہند از مبداء ظہور اسلام تا ایں زمان رانا کہ مرکزِ کفر ہندوستان بود ہیچ یکے از بادشاہان بدیں غلبہ حکمرانی کردہ باشد تا بہ اخذ جزیہ چہ رسد کہ آں در دیگر ممالکِ ہند ہم پیش ازیں کمتر بہ وقوع آمدہ مثلِ ایں فتوح را اگر از مقدمات ظہورِ امام مہدی موعود شمردہ شود بعید نیست۔ زبان از شکرِ ایں نعمت کہ شاملِ حال جمیع کافہ اہلِ اسلام شدہ قاصر است قَالَ اللهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى. وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ لِبَعۡضٍ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰكِنَّ اللهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ. والحال آنچہ عنانِ عزیمت نصرت قرین برائے اعزازِ دین بہ طرفِ دکن معطوف ساختہ اند اعاظمِ جہاد است پاک ساختن ساحتِ اسلام از لوث بغی و کفر از نتائج ایں سفر است و صاف کردن راہ طائفانِ حرمین الشریفین از لوازمِ ایں عزم مبارک اثر حق سبحانہ۔

وتعالیٰ بہ فضل وکرمِ خویش بہ احسنِ وجوہ سرانجام کناد خوشاوقت وحال آنانے کہ درین امر خطیر ومہم عظیم کمرِ ہمت رادر خدمتِ بر بہجت چست بر بستہ اند۔ و بہ نیتِ صالحہ این سفرِ صعب را کہ فی الحقیقہ مثمرِ خیرات وبرکات است ووسیلۂ ترقی درجات بہ شوق برگزیدہ اند رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اِنَّ فِي الْجنَّةِ مِـائَةُ دَرَجَةً اَعْلَاهَا لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. رَوَاهُ البخاری وَابو هُرَيْرَة روایت کردہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ مَوْقَفُ سَاعَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ بِمَكَّةَ عِنْدَ حَجَرِ الْاَسْوَدِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَ ابْنُ حبان في صَحِيْحِه. قَالَ الْعُلَمَاءُ فَيَكُوْنُ مُوْقِفُ سَاعَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ مِائَةَ اَلْفُ اَلْفُ شَهْرٍ لِاَنَّ قِيَامَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ بِمَكَّةِ بِمِائَةَ اَلْفُ اَلْفُ شَهْرٍ فِي غَيْرِهَا. وَاَنَسُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ روایت کردہ است کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ عَنْ رَابَطَهُ لَيْلَةً فِي سَبِيْلِ اللهِ حَارِسًا مِنْ وَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَانَ لَهُ اَجْرُ مَنْ كَانَ خَلْفَهُ مِمَّنْ صَامَ وَصَلّٰى رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُ بِاَسْنَادِ جَيِّدِ قال العلماء. وَهٰذَا الْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ اللهَ تَعَالٰى يَكْتُبُ لِلْوَالِيْ مِثْلَ اَعْمَالِ مِنْ عَبْدِ اللهِ (ص) فِيْ محل ولايَتِ بِمُجَانِبَةِ لَهُ وَمَااَجزل هٰذَا الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

افسوس کہ ایں دوراز کار ازیں قسمِ نعمت خوشگوار بحسبِ ظاہر محروم است وجہت بعضے عوائق وموانع ازیں جہاد فی سبیل اللہ مہجور. يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا. لیکن از روے باطن باخود دانند واز راہِ دعاوتوجہ کہ وظیفۂ فقراء است ممد ومعاون تصور فرمایند۔ اگر فقراے اہلِ عزلت سالہا ریاضت کنند وار بعینات کشند بہ گرد ایں عمل نہ رسند۔ طاعات وعبادات کہ دراں مقام بہ وقوع آید بہ اضعاف بر طاعت عزلت زیادہ است۔ ذکر وتسبیح آن موطن ثواب دیگر دارد ونماز الجماعۃ رتبہ علیحدہ وصدقات ونفقاتِ آن محل رادرجۂ بزرگ وامراض آن معرکہ را نتیجہ جدا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ طُوْبٰى لِمَنْ اَكْثَرَ فِي الجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ فَاِنَّ لَهُ بِكُلِّ كَلِمَةٍ سَبْعِيْنَ اَلْفِ حَسَنَةَ مِنْهَاعَشَرَةَ اَضْعَافِ مَعَ الَّذِيْ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنَ الْمَزِيْدِ رَوَاهُ الطِّبْرَانِيْ ونیز فرمود علیہ الصلوٰۃ والسلام صَلٰوةٌ فِي مَسْجِدِيْ تَعْدِلُ بِعَشْرَةِ آلَافِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَعْدِلُ بِمِائَةَ اَلْفِ صَلٰوةٍ. وَالصَّلٰوةُ بِاَرْضِ الرِّبَاطِ بِاَلْفِ اَلْفِ صَلٰوةٍ رَوَاه اَبُو الشَّيْخ وَابو حيان. ونیز فرمودہ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام اِنَّ صَلٰوة

رُبَاطٍ تَعْدِلُ خَمْسَمِائَةَ صَلٰوةً وَنَفَقَة الدِّيْنَارِ وَالدِّرهَمِ مِنْهُ اَفْضَلُ مِنْ سبعمائَة دِيْنَارٍ مُنْفِقَةً فِي غَيْرِهٖ. ونيز فرموده عليه وعلى آلهٖ الصلوٰة والسلام. مَنْ اَغانَ مُجَاهِدًافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ غَازِ يًافِيْ عَشَرَتِهٖ اَوْ مُكَاتِبًا فِي رَقَبَتِهٖ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يوم لَاظِلَّ اِلَّاظِلَّهٗ. رَوَاه اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ ونيزفرموده عليه وعلى آلهِ الصلوٰة والسلام مَوْقَفٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايُسُلُّ فِيْهِ سَيْفٌ وَلَا يُطْعِنُ فِيْهِ يَرْمِحُ وَلَا يُرْمٰى فِيْهِ بِسَهْمٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً لا يَعْصَى اللّٰهَ فِيْهِ طُرْفَةَ عَيْنٍ رَوَاهُ ابْنُ النّجارِ ونيز فرموده عليه وعلىٰ آلهِ الصلوٰة والسلام مَنْ قَرَضَ يَوْمًا فى سَبِيْلِ اللّٰهِاَوْبَعْضَ يومٍ اَوْ سَاعَةٍ فَغُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوبَهٗ وَكُتِبَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِعَدَدَ عُنُقِ مِائَةَ اَلْفِ رَقَبَةً قَيِمَةٍ كُلُّ رَقَبَةٍ مَائَةَ اَلْفِ رَوَاهُ اِبْنِ زنجويه وشک نيست كه ايں خدمت ومهم كه به آں توجه دارند جهادفی سبيل اللّٰه است۔ اَخْرَج اَبُوْدَاوُدُ وَالذَّهَبِى عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُمَا مَرْفُوْعًا يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُسَمُّوْنَ الرِّفْضَةَ يَرْفضونَ الْاِسْلَامَ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ مُشْرِكُوْنَ. وَاَخْرَجَ الدَّارقُطْنِيُ مِنْ عَلَيّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ سَيَاْتِيْ مِنْ بَعْدِىْ قَوْمٌ لَهُمْ۔ نيزيُقَالَ لَهُمُ الرَّافِضَةُ فَاِنْ اَدْرَكتهم فَاِنَّهُمْ مُشْرِكونَ. قَالَ قُلْتَ يَارَسُوْلُ اللّٰهِ مالْعَلَامَةُ فِيْهِ قَالَ۔۔۔۔ (مکتوبات سیفیہ۔ مطبوعہ۔ حیدرآباد، سندھ۔ ص ۱۱۴۔۱۱۵)

مکتوب شریف

۱۵

۸۰

يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْااِذَالَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْاوَاذْكُرُ واللّٰهَ كَثِيراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَاَخْرَجَ ابْنِ اَبِىْ حَاتِمِ عَنْ كَعَبِ الْاَخْبَارِ قَالَ مَامِنْ شىءٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ قِرَأةِ الْقُرْاٰنَ وَالذِّكْرَ لَولَاذٰلِكَ مَآ اَمَرَ النَّاسَ بِالصَّلٰوةِ وَالقِتَالِ اِنَّهٗ قَدْ اَمَرَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالذِّكْرِ عِنْدَالْقِتَالِ. کمترین خیرخواہان به عرض والا می رساند که بعضے ادعیه ماثوره که از آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم درحینِ قتال به ثبوت پیوسته مصحوب کمالات دستگاه میر محمد عارف که از دعا گویانِ قدیمی است ومتوجه ملازمتِ معلّٰی ارسال داشته آمد یقین که بمطالعۂ خاص خواهند در آمد ایں حقیر سببِ محرومیِ ملازمت خودرا مقصرّ می داند اگر مرضی مقدس

باشد خود را برکاتِ سعادت برساند منتظر اشاره است قَالَ الشَیْخُ العالِمُ الْعَارِفُ الکامِلُ الشَّهِیْرُ فِی الْحَرَمَیْنِ الشَّرِیْفَیْنِ الشَّیْخِ الشَّعْرانِیْ قَدَّسَنَا اللّٰهُ بِسِره مِماً الْاَقْدَسُ فِیْ کِتابِهِ الْمُسَمّٰی بِالْمَتَنِ اَوْ مِمَّاانعم اللّٰه تعالیٰ بِهٖ علّٰی محبتی لولاۃِ اُمُوْر الْمُسْلِمِیْنَ وَ مُشارِکَتِیْ لَهُمْ فِی الْهُمُوْمِ وَالْاَمْرَاضِ لاسیما السُّلْطَانُ الْاَعْظَمِ وَقَدْ مَرَضْتَ لِمَرْضِهٖ مَرَّتَیْنِ وَضَربت عَلٰی مفاصِلِ رِجْلِی مرات اخِرِهَافِی شهرِ رَمَضَانِ سنة احدی رِستیْنَ وَسَبْعَمِائَةَ لماسَافَرَ لِقَتالِ الرَوَافِضِ وَمَکَثْتُ مَرِیضاً مِنْ اَوّلِ رَمَضَانِ اِلی اٰخِرِهٖ فَلاَشفی السُّلْطانُ شَفِبْتُ تَمَّ کَلاَمُهٗ حضرت سلامت برادر دینی میر محمد عارف امیدوار است که موردِ عنایات و الطاف بادشاہانہ گردد فَاِنَّهٗ شابَ نِشَاءَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ. والسلام (مکتوبات سیفیہ مطبوعہ حیدرآبادی سدھ ص ۱۲۰-۱۲۱)

مکتوب شریف

۲۱

۱۲۱

نحمدٗہ ونصلی ونسلم. اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عبادِهِ الْعُلَمآء۔ احقر خیرخواہان بعد از تبلیغِ سلام وتحیہ معروض می دارد کہ چوں سالک بر قدم اول راہ کہ عبارت از فنائے قلب است مشرف می شود اشعۂ از انوارِ قدمِ پیوستہ بر قلب او متجلی می باشد۔ اگر آں سالک علم بہ تفصیلِ احوال دارد کما ینبغی آں تجلی را کہ کنایہ از تجلیِ فعلِ اوست سبحانہ درک خواہد نمود۔ واگر علمِ اجمالی نصیبِ وقت اوست بہ حضور والتذاذ کہ اثرِ آں تجلی است محظوظ خواہد بود بعد ازاں بہ محض فضل دریں ہنگام بہ تجلیِ صفات استسعاد خواہد یافت۔ وسینۂ او بہ انوارِ قدس منشرح خواہد گردید بعد ازیں امر او از دو حال خالی نیست۔ اما بہ عروج والزلۂ عن الخلقِ لاجل الاعراض عن الاغیار اَوالهبوطِ وَالرّجوعِ اِلی الخلق لاجل التکمیل وَالارشاد فالاول من اهل العزلة والخلوة وَالثانی من اصحاب العشرة والجلوة. عدم اختلاط وفرار از خلق مناسبِ حال طائفۂ اولیٰ است وآمیختہ بودن ملائم حالِ طائفۂ ثانی۔ حالت طائفۂ اولیٰ ضعیف است وحالت طائفۂ ثانی قوی لعدمِ حجابهم عن شهود الحق سبحانه بشهود العالم والاختلاط بهم فلا یقاس خال احدهما علی الاٰخر در آیہ کریمہ اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَالَهٗ نُوراً یَمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ. گویا اشارہ بہر دو فریق است۔ وایں ہر دو تجلی کہ مذکور شدند بہ

لطیفۂ قلب وروح تعلق دارند ومعاملۂ لطیفۂ اخفی مربوط بہ تجلی ذات است ولطیفۂ سر شیون واعتبارات مناسبت دارد ولطیفہ خفی بہ صفاتِ سلبیہ تنزیہیہ۔ واعلاے لطائفِ لطیفۂ اخفیٰ است لکونہٖ تحت قدم نبینا علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہٖ مِنَ الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیماتِ اکملھا کَمَااِنَّ القلبَ تحت قدمِ سیدنا اٰدم علیہ الصلوٰۃ والسلام والروح تحت قدم سیدنا ابراھیم خلیل وسیدنا نوح علیھما الصلوٰۃ والتسلیمات والسر تحت قدمِ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ وَالسلام والخفی تحت قدم سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ للہ سبحانہٗ الحمد کہ آنحضرت علی قدر استعداد ولو علیٰ سبیل الاجمال والانعکاس حظے فراگرفتہ اند۔ چنانچہ بشارت فنائے قلب ولحوق صفات بہ اصل ومناسبت بہ لطیفۂ اخفیٰ درقدم محترم حضرت ایشان علیہ الرحمۃ والرضوان درآمدہ وازمحسوس شدن قدم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پیشِ این احقر اظہار نمودہ بودند۔ وایضاً درین دو یمی استیلاے حضور دراماکنِ غفلت کہ ازقوت نسبت مشعر است بارہا می فرمودند۔ بالجملہ این احقر درانچہ لازمۂ خیرخواہی است خود رامقصر نہ دانستہ وخواہان بیش ازبیش است براے دومطلب یکے آں کہ حق سبحانہٗ شمارا داخل مقربانِ خود کردہ است۔ ودوم آنکہ درحقوقِ عباد بعد ازوصول بدرجۂ ولایت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقی امید نجات می شود کماتبینہ سیدنا ومولانا المجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھٰذا من اعظم عنایاتہٖ تعالیٰ اگر نظر بہ این مطلب دو یمی انداختہ بعد ازفراغ ازامورِ مملکت بمراقبہ وسکوت می پرداختہ باشند مستحسن بلکہ ضرور است وگنجایشے دارد کہ ازعباداتِ نافلہ آں راتقدیم، دہند۔ وطالبِ ترقیات باشند ولحۂ بے ایں فکر بسر نہ برند وہمت رابراں گمارند کہ ازصورت شریعت گذشتہ بہ حقیقتِ آں برسند وازولایتِ اولیا گذشتہ بہ ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مستند گردند وفوق این ولایت ولایتِ ملاء اعلیٰ است علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیماتِ وازگذشتِ آں درجات عروج کمالاتِ نبوت درپیش است بعد ازاں حقایق ثلٰثہ کہ عبارت ازحقیقت کعبہ وحقیقتِ قرآن مجید وحقیقتِ صلوٰۃ باشد منکشف می گردند وفوقِ آنہا معاملہ خلت واسرارِ محبوبیت جلوہ می فرمایند وبہ بعضے ازمحبوبانِ اسرارِ لازم الاستتار کہ تعلق بہ حروفِ مقطعات دارند درمیاں می آرند وصورتِ شریعت وحقیقتِ آن ہم مختلط می شوند واستدلالی کشفی می گردد واجمالی تفصیلی می شود حضرت خواجہ بزرگ می فرمایند کہ مقصود ازسیر وسلک آں است کہ معرفتِ اجمالی تفصیلی گردد واستدلالی کشفی۔ امرِ دیگر سواے شریعت نیست وزاید براں نہ فرمودہ اند۔ وآنچہ ازبعضے اولیاء اللہ بعضے امور کہ بظاہر شریعت درجنگ اندصادر شدہ اند کمسئلۃ التوحید الوجودی وغیرہا برابتدا ووسطِ حال فرود باید

آورد۔ چہ بعد از وصول بہ حقیقتِ شریعت اصلا مخالفت نیست وھٰذہ **مواھب التی ذکرھا قد اختصھا اللہُ سبحانہ بالامامِ الربانی المجدد الف ثانی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ** الحال بیانم برعرضِ حالِ خود معلوم فرمایند کہ مطلب اہم ما ازیں آشنائی کہ بخدمتِ شما است دو چیز است یکے خود روا گردانیدن حاجت حاجتمندے کما ورد فضلہ فی الحدیث النبوی علیہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا ودویم ترویجِ سنت وتوہین اہل بدعت کہ دریں آخر الزماں بے معاونت ومخالطت سلاٰطین محال است حمد اللہ سبحانہ کہ گفتۂ ما نامراداں بہ سمعِ قبول می افتد درحدیث آمدہ **من احیاء سنتی بعد ماامیتت فلہ اجر مائۃ شھید** اہلِ عزلت اگر ہزار سال ریاضت ومجاہدہ پیش کشند بہ عشرِ عشیرِ آں امرِ جلیل القدر نمی رسند۔ کمالاتِ دستگاہی برادرِ طریق ملا محمد جان کہ از نفوسِ متبرکہ است وسالہا درصحبت گذرانیدہ ومراتبِ خصائصی کہ حضرت مجدد الف ثانی بہ آں ممتاز اند از اکثر خطے وافر گرفتہ ومصداق ایں معنی آنکہ ہرگاہ مشارٌ الیہ بہ مقامے ازیں مقامات می رسید ایں حقیر چوں بردید ودانستنِ خود اعتماد نہ داشتہ موی الیہ را بہ خدمتِ حضرت ایشاں ہمراہ گرفتہ می برد تا زمانے کہ متوجہ شدہ بشارتِ حصول مقامے کہ در تخیل فقیر آمدہ بود نمی فرمودند تسکین نمی شد تا آنکہ معاملۂ ایشاں بہ کمال وتکمیل انجامیدہ تا آنکہ روزے فرمودند کہ لفظ انا کہ خود را بہ آن تعبیر می نمائم برملا مذکور می افتد **وھٰذا یدل علیٰ کمال الاتحاد۔**

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدر آباد، سندھ، ص ۱۸۵۔۱۸۹)

مکتوب شریف

۱۷

۱۶۵

ارسل الی سلطان فی ان الاشتغال بامر الرعیۃ من اھم الامور.

نحمدہٗ ونصلی المعروض بعد السلام انکم بفضل اللہ سبحانہٗ فی ھٰذہ الایام مشغولون باھم الامور وھی امر الرّعیۃ والعدالۃ فیھم فحمد اللّٰہِ ثم الحمد للّٰہ وھٰذا کان غایۃ مراد نا من انعقاد مجلس السکوتِ فحصل بکرمہٖ سبحانہٗ فالمرجو من مکارمِ اخلاقکم ان لاتنسونا من خاطرکم وتخصونا بمزید فضلکم وعنایتکم فانکم لھا اھل وانک لعلیٰ خلقٍ عظیمٍ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.

(مکتوب سیفیہ، مطبوعہ حیدر آباد سندھ۔ ص ۱۹۰)

مکتوب شریف

۱۸

۱۸۶

امابعد شفاک اللہ سبحانہ' شفاءً عاجلاً ، خاطر فقر ابغایت نگران می باشد امید کہ بزودی خبرِ عافیت برنگارند کہ موجبِ جمعیتِ خاطر ہا گردد مصحوب عبدالمومن آب کفش حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے آن جناب فرستادہ شدہ درآب وطعام قطرہ ازاں می چکاندہ باشد کہ مثمرِ برکات است۔ دیگر امشب کہ عرس حضرت پیر دستگیر است طرفہ فیوض وبرکات است وچوں واسطۂ انعقاد ایں مجلس ذاتِ بابرکت است امید کہ حظّ وافر بایشاں نصیب گردد۔ دیگر اشارہ کہ درباب اختیار سفرحرمین شریفین واقع شدہ معلوم شد مہربانا ایں خود کمال تمنائے وآرزوے ایں گرفتار است لیکن عوائق وعلائق کہ ایں مسکین بآں مبتلا است شرحِ آں نمی تواں کرد او سبحانہٗ قادر است کہ بیمنِ ہمتِ علیاء شما ایں مطلبِ اقصیٰ ومقصدِ اسنیٰ بحصول انجامد وبایں سعادتِ عظمیٰ سربلند گرداند۔ خوش گفت ؎

مرا کشید و طنابم بہ گردن اندازید
کشاں کشاں چوسگانم بکوے یار برند

والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد سندھ، ص ۲۰۵۔۲۰۶)

مکتوبات شریف خواجہ سیف الدین بنام شہزادۂ اورنگ زیب، محمد معظم

☆

مکتوب شریف

۱

۵۲

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ. (فِی الْحَدِیْثِ) اَلذِّکْرُ الَّذِیْ لَاتَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ تَزِیْدُ عَلَی الَّذِیْ تَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا. درنفحات دراحوالِ شیخ ابی

سعید بن ابی الخیر مذکوراست کہ شیخ را گفتند فلاں کس برروے آب می رود۔ گفت سہل است بزغی وصعوہ نیز برآب می رود گفتند فلاں کس درہوامی پرد گفت زغنی ومگس نیز درہوامی پرد۔ گفتند فلاں کس دریک لحظہ ازشہرے بہ شہرے می رود گفت شیطان نیز دریک نفس ازمشرق بہ مغرب می رود۔ ایں چنین چیزہا بس قیمت نیست۔ مردآں بود کہ درمیانِ خلق نشیند ودادوستد کند وزن خواہد وباخلق درآمیزد ویک لحظہ ازخداے خود غافل نباشد۔ اقرِ دعا گویاں بعدازتبلیغ سلام وتحیہ بعرضِ عالی متعالی می رساند کہ بموجب امرِ عالی بعضے فوائد کہ تعلق بہ شغلِ باطنی دارند معروض می دارد استماع فرمایند شغلِ باطنی درطریقۂ اکابرایں طریق براقسام است۔ قسمِ اول ذکراسمِ ذات وطریقۂ آن بالمشافہ بیان کردہ شد کہ ازکیفیتِ آں اطلاع بخشند عمدہ آنست کہ ذکر ملکۂ دل می گردد وصفتِ لازمۂ اوشود چنانچہ سمع صفتِ سامعہ وبصر صفتِ باصرہ بعدازحصولِ ایں حالت کادبار بہ لطیفۂ روح است وروح بہ جانب یمین صدراست وبعدانصرام معاملہ روح وقطع الاحوال والمعارف متعلقہ بِهَا ینکشف اللطائفُ الثَّلٰثَةَ الْاٰخِرِ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِکَ یَنْشَرِحُ الصَّرُ یَضْمَحِلُّ النَّفْسُ ثُمَّ عُوْمِلَ مَعَهٗ مَاعُوْمِلُ وَیَصِیْرُمِنْ مُلُوْکِ الدِّیْنِ. بایددانست کہ افادہ واستفادہ ایں طریقِ انعکاسی وانضباغی است ومدارِ معاملہ بہ صحبت است بہ شرطِ مناسبۃ الطرفین ذکرہرچند ازاسباب وصول است لیکن غالباً مشروط بہ رابطہ وفنادرشیخ است۔ لہٰذا گفتہ اند کہ مقدمۂ فنافی الشیخ مقدمۂ فنافی اللّٰہ است ایں رابطہ فقط باالطافِ شیخِ کامل بے التزامِ طریقِ ذکرموصل است۔ چنانچہ التزام ذکرکہ خالی ازیں رابطہ باشد موصل نیست وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَهُمَافَقَدْ فَازَفَوْزًا عَظِیْمًا. وذکرِ نفی واثبات ہم فوائدِ بسیاردارد۔ درتطہیرِ باطن سیرازماسوااوراد خلِ عظیم است۔ بعدازاطلاع برکیفیتِ اسمِ ذات طریقِ آں نوشتہ خواہد شد دریں باب منتظرِ امرِ عالی است ودیگرمراتبِ خیرخواہی ودعاگوئی ظاہروباطن کہ مرکوزِ خاطرفقیراست ازحیطۂ تحریر وتقریر خارج است وظہورآثاربرمزیدعنایات بادشاہانہ است ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

بقیۃ المعروض آنکہ جامع علومِ ظاہری وباطنی نتیجۃ الاکابرسیدعلی عرب منتظرِ طلبِ مالی است وایفاے وعدہ ازمکارمِ اخلاق۔ بالجملہ سید مذکورازعزیزان است وقابلِ محبت وعنایت۔ برادرِ گرامی فضائل مآب حافظ مقصودعلی کہ سالہادرصحبتِ فقرابسربردہ مشمول عنایات والطافِ خاصہ خواہد گردید وبعضے التماسہادرخلوت بعرضِ عالی خواہد رسانید۔ ارشاد پناہ شیخ محمد باقر کہ ازخلفاے رشیدایں طریقہ است صحبت وملاقاتِ اوغنیمت است۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآباد، سندھ۔ ص ۷۳۔۷۵)

مکتوب شریف

۲

۵۳

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیاً اما بعد احقر دعا گویان بہ عرضِ عالی متعالی می رساند کہ ازاں ہنگام کہ بہ شرفِ ملازمت استعداد یافتہ ہموارہ محبتِ خاص بہ آں جناب عالی درخود می فہمد و درمراتبِ دعا گوئی و خیر خواہی روز افزون ہر چند از قدیم بہ استماع اخبار حق پرستی و استقامت بر طریقۂ مرضیہ کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ بہ خصوص بہ آں صاحبِ عالم کرامت فرمودہ شادان و خورم بودہ غائبانہ دل رانگرانی و ہواداری ہم رسیدہ۔ لیکن بعد از مشاہدۂ اخلاق و اوصاف حالت دیگر دارد و مراتبِ ہوا خواہی و لوازمِ دعا گوئی در تضاعف و اشتیاقِ ملازمت گرامی بیش از بیش۔ خوش گفت۔ ؎

نادیدہ رُخت عمرے سودا بتو و رزیدم
فارغ زتو چوں باشم اکنوں کہ رُخت دیدم

بہ موجبِ حدیث نفیس

مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلَمَ اِیَّاہُ. شمہ ازان معروض داشت۔ یقیں کہ آن حضرت ہم عنایت و شفقت خاص بحالِ ایں دعا گوے داشتہ باشید بقیۃ المعروض آنکہ مقصود از سیر و سلوک وقطع مقاماتِ جذبہ و سلوک تحصیلِ مقام اخلاص است کہ مربوط بہ فنائے الٰہیہ آفاقی و انفسی است و ایں اخلاص جزوے است از اجزائے شریعت چہ شریعت راسہ جزو است علم و عمل و اخلاص۔ پس طریقت و حقیقت خادمِ شریعت اند در تکمیلِ جزوِ او کہ اخلاص است۔ حقیقتِ کار ایں است و فہمِ ہر کس بہ اینجانہ رسد اکثر عالم بہ خواب و خیال آرمیدہ اند و بہ جوز و مویز اکتفا نمودہ انداز کمالاتِ شریعت چہ دانند و بہ حقیقتِ طریقت وارسند۔ شریعت راپوست خیال می کنند و حقیقت رامغزمی دانند کہ حقیقتِ معاملہ چیست بترہاتِ صوفیہ مغرور اند و بحال و مقامات مفتون ہداہم اللہ تعالیٰ سبحانہٗ سواء الصراط جاذب الفقیر والامیر مشفق الصغیر والکبیر قاضی محمد منیر کہ وسیلہ ایں دعا گوے است بجِناب عالی متعالی بعضے مطالب معروض خواہند داشت توقع کہ جواب باصواب مرحمت شود صلاح آثار برادرِ گرامی حافظ مقصود علی از مدتے صحبتِ فقراء قیام دارد۔ امیدوارِ عنایات و الطافِ بادشاہانہ است والسلام اولاً و آخراً۔ (مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدر آباد، سندھ، ص ۷۵۔۷۶)

مکتوب شریف

۳

۵۸

حَامِدًاوَّمُصَلِیًاً. و مسلماً امابعد۔ احقر دعا گویان بہ عرضِ عالی متعالی می رساند کہ ازاں ہنگام کہ عنایت نامہ گرامی رسیدہ طرفہ بجتے بہ جنابِ آں صاحبِ عالم پیدا شد عنایات کہ دراں مندرج است شکرِ آں راچہ گونہ ادانماید توقع چناں است کہ از حاشیہ خاطرِ عاطر منسی نہ فرمایند واز دعا گویان وخیر خواہان دَارین تصور فرمایند۔ بہ مقتضاے ہواخواہی بعض خصایص ومزایا ایں طریقِ عالی کہ بنیادش نقشبند یہ است وبراں بنیادکوشکہا وعمارتہا بناساختہ اند معروض می دارد۔ بدانند طریقے کہ بزرگانِ مااختیار کردہ اند بدانیش از عالمِ امراست

مِنَ الُقَلُبِ وَالرُّوحِ وَالسِّرِّواتخفی وَالُاخفیٰ وحُصُوُلِ الُاَحُوَالِ الُمَوَاجِیُہِ وَالتَجلّیَاث الٰھی یَختَصُّ بِکُلِّ فَرُدٍ مِنُ ھٰذِہِ اللطائِفِ الُمَذُکُورِ ثُمَّ یصیر النفس مع توابعھا مضمحلا متلاشیا فانیا مستھلقا ثُمَّ یَنُشَرُحِ الصَّدُرُ حَقَّ الُاِنُشِرَاحِ ثُم یَحُصُلُ التَّصُفِیَۃُ وَالتَّزُکِیَۃُ لِلُعَالَمِ الُخلُقِ وَنفُیِ بِالُعَالَمِ الُخَلُقِ اللطائِفِ الُاَرُبَعَۃِ مِنَ الُھَوَاءِ وَالُمَاءِ والنَّارِوَالتُّرَابِ فَحِیُنَئِذٍ یُعَاملُ معہٗ مَایُعَامَلُ وَھٰذِہِ الُاَحُوَالِ لَایَتَبَسّرُ اِلَّا بِمُتَابِعَۃِ سَیّدِ الُاَوَّلِیُنَ والآخرین عَلَیُہِ وَعَلیٰٓ اٰلِہٖ مِنَ الصلوٰۃِ اَفُضَلِھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکُمَلِھَا. حقیقتِ کارایں است اما فہم ہر کس اینجانہ رسد اکثر عالم بہ خواب وخیال آرمیدہ اند وبجوز وموبز اکتفا نمودہ از کمالاتِ شریعت چہ دانند وبحقیقت وطریقت چہ وارسند شریعت راپوست خیال می کنند وحقیقتِ رامغزمی دانند۔ نمی دانند کہ حقیقت معاملہ چیست بہ ترہاتِ صوفیہ مغروراند وباحوال ومقامات مفتون ھَدَاھُمُ اللّٰہُ سُبُحَانَہٗ سَوَاءِ الصِّرَاطِ بخلاف ایں اکابر کہ بہ ظاہر وباطن بَرشریعت قدم راسخ دارند وازنص بہ فص نمی گرایند وازفتوحاتِ مدینہ بہ فتوحاتِ مکیہ التفات نمی نمایند آن تجلی ذاتی کہ دیگراں رابرقی است ایں بزرگواران راواہم است شہود وحدت رادرکثرت درقدمِ اول گذاشتہ بہ فوق الفوق شتافتہ اند نظرِ شان شافیِ امراض قلبیہ است وتوجہ شاں دافعِ عللِ معنویہ بیمن التفاتِ شان آں حاصل است کہ درجاہائے دیگر بہ عبادات وریاضات بدست نیاید۔ خوش گفت۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبتِ شاں
می برد وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را

وایضاً باید دانست کہ عمدہ در حصولِ مطالب ارجمند وحدانی التوجہ ساختن است خود را در خدمتِ شیخ کامل مکمل وفانی شدن است در و لہٰذا فرمودہ اند کہ فنا فی الشیخ مقدمۂ فنا فی اللہ سبحانہٗ رزقنا اللہُ سبحانہ، وَاِیَّاکُم شرباً مِّنْ ھٰذِہِ المعارِفِ وَالْاَسْرَارِ ۔

دادیم ترا زگنجِ مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

فضائل مآب برادرِ گرامی حافظ مقصود علی را بخدمتِ عالی فرستادہ شد یقین کہ عنایات والطافِ خاصہ شاملِ حالِ او خواہند مرعی داشت بعضے ادعیۂ ماثورہ واعمالِ مجربہ نظر بہ محض خیر خواہی داریں نمودہ مصحوب حافظ ارسال داشتہ بمطالعۂ خاص خواہد درآمدہ والسلام اولاً وآخراً۔

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدر آباد۔ سندھ۔ ص۔۸۱۔۸۳)

مکتوب شریف

نہم

۶۹

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْاَعْظَمُ مِنْ کُلِّ عَظِیْمٍ سُلْطَانُہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ الرَّفِیْعُ شَانُہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ الَّذِیْنَ اَنَا رُوْا بُرْھَانَہٗ۔ امابعد صحیفۂ شریفہ محبت انگیز وملاطفہ لطیفہ سعادت آمیز مصحوب حافظ مقصود علی درہنگامے کہ خاطر اخلاص مآثر اخبار خیریت اشتمال بود وصول صحت شمول نمود۔ للہِ الحمد کہ سیمائے اتحاد بہ فقرا از جبینِ آں پیدا وصورتِ وداد بہ ایں فرقۂ علیا از آئینۂ آں ہویدا بود ایں معنی مورث امیدواریہائے حصولِ کمالاتِ ظاہر وباطن موجبِ رجائے مزید سعادات صورت ومعنی گردید

ایمائے از تقید بہ اشتغال واستدعائے ہمت ازیں بے پروبال رفتہ بود۔ بزرگاں گفتہ اند کہ از مبدأ فیض تعطیل نیست ودر ہر لحظہ ابوابِ فیوض مفتوح۔۔ ع

فراغت از تو میسر نمی شود ما را

مراتبِ قبول وعدمِ آں بہ اندازۂ مدارجِ اقبال واعراض از جانبِ مستفیض است خوشا وقتِ ہوشیاری کہ بہ دوامِ اقبال موصوف بود ومدار بہ اضمحلال مشغوف رمزے از اشتیاق کہ بہ قلمِ محترم درآمدہ مانا کہ پرتو شوقِ ایں جانب بودہ ازیں طرف نیز قصہ اشتیاق برخوانند وحدیثِ نفیس

وَاِنَّ اِلَیْھِمْ لاشَدُّ شَوْقٌ بمطالعہ فرمایند۔ برادرِ دینی حافظ مقصود علی کہ از یارانِ مخصوص است از مہربانی گرامی رطب اللسان واز شفقتِ سامی غدب البیان رسید باعثِ ازدیاد توجہ ودعا گردید۔ دو کلمہ درباب مشارُ الیہ بہ سیادت پناہ میر مرتضیٰ نوشتہ شدہ یقیں کہ ہرگاہ میر مذکور معروض دارد بسمعِ اجابت مسموع خواہد گشت۔

والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ حیدرآباد، سندھ، ص۹۹۔۱۰۰)

مکتوب شریف

۱۲

۱۷۶

باسمہٖ سبحانہٗ۔ نور چشما حقایق آگاہا۔ مکتوبِ مرغوب کہ مشتمل براحوالِ بلند ومعارف ارجمند بودہ بمطالعہ درآمد وسبب لذاتِ معنویہ گردید ایں قسم دید اصل وامتیاز تعیناتِ ثلٰثہ وتفرقہ درمیان وصول قدمی ووصولِ نظری کہ تعلق بماوراء تعینِ حبی دارد از نوادرِ روزگار است خال خالے را ایں نوع جدتَ بصر مگر عطا فرماید ع۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ شکر آں بجا آرند وطالبِ زیادتی بودند لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ نص قاطع است

والسلام۔

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآباد (سندھ) ص۱۹۹۔۲۰۰)

مکتوبات شریف خواجہ سیف الدین بنام شہزادی اورنگ زیب، روشن آراء

☆

مکتوب شریف

۱

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ درو
یک دوکس یک دو نفس بہرِ خدا بنشیند

چندے از طالبانِ حق کہ در یک دگر فانی شدہ بنشیند مثمرِ برکاتِ عظیمہ است۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ بہ کمالِ عنایت خویش ایں دولت را بشما نصیب گردانید و ایں ہم اعجب تر آنکہ ایں قدر صحبت شمارا اثر پیدا شدہ کہ دیگرے ہم متفع تواند شد۔ چنانچہ از نوشتۂ دیروز بہ وضوح انجامید شکر آں را بجا آرید لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. مشائخِ ایں وقت کہ خود را بہ شیخی کشیدہ اند سالہا جان می کنند و چلہا می نشیند و ذکرِ جہری می کنند کہ یک لحظہ ذکرِ قلبی در یابند میسر نمی شود چہ جائے آنکہ دیگرے را از صحبتِ ایشاں حاصل شود۔ مشائخِ نقشبندیہ کہ ایں سلسلہ احمدیہ معصومیہ انتساب نہ دارند ہمیں حال دارند از سلاسلِ دیگر کہ قادریہ چشتیہ باشد چہ گوید ایں ہمہ شیوعِ ذکرِ قلبی در ابتداء از تصرفات حضرتِ ایشانِ ماست در اولیاے سابق ایں نوع کمتر بود دریں آوان خود مطلق رفتہ است وغیر از اسم و رسم چیزے دیگر نماندہ۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کہ از مشائخِ کبار بود بعد از شصت سال اورا دوام ذکر حاصل شدہ بود چنانچہ می فرماید۔

اوحدی شصت سال سختی دید
تا شبے روے نیک بختی دید
سال ومہ چوں ملک بسر گشتم
تا فلک وار دیدہ در گشتم
بر سرِ پاے چلہ داشتہ ام
نہ کہ از بہر رمہ داشتہ ام

از برون درمیانِ بازارم
و ز درون خلوتست بایارم

به‌ایں بیتِ آخراشارے به‌ذکرِ دوام می نماید ومراتبِ دیگر که فناءقلب وفنائے جذبه وفنائے نفس باشد ازیں دوام ذکر بمراتب بالا است چه ذکر دررنگِ الفٓ وباھسٓت که اطفال راتعلیم می نماید ع

قیاس کن زگلستانِ من بهارِمرا

نقشبندی که بطریقهٔ بزرگان ارتباط ندارد تلقین وشغل به مریدان کمترمی نمایند واگرمی فرمایند شروع از حبسِ دم وذکرِنفی واثبات می کنند وازقوتِ حبس بعداز مدتهایکان راحرکتِ قلب می شود وهمیں قسم مشائخِ قادریه اول ذکرِنفی واثبات کرده بعدازسالها به ذکرِقلب برسند طریقِ توجه وجذبه وتصرف مخصوص به حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔ لهٰذا بزرگانِ ماطالبے راکه درطریقهٔ قادریه مریدمی شود اسمِ ذات تلقین می فرمایند چه دراواخرهمه رابازگشت به‌ایں اسمِ مبارک است۔ امابعدازریاضتِ شاقه کسے راکه حق سبحانهٗ وتعالیٰ کمالِ تصرف عنایت فرموده است می تواند که طرفة العین القاءِذکروحضور به طالبِ صادق نماید۔ خوشترگفت ؎

یک لحظه عنایتِ تو اے بنده نواز
بهتر ز هزار سال تسبیح و نماز

این طریقهٔ علیه مشتمل به طریقِ احمدی است که جامع جمیع سلاسل است وخلاصه جمیع طریقها فی الحقیقت نسبتِ ایں طریقِ عالی هیچ طریقه مناسبت ندارد وازهمه بلند است۔ کمالِ عنایتِ خداوندی عزّشانهٗ که دریں طریق داخلَ ساخت وشوقِ سلوک ایں راه عنایت فرمود فَطُوبیٰ لَکُمْ وَبُشْریٰ. استفسارے ازفنائے نفس نموده بودند۔ بدانند که ذاتِ ممکن عدم است۔ وآنچه ازصفاتِ کمال ازوجود وسائر صفات ازسمع وبصر وقدرت وحیٰوة وکلام ارادات وغیرآں مستعار ومستفاد ازمرتبهٔ وجوب است وپرتوے است ازاں مرتبهٔ مقدسه مثلاً علمِ ممکن پرتوے است ازعلم الٰهی وظلِ است ازظلالِ آن علم وعلیٰ هٰذا القیاس صفات دیگرممکن به‌ایں قیاس عاریتے وبایں نمود بے بودخودراصاحب صفات بالاستقلال می داندوشرکت درصفاتِ خاصهٔ واجب الوجودمی نماید ودرامانت خیانت می کند۔

و صافیِ خود بزِعم حاسد تا کے
ترویج چنیں متاعِ کاسد تا کے
تو معدومی خیال از ہستیِ تو
باشد فاسد خیالِ فاسد تا کے

وچوں بکمالِ فضل می خواہند کہ بندہ را بہ قُربِ خویش بنوازند ایں معرفت اوراعطامی فرمایند تا اعراض ازخود واقبال بہ اصل می نماید ذاتِ خود را عدمِ صرف جماد بے حس وحرکت می بیند وآنچہ دروے تعبیہ کردہ اند بذوق می یابد کہ عاریت وامانت بیش نیست۔ مولوی رومی می فرمایند ؎

چوں بدانستی تو خود را از نخست
سوے آنحضرت نسب کردی درست
وانکہ دانستی کہ ظلِ کیستی
فارغی گر مُردی و گر زیستی

باید کہ ایں مراقبہ را نیک فہمیدہ ملاحظہ نمایند وصفات را از خود منتفی نمودہ حوالہ بہ اصل کنند درفناے جذبہ ہر چند سالک خود را گم می یابد اما صفاتِ بشریِ او ہنوز بر جا است بہ سبب غلبہَ جذب از نظر مستوری شوند بخلاف فناے حقیقی کہ بالا ذکر یافت۔ صفات از بیخ و بُن کندہ می شوند واثرے از وجودِ بشری نمی ماند للهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْد کہ فناے قلب وفناے جذبہ را خود خوب درک نمودہ نوشتہ اند۔ امید کہ ایں مراقبہ ہم بوجہِ احسن در ذہن قرار گیرد۔ فقیر در نوشتن تقصیر نہ کردہ نہایت کرمِ اوست تعالیٰ کہ غائبانہ کسبِ ایں کمالات نمودہ اند ومعاملہ بجاے رسیدہ است کہ دیگراں را از صحبتِ شما بہرہ برسد۔ درِحق سلاطین ایں قسم امور حکم عنقاے مغرب دارد ومعلوم نیست کہ تا حال درنسلِ بادشاہان خصوص در طائفہَ نساء باایں عنایات سرفراز شدہ باشد۔ ہرگاہ در فقرا ایں قسم امور نادر باشند از سلاطین چہ گفتہ آید۔ ایں ہمہ از کشش جذب ومحبت است کہ نصیبِ وقت شما است۔ والسلام۔

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآباد، سندھ۔ ص ۱۷۔۲۰)

مکتوب شریف

۲

۸

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

ہر ظل را بہ اصلِ خود شاہ راہے است و ہیچ خارے وخسکے درمیانِ شاں حائل نیست اگر خار وخسک است اعراضِ او از اصل و اقبالِ او بخود است۔ اَنْتَ الْغَمَامَۃُ عَلٰی النفُسکِ۔ ع

بامارِ سیہ نشیں و باخود منشیں

مراد از ظل ممکن است و مراد از اصل اسمِ الٰہی است جل شانہٗ کہ مربی سالک است چہ مقرر ایں طائفہ علیہ است کہ فردے را از افرادِ عالم اسمے است از اسمائے الٰہی جل شانہٗ کہ تربیتِ ظاہر و باطنِ او از اں اسم است و ہر چہ در آدمی نمودار است از وجود وصفات ہمہ مستفاد از اں اسم است وفنائے نفس عبارت از لحوقِ صفاتِ ممکن است بہ اصلِ او کہ آں اسم باشد۔ وچوں ایں دید عاریتے غالب می آید سالک وجود وصفاتِ خود را پرتوِ آں اسم می یابد وچوں بکمال می رسد جمیع صفاتِ خود را بہ اصلش می نماید وخود را بعدمِ صرف متحقق می شمرد۔ ایں زماں نہ از عارف تامے می ماند ونہ نشانے چہ ذاتِ او عدم بود وآنچہ او را دادہ بودند بطریقِ امانت بودہ چوں امانت بہ اہلِ آں رجوع کرد آنچہ ذاتی او بود بحال ماند این است بیان طریق فنائے نفس بہ طریق اجمال ہرچند دیر وز ہمیں قسمِ معارف نوشتہ شدہ لیکن برائے وضوح باز نوشتہ آمد نیک ملاحظہ نمایند۔ واگر در جائے شبہہ بماند باز استفسار نمایند۔ چہ تواں کرد عمدہ ایں کاروبار صحبت است غائبانہ فہمیدن ایں قسم امور بغایت مشکل است اما اللہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ کہ غیبتِ شما زیادہ از صحبتہائے دیگراں ست۔ آنچہ بشما دریں مدتِ قلیلہ غائبانہ دادہ اند بہ طالبانِ حضور بعد از مدتہائے شود۔ ایں ہمہ ثمرۂ خدمت گاری وخاکساری است کہ بہ فقرائے باب اللہ از شما بوقوع می آید۔ امیدوار باشند۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، حیدر آباد، سندھ، ص ۲۰۔۲۱)

مکتوب شریف

۳

۹

نوشتہ بودند کہ صفاتِ خودراصفاتِ حق می یابم ایں مقام معتبر است بوحدتِ وجود۔ وبس مقام عالی است۔ لیکن دریںجا دودقیقہ ایست یکے آنکہ سالک وجود وصفاتِ خودرا عین وجودِ حق سبحانہٗ می یابد دیگر آں کہ وجود وصفاتِ خودراپرتوِ وجود وصفاتِ حق می یابد نہ عین آن وتفرقہ دریں دو دار د دقیق است نیک ملاحظہ نمودہ بنویسند وآنچہ از احوال چندے کہ داخلِ طریق شدہ اند نوشتہ بودند کہ ذکرِ دل آنہا جاری است باید کہ الحال لطیفۂ روح رانشاں دہند وچوں ایں لطیفہ را خواب بفہمند مقامِ لطیفۂ اخفی راتعین نمایند ویکے از انہا چند مواقع روش کہ دیدہ بود بغایت عالی است احوالِ شما است کہ درآنہا منعکس گشتہ است نیک بحال آنہا مقید باشند۔ والسلام

(مکتوبات، سیفیہ، حیدرآباد، سندھ۔ ص ۲۱۔۲۲)

مکتوب شریف

۴

۱۰

لَہُ الْحَمْدُ۔ اہل اللہ بعد از فنا وبقا ہر چہ می بینند درخود می بینند وہر چہ می شناسند درخود می شناسند وحیرتِ ایشاں در وجودِ خود است وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ باید کہ نیک بحالِ خود تفکر نمایند وبہ تکرار کلمۂ طیبہ لَااِلٰـہَ اِلَّا اللہُ جمیع مقاصد ومرادات نفی نمودہ اثبات معبود بحق نمایند وصفات وافعالِ خودرا بہ اصلِ آں حوالہ کردہ متخلق بہ اخلاق الٰہی عزشانہٗ گردند وچوں این ہر دو کمال کہ مشائخ دیگر کمال گفتہ بہ انجام برسد شروع سیر در ولایتِ کبرٰی کہ ولایتِ انبیاء است علیہم الصلوٰۃ وَالتسلیمات می شود۔ وایں ولایتِ کبرٰی در اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شایع بود بعد از زمانِ اصحاب رو بہ استتار آوردہ ودریں ہزار سال بر اولیاے امت مختفی ماندہ تا آنکہ نوبت بہ حضرتِ ایشان مارسید حضرت حق سبحانہٗ درایں معمار ابر آن حضرت کشود وچوں ولایت بہ انجامی رسد ولایتِ دیگر کہ آن را ولایت علیا خوانند ظاہر می شود واین ولایت تعلق بملائکہ کرام علٰی نبینا وعلیہم

الصلوٰۃ والتسلیمات دارد۔ واز گذشتِ ایں ولایت کمالاتِ نبوت و رسالت جلوہ گرمی شوند واز گذشتِ آں معاملہ دیگر بسیار است۔ آرزوے فقیر آں است کہ حق سبحانہٗ از جمیع ایں کمالاتِ شمارا بہرہ ور گرداند۔

بس کنم خود زیر کان را این بس ات
بانگ دوکردم اگر درده کس است

وجماعتہ را کہ داخلِ طریق ساختہ اند بحالِ شاں متقید باشند وذکرِ لطائفِ ثلٰثہ وذکرِ نفی اثبات تعلیم شاں کنند و دریں باب تکاسل نہ ورزند۔

اَین دم کہ تراست بادہ در جوش
از خشک لباں مکن فراموش

وکسانِ دیگر ہم کہ شوق طریق داشتہ باشند ذکر را تلقین نمایند وحلقۂ ذکر و مشغولی را سرگرم دارند، والسلام۔

(مکتوبات سیفیہ، حیدرآباد، سندھ، ص۲۲۔۲۳)

مکتوب شریف

۵

۱۱

لَـہُ الْـحَـمْـد۔ نوشتہ بودند کہ درعینِ مراقبہ روشنائی سہ مرتبہ از جانبِ دست راست درنظر آمد کہ گویا شمع روشن شدہ وہماں وقت بخاطر قرار شد کہ ایں نور پرتوے از صفاتِ الٰہی است عز شانہٗ، وگرم شد چنانچہ درحمام کسی گرم شود شکرِ قادرِ بے ہمتا بجا آوردم۔ مطالعۂ این احوال خیلے خوش وقت ساخت می تواند کہ ایں نور عبارت از ظہور اسمِ الٰہی باشد کہ مربی سالک است وفنا وبقا عبارت از لحوق بہ آں اسم است اللہ سبحانہٗ الحمد کہ موافق یافت ایں فقیر بشما نیز معلوم ساختند شب اول اعتکاف کہ بجمعے ہمراہ نشستہ انوار و برکات بسیار ظاہر شدہ بود۔ وخاطرِ ایں حقیر بجانبِ شما توجہ خاص داشتہ ومعلوم می شد کہ حظ وافر ازیں برکات نصیب شما ہم شدہ چنانچہ فقیر نوشتہ بود کہ درعنایات ایں اعتکاف بشما شریک آید وتا حال ہم ہرگاہ واردے روے می دہد شما بخاطر می خلید و آرزو می شود کہ بشما ہم بہرہ برسد خصوص امشب آں قدر دعا و توجہ درحق شما نمودہ شدہ است کہ چہ نویسد۔ امید است کہ بمرورِ ایام آثارِ آں ظہور نمایند۔ والسلام

(مکتوبات، سیفیہ، حیدرآباد، سندھ، ص۲۳۔۲۴)

مکتوب شریف

۶

۱۲

آنچہ از تصفیہ عناصرِ اربعہ نوشتہ بودند بہ وضوح انجامید و سببِ مسرت گردید۔ بدانند کہ ایں مقام مخصوص بملائکہ عظام است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و مسمیٰ است بہ ولایتِ علیا۔ و دریں مقام ذات عزّ شانہٗ در پردہ صفات متجلیٰ می گردد و چوں ملائکہ عظام بہ کمالِ عصمت موصوف اند و از جمیع گناہاں محفوظ سالک را باید کہ بہ کمالِ استقامت متصف شود تا از برکاتِ ایں ولایت حظّ وافر حاصل نماید۔ علامت صحتِ احوال ہمیں استقامت بر سرِ شریعت است ہر کہ در استقامت بیش، در معرفت بیش۔ ایں سر رشتہ را نیک نگاہ داشتہ زندگانی نمایند۔ اگر از احوال و مقاماتِ عالم عالم بدہند و در استقامت قدمِ راسخ عطانہ فرمایند خرابیِ خود را دراں باید دانست و استدراج باید انگاشت و اگر استقامتِ تام بر اوضاع شریعت عنایت فرمایند و از احوال و مواجید ہیچ ظاہر نہ شود غم نہ باید خورد۔ آرے احوال و مواجید چون بہ استقامت جمع شود نورٌ علیٰ نور است و آنچہ از احوالِ جماعتہ کہ داخلِ طریق شدہ اند از درک نمودن بعضے فنائے نفس را و بعضے دیگر فنائے قلب را و برخے سلطانِ ذکر را و طائفہ ذکرِ نفی و اثبات و ذکر لطائف ہمہ معلوم گردید و موجب ازدیادِ شکر گردید لیکن باید کہ منظورِ نظر احوالِ خود باشد و حرکات و سکناتِ خود منظور بود۔ مبادا مشاہدۂ احوال مریداں در عُجب انداز د کہ سمِ قاتل است و ترقیاتِ مریداں باید کہ سببِ انفعال و خجلت باشد و خود را لائقِ ایں معنی نداند و ہمیشہ خود را در جرگہ مبتدیان، دانستہ طلب زیادتی باید۔

ہنوز ایوانِ استغناء بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

والسلام اولاً آخراً۔

(مکتوباتِ سیفیہ، حیدر آباد، سندھ۔ ص ۲۴۔ ۲۵)

مکتوب شریف

۷

۲۴

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا۔ مکتوب شریف کہ مشتمل براحوالِ شما و مریدانِ شما بودہ رسیدہ سببِ لذاتِ معنویہ گردید۔۔ ع

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

آنچہ از حصولِ ولایتِ کبریٰ و یافتن ذات وصفات او سبحانہٗ نزدیک تر از ذات وصفاتِ خود نوشتہ بودند بہ وضوح انجامید۔ شکر ایں دولتِ عظمیٰ بجا آرند لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ ایں ولایتِ عظیم الشان ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات است۔ حضرتِ ایشاں مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ اظہارِ آں مخصوص گشتہ اند۔ و دریں ہزار سال ہیچ یکے از اولیاء اللہ تکلم نہ نمودہ در زمانِ اصحاب شیوع داشت۔ در تبع تابعین ہم پرتو افگندہ بود و بعد ازاں رو بہ استتار آوردہ ولایتِ صغریٰ کہ عبارت از فنا و بقا باشد ظہور تمام داشت تا آنکہ نوبت بحضرتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رسیدہ و ایں معمہ را براں حضرت کشودند و حال آنکہ ایں ولایت شروع کار آں حضرت است۔ چہ بعد از تمامی ایں ولایتِ علیا است کہ ولایتِ ملائکہ عظام است علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و از گذشتِ آں کمالاتِ نبوت و رسالت است و بعد ازاں کاروبار بہ حقیقتِ کعبۂ ربانی می افتد و فوقِ آں حقیقتِ قرآن مجید و بلند تر ازاں حقیقتِ صلوٰۃ است و بعد ازاں حقیقۃ الحقائق کہ عبارت حقیقتِ محمدی ست جلوہ گری شود۔ و اسرارِ مقطعات و متشابہاتِ قرآنی منکشف می گردد و اسرارِ محبوبیت درمیان می آرند این است بیان طریقتے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرتِ ایشانِ ما را بہ آں طریق ممتاز ساختہ است از بدایت تا نہایت بنیادش نسبتِ نقشبندیہ است۔ بریں بنیاد کوشکہا و عمارتہا ساختند۔ تخم از بخارا و سمرقند آوردہ درزمینِ ہند کہ مایہ اش از خاکِ یثرب و بطحیٰ است کشتند و بہ آبِ فضل سالہا آں را سیراب داشتند و بہ تربیتِ احسان مربی ساختند چوں آن کشت و کار بہ کمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشید۔ باید دانست کہ سلوکِ ایں طریقِ عالی مربوط است بہ رابطۂ محبت کہ شیخ مقتدا کہ بہ سیرِ محبوبی بہ ایں راہ رفتہ باشد و بہ قوتِ انجذاب بہ ایں کمال منصبغ گشتہ نظرِ او شافیِ امراضِ قلبیہ است

وتوجہِ اودافعِ عللِ معنویہ۔ صاحبِ ایں کمالات امامِ وقت است وخلفیۂ روزگار اقطاب وبدلا بہ ظلالِ مقاماتِ او خورسند اندواوتادونجبا از بحارِ کمالاتِ اوبہ قطرہ قانع۔ نورہدایت وارشادِ اودررنگِ نورآفتاب بے خواستِ اوبرہمہ کس فائض است۔ فلیف کہ بخواہد۔ وایں کمالات کہ بہ تفصیل ذکر یافتند درصحبتِ خیرالبشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت بہ مجردایمان آوردن بہ اصحاب آں حضرت علیہ السلام می رسیدند وہر کہ یک بار بہ شرفِ صحبت اوعلیہ الصلوٰۃ والسلام مشرف می شداز جمیع کمالات بہرہ ورمی گردید۔ بعدازز مانِ آں سرورعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایں کمالات مختفی شدند وکمالاتِ فناوبقا ومعارفِ توحیدِ وجود وغیرآں کہ حاصل ِولایت صغرٰی است شیوع پیدا کردہ بودندتا آنکہ حضرت حق سبحانہٗ ہمچنیں عارفے کاملے رابرانگیخت وازسرِ نوآں کمالات جلوہ گرشدند۔ جماعت کہ بہ شرفِ صحبتِ حضرت مجدد الف ثانی وحضرتِ ایشان مشرف شدندازیں کمالات حِظ وافرگرفتندحق سبحانہ ایں فقیررادراں جماعۃ محشوردارادودرکفش گاہِ محبانِ آں حضرت داخل گرداناد۔ وباید کہ ایں چندسطررابہ اتفاق عصمت مآب خانم جیودبی بی حافظہ بخوانندتاازکمالاتِ پیرانِ خودآگاہ گردندوجمیع اہلِ طریقہ رابشنوانندکہ سبب مزیداعتقادگردد۔ واحوالِ جماعۃ کہ داخلِ طریق شدہ بہ تفصیل نوشتہ بودند۔ ہمہ بہ وضوح انجامیدوسببِ امیدواریہاگردید جمعے راکہ ذکرلطائف شدہ است طریق ذکرِ سلطانی رانشان دہند۔ وجمعے کہ ذکرسلطان ونفی اثبات گرفتہ اندطریقِ فنائے قلب رانشان دہند بالجملہ بہ احوالِ طالبان خوب مقید باشندخصوص ہمشیرہ دینی خیرالنساخیلے رشیدہ ومستعدمی نماید۔ آنچہ ازاحوال وقائع نوشتہ ہمہ معلوم گردیدایں قسم طالبان مغتنم اند۔ وہمشیرہ بی بی حافظہ خوب استعداددارد بحال اومقید باشندواز احوالِ خودوجماعۃ کہ داخلِ طریق اندہمیں طریق می نوشتہ باشندکہ سببِ توجہات غائبانہ است۔ والسلام

(مکتوبات، سیفیہ، حیدرآباد، سندھ۔ ص۔ ۴۱۔ ۴۴)

مکتوب شریف

۸

۴۳

لَهُ الْحَمْدُ فَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

وسعتِ سینہ کہ درولایتِ کبرٰی معلوم شود دلالت برشرحِ صدردارد۔ وایں شرحِ صدر منتہاے ایں ولایت است۔ وفوقِ ایں ولایتِ ملائکہ عظام است۔ وآنچہ ظاہرشدن فرشتہا وحوران درمراقبہ

نوشتہ بودند احتمال دارد کہ نظرے بمقام فرشتہا افتادہ باشد۔ فقیر دریں باب خیلے مقید است۔ امیدوار است کہ مشتری ازاں ولایت بہ شما عطا فرمایند آنچہ باز بینند آگاہ سازند۔ ومعلوم نمودن بالیدگی ہیچ ضرو نیست وقت تحقق بقا باللہ بعضے را ظاہر می شود وبعضے نہ می شود ومعاملۂ شما الحال فوقِ فنا وبقا است۔ والسلام

(مکتوبات، سیفیہ، حیدرآباد، سندھ، ص۔۵۴)

مکتوب شریف

۹

۴۶

حامدًا ومصلیاً۔ نوشتہ بودند کہ در بیداری چشمِ خود را گم می یابد وصفات را از خود جدا می بیند وپرتوِ صفاتِ حق می یابد۔ بغایت اصیل است چہ معتبر در فنا ہماں است کہ در یقظہ وبیداری خود را معدوم بیند وہمچنیں ست در سائرِ احوال بعضے مردم بہ خواب وخیال آرمیدہ اند واز حقیقتِ معاملہ غافل اند۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

صفاتِ خود را پرتو صفاتِ حق یافتن علامتِ تجلی صفات است وفناء لطیفہ روح از ظہورِ صفاتِ الٰہی عزشانہٗ حاصل میشود وبسیار خواب فہمیدہ۔ ایں مراقبہ را نوشتہ اند واز لطافتِ استعدادِ شما خبر می دہند جمعے کہ صفاتِ خود را عین صفاتِ حق می یابند وبہ وحدتِ وجود قائل اند تفرقہ میانِ ظل واصل نمی توانند کرد وظل را عین اصل می دانند۔ چنانچہ مختار شیخ محی الدین عربی است ومنصور حلاج وبایزید بسطامی دریں مقام گذشتہ اند۔ وآنچہ نوشتہ بودند کہ ایں دید موافق فرمودہ حضرتِ ایشان است الحق ہمیں طور است چہ نزدِ آں حضرت افراد عالم مظہرِ اسماء وصفات اند۔ وظلالِ آں مرتبۂ مقدسہ ایں دید بغایت عالی است واز مقامِ وحدت وجود بلند است چہ محبوسان مقامِ وحدت از کمالات کہ فوقِ ایں مقام اند محروم اند وائے اگر بہ شیخ کامل نہ رسند وبند ایں مقام باشند حضرتِ ایشانِ ما قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس طالبانے را کہ کشفِ توحید وجودی می شد بتصرف ازاں مقام درمی گزرانیدند وآنچہ در کتابِ رشحات از خواجہ عبدالخالق نقل می کنند کہ اگر یکے از فرزندانِ من دراں وقت بودے منصور را ازاں مقام گذرانیدے موافق مذاق حضرتِ ایشانِ ماست للہ سُبحانہٗ الحمد شما را ہم مدتِ قلیلہ دریں مقام داشتہ متوجہ فوق ساختند۔ چنانچہ در یکے از نوشتہا شما کہ سابق نوشتہ بودند کہ من صفاتِ

خودراعین صفاتِ حق می یابم معلوم شده بود۔ شکر بجا آرند کہ از کوچہ تنگ توحید برآمدہ بہ شاہراہ افتادید۔ مشائخ بسیار درہمیں مقام رفتہ اند دریں راہ غیب الغیب بے تصرف پیرِ کامل راہ رفتن بغایت دشوار است۔ مقامِ شیخی سخت مقامے است عالی وکار ہر بے سرو برگے نیست۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

دآنچہ ازاحوالِ جماعتہ کہ داخلِ طریق شدہ اند نوشتہ بودند بہ مطالعۂ آن سبب خوش وقتی ہا گردید۔ ودیگر آنچہ نوشتہ بودند کہ بعضے ازآنہا درمراقبہ چیز ہا مشاہدہ می نمایند بغایت عالی است خصوص احوالِ حافظہ فاطمہ کہ درمشغولی خودرانمی بیند ظاہر پرتوے ازفنابہ طریقِ انعکاس ازباطنِ شمابوے رسیدہ۔ وبحالِ اوبیشتر مقید باشند۔ والسلام

(مکتوبات، سیفیہ، حیدرآباد، سندھ، ص۶۴۔۶۶)

مکتوب شریف

۱۰

۶۲

صحیفۂ شریفہ کہ متضمن واردعالی بودہ رسیدہ مطالعۂ آں سبب لذاتِ معنویہ گردید۔ الحمدللہ سبحانہ، کہ درانوارو برکات کہ درحضرتِ دارالارشاد فائض ووارد اند شریک می باشید وہموارہ ازراہِ محبت معنویہ ہمراہید۔ وآنچہ نگارش یافتہ بود کہ درتصفیۂ عناصر بودم نورے ظاہر شدمی تواند کہ ایں نوراز حقیقتِ کعبۂ ربانی منعکس گشتہ باشد۔ چنانچہ سابق ایماے بہ ایں معنی رفتہ بودوتوجہ غائبانہ دریں امرمعروف نمود۔ حمد اللہ سبحانہ، کہ پرتوے ازانوارِکعبہ درباطن تافتہ اگرچہ بہ طریقِ انعکاس باشد نعمتے است عظمیٰ، تصفیۂ عناصر خصوص تصفیہ خاک رادخل تمام است درظہورِ آں نورصرف۔ وچوں این تزکیہ وتصفیۂ بحدِ کمال خواہد رسید امیدست کہ اصالتۂ آں نسبت ظہور فرماید، امیدوار باشند واوقات رابہ ذکروفکر معمور دارند۔ دایں حقیر رابہ توجہاتِ غائبانہ ممدومعاون دانند۔ شب چہارشنبہ باجمعے ازدرویشان درمسجد معتکف شدیم۔ خیمہ کہ فرستادہ بودید بہ وقت رسید سہ چوبہ دراوشے رادرصحن مسجد استادہ کردہ فقرابہ آسودگی بسرمی برند وبدعاے خیریت شمارطب اللسان اند۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدرآباد، سندھ، ص۸۷۔۸۸)

مکتوب شریف

۱۱

۷۷

صحیفۂ شریفہ دراسعد آنات ورود بہجت آمود فرمود تشریف بردن بہ حویلی جدید باواردات ومکاشفاتِ فازہ مبارک باشد آنچہ از فیوض وبرکات آں مکان برکات نشان مرقوم قلمِ محترم بود باعثِ لذاتِ معنویہ گردید زَادَالـمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہُ شَوْقًا وَذَوْقًا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرمودہ اند کہ ہر سرزمیں رافیض علیحدہ است وہر جاے راخاصیت جدا لِکُلِّ اَرْضٍ حِصَّۃٌ وَلِسَا کِنِھَا حِصَّۃٌ زمینے مناسبت بفناء دارد وبقعۂ ملائمت بہ بقا۔ ع

ہر خوش بسرے را حرکاتے دگر است

حضرت پیرِ دستگیرِ مارضی اللہ تعالیٰ عنہ در بعضے مکاتیب از مکتوباتِ قدسی آیات برنگاشتہ اند کہ حضرت مجدد الف ثانی درہنگامے کہ بہ تقریبے بہ لاہور تشریف بردہ بودند اول در حویلی شخصے فرود آمدند معارفِ فنا درانجا فائض شد وبعضے مکاتیب معاملاتِ فنا درہماں جا بہ قلمِ محترم درآمد۔ چوں آں حویلی کہنہ بود بہ حویلی دیگر کہ در محلّہ دیگر بود انتقال فرمودند وپیش از انتقال برزبانِ الہام ترجمان آوردند کہ دراںَ حویلی معارفِ بقا فائز خواہد گشت وبعد از انتقال ہمچناں واقع شد وبعضے مکاتیب مشتمل بر معارفِ بقا ہمانجا محرر گردید ونیز برنگاشتہ اند کہ حضرت مجدد الف ثانی برکات وانوار خانہاے خود وخانہاے کہ ہمسایہ بودند بیان می فرمودند ودر ہر منزل وقریہ کہ می فرا آمدند حقائقِ آں منازل وقرٰی برآں حضرت منکشف می گشت حقایق بعضے مومن وحقایق بعضے کافر وقریۂ کافرہ را بہ ایمان دعوت می کردند۔ ایں مکاشفہ از خصائصِ خاصہ آں حضرت است رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہور ایں وارداز غرائب روزگار است سجداتِ شکر انکشاف ایں معنی درجنابِ قدس خداوندی جل سلطانہ بتقدیم رسانید وخواہاں مزید بر مزید باشید لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ ۔ ودہزار روپیہ نیاز وہدایاے متعددہ دیگر بہ واسطہ بی بی جیو وفقیرزادہا موافق فرد علیحدہ خصوص قرآن مجید ورحل کہ ہر دو غیر مکرر وتحفہ اند فرستادہ بودند رسید وسبب خوش وقتیہا گردید۔ والسلام

(مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ، حیدرآباد، سندھ، ص ۱۱۵۔۱۱۶)

☆……☆……☆

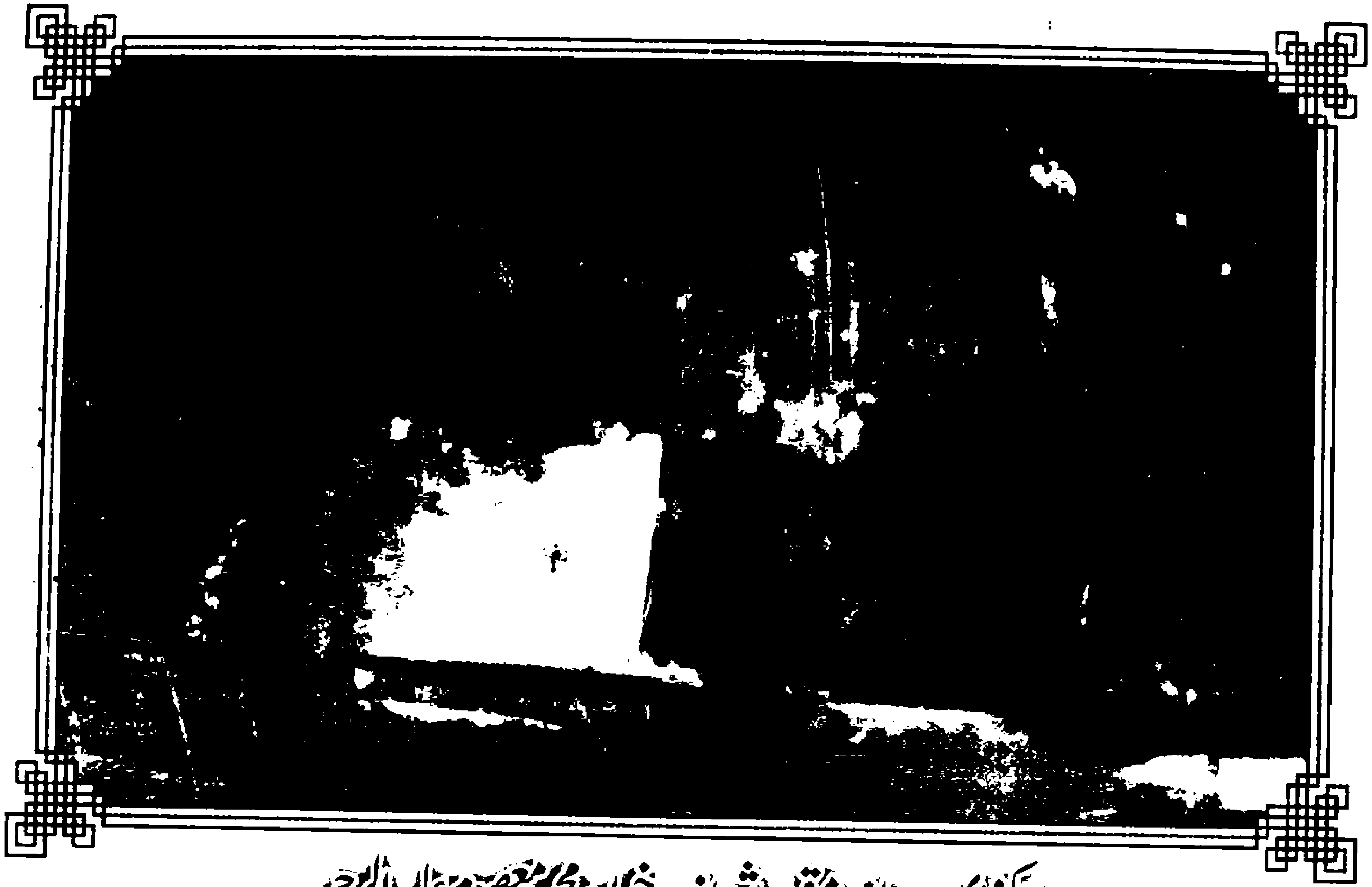

مرکزی دروازہ مقبرہ شریف خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ

سرھند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت

قبر انور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ

سرہند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت

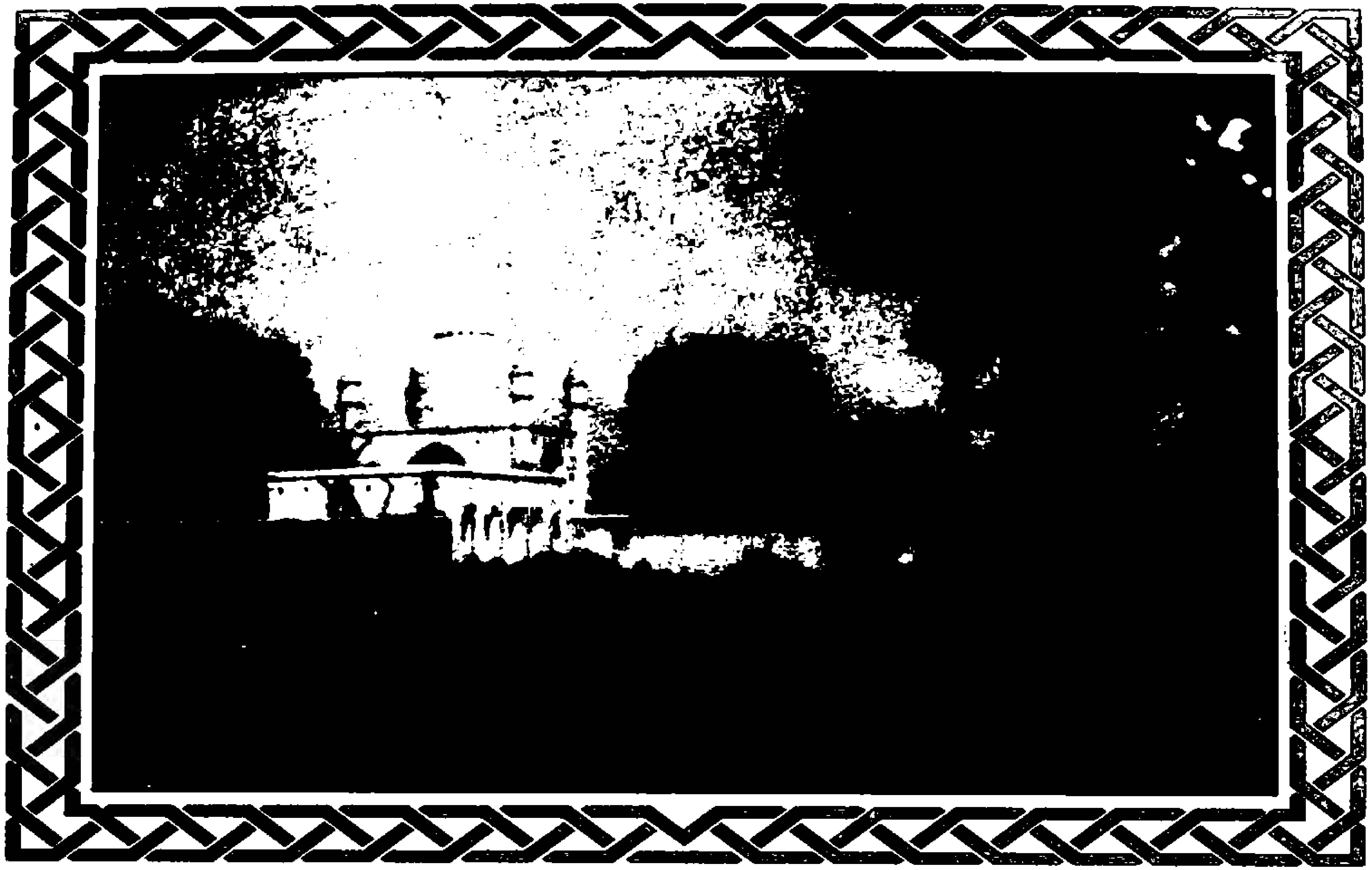

مقبرہ شریف حضرت خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ

شہزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ سرہند شریف۔ پنجاب۔ بھارت

مقبرہ شریف حضرت شیخ سیف الدین علیہ الرحمہ

سرھند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت

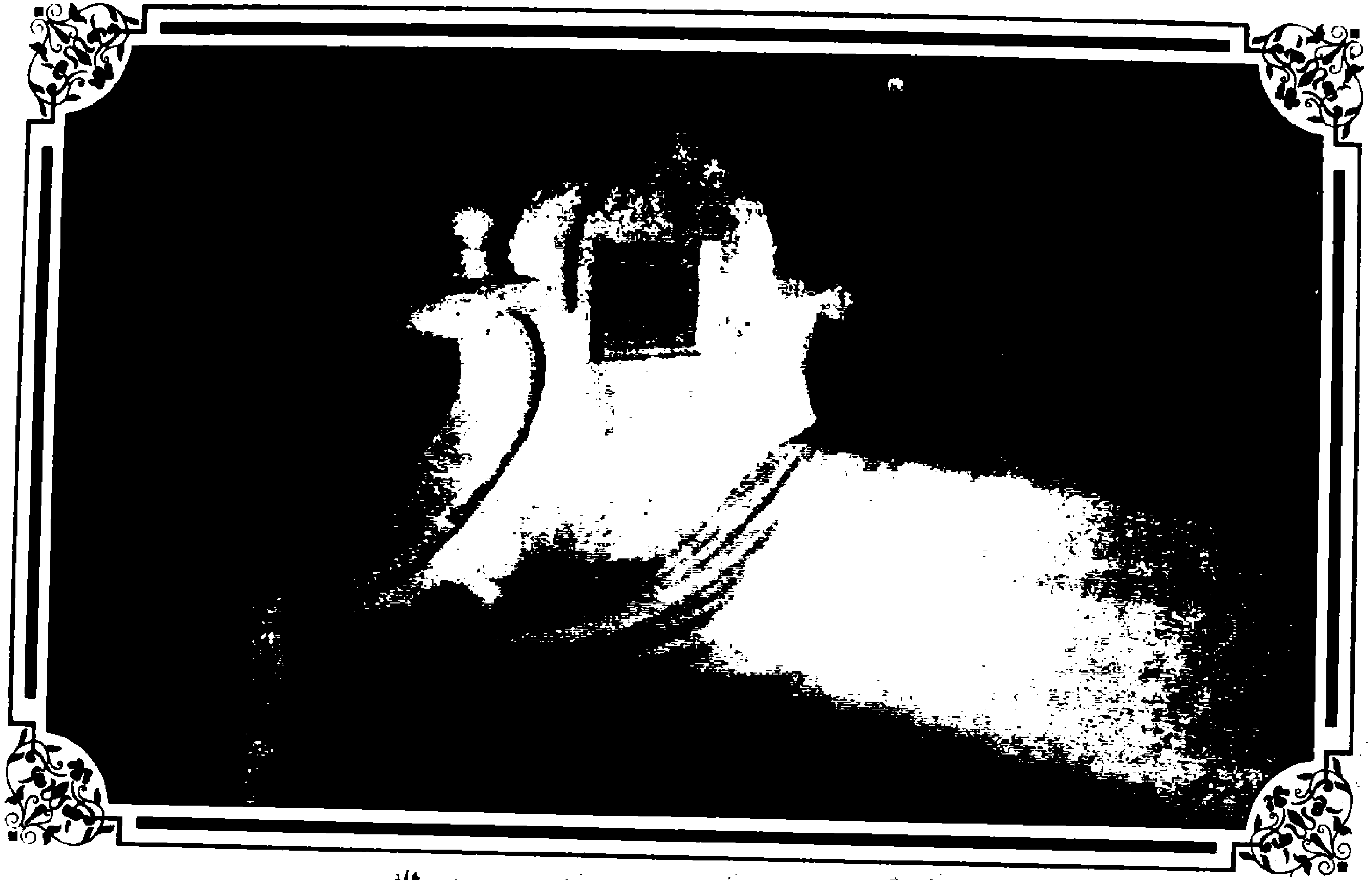

مزارِ پُرانوار حضرت خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ

شہزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ سرھند شریف، مشرقی پنجاب۔ بھارت

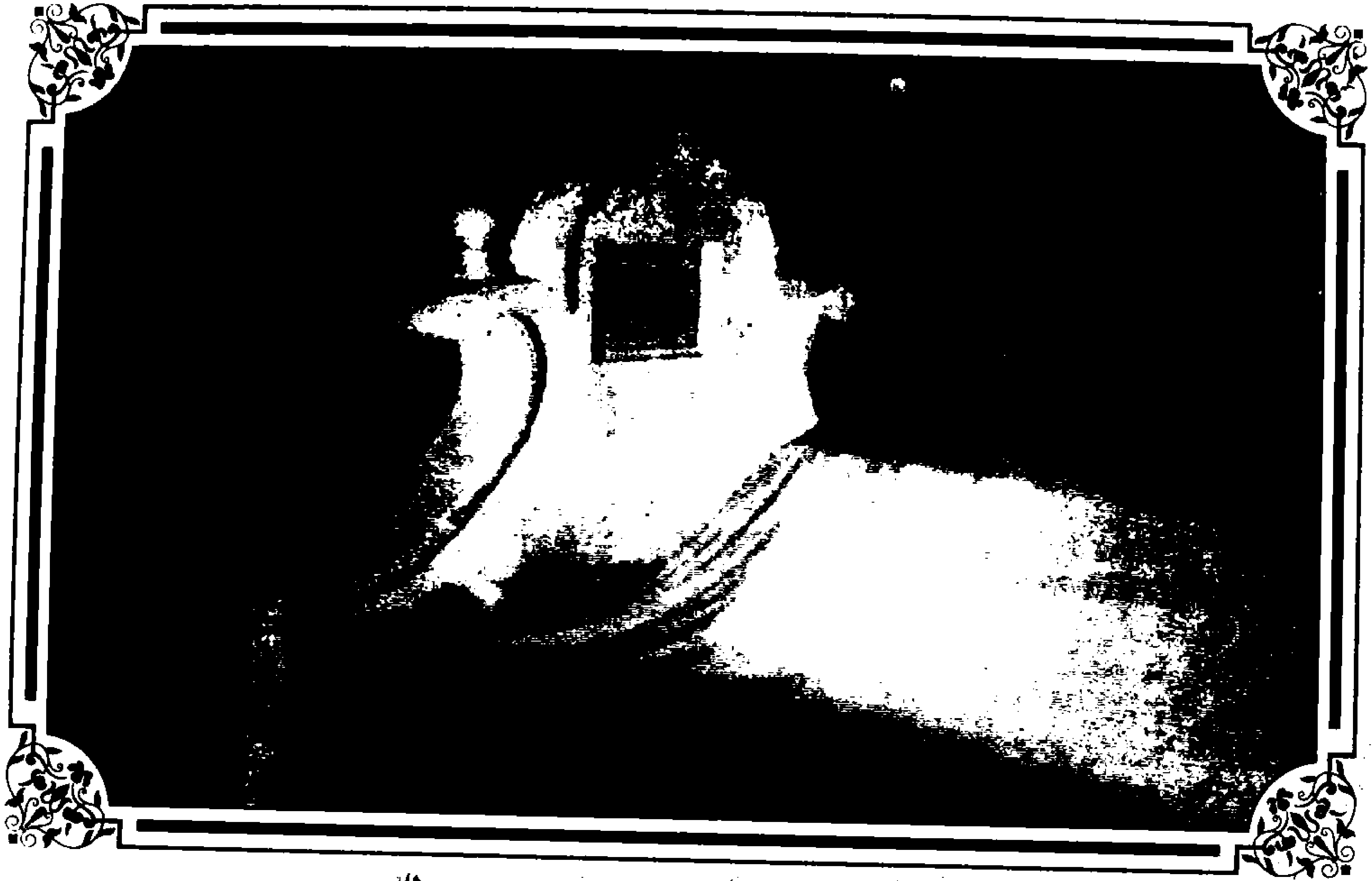

مزار پُرانوار حضرت خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ

شہزادہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ سرہند شریف، مشرقی پنجاب۔ بھارت

Grave of Roshan Ara Begum

قبر شہزادی روشن آرا بیگم۔ دھلی

Grave of Roshan Ara Begum

قبر شہزادی روشن آرا بیگم دھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرۂ خلفائے مجدد الف ثانی

مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی امروہوی

☆☆

یہ مضمون چوں کہ مجلاتی ہے اس لیے اختصار پیش نظر رکھا گیا ہے اور چند خلفاء کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ خلفائے مجددیہ میں سے ہر ایک کے متعلق ایک مستقل کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ (مرتبین)

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند — کہ ہرند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبداز حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

۱...... خواجہ محمد صادق

آپ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۱۰۰۰ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے صدق وصفا کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

آپ کے جدامجد حضرت شیخ عبدالاحد علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا۔ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ

> تمہارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق و معارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے۔

جب حضرت ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے تو یہ صاحبزادے بھی ہمراہ تھے، اور یہ بھی حضرت خواجہ کی نظر قبولیت میں آ کر ذکر، مراقبہ اور جذبہ و نسبت سے مشرف ہوگئے۔ آپ کو باوجود صغرسنی کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلے میں پیش فرماتے تھے' اور اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہفت سالہ بچہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ سے راہ سلوک میں قدم رکھا ہے بہت آگے نکل چکا ہے، اتنی سی عمر میں استغراق کا حد درجہ غلبہ تھا' حتیٰ کہ حضرت خواجہ نے تخفیف کی غرض سے آپ کو بازار کا کھانا کھلایا تا کہ اس کے اثر سے یہ زیادتی رفع ہو۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> (خواجہ محمد صادق) آٹھ سال میں اس قدر مغلوب حال ہوگئے تھے کہ ہمارے حضرت خواجہ صاحب یہ کیفیت زائل کرنے کے لیے بازار کا کھانا جو کہ مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے دیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ

> جس قدر مجھ کو محمد صادق سے محبت ہے اور کسی سے نہیں اور انہیں بھی جتنی مجھ سے محبت ہے کسی سے نہیں۔

اسی عمر میں کشفِ قبور کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواجہ ان کے کشف پر اعتماد فرماتے تھے اور ان کو مقبروں میں اپنے ساتھ لیجاتے تھے۔

حضرت خواجہ نے جس جماعت کو تربیت باطنی کے لیے حضرت مجدد کے سپرد فرمایا تھا، اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے فیضِ تربیت سے مرتبۂ کمال و اکمال کو پہنچے اور **الولد سرّ لابیہ** کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے، سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ صغرسنی سے ہی اس غلبہ کے باوجود دینی تعلیم سے بھی فراغت حاصل کی اور علومِ نقلیہ و عقلیہ میں ماہر ہوئے، بعد حصولِ علم، تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔

افسوس کہ عمر بہت کم پائی یعنی ۲۴ سال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے، ان کی وفات کے بعد حضرت ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

> فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رحمت تھے، چوبیس ۲۴ سال کی عمر میں وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا۔

> علومِ نقلیہ وعقلیہ کے درس وتدریس کو بحد کمال پہنچا دیا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی وشرح مواقف اور اسی قسم کی انتہائی انتہائی کتابیں پڑھاتے ہیں۔

عقلی ونقلی مسائل علیہ میں آپ کی قوتِ مدرکہ کا یہ حال تھا کہ شیراز کے ایک زبردست معقولی فاضل سے اپنے ذہن خداداد کا لوہا منوالیا تھا، فنا کے آثار اور عیشِ دنیا سے عدم تعلق کا اظہار آپ کے چہرہ سے ہوتا تھا بلکہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا، چنانچہ بعض رؤسا آپ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد کہا کرتے تھے کہ جیسے ہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں ہمارا دل دنیا سے سرد ہوجاتا ہے...... ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسایہ کے متعلق صاحبزادہ مذکور کے سامنے زبانِ شکایت کھولی اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ ”اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہ فرمادیں تو اچھا ہو“ مخدوم زادہ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ ”اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں تو ہم میں اور اہل رسم میں کیا فرق رہے گا“۔ ان درویش کا بیان ہے کہ یہ بات زبانِ مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گزارش وشکایت پر پشیمان ونادم ہوا اور ہمسایوں کی طرف سے دل میں جو کینہ تھا وہ جاتا رہا۔“

حضرت نے مکتوبات شریفہ میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں، ایک جگہ اپنے ”معارف کا مجموعہ“ تحریر فرمایا ہے۔ ایک مقام پر ”نسخہ مقامات جذبہ وسلوک“ قرار دیا ہے، مکتوب نمبر ۳۱۱ دفتر اول میں آپ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے...... اس فقیر (خود حضرت مجدد) نے ولایتِ موسوی سے جو کچھ استفادہ کیا ہے وہ اجمالی ہے' اور میرے بڑے لڑکے (خواجہ محمد صادق) کا استفادہ تفصیلی ہے، یوں سمجھو کہ فقیر ولایتِ موسوی سے مومن آل فرعون (جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے) کی طرح مستفید ہے اور فرزند علیہ الرحمۃ ولایتِ موسوی سے ساحرین فرعون کی مانند مستفید ہے جو ایمان لے آئے تھے (اور جن کا مشاہدہ مومن آل فرعون کے مقابلہ میں تفصیلی تھا)

حضرت مخدوم زادہ کا وصال سرھند شریف ہی میں بعارضہ طاعون بتاریخ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بروز دوشنبہ واقع ہوا۔ ”دوشنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ“ ان الفاظ سے بھی تاریخ وفات نکل آتی ہے۔

۲......خواجہ محمد سعید

آپ ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بچپن ہی سے صلاح وتقویٰ کا پیکر تھے۔ خود حضرت علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے۔

غلبۂ ضعف کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) کو چاہتا ہوں، میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اچک لی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے حضرت علیہ الرحمۃ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں:

> فرزندانِ ایشاں کہ اطفال اسرار الٰہی اند استعداد ہائے عجب دارند
> بالجملہ شجرہ طیبہ اندر **انبتها الله نباتا حسنا**
>
> ترجمہ: ان کے (حضرت مجدد الف ثانی) کے تمام فرزند اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں، اور عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں اللہ تعالیٰ پروان چڑھائے۔

آپ جب سنِ تمیز کو پہنچے، علوم ظاہریہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ کچھ تعلیم اپنے والد بزرگوار سے، کچھ اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے حاصل کی۔ حتیٰ کہ تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی اور تحصیل علم کے زمانے میں ہی حضرت کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے ۱۷۔۱۸ سال کی عمر سے درس دینا شروع کیا اور معقول ومنقول کی مشکل مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے، انہیں میں سے "تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح" بھی ہے، فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے، ایک موقع پر سجدہ تحیہ کے جواز وعدمِ جواز پر مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ میں ایک طرف اس زمانہ کے بہت سے مولوی صاحبان تھے اور دوسری طرف آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد معصوم۔ دونوں بھائیوں نے اپنی قوت علمیہ کے وہ جوہر دکھلائے کہ اہلِ علم متحیر اور حاضرینِ مجلس ششدر رہ گئے، صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب محمد صادق علیہ الرحمۃ کا انتقال ہو گیا تو مجھے رنج تھا کہ ایسا جامع ظاہر وباطن فرزند جدا ہو گیا۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کے قائم مقام کر دیے، ان دونوں بھائیوں پر حضرت کی خاص نظر عنایت تھی اور حق تعالیٰ نے ان کو نسبت ہائے بلند اور احوال ارجمند سے نوازا تھا۔ اور یہ دونوں حضرت کے علوم و معارف کے حامل اور اسرار ورموز کے وارث تھے۔

صاحب ''زبدۃ المقامات'' لکھتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت کے ساتھ نہیں تھے اور کسی ضرورت سے سرھند میں رہ گئے تھے۔ میں حضرت کے ساتھ تھا، میں دیکھتا ہوں کہ جب کوئی ''معرفت'' حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اس وقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوق تمام یاد فرماتے تھے،

آپ کی وفات ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک سرھند میں ہے۔

۳......عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم[۱]

آپ حضرت کے فرزندِ ثالث ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی اسی سال حضرت کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ''محمد معصومؔ کی ولادت ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ اس کی ولادت کے چند مہینے بعد حضرت خواجہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور وہاں جو کچھ دیکھا وہ دیکھا۔۔۔'' حضرت نے ایک مقام پر آپ کو ''محمدی المشرب'' تحریر فرمایا ہے اور ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

> از فرزندے محمد معصوم چہ نویسید کہ وے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ۔۔۔
>
> ترجمہ: 'اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں وہ تو بالذات اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔۔۔

استعداد کی بلندی بچپن ہی سے آشکارا ہو چلی تھی۔ خود حضرت علیہ الرحمۃ نے بچپن میں ان کی اس استعداد کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ ''اس راستے میں فیضانِ الٰہی کے لحاظ سے بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے مساوی ہیں، **ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم** ؕ

اسی استعداد کی وجہ سے حضرت کی نظرِ عنایت خاص طور پر ان کی شامل حال رہتی تھی، اور آپ ظہور کمالات کے منتظر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم مبدء حال ہے' اس لیے اس کے حاصل کیے بغیر چارہ نہیں اسی وجہ سے علمِ معقول و منقول کو حاصل کرنے کی تاکید اور کتب دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق

پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

بابا! زود از تحصیلِ ایں علوم فارغ شوید کہ مارا باشما کارہائے عظیم است۔

ترجمہ: بیٹا ان علوم کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔

چنانچہ توجہ مبارک کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔ اگرچہ تعلیم کے زمانے میں بھی باطن کی طرف توجہ رکھتے تھے لیکن فراغتِ تعلیم کے بعد ہمہ تن ادھر ہی متوجہ ہو گئے، ایک دفعہ حضرت نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں یہ بشارت دی:

تو قطبِ وقت میشوی وایں سخن را از من یاد دار۔

''تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور یہ میری بات یاد رکھو۔''

صاحب ''زبدۃ المقامات'' فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیہ الرحمۃ کو زبانِ مبارک سے یہ فرماتے سنا ہے:

اقتباس محمد معصوم نسبت ہائے مارا یوماً فیوماً بصاحب شرح وقایہ می ماند درحفظِ تعلیم وقایہ از جدِ بزرگوارش۔

(ترجمہ) محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب شرح وقایہ کا اپنے دادا سے تعلیمِ وقایہ کا حفظ کرنا (جیسا کہ کتاب مذکورہ کے دیباچے سے واضح ہے)

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے اسرار و معارف سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی۔ آپ کے ان مکاتیب کے مطالعہ سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں ارسال کیے ہیں۔ آپ کے کمالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار مبارک سرہند ہی میں ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا سلسلہ دو (۲) واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے اور آج کرۂ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس فقط آپ کے واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے فیض باطن حاصل کر رہے ہیں، دیگر خلفا کے مستفیضین کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے۔

۴......خواجہ میر محمد نعمان کشمی

آپ کے والد کا اسم مبارک سید شمس الدین یحییٰ تھا، میر بزرگ کے نام سے مشہور تھے اور مشاہیر بدخشاں و ماوراء النہر میں شمار کیے جاتے تھے۔ جفر و تکسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے، مولد، مسکن اور مدفن کشم ہے (جو کہ بدخشاں کے مضافات میں سے ہے)...... ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

میر بزرگ کے والد ماجد امیر جلال الدین اور ان کے والد سید حمید الدین بھی صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ اور مشہور و معروف عالم تھے۔ میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت سمرقند کے اندر ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے ہاں ایک فرزند سعادت مند پیدا ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر (نعمان) رکھنا۔ چنانچہ آپ کا یہی نام رکھا گیا، آپ میں بچپن ہی سے درویشی کے آثار نمایاں تھے۔ فقراء و مشائخ کی خدمت میں جا کر ان کے مراقبات سے آگاہی حاصل کرتے تھے، آغازِ شباب میں عارف آگاہ امیر عبید اللہ بلخی عشقی علیہ الرحمۃ کے پاس بلخ پہنچے، بعدہٗ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں پر بھی وفورِ شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی حتیٰ کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں دہلی آئے اور ان کے الطاف بے پایاں کو دیکھ کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک اور اس نعمت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے ہمراہ فرزندوں اور رشتہ داروں کی ایک کثیر تعداد تھی اور ان کے ساتھ فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے اور بااین ہمہ حصول دولتِ سرمدی کی امید میں خوش دل اور مسرور رہتے تھے، ایک دفعہ ایک مخلص امیر نے حضرت خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ

> حضور کی خانقاہ کے فقراء تنگی سے بسر کرتے ہیں اگر حکم ہو تو ہر ایک درویش کا یومیہ مقرر کر کے سعادت اندوز ہونے کا شرف حاصل کروں۔

حضرت خواجہ نے اپنے چند مریدوں کے نام اس کارِ خیر کے لیے تجویز فرمائے، ایک شخص نے عرض کیا کہ میر محمد نعمان بھی مفلس اور کثیر العیال ہیں۔ ان کا بھی یومیہ مقرر ہو جائے، حضرت خواجہ ان کے لیے راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ

> یہ لوگ ہمارے جزو بدن ہیں اپنے جزوِ بدن کو اس چیز سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

میر صاحب نے یہ بات سنی تو باوجود فاقوں میں مبتلا ہونے کے ان پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور بہت سی امیدیں زندہ ہوگئیں۔

میر صاحب کو حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مرض الموت میں ایک رات خدمت گاری کا پورا موقع ملا۔ رات حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے ان پر ایک نظر ڈالی۔ اس نگاہ خاص کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد جو کام بھی آپ کرتے تھے اس کے متعلق یہ سوچتے تھے کہ آیا اس میں رضائے خداوندی ہے یا نہیں؟ حتی کہ قدم بھی اٹھاتے تو دل میں کہتے تھے کہ یہ قدم حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تھا یا نہیں؟

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے جب حضرت مجدد الف ثانی کو بیعت وارشاد کی اجازت دی اور اپنی حیات ہی میں اپنے تمام اصحاب کو آپ کے سپرد کیا اور ان سب کی تربیت کا آپ کو متکفل بنایا' اس وقت اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ: ان کے سامنے ہماری تعظیم نہ کیا کرو بلکہ توجہ بھی ہماری جانب نہ کرو، چنانچہ میر محمد نعمان سے بھی فرمایا کہ ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا۔ انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہمارا قبلہ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے، بزرگ وہ بھی ہوں گے اس سے انکار نہیں...... حضرت خواجہ نے یہ سنا تو غصہ ہو کر فرمایا:

> میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارگاں در ضمنِ ایشاں گم است واز کمل اولیاء متقدمین خال خال مثلِ ایشاں گزشتہ باشند۔''
>
> ترجمہ: میاں شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں' اولیاء متقدمین وکاملین میں سے بہت کم ان جیسے گزرے ہوں گے۔

اس کے بعد میر صاحب نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نیاز مندی کے ساتھ حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچے اور عنایت کے طالب ہوئے، حضرت نے فرمایا کہ

> تم ہمارے ہی ہو لیکن کچھ دنوں ہمارے پیر ومرشد کی خدمت میں اور رہو۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد جب حضرت دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی بے نصیبی اور بے استعدادی کا ذکر تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میرے پاس آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں حضرت سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت علیہ الرحمۃ پر اس عریضہ کے مطالعہ سے رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ ”میر! گھبراؤ نہیں“...... الغرض میر موصوف کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر کے سرہند لے گئے اور یہ سالہا سال حضرت کے آستانے پر مقیم رہے اور مقاماتِ عالیہ سے سرفراز ہوے ایک دفعہ حضرت علیہ الرحمۃ کو ضعف عارض ہوا، اس خیال سے کہ شاید مرض الموت ہو' آپ نے امانت خواجگان نقشبندیہ کسی اہل کو سپرد کرنی چاہی اور قصد کیا کہ اس نسبتِ عالیہ کو کسی مخلص کے قلب میں القاء فرمائیں۔ اس وقت اس بار کا متحمل سوائے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ محمد صادق علیہ الرحمۃ اور میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کے کسی کو نہیں پایا تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے میر صاحب کو اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کے لیے برہان پور روانہ فرمایا، میر صاحب دو دفعہ شہر برہان پور سے بعض وجوہ کی بناء پر چلے گئے، حضرت نے تیسری مرتبہ پھر برہان پور ہی کے لیے مامور فرمایا اس دفعہ جب آپ برہان پور تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا نظر آیا، آپ کی مجلس میں عجیب کیفیات کا ظہور ہوا۔ اگر کسی جماعت نے دور سے بھی آپ کی مجالس کا نظارہ کر لیا تو اس پر جذب وکیف طاری ہو گیا، اور ہر ہر فرد مرغِ بسمل کی طرح خاک پر تڑپنے لگا۔ المختصر ؎

درمیانِ شہر در ہر گوشہ غوغائے اوست

کا سماں بندھ گیا بہت سے لوگ داخل سلسلۂ عالیہ ہوے اور کتنے ہی بدکار اشخاص صلاح وتقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو گئے، صاحب ”زبدۃ المقامات“ مولانا محمد ہاشم کشمی نے آپ ہی کی ہدایت سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

آپ نے اگرچہ علومِ ظاہر کی تحصیل کم کی تھی لیکن ادراکِ حقائق صوفیہ خصوصاً حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے علوم ومعارف سمجھنے کی اپنے اندر خاص اہلیت رکھتے تھے، خود حضرت نے آپ کے فہمِ خداداد کی تعریف فرمائی ہے، مکتوبات شریف میں بہت سے مکاتیب آپ کے نام ہیں۔ ایک مکتوب کا خلاصہ (جس میں سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں) حسب ذیل ہے:

> اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم کو صحیح العقیدہ بموافق مسلکِ اہل سنت وجماعت بنا کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک فرمایا......

کمالاتِ نبوۃ بطریق تبعیت و وراثت اس طریقہ میں حاصل ہوتے ہیں، اس سلسلے کے منتہی کمالاتِ خاصہ حاصل کرتے ہیں اور مبتدیوں و متوسطوں کے متعلق بھی منتہیوں کی محبت کے باعث "المرء مع من احب" کی بشارت کے موافق ایسی ہی امیدیں ہیں۔

بدنصیب و نامراد وہ شخص ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر اس کی رعایت نہ کرے اور بدعات کو اس طریقہ میں ایجاد کرے، اور اپنی خوابوں اور احوال پر اعتماد کر کے اس طریقے کے خلاف قدم اٹھائے۔ اس صورت میں (اگر وہ فیضیاب نہ ہو تو) طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا کیا قصور ہے۔

آپ کی وفات ۱۸/صفر ۱۰۵۸ھ میں ہوئی[۲]۔

۵......مولانا محمد ہاشم کشمی

آپ کشم کے رہنے والے تھے، آپ کے آباؤ اجداد چونکہ سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے اس لیے ایامِ طفولیت میں آپ کو اس خانوادے کے خلفاء کی خدمت میں پہنچنے کا اتفاق ہوا لیکن فطری مناسبت کی وجہ سے غیر معلوم طور پر سلسلہ نقشبندیہ سے دلی لگاؤ تھا، مگر اس سلسلہ کے کسی مرشد و رہبر کا تعین نہیں کر سکے تھے۔ اسی کشاکش کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ یہاں پر مشائخ قدیم کے حالات عجیبہ و تصرفاتِ غریبہ کا ایک محفل میں تذکرہ سن کے دل میں کہنے لگے (اور شاید زبان سے بھی فرمایا) کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایامِ گزشتہ ہی میں ہوتا ہوگا موجودہ صورت حال کے لحاظ سے خزانہ ایام یا تو ان جواہر سے خالی ہے یا ایسا ہو کہ حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہمارے دیدۂ ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہیں۔

خاطرِ خوباں بصید اہلِ دل مائل نماند
یا بشہرِ عشقبازاں مردِ صاحب دل نماند

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب دل تشریف لائے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جا کر ایک بزرگ کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ بزرگ مکان کے چبوترے پر عالمِ مراقبہ میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیش ہوتے ہی اپنا سر اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذاجاء نصر اللہ والفتح (آخرسورۃ تک) آپ اس سورۃ کو پڑھتے جاتے اور زاروقطار روتے جاتے تھے۔ آنکھ کھلی تو سورۃ کے مضمون پر غور کر کے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی...... اور منزل مقصود نظر آنے لگی۔ اس خواب کو ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ شہر برہان پور آئے اور حضرت میر محمد نعمان خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی۔ دربار نعمانی میں ان صاحب دل بزرگ کی بھی زیارت ہوئی جن کی وساطت سے خواب میں یہاں رسائی ہوئی تھی۔ غرضیکہ اس رویائے صادقہ کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ۱۰۳۱ھ تک برہان پور رہے اور اس وقت سے لے کر حضرت کے وصال (۱۰۳۴ھ) تک تقریباً دو سال سفر و حضر میں حضرت ہی کے ساتھ رہے۔ اسرار و معارف سنے، اور الطاف و عنایات کا مورد بنے رہے، حضرت کی زندگی ہی میں صاحبزادوں کی فرمائش پر ان فوائد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت و جلوت میں زبان گوہر فشاں سے سنا تھا نیز حضرت اور ان کے مرشد کامل کے اطوار، انوار، برکات اور خوارق عادات لکھنے کا قصد کیا، چند ورق سے زیادہ نہ لکھ پائے تھے کہ حضرت رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

وصالِ مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہوئی کیونکہ دلِ مہجور کو تسلی دینے کے لیے اس سے بہتر اور مشغلہ ہی کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے پیر باکمال کے اقوال و احوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کر کے قلب و روح کو یک گونہ تسکین دیتے رہیں،

ماہیِ کاں گشت محروم از فرات
از کفِ آبے ہمی جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرت کے حالات کے علاوہ حضرت کے پیر و مرشد خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات کا نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام ''برکات الاحمدیۃ الباقیہ'' رکھا اس کا تاریخی نام...... ''زبدۃ المقامات'' ۱۰۳۷ء قرار پایا چنانچہ یہ کتاب ''زبدۃ المقامات'' ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں ''نشاطِ روح'' کا نہایت کافی سامان موجود ہے۔ حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً اور کوئی نہ ہوگی حضرت کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی و خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، بے جا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالسِ مجددیہ کی ایسی مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظرِ کتاب دربار فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرت کو دیکھ رہا ہے' حضرت کے ملفوظات سن رہا ہے اور دریائے معارف کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔ مکتوبات شریف کی آخری جلد کو بھی آپ ہی نے ترتیب دیا ہے۔

۶ ......خواجہ سید آدم بنوری حسینی[3]

آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر سکونت بنور میں اختیار کر لی تھی۔ ابتدائی تعلیم سلوک حاجی خضر علیہ الرحمۃ سے پائی، بعد ازاں باجازتِ حاجی صاحب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آ گئے اور درجاتِ عالیہ پر فائز ہوئے۔ آپ محض اُمی تھے۔ فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علومِ ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اتباعِ سنت و دفعِ بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا، ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا رسیدہ کیا، آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا آپ کے خلفاء[4] کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے وہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب ہے۔

۷ ......شیخ طاہر لاہوری

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ارادتمندوں میں آپ کا پایہ بھی نہایت بلند ہے صاحبِ ریاضات و کرامات بزرگ تھے، علم ظاہری میں کمال حاصل تھا اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلوک کا شوق غالب ہوا اور حضرت کے آستانہ مبارک پر پہنچے آپ کو ایسے مرشد کی تلاش تھی جو علم و عمل میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا متبع ہو۔ اور یہ بات سب پر ہویدا تھی کہ اس زمانے میں ایسی جامع شخصیت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ہی کی تھی۔ چنانچہ آپ نے سالہا سال اس شیخ کامل کی خدمت کی اور انکسار اور افتقار کے ساتھ حضرت کے فیض کدہ پر مقیم رہے، آپ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے صاجزادوں کی تعلیم تدریس کا کام بھی نہایت کوشش وسعی بلیغ سے انجام دیتے تھے۔ چنانچہ صاجزادے فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم پر حضرت شیخ طاہر کے احسانات اس سے بہت زیادہ ہیں کہ شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکیں۔''

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک دفعہ اپنے چھوٹے صاجزادہ شاہ محمد یحیٰ کے متعلق فرمایا کہ:

> ''اس کو شیخ طاہر کے سپرد کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ بھی ان کی برکت سے
> اپنے بڑے بھائیوں کی طرح عالم باعمل ہو جائے''

لیکن چونکہ اس وقت درویشی کا رنگ غالب اور ظاہری علم مغلوب ہو چلا ہوگا اس لیے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا'' (جو پہلے تھا) باوجود جیّد عالم ہونے کے آدابِ شیخ کا انتہائی

لحاظ تھا۔ اور حضرت کی اس قدر ہیبت غالب تھی کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ایک دن حضرت نے آپ کو امامت کا حکم فرمایا فوراً رنگ زرد پڑ گیا اور لرزہ براندام ہوگئے اور رعب کی وجہ سے حافظ قرآن اور عالم کامل ہوتے ہوئے قرأۃ گلے میں رُک رُک جاتی تھی۔ اسی ادب وانکسار اور شیخ کی نظرِ کیمیا اثر نے آپ کو انتہائی نقطۂ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ بالآخر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خلافت سے سرفراز فرما کر بلدۂ لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے لاہور روانہ فرمایا اور طریقۂ قادریہ میں بھی اجازت مرحمت فرمائی، آپ نے وہاں پہنچ کر طالبانِ حق کی تربیت فرمائی اور اپنے برکات وافاضات سے مخلوق خدا کو بہرہ ور کیا۔ خود ایک مکتوب میں حضرت کو لکھتے ہیں:

> میں چلتے وقت سخت متردد تھا کہ شیخِ کامل کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہوں لیکن غیب سے کوئی شخص کہتا تھا کہ چلا چل۔ حتیٰ کہ کشاں کشاں لاہور آ گیا اور ایک مسجد کے گوشہ میں حیران و پریشان بیٹھ گیا۔ ناگاہ حضرت خواجہ بزرگ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور اس نے اس کام پر ثابت قدم رکھا۔ اسی درمیان میں ایک جوان بلند استعداد آیا‘ اس کو تعلیم باطن دیتے ہی یہ اثر ظاہر ہوا کہ اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سراپا آگاہ و عارف ہوگیا، اسی طرح دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت نصیب ہوئی۔

حضور نے مقامات کے بارے میں خصوصاً مقام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بعض حاسدوں نے درمیان میں لانا شروع کر دیا‘ اور اس میں اپنی طرف سے جھوٹی سچی باتیں ملا کر وہ پروپیگنڈا کیا اور طعنہ زنی کرنے لگے، مولانا حامد اس مکتوب کو علامۃ الانام مولانا عبدالسلام کے پاس لے گئے انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور فرمایا کہ اس کے مضمون میں تو کوئی شبہہ وارد نہیں ہوتا‘ اور ساتھ ہی ساتھ حسن ظن کا بھی اظہار کیا۔ تب کہیں حاسدوں کی زبانیں بند ہوئیں‘

آپ برابر اپنے پیرو مرشد کو اپنے احوال و مکاشفات سے مطلع کرتے رہتے تھے، حلقۂ ارشاد وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا اور خلقِ خدا کثرت سے متوجہ ہو رہی تھی کہ ناگاہ اسی گرمی ہدایت کے زمانے میں شیخ نے بر بنائے انکساری و آزاد مزاجی ایسا شیوہ اختیار کر لیا جس سے رجوع خلق میں فرق آیا۔ جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

> خداوندِ کریم نے تم کو منصبِ جلیل عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا شکریہ ادا کرو، اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جو باعث نفرت خلق ہو، خلق کو متنفر کرنا فرقہ ملامتیہ کا شیوہ ہے، دعوت و ارشاد سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے، مشیخت کے رتبہ پر پہنچ کر ملامت کی آرزو کرتے ہو یہ صریح ظلم ہے...... مریدوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط نہ رکھا کرو کہ اس میں ہلکا پن پایا جاتا ہے اور یہ چیز بھی افادہ و استفادہ کے منافی ہے۔
>
> حدود شرعیہ کی حفاظت کرو جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنے کی تجویز نہ کرو کہ یہ اس سلسلہ کے اصول کے منافی نیز اتباعِ سنت کی دعوے کے خلاف ہے۔
>
> یہی ہدایت نامہ آپ کے لیے کافی ہوا اور اس کے جواب میں آپ نے لکھا۔ ''اب میرے سامنے سوائے شریعت و سنت کے اور کچھ نہیں ہے''۔

پھر تو آپ نے تشرع و اتباع، اور فقر و قناعت میں اپنی نظیر قائم کر دی تھی اہلِ دنیا کی داد و دہش کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے قوت بازو سے حلال روزی بہم پہنچاتے تھے البتہ کوئی دین دار شخص اگر ہدیۃً کوئی چیز پیش کرتا تھا تو اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

ہر سال چند بار پیادہ پا درویشوں کی جماعت کے ساتھ بے زاد و توشہ لاہور سے سرہند آیا کرتے اور چند روز کوچۂ معرفت میں رہ کر رخصت ہو جاتے تھے، آپ ؒ نے ۸؍محرم ۱۰۴۰ھ کو بروز پنجشنبہ وفات پائی، مزار مبارک لاہور میں ہے۔

۸......شیخ بدیع الدین سہارنپوری

آپ شروع میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پاس ''توضیح تلویح'' پڑھتے تھے لیکن درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ حالت یہ تھی کہ نماز تک کے بھی پابند نہ تھے۔ جس زمانہ میں آپ حضرت کے پاس پڑھتے

تھے اسی زمانہ میں آپ کو ایک حسین وخوبرو جوان سے عشق ہوگیا تھا۔ نوبت بانجا رسید کہ درمیان سبق میں بھی آپ کو بے چینی رہتی تھی کہ کب سبق ختم ہو اور کب میں کوچۂ محبوب میں جا کر اس کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کروں۔

ایک دن حضرت نے آپ سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو اور شرعی محرمات سے بچو' کیونکہ معاصی کے ارتکاب سے علم ظاہر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ''اس قسم کی نصیحتیں تو میں نے بہت سے لوگوں سے سنی ہیں حضرت اگر کوئی خاص توجہ فرمائیں تو شاید میری حالت کچھ سدھر سکے'' حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے تھوڑے تامل کے بعد فرمایا اچھا کل اسی ارادہ سے میرے پاس آؤ اور دیکھو خدا کیا کرتا ہے، اتفاقاً اگلے دن ان کا محبوب نوجوان ان کے گھر آ گیا ان کا دل نہ چاہا کہ ہم نشینی محبوب ترک کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دو تین دن کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ ''تم نے خلاف وعدہ کیا اچھا نہیں کیا، خیر اس وقت کا آنا بھی مبارک ہے، جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ'' انہوں نے ارشاد کی تعمیل کی اس کے بعد آپ ان کو خلوت میں لے گئے اور ذکر قلب کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی اس توجہ کا پڑنا تھا کہ فوراً کایا پلٹ گئی، مست وبیخود ہو گئے اور اسی عالمِ بیخودی میں زمین پر گر پڑے اور دوسروں نے اٹھا کر آپ کو مکان تک پہنچایا۔ ایک دن کے بعد افاقہ ہوا، اس دن کے بعد سے تعلقاتِ دنیا سے دل سرد ہو گیا اور اپنے آپ کو اپنے سے دور اور عالمِ غیب سے نزدیک دیکھنے لگے۔

نخستین باده کاراز جام کردند
زچشمِ ''مست ساقی'' وام کردند
(عراقیؒ)

اس کے بعد مدتوں تک آستانہ عالیہ پر رہے اور فیوض وبرکات سے بہرہ مند ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیہ الرحمۃ کو ان پر کامل اعتماد ہو گیا اور تعلیم طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بعد حصول اجازت آپ اپنے وطن مالوف سہارن پور تشریف لے آئے اور طالبانِ معرفت کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کو آگرہ جانے کا حکم دیا۔ یہ شہر دار السلطنت ہونے کی حیثیت سے خاص مرکزیت رکھتا تھا، لیکن ابھی تک اس سلسلہ کے خلفاء سے خالی تھا۔

حضرت نے ان کو تاکید فرمادی تھی کہ آگرہ میں پوری استقامت کے ساتھ رہنا اور ہمارے حکم کے بغیر وہاں سے نہ جانا۔ یہ وہاں پہنچے حق تعالیٰ نے مقبولیتِ عامہ عطا فرمائی، امراء وغربا غرض ہر طبقہ اور درجے کے لوگ آپ کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوئے۔ لیکن آپ سے ایک لغزش یہ ہوگئی کہ حضرت مرشد کے اذن کے بغیر آپ وہاں سے اپنے وطن چلے آئے۔ یہ چیز حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو سخت ناگوار گزری، جب آپ کو اس ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرت کو اس ارادہ سے اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جاتے ہو تو تم جانو تمہیں اختیار ہے۔ شیخ بحالتِ اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرت کی ناراضگی دور ہو جائے دوبارہ آگرہ چلے گئے۔ اس دفعہ بھی شروع شروع میں خلقِ خدا کو بہت فیض پہنچا لیکن سوء اتفاق کہ ایک دن وہاں کی چھاؤنی کے چند اجڈ فوجیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے ان کی ذہنیت وصلاحیت کا لحاظ کیے بغیر ان کو سختی کے ساتھ بعض منکرات پر تنبیہ ونصیحت فرمائی، جس کی وجہ سے ان میں سے بعض بدطینت آپ کے دشمن ہوگئے، اس کے علاوہ عام طور پر اپنے بلند احوال وانکشافات لوگوں کے سامنے بیان کیے جو منکرین ومعاندین کے کانوں میں پہنچ کر فتنہ کا سبب بن گئے۔ چنانچہ اہلِ عناد نے اپنی رنگ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں سے کام لیکر ایک زبردست فتنہ آپ کے خلاف برپا کردیا، اس فتنہ کا اثر حضرت تک بھی متعدی ہوا اور اسی ابتداء کی انتہا یہ ہوئی کہ سلطانِ وقت (جہانگیر بادشاہ) نے جو اس وقت تک طائفۂ فقراء سے کوئی انس ومناسبت نہ رکھتا تھا، حضرت علیہ الرحمۃ کو طلب کرکے ایذا پہنچائی اور قید خانہ میں محبوس کردیا (اگرچہ بعد کو بادشاہ اپنے اس فعل پر نادم وپشیمان ہوا اور اس نے معافی بھی چاہی)

اس المناک واقعہ کے بعد شیخ بدیع الدین آگرہ سے اپنے وطن سہارن پور واپس چلے آئے اور وہیں پر گوشہ گزیں ہوکر ذکر ومراقبہ اور انس والفت میں بسر کی۔ پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور تمام عمر طالبانِ علوم دینی ویقینی کے افادہ میں مشغول رہے۔

۹......شیخ نور محمد پٹنی

آپ علومِ رسمیہ کی تحصیل کے بعد سلوک کی طرف متوجہ ہوئے ہندوستان کے بہت سے درویشوں کے پاس گئے کہیں تسکینِ روح کا سامان بہم نہ پہنچا آخر کار حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے مقامات طے کیے اور حیرت انگیز ترقی کی چنانچہ

اس زمانے میں حضرت نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ کو جو خط لکھا ہے اس میں شیخ نور محمد کی ترقیات کا بھی مفصل ذکر فرمایا ہے۔

آپ عرصہ تک حضرت کی خانقاہ میں رہے اور حالات میں برابر ترقی ہوتی رہی۔ تکمیل کے بعد حضرت نے اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا آپ حسب الامر وہاں پہنچے لیکن خلوت پسندی کے غلبہ کی بنا پر اکثر آبادی سے باہر رہتے تھے اور لوگوں سے اجتناب کرتے تھے۔ جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک مکتوب شریف کے ذریعہ آپ کو اس عادت کے ترک کرنے کی تلقین فرمائی اور تحریر فرمایا:

> جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی تعمیل لازمی ہے، اسی طرح خلقِ خدا کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ضروری ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کر کے دوسرے کو نظر انداز کر دینا نادرست ہے خلقِ خدا کی اذیتوں کا تحمل اور ان سے حسنِ معاشرت سلوک کے لوازمات میں سے ہے۔

تلقین کے ضمن میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است
نازکی کے راست آید باری باید کشید

آپ نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل کی اور شہر پٹنہ کے ایک طرف دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑا بنایا اور وہیں ایک چھوٹی سے خام مسجد تیار کی اور مع اہل وعیال کے اسی جھونپڑے میں رہنے لگے، اکثر وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا نماز کے علاوہ ارشاد وہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا مرکز بھی اسی مسجد کو بنا رکھا تھا۔

۱۰......شیخ حمید بنگالی

آپ تحصیل علوم دینی کے لیے لاہور تشریف لائے تھے بعد فراغت وطن مالوف جاتے ہوئے آگرہ میں بھی قیام کیا اور خواجہ عبدالرحمٰن صاحب مفتی کابلی کے قریب اقامت گزیں ہوئے مفتی صاحب نے آپ کو علوم میں ماہر وتبحر پا کر آپ سے عہد لیا کہ جب تک آگرہ میں قیام رہے میرے ہی پاس رہیں۔ اثنائے قیام میں ایک دن تصوف کا ذکر آ گیا تو مفتی صاحب کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ مولانا حمید صوفیائے کرام کے عموماً اور حضرت مجدد کے خصوصاً منکر ہیں۔ اس صحبت کو دو ہی تین دن گزرے تھے کہ

اتفاق سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سرھند سے آگرہ تشریف لائے اور مولانا حمید سے مفتی صاحب کے مکان ہی پر ملاقات ہوگئی، حضرت نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: ''ہائے شیخ حمید ایں جا بودہ اند'' ایک دو دفعہ خاص انداز سے ان پر نظر ڈالی اور فوراً مراقبہ میں مستغرق ہوگئے۔ اس کے بعد یکا یک وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے ہر چند عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں اور یہیں ماحضر تناول فرمائیں، قبول نہیں فرمایا گیا، مفتی صاحب پہنچانے کے لیے دروازہ تک آئے۔

ان کا خیال تھا کہ مولانا حمید ''بداعتقادی'' کی وجہ سے جگہ سے بھی نہ ہلیں گے مگر دیکھا گیا کہ پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں، مفتی صاحب تو دروازہ تک آکر واپس چلے گئے لیکن مولانا حمید بس حضرت کے پیچھے ہولیے اس وقت حضرت ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قیام گاہ پہنچ گئے، مولانا حمید دروازہ پر گریاں و حیراں کھڑے رہے۔ بعد ازاں حاضری کی اجازت دی گئی اور بیعت سے مشرف کرنے کے ساتھ تعلیمِ طریقت و جذبۂ نسبت سے نوازا گیا۔ اب تو ''مولانا حمید''، ''شیخ حمید'' ہوگئے اور یہ کیفیت ہوگئی کہ اپنی کتابوں اور دوستوں کی بھی خبر نہ رہی۔

چندروز کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ آگرہ سے سرھند روانہ ہوئے تو یہ بھی پیادہ حضرت کی خدمت میں چلے، شیخ حمید کا یہ واقعہ دیکھ کر مفتی صاحب خود ہی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے حلقہ بگوش ہوگئے، مفتی صاحب کے ایک دولت مند دوست نے پوچھا کہ آپ لوگ تو عالم و عاقل ہیں شیخ احمد میں کیا کرامت دیکھی جو ان کے مرید ہوگئے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ

> ہم اہل علم کوئی کرامت اس سے بہتر نہیں سمجھتے کہ شیخ عالم باعمل اور متبعِ سنت ہو، علم کے ساتھ ساتھ اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و اہتمام جیسا حضرت شیخ سرھندی میں دیکھا اپنے زمانے میں کسی دوسری جگہ دیکھا نہ سنا، بس یہی ہمارے نزدیک سب سے بڑی کرامت اور حاصل ولایت ہے۔

شیخ حمید نے قریباً دو سال آستانہ عالیہ پر رہ کر منازلِ سلوک طے کیے اور احوالِ عجیبہ و مقاماتِ غریبہ سے نوازے گئے، اس کے بعد حضرت نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر ان کو وطن روانہ فرمایا، اجازت نامہ زبدۃ المقامات میں درج ہے تبرکاً تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو اس جگہ نقل کرتے ہیں:

اَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْوَلِیِّ اَحْمَدُ بْنُ الشَّیْخِ عَبْدِ الْاَحَدِ الْفَارُوْقِیُّ النَّقْشَبَنْدِیُّ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً اَنَّ الْاَخَ الْعَالِمَ وَالصِّدِّیْقَ الصَّالِحَ جَامِعَ عُلُوْمِ الشَّرِیْعَۃِ وَالطَّرِیْقَۃِ الشَّیْخَ حَمِیْدَ الْبَنْگَالِیَّ دَ فَّقَدُاللّٰہ سُبْحَانَہٗ لِمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضَاہُ لَمَّا قَطَعَ مَنَازِلَ السُّلُوْکِ وَعَرَجَ مَعَارِجَ الْجَذْبَۃِ وَ وَصَلَ اِلٰی دَرَجَۃِ الْوَلَایَۃِ بَعْدَ اَنْ حَصَلَ لَہٗ اِنْدِرَاجُ النِّہَایَۃِ فِی الْبِدَایَۃِ اَجَزْتُ لَہٗ لِتَعْلِیْمِ طَرِیْقَۃِ الْمَشَائِخِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَہُمْ لِلطَّالِبِیْنَ الْمُسْتَرْشِدِیْنَ وَالْمُرِیْدِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ بَعْدَ اسْتِخَارَۃٍ وَّحُصُوْلِ الْاِذْنِ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّعْصِمَہٗ عَمَّا لَا یَلِیْقُ وَ یَحْفَظَہٗ عَمَّا لَا یَنْبَغِیْ وَاَنْ یُّثَبِّتَہٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ط

مشائخ طریقت کا طریقہ تھا کہ خلافت کے وقت خرقہ بھی دیا جاتا تھا، شیخ حمید نے عرض کیا کہ مجھ کو بجائے خرقہ کے حضرت کے پاؤں کا جوتا کافی ہے۔ حضرت نے ان کی اس درخواست کو بھی قبول فرمایا اور ایک پاؤں کی جوتی عنایت فرمادی شیخ نے اس ''کفش مبارک'' میں جو کچھ دولت پائی وہ قیصر وکسریٰ کو کہاں نصیب ہوئی۔ ؎

اگر خاکے ازیں کو برسر آید
مرا بہتر ز چندیں افسر آید

چونکہ آپ کا وطن صوبۂ بنگال میں تھا اس لیے بوجہ بعدِ مسافت دوبارہ آستان مجددی پر حاضری کا موقع نہ مل سکا، اس نواح کی مخلوق نے آپ ہی سے مجددی فیوض و برکات کے خزانے حاصل کئے اور طالبینِ حق نے آپ ہی کی رہنمائی میں معرفت ویقین کی شاہراہ پر چل کر منزلِ مقصود کا پتا لگایا، منگل کوٹ ضلع بردوان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

زبنگالہ چہ برگویم کہ مولانا حمید او!
بپاپوشِ جنابش آمدہ مقبول ربانی
زہے پاپوش پاکِ اوکہ چوں خاکِ شفا کردہ
شفائے ظاہر و باطن بخلق اللہ ارزانی
بہ منگل کوٹ اوبنگر کہ گلزارِ ارم بودہ
درودیوار او اکنوں نہادہ سربویرانی
بلے کس گنجِ زر پنہاں نیابد جزبویرانی
بلے کس آبِ حیواں راندیدہ جز بظلمانی

(رشیدی شہزادپوری)

۱۱......شیخ مزمل

آپ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے قدیم اور مقبول ترین مریدوں میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں اکثر حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہتے۔ حسنِ اخلاق و مکارمِ اوصاف میں یگانہ اور انکسار وایثار میں منفرد تھے، حضرت علیہ الرحمۃ کی تربیت سے ان کو جو کمالات حاصل ہوئے انکا تذکرہ حضرت نے اپنے بعض اُن مکاتیب میں کیا ہے جو اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں روانہ کیے ہیں۔ سالہا سال فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کے بعد تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے۔ آپ کی رفعتِ مرتبہ کا اندازہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو ایک مخلص کے نام بھیجا گیا ہے اور جس میں تحریر فرمایا گیا ہے:۔

صحبت میاں مزمل شمارا مغتنم است و امثال ایں عزیز الوجود اعزّ من کبریت الاحمر۔

ترجمہ: میاں مزمل کی صحبت کو غنیمت جانو اس قسم کے لوگ کبریتِ احمر سے بھی زیادہ نادر و نایاب ہیں۔

آپ نے ۱۰۲۶ھ میں اپنے مرشد کی حیات ہی میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ حضرت کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور ان کی روح کو دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب سے شادکام کیا۔

۱۲......شیخ طاہر بدخشی

آپ شروع میں فوج میں ملازم تھے، ایک دفعہ فوج کسی قلعہ کو فتح کرنے کے لیے گئی آپ بھی اس میں موجود تھے اثنائے سفر میں ایک رات آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارتِ منامی سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر و دیگر خلفاء واصحاب رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیخ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اس سفر کے ختم ہونے کے بعد تو ان لوگوں (فوجیوں) سے الگ ہو جا اور فقر و تجرید کی زندگی اختیار کر، اسی عالم خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیقِ اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء سے ان کو خرقہ پہنایا، جب اس مبارک خواب سے بیدار ہوئے تو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل کے لیے اپنے آپ کو بیقرار پایا، چنانچہ بعد مراجعت فوج اثنائے راہ ہی میں ایک مقام پر اپنی سواری سے اتر پڑے اور ایسے غائب ہوئے کہ ساتھیوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملے، وہاں سے غائب ہو کر آپ ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس کے عوض میں ایک ٹاٹ لیکر پہن لیا اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور کسی کو خبر نہ تھی کہ آپ کس حال میں ہیں' اس لیے آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بار گھر ہو آئیں اور متعلقین کو صورت حال کی اطلاع دیں تاکہ ان کو تشویش نہ رہے چنانچہ آپ گھر آئے اور اپنے عزائم کا صاف اظہار کر دیا...... بیوی سے بھی کہہ دیا کہ میں فقر کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، میں اس لیے بالکل تیار ہوں کہ تم مجھ سے آزادی حاصل کر لو، نیک بخت بیوی نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی آپ سے وابستہ کر چکی ہوں جو زندگی کا طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے پسند ہے، چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہو لیں۔

اس کے بعد آپ مرشدِ کامل کی تلاش میں گھومتے رہے۔ ایک شیخ وقت کی خدمت میں پہنچے انہوں نے فرمایا کہ تم نقشبندی معلوم ہوتے ہو اور دہلی و لاہور کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ آپ ہندوستان کے لیے چل کھڑے ہوئے اس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا عام شہرہ تھا ۔ اس لئے دہلی کا قصد کر لیا لیکن سوءِ اتفاق کہ ان کے دہلی پہنچنے کے چند دن پہلے حضرت خواجہ صاحب وصال فرما چکے تھے، ہادیٔ توفیق نے آپ کو حضرت خواجہ کے جانشینِ حقیقی (حضرت مجدد) کی خدمت میں

پہنچا دیا۔ چنانچہ آپ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصہ خانقاہ سرہند میں قیام کر کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ کے خصائصِ عظمیٰ میں سے یہ ہے کہ ایک مدت تک خلوت و جلوت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت و مشاہدہ سے مشرف ہوتے رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ حضوری کا درجہ حاصل تھا...... مولانا طاہر چونکہ تُرک و سادہ مزاج بزرگ تھے اس لیے اپنے احوال و مکاشفات کو اس انداز میں بیان فرماتے تھے کہ حضرت کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی تھی...... کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضرت معارف بیان فرما رہے ہیں اور یہ ان کو سن کر ''آرے'' اور ''بلے'' کہتے جاتے ہیں اور سر ہلاتے جاتے ہیں، حضرت خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہوئے ہیں اور میں انکا ترجمان ہوں۔''

حضرت نے ان کو تعلیمِ طریقت کی اجازت دینے کے بعد جون پور روانہ کیا وہاں پہنچ کر آپ نے خدا معلوم کن احوال کے ماتحت گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا طریقہ اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگوں کی رجوعات کم ہو گئیں، جس زمانے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اجمیر شریف تھے آپ نے ایک مکتوب حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تحریر کیا جس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ طالبین میری طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں حضرت نے اس کو پڑھ کر فرمایا:

> عجب مردے سادہ دل است ملاک امر محافظۃ احوال و فکر کار و غم ایمان و مآل خود است دریں ضمن ہر کرا حق سبحانہ برساند و بتعلیم تربیت او مامور گرداند حسب الامر خالصاً لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے انجذاب دلہائے طلاب وضعے کہ ملامت را آنجا راہ نبود اختیار باید نمود۔
>
> ترجمہ: یہ عجب سیدھے آدمی ہیں یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال کی محافظت' اپنے کام کی نگہداشت، ایمان کی فکر اور انجام کا خیال کرنا ہے۔ اس ضمن میں جس کسی شخص کو بھی خداوند کریم پہنچا دے اور اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کر دے' خالصاً لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے' اہل طلب کے دلوں کی کشش کے لیے ایسی وضع جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی دخل ہو اختیار نہ کرنی چاہیے۔

۱۳......مولانا یوسف سمرقندی

آپ بھی اولاً حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مریدین میں سے تھے اور ان سے بہرۂ وافر حاصل کیا تھا، خلیق اور بے تکلفانہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سرہند آ گئے اور حضرت کے آستانے پر رہنے لگے کچھ عرصے وہاں رہ کر برکات نفوس مجددیہ سے مستفیض ہوئے اور روحانی ترقی حاصل کی۔ لیکن بقضائے الٰہی درمیان سلوک ہی میں پیک اجل سے ہم آغوش ہو گئے، بوقت نزع حضرت ان کے سرہانے تشریف لائے۔ آپ نے بہ ہزار حسرت عرض کیا حضرت! ع

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے

اب کوئی ایسی نظر و توجہ فرما دیجیے جس کی برکت سے ''مقصدِ اعلیٰ'' حاصل ہو جائے

دم اخیر ہے ''حضرت'' ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے کچھ دیر کے بعد اپنا سر اٹھایا اور فرمایا'' ہاں مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟'' عرض کیا: ''الحمد للہ! دل جس چیز کا طالب تھا وہ حضرت کی توجہ سے آشکار ہو گئی'' اس کے بعد آخری ہچکی لے کر جان بحق تسلیم ہو گئے۔ ع

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

۱۴......مولانا احمد برکی

آپ برک کے رہنے والے اور وہاں کے علماء میں سے تھے، مولانا کا ایک ہموطن دوست تاجر ہندوستان سے اپنے وطن واپس آیا، وہ ہندوستان میں حضرت سے بھی شرف ملاقات حاصل کر چکا تھا' اور آپ کے مکاتیب کا کچھ حصہ بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا' مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرت کے کمالاتِ باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبۂ دل نے سرہند چلنے پر آمادہ کیا' وہاں پہنچ کر حضرت کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور اخلاص و آداب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں رہے۔ عنایاتِ خداوندی اور حضرت کی برکت سے ایک ہی ہفتہ میں درجہ کمال و اکمال پر پہنچ گئے اور تعلیم طریقت میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی، وطن پہنچ کر حسب الحکم کار طریقت میں مشغول ہوئے، اپنے مریدوں کے

احوال بذریعہ مکاتیب خدمت عالی میں پہنچا کر جواب وخطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے، ایک مکتوب میں حضرت نے آپ کو تحریر فرمایا:

> روزے توجہے بحالِ شما نمودہ آمد دیدم کہ مردم آن نواحے بجانب شما می دوندو التجا بشما می آرند معلوم شد کہ شما را مدارِ آن زمین ساختہ اند ومردم آن حدود را بشما مربوط داشتہ **للہ الحمد والمنة علی ذلک۔**
>
> ترجمہ: ایک دن تمہاری طرف توجہ کی دیکھا کہ اس طرف کے آدمی تمہاری طرف دوڑتے ہیں' اور تمہارے سامنے التماسِ (فیض) کرتے ہیں معلوم ہوا کہ تم کو اس علاقہ کا قطب بنایا گیا ہے اور اس حدود کے لوگوں کو تم سے متعلق کیا گیا ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

حضرت نے ایک مکتوب مولانا شیخ یوسف برکی کو لکھا ہے اس میں بھی آپ کی تعریف فرمائی ہے آپ نے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی، حضرت نے دعائے مغفرت سے آپ کی روح کو شاد کیا، دیکھا گیا کہ جب کبھی آپ کا تذکرہ مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرت ان کی تعریف فرماتے تھے اور لطف وعنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے نیز مولانا کے مریدین کو بھی تحریر فرماتے تھے کہ مولانا کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ مولانا کا وجود فی زمانہ مسلمانوں کے لیے آیات حق میں سے ایک آیت (نشانی) اور رحمت ہائے خداوندی میں سے ایک رحمت تھا۔

۱۵......مولانا محمد صالح کولابی

آپ حضرت کے قدیم الایام مریدین میں سے تھے، منکسر المزاج اور خاموش طبیعت تھے، اپنی روحانی سرگزشت اپنی ہی زبانی اس طرح بیان فرماتے ہیں...... ''میرے اندر جب طلبِ معرفت کا جذبہ پیدا ہوا میں اس زمانے کے اکثر مشائخ کی (جو قریب قریب مقامات پر رہتے تھے) خدمت میں رہا لیکن کسی سے کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوئی۔ حسنِ اتفاق سے ایک جمعہ کو آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت کو دیکھا دیکھتے ہی میرا دل حضرت کی طرف کھنچنے لگا۔

آن دل کہ رم نمودہ از خوب رو جوانان
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

جامع مسجد سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی قیام گاہ پر پہنچ کر تعلیم ذکر کی درخواست کی وہ قبول ہوئی۔ اس کے بعد سالہا سال خدمت اقدس میں رہا لیکن پستی استعداد کے باعث کوئی کامیابی محسوس نہیں کرتا تھا اپنے پیر بھائیوں کو دیکھتا تھا کہ وہ منازل ترقی پر گامزن ہیں۔

اپنی اس بدنصیبی پر حیران وگریاں رہتا تھا یہاں تک کہ رمضان کا مبارک مہینہ اپنی مقدس ساعتیں لیکر آ گیا، جب حضرت علیہ الرحمۃ معتکف ہوئے تو اس اعتکاف میں طشت وآفتابہ کی خدمت میرے سپرد ہوئی، ایک رات حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے متبرک ہاتھ کو دھویا میں اس تمام دھون کو پی گیا، اس کا پانی پینا تھا اور حالات کا وارد ہونا۔"

مولانا جب حضرت علہ الرحمۃ کی وجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو اجازتِ تعلیم سے ممتاز ہوئے اور طالبانِ معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا، حضرت علیہ الرحمۃ کو بارہا آپ کی تعریف فرماتے سنا گیا ہے ایک دن حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کے متعلق فرمایا:

> مولانا صالح از سیر صفات وتجلیات صفاتیہ بہرہ تمام گرفتہ
>
> مولانا محمد صالح نے سیر صفات وتجلیات صفاتیہ سے پورا حصہ حاصل کرلیا ہے۔

آپ نے مخدوم زادوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت کے دن اور رات کے معمولات کو جمع کیا، اس میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے حضرت سے معمولات کے جمع کرنے کی اجازت طلب کی تو ارشاد فرمایا کہ پیروی کے قابل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی عمل ہے۔ کتب حدیث کی طرف رجوع کرو اور وہاں سے معمولات مسنونہ اخذ کرو۔ عرض کیا گیا کہ حضرت کا عمل بھی تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کے مطابق ہے۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا:

> چناں کنند امانیک نیک ملاحظہ نمایند کہ ہر چہ موافق سنت باشد قولے وفعلے آنرا در عمل آرید وہر چہ نہ چنانست موقوف دارید۔
>
> ترجمہ: اچھا جمع کرو لیکن اس بات کا اچھی طرح لحاظ رکھنا کہ میرا جو قول وفعل موافق سنت ہو اس پر عمل کرنا اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف رکھنا

۱۰۳۸ھ میں مولانا کا وصال ہوا۔

۱۶...... مولانا محمد صدیق کشمی

آپ کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے ہیں، ایام جوانی میں ہندوستان تشریف لائے۔ چونکہ شعروشاعری میں دستگاہ رکھتے تھے اس لیے محب الفقراء والشعراء عبدالرحیم خان خانان کی صحبت اختیار کی۔ اسی عرصے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہوکر سلسلۂ نقشبندیہ میں منسلک ہوگئے لیکن جوش جوانی کے ساتھ ساتھ شعرگوئی کے مشغلے نے آپ کو حضرت خواجہ کی زندگی میں ترقی روحانی کا موقع نہیں دیا۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ حضرت کی خدمت میں آئے اور کامیاب ہوئے خود حضرت ایک مکتوب مبارک میں مولانا محمد صالح کولابی کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> مولانا محمد صدیق دریں ایام بعنایت اللہ سبحانہ بولایت خاصہ مشرف گشتند...... **واللہ یختص برحمۃ من یشآء......**
>
> مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ سبحانہ کی عنایت سے ولایت خاصہ سے مشرف ہوگئے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کرلیتا ہے۔

مولانا ۱۰۳۲ھ میں اپنے متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ واپسی میں دہلی آئے، اس سفر میں چونکہ وابستگان کثیر تعداد میں تھے اور زادِراہ تھوڑا تھا، اس لیے فقروفاقہ کی بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں...... آپ ہی نے ''مبداء ومعاد'' کو حضرت کی بیاض خاص سے نقل فرما کر جمع کیا ہے، مکتوبات شریف آپ کے نام بھی کثیر تعداد میں ہیں، آپ کو حضرت سے بہت کچھ اخلاص وعشق تھا، جس زمانے میں آپ حجاز میں تھے، حضرت نے مولانا محمد ہاشم کشمی سے فرمایا کہ اس وقت میں بعض قدیم مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا۔ مولانا محمد صدیق نظر کشفی میں کامل محبت واخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ معلوم ہوئے آپ کو حضرت کے علوم ومعارف سے کافی مناسبت تھی...... آپ نے مثنوی مولانا رومی کے وزن پر ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ماچین کے شیشہ گر کی حکایت نظم کی ہے، اور وہ حق الیقین کی بہترین تعبیر ہے۔ ایک دوسری مثنوی بوزن خسرو شیریں لکھی ہے۔

۱۷...... شیخ عبدالحیٔ

آپ حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندے مسکین طبع اور خموشی پسند بزرگ تھے، سالہا سال تک آستانۂ مجددی پر دُر ربائے فیض سے دامنِ مراد کو بھرا اور توجہ مرشد کی برکت سے ترقیات سے ہم آغوش

ہوئے، بہت سے اسرار و معارف کو زبانِ فیض ترجمان سے سنا تھا بلکہ ان احوال سے بھی کچھ وافر حصہ مبدءِ فیاض سے پایا تھا جن کی ترجمانی حضرت نے مکتوبات کی صورت میں فرمائی ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم نقشبندی کی فرمائش پر مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت کے بہت سے مکتوبات آپ کے نام بھی ہیں...... حضرت نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، شہر کے کنارے شیخ نور محمد (جن کا ذکر کیا جا چکا ہے) طالبان حق کے افاضہ میں مشغول تھے اور شہر کے درمیان میں شیخ عبدالحیٔ تشنگان طریقت کی پیاس بجھا رہے تھے، حضرت ایک مخلص کو تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> وجود این دو عزیز (یعنی مولانائے مذکور و شیخ نور محمد) در آں یک شہر چوں قران السعدین است
>
> مولانا عبدالحیٔ اور شیخ نور محمد کے وجود ایک شہر (پٹنہ) میں قِران السعدین کی مانند ہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے براہِ راست شیخ نور محمد کو ایک مکتوب پٹنہ بھیجا اور اس میں شیخ عبدالحیٔ کے مقام و حال کی اطلاع ان الفاظ میں فرمائی ہے:

> شیخ عبدالحیٔ ہم شہری شما است و بجوار شما آمدہ است نسخۂ علوم و معارف غریبہ است و چیز ہائے ضروریہ این راہ نزد او مودع است ملاقات او یاران دور افتادہ را مغتنم است کہ نو آمدہ است و چیز ہائے نو آوردہ است۔ الخ
>
> شیخ عبدالحیٔ تمہارے ہم شہری ہیں اور تمہارے پڑوس میں آئے ہیں یہ علوم و معارف کی ''کتاب ناطق'' ہیں۔ اور راہِ سلوک کی ضروری چیزیں ان کو سونپی گئی ہیں ان کی ملاقات دور افتادہ مخلصین کے لیے بسا غنیمت ہے۔ کیونکہ یہ نئے نئے آئے ہیں اور تازہ تازہ معارف لائے ہیں۔ الخ

آپ نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی[۶]۔

۱۸......مولانا یار محمد القدیم الطالقانی[۵]

آپ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے قدیم خادم ہیں۔ قائم اللیل وصائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے۔ بزرگانِ نقشبند کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں، خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے، صاحب ''زبدۃ المقامات'' تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ میں اپنی خوبصورتی اور اس داڑھی کا بہت ''شکرگزار'' ہوں کہ

جب کبھی بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو مجھ کو دیکھ کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے لگتے ہیں۔ آپ نے فقر وفاقہ کی حالت میں بیت الحرام اور روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا اور اپنی روح کو جذب وکیف اور نشاط وانبساط کی دعوت دی۔

۱۹......مولانا قاسم علی

آپ بھی حضرت خواجہ صاحب کے ان اصحاب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت کے حوالہ ہوئی تھی آپ خانقاہِ مجددی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہرِ مقصود حاصل کرتے رہے، خود حضرت نے حضرت خواجہ صاحب کو آپ کی روحانی ترقیات کی اطلاع ایک مکتوب کے ذریعہ کی ہے اور مزید ترقی کی امید ظاہر فرمائی ہے، اس سے زیادہ حالات دریافت نہ ہو سکے۔

۲۰......شیخ حسن برکی

آپ مولانا احمد برکی کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر ومراقبہ سے مشرف ہوئے اور عنایاتِ خاصہ سے بہرۂ وافر حاصل کرکے وطنِ مالوف واپس ہوگئے، وہاں مولانا احمد کی صحبت میں رہنے لگے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مولانا احمد کے نام ایک مکتوب لکھا اور اس میں تحریر فرمایا:

> شیخ حسن از ارکانِ دولت شما است اگر فرضا شمارا میل سفرے شود
> نائب مناب شما اوست۔ الخ
>
> ترجمہ: شیخ حسن تمہارے رکن اور مدد ومعاون ہیں تم کو بالفرض اگر کسی
> سفر پر جانا ہو تو یہ تمہارے صحیح قائم مقام ہیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مکتوب پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مولانا احمد نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا جب یہ خبر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو پہنچی تو آپ نے مولانا کے مریدوں کو یہ ہدایت تحریر فرمائی:

> مرحوم کے طور و طریقہ کا خیال رکھا جائے اور ذکر و حلقہ کی مشغولیت میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ میں نے اس سے پہلے بر سبیل اتفاق لکھا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو شیخ حسن ان کے قائم مقام ہیں قضارا وہ سفر، سفر آخرت ہو گیا...... اب مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ شیخ حسن کی متابعت مولانا (احمد) کے کسی مرید پر گراں نہ ہو...... (بہر حال) اطاعت لازمی ہے، ویسے بھی شیخ حسن کا طریقہ مولانا (احمد) کے طریقے سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے، مولانا (احمد) نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی، شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہیں۔ مولانا کے دوسرے مریدین کو (ہر چند کہ وہ صاحب کشف و شہود ہوں) اس نسبت سے بہت کم حصہ ملا ہے......

آخر کار مولانا احمد کے مریدوں کی سر حلقگی شیخ حسن کے لیے تجویز ہوگئی اور آپ افادہ و افاضہ میں مشغول ہوئے آپ نے اپنے شیخ (حضرت مجدد) اور اپنے استاد مولانا احمد کا شیوہ اختیار کیا اور مراقبہ، مجاہدہ اور رفعِ بدعت میں مضبوطی سے کام لیا، اور کامیاب و فلاح یاب ہوئے حضرت کے پاس آپ کے جو خطوط آئے تھے ان سے آپ کے حالات کا پتا چلتا ہے...... ایک عریضہ میں بعض اصطلاحاتِ صوفیہ پر کچھ اعتراضات وارد کیے تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس ''بے بضاعت'' کو تسکین دیتے ہیں معارف شرعیہ ہیں' اور شریعت کا ہر حکم ایک ایسے دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ہو کر ''شہر مقصود ت'' ک پہنچ سکتے ہیں...... حضرت کو اس مکتوب کے اس حصہ پر جس میں اصطلاحات صوفیہ پر اعتراضات تھے سخت ناگواری ہوئی اور اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

> خبردار بے سمجھی سے ایسی باتیں آئندہ نہ کرنا اور غیرتِ خداوندی سے ڈرتے رہنا۔ شاید تم کو نقلی و جعلی صوفیوں نے ''برانگیختہ'' کر دیا ہوگا...... مگر بزرگوں کا خیال بھی تو رکھنا چاہیے...... مدعیانِ طریقت کی بدعات پر نکتہ چینی کرو تو اس کی گنجائش ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہے، لیکن جو چیزیں صوفیہ میں مقرر اور ضروری ہیں ان پر کلام کرنا سخت نامناسب بات ہے۔

آخر میں معارفِ شرعیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس کو مطالعہ فرما کر حضرت خوش ہوے اور اس کے متعلق اسی مکتوب میں یہ تحریر فرمایا:

> این را بر فنا بسیار اصل است و بسیار عالی و امید واری بحسن مطالعہ این معرفت محظوظ ساخت و نا ملائمت اول مکتوب را زائل گردانید حق سبحانہ ازیں راہ بمقصو د رسانند......
>
> یہ چیز اصل اور عالی ہے' اس معرفت کے حسنِ مطالعہ کی امید نے بہت مسرور کیا اور مکتوب کے ابتدائی حصہ کی نامناسب تحریر کے اثر کو زائل کر دیا۔ حق تعالیٰ اسی راستے سے مقصود تک پہنچائے......

۲۱......مولانا شیخ عبدالہادی فاروقی بدایونی

آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ تھے۔ بعض کتب میں آپ کا اسم گرامی شیخ عبدالہادی منکن لکھا ہوا ہے ۸۔ آپ بھی حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ان مریدین میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے متعلق ہوئی تھی، آپ نے بھی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت کر کے نظرعنایت عالیہ سے بہرۂ وافر حاصل کیا، انکسار و افتقار آپ کا طرۂ امتیاز تھا، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جو مکاتیب اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا ذکر بھی فرمایا ہے...... مدت تک خدمت بابرکت سے مستفیض ہونے اور ترقیات و کمالات کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز و مشرف ہوے آپ کا مزار شریف ''مدینۃ الاولیاء'' بدایوں میں ہے، تذکرۃ الواصلین کے مصنف نے بدایوں کے شہداء و اولیاء کے بہت کچھ حالات بہم پہنچائے ہیں لیکن ان کے حالات کو اجمالی طریقہ سے لکھا ہے حتیٰ کہ تاریخ وفات ۹ بھی نہیں لکھی۔ انہوں نے آپ کے مختصر تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے مزار شریف آپ کا راقم کو معلوم نہیں کہ بدایوں میں کس مقام پر مدفون ہیں لیکن میاں اکرام اللہ محشر بدایونی ''روضۂ صفا میں لکھتے ہیں کہ قبر شریف بدایوں میں جانب شرق ہے''۔

(تذکرہ الواصلین، ص ۱۷۸)

۲۲......شیخ یوسف برکی

اوّلاً آپ کو ایک درویش کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب ''توحید خیالی'' اختیار کیا۔ ایک رات عالمِ رویا میں آستانِ مجددی کی طرف دلالت ہوئی، چنانچہ ایک شخص کے ہاتھ اپنے تمام حالات لکھ کر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں روانہ کیے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک مکتوب میں جواباً تحریر فرمایا کہ اس قسم کے احوال شروع شروع میں مبتدیوں پر طاری ہو جایا کرتے ہیں ان کا کچھ اعتبار نہ کرو بلکہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ اس مکتوب میں وصل کی حقیقت اور دیگر حقائق بھی بیان فرمائے اور ہمت بلند کی ترغیب دی۔ اس کے بعد خوبیِ تقدیر سے دربار فیض آثار میں حاضری کا موقع ملا اور بیعت ہوئے کچھ عرصہ سرہند رہنے کے بعد اجازت تعلیم پا کر جالندھر میں سکونت اختیار فرمائی تھوڑے تھوڑے عرصے کے وقفے سے تشریف لاتے رہتے تھے' اور جدائی کے زمانے میں زبان قلم سے عرض احوال کرتے رہتے' اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حسبِ دستور پہنچے وداع کے وقت دیکھا گیا کہ زار و قطار رو رہے ہیں اور زبان حال سے بتغیر قلیل عرفی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ ''گریاں'' رفتم

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک مکتوب میں آپ کو ''مستعد'' اور ''صادق الاعتقاد'' تحریر فرمایا ہے۔

۲۳......سید محبّ اللہ مانکپوری

آپ علومِ دینیہ میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ آغازِ سلوک میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل برہان پوری قدس سرہٗ کی خدمت کی اور ایک مدت وہاں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی۔ اس کے بعد برہان پور میں ہی میر محمد نعمان علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ ذکر سیکھا، چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف وتوصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا مذاکرہ ہوتا تھا' اس لئے آپ کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت درویت کا شوق غالب ہوا۔ چنانچہ بارگاہِ مجددی پر پہنچے اور وہاں مدتوں خوشہ چینیِ فیوض کرتے رہے۔ بالآخر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خلافت سے معزز فرما کر مانکپور روانہ فرمایا، حضرت نے ان کے متعلق ایک مکتوب میں جو میر صاحب مذکور کے نام

ہے یہ کلماتِ طیبات تحریر فرمائے ہیں:

> سید محب اللہ بہ نسیان ماسویٰ و بعض مقامات فنا رسید او را اجازت گونہ دادہ بہ مانک پور فرستادیم......
>
> سید محب اللہ نسیان ماسویٰ بعض درجات فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دیکر مانکپور روانہ کر دیا ہے......

مانکپور کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ نے اپنے اہل وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہنچاتے ہیں حضرت نے ایک بار جواب میں صبر و تحمل کی تلقین فرمائی، اور یہ شعر بھی تحریر فرمایا:۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنیںِ عالم است
ناز کی کے راست آید بارمی باید کشید

لیکن جب آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لیے منت و سماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ ”آج کی رات ہم نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمہارا سامان مانکپور سے الہ آباد منتقل کیا گیا ہے، اب تم الہ آباد میں کوئی یکسوئی کی جگہ اختیار کر لو اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہ میں بسر کرو“ کچھ طریقۂ ذکر کے متعلق تحریر فرما کر آخر میں یہ نصیحت فرمائی:

> تا توانید راہِ تقلید را از دست ندہید کہ تقلید شیخِ طریقت ثمرات دارد و در خلاف طریق او خطرہا است:۔
>
> (ترجمہ) ”جہاں تک ہو سکے تقلید کو ترک نہ کرنا، کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید ثمرات رکھتی ہے، اور اس کے خلاف کرنے میں بہت سے خطرے درپیش ہوتے ہیں“۔۔۔۔

۲۴......حاجی خضر افغان

آپ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مخصوص مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیضِ سرمدی حاصل کیا۔ آپ اکثر راتیں گریہ و زاری میں کاٹتے تھے اور میر تقی میر کے اس شعر کے مصداق تھے:

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے
اک درد سا دل میں ہوتا ہے

میں راتوں کو اٹھ اٹھ روتا ہوں
جب سارا عالم سوتا ہے

آپ کے اوقات اذکار و نوافل اور اشغال سے معمور تھے، سرھند کے قریب ایک موضع میں سکونت اختیار کر لی تھی اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سرھند آتے جاتے رہتے تھے۔ آپ کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرت نے ایک دفعہ اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ ''میں نے ایک دن ابلیس لعین کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ میرے مریدین میں سے وہ کون شخص ہے جس پر تیری دسترس کمتر ہے۔ ابلیس نے کہا: ''حاجی خضر''

آپ نے حضرت سے ایک سال بعد غالباً ۱۰۳۵ھ میں دنیا کو خیر باد کہا۔

۲۵ ...... شیخ احمد سہارنپوری[۱۰]

آپ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ شروع شروع میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے حلقہ درس میں بھی ایک مدت تک رہ کر شرفِ تلمذ حاصل کر چکے تھے، اس کے بعد برہان پور چلے گئے اور وہاں پر شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئے اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی اور آگرہ آئے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس وقت آگرہ میں مقیم تھے۔ اس زریں موقع کو غنیمت جان کر صحبت اقدس سے سعادت اندوز ہوئے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا۔ اور حضرت کی خدمت بابرکت میں رہے، جب حضرت نے میر محمد نعمان کو خلافت دے کر برہان پور رخصت کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحب کے سپرد فرمائی۔ میر صاحب کی صحبت میں حضور و نسبت خواجگانِ نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک خاص لذت محسوس کی۔ چنانچہ اسی طریقہ کے ذکر کا التزام کر لیا۔

ایک دفعہ مرشد سابق سے ملاقات ہوئی انہوں نے آپ سے دریافت فرمایا: ہم نے تم کو جو ذکر تعلیم کیا ہے اس میں اشتغال رکھتے ہو یا نہیں؟ آپ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے میر محمد نعمان سے طریقۂ خواجگان نقشبندیہ کا ذکر حاصل کر لیا ہے' اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں مشغول ہوں۔ شیخ سابق چونکہ منصف مزاج اور حقانیت پسند تھے اس لیے تھوڑے سے تامل کے بعد فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ کا حاصل کرنا ہے، حضوری کی دولت جس جگہ سے بھی بہم پہنچے اس کو لازم پکڑو، میر صاحب کے یہاں کچھ عرصے رہنے کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ الطافِ بے پایاں سے نوازے

گئے اور اجازت کی خلعت عنایت ہوئی...... آپ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب بعد حصول اجازت دو (۲) طالبوں کو ذکر طریقت کی تعلیم دی وہ دونوں متاثر ہوئے اور ان سے احوال کا ظہور رہا یہ کرشمہ دیکھ کر آپ خود محوِ حیرت ہو گئے' اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس میں لکھا کہ باوجودیکہ میں اپنے اندر کوئی حال محسوس نہیں کرتا لیکن یہ کیا بات کہ میں نے دو (۲) طالبوں کو تعلیم ذکر کی اور ان سے احوال ظاہر ہوئے؟ اسی کے ساتھ ذہول اور دوام آگاہی کے متعلق بھی دریافت کیا، حضرت نے دونوں طالبوں کا جواب عنایت فرمایا پہلے جز کے متعلق جواب دیتے ہوئے ان دونوں مآبوں کے احوال کو مولانا کے احوال کا عکس قرار دیا ہے جو کہ ان دونوں کے آئینہ استعداد میں ظاہر ہو گیا۔ رہا اپنے احوال کا علم اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ

> مقصود حصول احوال ہے نہ کہ علمِ احوال، علمِ احوال ایک اور دولت ہے کسی جماعت کو علم احوال منجانب اللہ دیا جاتا ہے اور کسی کو نہیں بھی دیا جاتا۔

دوسرے جز کے متعلق یہ ارقام فرمایا کہ

> آگاہی سے مراد حضور باطنی ہے جو کہ علم حضوری سے مشابہ ہے، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ کوئی شخص کسی وقت اپنے نفس سے غافل ہو گیا ہو اور اسے اپنی نسبت ذہول رونما ہوا ہو، غفلت و ذہول تو علمِ حصولی میں ممکن ہے۔

آپ مدت تک آگرہ میں طالبین معرفت کے افادہ میں مشغول رہے۔ آپ کے ان دونوں مریدوں کے چہرہ سے اکابرِ سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبہ و بیخودی کی شان آشکارا تھی، ایک رئیس اعظم جو کہ آپ سے اخلاص مندی کا تعلق رکھتے تھے آپ کو بنگالہ" لے گئے آپ نے اس علاقہ میں قبولیت عظیمہ حاصل کی اور طالبین معرفت کو خمخانۂ توحید کے کیف آور و روح پرور جام پلائے۔ اور سرمستانِ مئے الست نے جھوم جھوم کر عرض کیا:

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک ساغر چلے ساغر چلے

(میر درد)

۲۶......شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی

آپ باباحسن ابدالی (جو کہ کابل کے علاقہ میں ایک مقام ہے) کے رہنے والے اور حضرت کے قدیم مرید تھے، شروع شروع طلب حق میں سیاحی کی اور اسی سلسلے میں سرہند آئے۔ حضرت مجدد علیہ لرحمۃ کے پاس پہنچتے ہی آپ کا حال دگرگوں ہوگیا۔ عنایتِ خاصہ سے مشرف اور تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز کیے گئے۔ اس علاقہ کے لوگ کثرت سے آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوکر داخل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہوئے......

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے یہاں آپ کو بہت رسوخ حاصل تھا جس زمانے میں حضرت تنہائی اختیار فرماتے تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ خلوت گاہ میں پہنچے، لیکن یہ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمادیا تھا کہ شیخ اپنے مریدوں سمیت خلوت گاہ میں آئیں' اور انہیں کوئی نہ روکے، جس زمانے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لاہور تھے آپ اپنے مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور الطاف مرشد سے سرفراز ہوکر وطن واپس گئے، شیخ اسحٰق نامی ایک فاضل نے جو کہ سندھ کے مقتداؤں میں سے تھے آپ سے بیعت کی اور اکیس روز متواتر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارتِ منامی سے مشرف ہوکر رحمۃ للعالمین کے الطافِ گوناگوں سے شادکام ہوئے۔

۲۷......مولانا عبدالواحد لاہوری

آپ کو بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ ہی نے تربیتِ باطنی کی غرض سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے سپرد فرمایا تھا، آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادۃ تھے۔ صاحب "زبدۃ المقامات" (مولانا محمد ہاشم کشمی) فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ مجھ سے دریافت فرمانے لگے "کیا جنت میں نماز ہوگی؟" میں نے کہا نہیں، جنت میں نماز کہاں ہوگی جنت تو جزائے اعمال کا محل ہے نہ کہ دارالعمل آپ نے یہ جواب سن کر ایک آہ سرد بھری اور رونے لگے اور حسرت آمیز لہجے میں فرمایا: آہ" بے نماز کے جنت میں کیونکر بسر ہوگی؟"......

صاحب "زبدۃ المقامات" نے آپ کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن آپ حضرت کو ایک عریضہ تحریر کررہے تھے، اتفاق سے اس پر میری نظر پڑی تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا......

> کبھی کبھی نماز کے اندر حالت سجدہ میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ
> سجدے سے سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔

۲۸......مولانا امان اللہ لاہوری

آپ بھی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مریدان اجازت یافتہ میں سے ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں حج بیت اللہ کا شوق غالب ہوا، پیادہ پا بغیر توشہ وزادِراہ سفر حجاز کو چل کھڑے ہوے، راستے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اور خود آپ کے متوسلین واحباء نے چاہا کہ ان سے زادِ وراحلہ قبول کرلیں لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ حجاز کو گئے۔

ان مذکورہ خلفاء کے علاوہ دیگر حضرات جو خلافت واجازت یافتہ اور ارباب ذوق واصحاب فضل تھے، ان کے اسماء مبارکہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا امان اللہ فقیہ (۲) شیخ محمد حری، (۳) شیخ داؤد ساکی، (۴) شیخ سلیم بنوری، (۵) شیخ نور محمد بہاری، (۶) شیخ حامد بہاری، (۷) صوفی قربان (قدیم) مولانا صادق کابلی، (۸) مولانا محمد ہاشم خادم، (۹) شیخ زین العابدین تبریزی ثم المکی الشافعی، (۱۰) مولانا غازی گجراتی، (۱۱) صوفی قربان (جدید)، (۱۲) سید باقر سارنگپوری، (۱۳) شیخ عبدالعزیز نجومی مغربی مالکی، (۱۴) شیخ احمد استنبولی حنفی، (۱۵) مولانا فرخ حسین، (۱۶) مولانا صفیر احمد، (۱۷) مولانا بدرالدین[۱۲] سرہندی، (۱۸) مولانا حمید احمدی، (۱۹) حاجی حسین، (۲۰) شیخ عبدالرحیم برکی، (۲۱) مولانا عبدالمومن لاہوری، (۲۲) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، (المتوفی ۱۰۶۸ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت کے مخلصین میں بعض وہ بھی تھے جو بظاہر اہل سپاہ لیکن بباطن اصحاب خانقاہ تھے اور ع

درویش صفت باش وکلاہِ تتری دار

کے مصداق صحیح جیسے خواجہ محمد اشرف کابلی، مولانا حاجی خرکتی، مولانا عبدالغفور سمرقندی، حافظ محمد گجراتی، سلیم خاں لشکری، مکتوبات شریفہ کے مطالعہ سے ان حضرات کے بھی کمال ذوق وشوق کا حال معلوم ہوتا ہے، بعض تجار بھی حضرت سے مستفیض ہوے اور وہ آیت **رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع** ''**عن ذكر الله**[۱۳]'' کے آئینہ دار تھے...... یہ حضرت مجدد الف ثانی کے ان چند خلفاء کا اِجمالی تذکرہ ہے جن کے ناموں سے اہل سیر واقف ہیں، ان کے علاوہ بھی خدا معلوم کس قدر خلفاء ہوں گے جن کے حالات تو کیا اسماء بھی معلوم نہیں، جس مجسمہ روحانیت وپیکر ہدایت اور ''رگ فاروقیت'' رکھنے والے بزرگ نے ہندوستان، افغانستان بلخ وبخارا غرضیکہ عالم اسلامی کے بلا مبالغہ لاکھوں نفوس کو اپنی بے پناہ جدوجہد سے کلمۂ حق اور

ذکرِ خدا کا سبق پڑھایا تھا اس کے خلفاء کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہو سکتی کہ ان کے اسماء حالات چند اوراق میں سما سکیں۔ لامحالہ ان مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر اربابِ جذب و کیف بھی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے ہونگے۔ میرے اس قول کی تائید ''زبدۃ المقامات'' کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔

> وجمعے دیگر از اصحاب مقبل صاحبدل آنحضرت بفقر و انزوا و خمولی چناں بودہ اند کہ اکثر خادمان آستان ہم از کاروبار ایشاں آگاہ نیند
>
> ترجمہ: ان خلفاء کے علاوہ بھی حضرت کے بہت سے صاحبدل خلفاء ایسے ہیں جو زاویۂ فقر اور گوشۂ گمنامی میں بسر کرتے ہیں اور ان سے اکثر خادمانِ آستانِ عالی بھی واقف و آگاہ نہیں ہیں۔

میں نے سعادت اندوزی کا شرف حاصل کرنے کے لیے بزرگانِ دین کی اس صحبت کے ساتھ جو بحمد اللہ میرے دل میں موجزن ہے اس مختصر (لیکن ایک حد تک کافی) تذکرہ کو مرتب کیا ہے۔ مجھ سے اس میں بہت سی علمی و تحقیقی فروگذاشتیں ہوئی ہوں گی مگر ان سب کو ناظرین کے دامنِ عفو کے حوالے کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان بزرگوں نیز دیگر سلاسل کے اکابر کی محبت و متابعت نصیب کرے اور انہیں کے زمرے میں محشور فرمائے (آمین!)

احب الصٰلحین ولست منهم　　لعل الله یرزقنی صلاحاً

واخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین و الصلوٰة والسلام
علٰی رسوله الکریمOط

☆......☆......☆

حواشی

۱......ان تین صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کے چار صاحبزادے شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف اور شاہ محمد یحییٰ اور تھے۔ جن میں اوّل الذکر دو بچپن میں اور محمد اشرف حالتِ شیر خوارگی میں فوت ہو گئے، اور آخر الذکر (شاہ محمد یحییٰ) حضرت کی وفات کے وقت کم سن تھے۔ اس لیے خلفاء کے تذکرہ میں تین ہی صاحبزادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کی تین صاحبزادیاں تھیں۔

۲......تذکرۃ العابدین ص ۱۲۳ مؤلفہ حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی۔

۳......ان کا تذکرہ ''تذکرۃ العابدین'' ص ۱۲۳ سے ماخوذ ہے۔

۴......آپ کے خلیفۂ اعظم حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے جن کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم فاروقی اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ان کے صاحبزادے مجددِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلوی ہوئے جن کے ظاہری و باطنی فیوض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالمِ اسلام پر محیط ہیں اور اس واسطے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے جو فیوض آج عالم میں نظر آرہے ہیں وہ بالواسطہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ہیں۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

۵......تذکرۃ العابدین صفحہ ۱۴۳

۶......تذکرۃ العابدین صفحہ ۱۲۳

۷......آپ کے بعد آپ کے ایک اور ہم نام (یار محمد) جامع مکاتیب دفتر اوّل حضرت کی خدمت میں آئے اس لیے ثانی الذکر کو جدید اور آپ کو قدیم کہتے ہیں۔ ۱۲

۸......بدایوں کے شیوخ فاروقی دو فرقوں میں منقسم تھے ایک ''منکن'' کے نام سے اور دوسرا ''برپتی'' کے نام سے موسوم تھا۔ شیخ عبدالہادی فرقہ اوّل سے تعلق رکھتے تھے، ''تذکرۃ الواصلین'' صفحہ ۱۷۸ مولفہ مولوی شیخ رضی الدین صاحب بسمل صدیقی فرشوری بدایونی۔

۹......کو (''آثار اولیائے شہر بدایوں'' مولفہ سید منظور علی بدایونی ص ۴۶ کے مطالعہ سے) معلوم ہوا کہ تاریخ وصال ۹/ شعبان المعظم ۱۰۴۱ھ ہے اور مرزا مبارک خرم شاہ کے تکیہ میں ہے۔

۱۰......''زبدۃ المقامات'' میں آپ کے تذکرہ کا عنوان ''شیخ امد دیبنی'' ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے، ''دیبن موضعے است از مضافات سہارنپور میاں دوآب الخ۔'' ''زبدۃ المقامات'' کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے۔

۱۱......آپ کا سنہ وفات اور مزید حالات نہ معلوم ہو سکے۔ میں نے اپنے محترم جناب مولوی سید محبوب الحسن صاحب رضوی کو اس طرف توجہ دلائی ہے وہ ''مشاہیر دیوبند'' کے سلسلہ میں جو تحقیق فرما رہے ہیں ان کے تذکرے کو بھی شاید مفصل لکھیں۔

۱۲......آپ نے بھی اپنے پیر و مرشد کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''حضرات القدس'' ہے ۱۲

۱۳......یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارۃ اور خرید و فروخت ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ ۱۲

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور علمائے عصر

ڈاکٹر سراج احمد خان

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ترویج دین اور تبلیغ شعائر اسلام کے لیے علماء کو بھی تیار کیا اور ارکانِ سلطنت کو بھی آمادہ کیا۔ بے محل نہ ہوگا اگر ہم عہد اکبری کے دو خاص عالموں کا کردار بیان کر دیں۔ تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس زمانے میں ہمارے بعض علماء کس نہج پر چلتے تھے۔

مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری:

اکبری دور کے با اقتدار علماء میں مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ہمایوں کے دور سے ان کے علم و فضل کا بڑا چرچا تھا اور خود ہمایوں نے ان کو مخدوم الملک کا خطاب، اور قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا تھا۔ سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

> ان کے بزرگ ملتان سے آئے اور سلطان پور ضلع جالندھر میں آباد ہوئے تھے۔ مولانا عبد اللہ کے علم و فضل کی شہرت نے ہمایوں بادشاہ کو پہلے دور میں ان کا معتقد بنایا۔ مخدوم الملک کا خطاب اور قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں شیخ الاسلام کے نام سے اقتدار کا پایہ اور اونچا ہوا۔ غالباً سلیم شاہ ان سے خوش نہ تھا۔ ایک مرتبہ سلیم شاہ نے امیروں سے یہاں تک کہا کہ بابر کے چار بیٹوں کو ہم نے ممالک ہند سے نکالا۔ مگر یہ پانچواں بیٹا رہ گیا ہے کسی نے پوچھا ''پھر تم نے کیوں رکھا''؟ کہا، اس سے بہتر آدمی نہیں ملتا [1]۔

سلیم شاہ کے اس بیان سے ان کی علمی لیاقت و قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا

ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ سلیم شاہ کے علم میں تھا کہ ہمایوں نے کن کن عنایات خسروانہ سے نوازا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب وہ حریف تھا تو ان کو کیوں نہ حریف سمجھا جاتا...... ان کے علم وفضل نے اس کو اتنا متاثر کیا کہ ان کو رکھے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

عہد اکبری کے مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے عربیت، اصول فقہ، تاریخ اور علوم نقلیہ میں مخدوم الملک کی مہارت کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے:

> از فحول علمائے زماں و یگانۂ دوراں بود خصوصاً در عربیت و اصول فقہ و تاریخ وسائر نقلیات[۲]۔

مخدوم الملک نہ صرف متبحر عالم تھے بلکہ صاحب تصنیف بھی تھے ان کی بعض اہم کتابیں یہ ہیں۔

(۱)...... عصمت الانبیاء (۲)...... شمائل النبی (۳)...... کشف الغمہ (۴)...... منہاج الدین
(۵)...... حاشیہ شرح ملا وغیرہ وغیرہ

مخدوم الملک غضب کے قیافہ شناس تھے چنانچہ جب ابوالفضل کو ابتدائی دور میں دیکھا تو یہ پیش گوئی کردی اور اپنے شاگردوں کو بتا دیا ''چہ خلل در دیں ازیں بخیزد'' (ترجمہ۔ دیکھو اس کی ذات سے دین اسلام میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں)۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مخدوم الملک نے جو پیش گوئی کی تھی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ لیکن اس قیافہ شناسی اور علم وفضل کے ہوتے ہوے مخدوم الملک سخت گیر اور لالچی اور بے عمل تھے، دوسروں پر سختی کرتے تھے لیکن خود اپنے عمل میں خلوص نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ اس دور میں بھی بعض حضرات کا طرز عمل ہے، اقتدار میں رہ کر یہ دورنگی زیادہ عرصہ نہیں چل سکتی۔ بالآخر رازہائے سربستہ طشت ازبام ہوتے ہیں اور صاحب اقتدار ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ عہد حاضر کے مورخ سید ہاشمی فرید آبادی مخدوم الملک کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہوے لکھتے ہیں:

> مخدوم کی اصل کمزوری یہ تھی کہ اوروں پر تشدد کے باوجود اپنے عمل میں اخلاص نہ تھا۔ اور مختلف حیلوں سے زکوۃ تک ادا نہ کرتے تھے۔ ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا، اور یہ عالم دین روپیہ سمیٹنے میں مصروف تھا۔ ان کے مرنے کے بعد وہ عقدے کھلے کہ الامان والحفیظ[۳]۔

آیئے ملا عبدالقادر بدایونی کی زبانی سنیے۔

> اتنے خزانے اور دفینے ظاہر ہوئے کہ ان خزانوں کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی کھولنا ناممکن ہے منجملہ ان کے سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق مخدوم الملک کے گورخانہ سے برآمد ہوئے جنہیں مردوں کے بہانے سے اس نے دفن کیا تھا[۴]۔

یہ اس مورخ کا بیان ہے جو اس عقدہ کشائی کے وقت موجود تھا۔ ان تلخ حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ دربار اکبری کے علماء کس طرف بہے جا رہے تھے عالم دین تھے، لیکن دنیا طلبی ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے ایسے علماء سے اصلاح حال کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

مخدوم الملک نے اپنے دورِ اقتدار میں دو انتہائی خطرناک حرکتیں کیں جن کی وجہ سے ایک طرف بادشاہ علماء اور اسلام سے بدظن ہو گیا اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام موقع پرستوں کو مخدوم الملک سے اپنی ذاتی دشمنی اور ذاتی رنجش نکالنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

پہلی انتہائی خطرناک اور غلط حرکت یہ سرزد ہوئی کہ عبادت خانے (فتح پور سیکری) کی محفلوں میں جہاں اکبر بادشاہ بنفس نفیس موجود رہتا تھا، معمولی معمولی اور فروعی باتوں پر شیخ عبدالنبی اور دوسرے علماء سے مخدوم الملک نے جھگڑے مول لے لیے جن کو دیکھ دیکھ کر پہلے بادشاہ علماء سے متنفر ہوا اور پھر خود اسلام سے متنفر ہو گیا۔ اور یہ سمجھا کہ شاید تمام علماء اسلام ایسے ہی خود غرض اور جاہ طلب ہوا کرتے ہوں گے۔ چنانچہ اسلام سے اس حد تک برگشتہ ہو گیا کہ آخری دور میں اسلام کے خلاف اس کو ایک قسم کی ضد سی ہو گئی تھی۔

دوسری انتہائی غیر دانش مندانہ حرکت یہ ہوئی کہ ایک روز ملا مبارک ناگوری اپنے بچوں کو لے کر ان کے پاس آئے اپنی تنگ دستی اور غربت کا اظہار کیا، اور ان سے ایک سو بیگھہ زمین کی درخواست کی مخدوم الملک نے سن رکھا تھا کہ مبارک ناگوری مذہباً شیعہ امامیہ ہیں اور ان کو اس مذہب سے چڑ تھی چنانچہ اس درخواست پر انہوں نے شیخ مبارک ناگوری سے برملا کہا:

> اگر ایسی ہی مدد کی ضرورت ہے تو پہلے طریقۂ امامیہ (شیعیت) کو خیر باد کہو۔'' یہ کہہ کر ان کو اپنے پاس سے نکال دیا۔ اس توہین آمیز رویہ سے

فیضی کی رگِ حمیت جوش میں آ گئی اور اس نے کہا کہ ''اگر میں اپنی اصل سے ہوں اور اپنے طریقے میں سچا، تو تم سے ایسا انتقام لوں گا جس کی گونج تمام ہندوستان میں سنی جائے گی۔

شیخ فرید بھکری نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

روزے شیخ مبارک با ہر پنج پسر نزد مخدوم الملک و شیخ عبدالنبی صدر الصدور رفتہ اظہارِ عسرت و معیشت خود نمود والتماس کردند کہ اگر یک صد بیگھہ در مدد معاش مرحمت شود از طرف یومیہ خاطر جمع نمودہ بہ افادۂ علوم دینی پرداز دو چوں شہرت یافتہ بود کہ شیخ مبارک مذہب امامیہ دارد و پسرانش ہم بداں مرتکب اند و بعضے می گفتند کہ باعتقاد گروہ مہدویہ ہستند، مخدوم الملک و شیخ عبدالنبی کہ کمال تعصب در مذہب اہل سنت و جماعت داشتند، شیخ مبارک را باپسرانش بہ اقبح وجہے از مجلس بدر کردند و گفت کہ اگر ترا تقویت در معیشت می شود رواج مذہب امامیہ را خواہی داد شیخ فیضی را عرق حمیت در جوش آمدہ گفت اگر شیخ زادۂ اصیل و در مذہب صادق ہستم نوعِ انتقام از شما بر آریم در تمام ہندوستان شائع شود[۵]۔

(ترجمہ) ایک دن شیخ مبارک اپنے پانچ بیٹوں کو لیکر مخدوم الملک اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے پاس گئے اور اپنی عسرت اور تنگدستی کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ اگر سو بیگھہ زمین بطور مدد معاش عنایت فرما دی جائے تو اس طرف سے یک سُو ہو کر افادہ علوم دینی میں مصروف ہو جاؤں چونکہ یہ بات مشہور تھی کہ شیخ مبارک مذہب امامیہ کے پیرو ہیں۔ اور ان کے بیٹے بھی اسی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بھی مشہور تھا کہ ان کا تعلق گروہِ مہدویہ سے ہے۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی بڑے متعصب سنی تھے چنانچہ انہوں نے شیخ مبارک اور ان کے بیٹوں کو یہ کہہ کر نکال باہر کیا کہ اگر تمہاری مدد کی گئی تو تم تو مذہب امامیہ کو رواج دو گے شیخ فیضی

> کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا ''اگر میں اپنے اصل سے ہوں
> اور اپنے مسلک میں سچا ہوں تو تم سے ایسا بدلہ لوں گا کہ جسکی گونج
> ہندوستان میں سنی جائے گی۔

چنانچہ فیضی نے جو عزم کیا تھا کر کے دکھایا۔ شیخ مبارک ناگوری نے ایک محضرنامے پر دستخط کرا کے مخدوم الملک کے اقتدار و حکومت کو تقریباً ختم کر دیا۔ مخدوم الملک نے آخری وقت انتہائی کس مپرسی کے عالم میں گزارا۔ ان کی ابتداء بڑی شاندار تھی۔ لیکن انتہا بڑی عبرتناک ثابت ہوئی۔ سید ہاشمی فرید آبادی نے اس محضرنامے کا ذکر کیا ہے۔ جس نے مخدوم الملک کے اقتدار کا خاتمہ کیا وہ لکھتے ہیں:

> ایک محضر تیار کیا کہ اختلافی مسائل میں بادشاہ عادل خود مجتہد کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کی رائے بشرطیکہ نص (قرآن) کے خلاف نہ ہو، قولِ فیصل مانی جائے گی، مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اسی کے مطابق عمل کریں۔
>
> (مکتوبہ بماہ رجب ۹۸۷ھ)

مخدوم الملک اور صدر الصدور سے جبراً قہراً محضر پر دستخط لیے گئے تھے۔ مگر مخدوم نے سرکار دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے بگڑ کر دونوں صاحبوں کو حجاز روانہ کیا۔ وہاں سے چار سال بعد بغیر اجازت یہ واپس ہندوستان آئے تھے کہ گجرات میں گرفتاری کا حکم پہنچا۔ مخدوم الملک ضعیف العمر بزرگ تھے، قید کا صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ احمد آباد ہی میں مر گئے نعش وطن میں لائی گئی، ساتھ ہی کوتوالی کے فرشتے گھر میں گھسے اور سارا مال و اسباب بحقِ سرکار ضبط کر لیا۔ کہتے ہیں ان کے قبرستان میں بعض فرضی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ مخبروں نے انہیں کھدوایا تو سونے کی اینٹیں گڑی ہوئی برآمد ہوئیں ان واقعات سے مرحوم کا اب کچھ نہ بگڑ سکتا تھا، مگر طبقۂ علماء کی اور مٹی خراب ہوئی[۶]۔

دیکھا آپ نے، حاسد کے حسد نے مخدوم الملک کو کہاں کہاں تک پہنچایا! اسی لیے قرآن کریم نے حاسد کو بھی شیطان کے زُمرے میں شمار کیا ہے۔ اور شیطان کے ساتھ حاسد سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ "ومن شر حاسد اذا حسد" اور پناہ مانگتا ہوں حاسد سے جب وہ دشمنی پر تل جائے۔

مخدوم الملک کی سیرت میں خامیاں تھیں یا نہیں، قطع نظر اس کے یہ بات روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ بادشاہ کے اتنے قریب ہوتے ہوئے انھوں نے احیائے ملت کے لیے کچھ نہ کیا۔ بلکہ عبادت خانے

(فتح پور سیکری) کی محفلوں میں ان کی عالمانہ نخوت نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا۔ ۹۹۱ھ میں مخدوم الملک کا انتقال ہوا۔

صدر الصدور شیخ عبدالنبی:

شیخ عبدالنبی کو بعض اہل علم نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کا پوتا بتایا ہے۔ چنانچہ سید مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں:

> ادھر شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے مولانا عبدالنبی، جو عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کیے جاتے تھے[7]۔

ڈاکٹر سید معین الحق نے بھی پوتا ہی لکھا ہے:

> عبدالنبی صدر الصدور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے[8]

لیکن صحیح یہ ہے کہ شیخ عبدالنبی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحبزادے تھے۔ چنانچہ شیخِ ہمعصر حضرت عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> شیخ عبدالقدوس کے کئی لڑکے تھے جن میں سے شیخ رکن الدین بڑے برگزیدہ بزرگ ہوئے جن کا مسلک فقر و محبت تھا۔ اور یہ اپنے والد کے قدم بقدم چلتے رہے۔ شیخ عبدالقدوس کے ایک فرزند شیخ عبدالنبی تھے[9]۔

غالباً حضرت شیخ محدث کے اس بیان کی بنا پر سید ہاشمی فرید آبادی نے بھی شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا بیٹا ہی لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> مخدوم الملک کے حریف شیخ عبدالنبی شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے بیٹے تھے[10]۔

شیخ عبدالنبی کی تعلیم تصنیف و تالیف اور ملازمت اور پھر ان کے عروج و زوال پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

> اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں مکہ معظمہ گئے جہاں کے علماء و فقہاء سے تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس آئے اور پھر اپنے والد سے زُہد و عشق اور اپنے چچا صاحبان سے توحید و سماع کے

مسائل حاصل کیے پھر انہوں نے قوالی کے جواب میں ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد ایک رسالہ قوالی نہ سننے کے احکام کے بارے میں سپردِ قلم کیا۔ اگر چہ قوالی نہ سننے کے احکام کی کتاب لکھنے کے باعث ان کو بے انتہا تکالیف اٹھانا پڑیں، لیکن یہی کتاب ان کی شہرت کا سبب بنی۔

بادشاہِ وقت اس زمانے میں ایک ایسے وزیرِ اعلیٰ کا طلب گار تھا جو عالم اور دیانت دار ہو چنانچہ بعض ذرائع سے آپ ۹۷۱ھ میں مسندِ صدارت پر فائز ہوئے۔

چونکہ بادشاہ وقت کو آپ سے کامل اعتقاد ہو گیا تھا۔ اس لیے دوسرے لوگوں کی آپ کے برابر وہ عزت نہیں کرتا تھا کہ جو آپ کے معیار پر پورا نہ اترتا وہ ترقی سے محروم رہتا چند سال کے بعد ۹۸۶ھ میں کئی اسباب و حادثات کی وجہ سے مزاج شاہی میں کچھ فرق آ گیا اور آپ عہدۂ صدارت سے معزول ہو گئے"[1]۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے بھی آپ کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے:

عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کیے جاتے تھے۔ ان ہی کی بادشاہ نے جوتیاں سیدھی کی تھیں اور سارے ہندوستان کے ائمہ اور خطباء وغیرہ کی جاگیروں کا اختیار ان کو دیا گیا تھا۔ اور جب صدارت کے اختیارات ملے تو پھر کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے تھے"[2]۔

سید ہاشمی فرید آبادی نے بھی ان کے حالات میں لکھا ہے:

شیخ عبدالنبی نے جوانی میں کئی حج کیے۔ علمائے حجاز سے دین کی تعلیم پائی اور واپس آ کر والد کا رد تحریر کیا۔ والد نہایت ناراض ہوئے۔ مگر یہی تصنیف ان کے تقشف کی دستاویز اور دربار اکبری میں داخلے کی سند بنی آگرہ پہنچے تو نوجوان بادشاہ زہد و تقویٰ کا ایسا گرویدہ ہوا کہ ان کی مسجد میں خود اذان دیتا اور جاروب کشی کو مباہات کا سرمایہ سمجھتا تھا۔ کبھی ان کی

> جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ زعفرانی جوڑا پہن کر آیا تو شیخ نے مارنے کو عصا اٹھایا[۱۳]۔

شروع شروع میں انتہائی محنت اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ زمانہ صدارت میں آپ کی مُہر پر یہ آیت کریمہ کندہ تھی۔ **لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** لیکن جلد ہی دربار میں پھیلی ہوئی ابتری کا ان پر اثر ہوا۔ اور یہ بھی علماء سوء کی سی حرکات میں مبتلا ہو گئے۔ تین انتہائی خطرناک قسم کی غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)......ایک غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے انتہائی غیر دانشمندانہ، اور متشددانہ طریقہ اختیار کر کے ملا مبارک ناگوری اور ان کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کو اپنا دشمن بنالیا۔

(۲)......دوسرے یہ کہ عبادت خانے کی محفلوں میں معمولی معمولی فروعی مسائل پر انہوں نے مخدوم الملک اور دوسرے علماء سے جھگڑے مول لے لیے۔

(۳)......تیسرے یہ کہ ان کے عملے میں رشوت عام ہوگئی اور انہوں نے صورت حال بہتر بنانے کے لیے کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی۔

مخدوم الملک سے ان کی دشمنی عبادت خانے کی محفلوں سے شروع ہوئی ملا عبدالقادر بدایونی ان محفلوں کے چشم دید گواہ ہیں وہ لکھتے ہیں:

> عبادت خانے کے مباحثوں میں یہی صورت پیش آئی۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور ایک دوسرے سے لڑے اور آپس میں کٹ مرے۔ شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں کو انتقام کا موقع ملا۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور دونوں کو بادشاہ کی نظر سے گرادیا[۱۴]۔

اب بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زوال کا اصل سبب ان دونوں ممتاز علماء کی آپس کی چپقلش تھی، اکبر چونکہ اَن پڑھ تھا، اس لیے جیسا کہ اَن پڑھ لوگوں کی عقیدت ونفرت میں شدت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب اس نے عقیدت کی تو اس کو خوب نباہا اور جب اسے ان کی تنگ دلانہ شکررنجیوں نے بدل کر دیا تو نفرت بھی شدید تر ہوگئی۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے مخدوم الملک اور صدر الصدور کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> اکبر کے عہد حکومت کے ابتدائی دور میں شرعی قوانین کے نفاذ کی ذمہ داری

> مخدوم الملک اور ملا عبدالنبی صدر الصدور کے ہاتھ میں تھی۔ دونوں متعصب تھے۔ اور اپنی خودرائی اور نخوت کی وجہ سے وہ کسی طبقے میں ہر دل عزیز نہ تھے۔ لیکن چونکہ انکے فرائض نہایت اہم تھے لوگ ان سے کھلم کھلا بغاوت نہ کرتے تھے[۱۵]۔

غالباً اسی طبعی خودرائی اور خود پسندی کی وجہ سے دونوں حضرات عبادت خانے کی محفلوں میں باہم الجھ جایا کرتے تھے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ جس چیز کو مخدوم الملک حلال بتاتے اس کو ملا عبدالنبی حرام بتاتے علماء کے اس افراط وتفریط کا آنکھوں دیکھا حال ملا عبدالقادر بدایونی نے اس طرح بیان کیا ہے:

> علماء کے اس اختلاف نے کہ جس کو ایک حرام کہتا اس کو دوسرا حلال بتاتا بادشاہ کو اسلام سے منحرف کر دیا[۱۶]۔

اکبر اپنے زمانے کے علماء کی بے حد قدر ومنزلت کرتا تھا لیکن جب ان کی یہ حالت دیکھی تو برگشتہ ہو گیا۔ اور ان سے کیا برگشتہ ہوا تمام سلف علماء سے بھی بدظن ہو گیا۔ اس کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالتے ہوئے ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:

> اکبر اپنے زمانے کے علماء کو غزالی ورازی سے بھی بہتر خیال کرتا تھا۔ پھر ان کے چھچھورے پن کو جب بادشاہ نے دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا[۱۷]۔

(۴)...... چوتھی غلطی یہ تھی کہ ان کے عملے میں رشوت عام ہو گئی تھی جس کا انہوں نے سدِّ باب نہ کیا یا نہ کر سکے۔ حال یہ تھا کہ ان کے حلال خور بھی رشوت لیا کرتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

> لوگ شیخ کے وکیلوں، ان کے فراشوں، دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں تک کو رشوتیں دے دے کر اپنی اپنی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرتے تھے[۱۸]۔

بہرکیف شیخ مبارک ناگوری اور ان کے بیٹوں کی دشمنی عبادت خانے کی محفلوں میں بات بات پر جھگڑے اور فساد، اور رشوت ستانی کے دور دورے نے شیخ عبدالنبی کو عوام اور خواص اور بادشاہ کی نظر میں گرادیا۔ اور پھر کیا ہوا یہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی زبانی سنیے:

> مخدوم الملک اور صدر الصدور کو ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء کے شروع میں حج اور خیراتی کاموں کے بہانے حجاز میں جلاوطن کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ وہ بلا اجازت نہ آئیں، انھیں جانا ناگوار تھا، اور جب ملک میں بادشاہ کے خلاف عام برہمی اور اضلاع شرقی میں بغاوت پھیلی تو وہ خالی امیدوں کے نشے میں سرشار بلا اجازت واپس آ گئے۔ لیکن ان کے یہاں پہنچنے تک تمام مخالفت ختم ہو چکی تھی، مخدوم الملک تو واپسی پر ڈر سے ہی احمد آباد گجرات، میں وفات پا گئے ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء شیخ عبدالنبی کا انجام زیادہ حسرت ناک ہوا۔ انھیں گرفتار کر کے فتح پور سیکری لایا گیا۔ بادشاہ نے سخت سست باتیں کہیں اور پھر بھرے دربار میں ان کے منہ پر مُکّا مارا شیخ بھی ایک قاعدے اور وقار و جرأت کے پابند تھے۔ جل کر کہنے لگے چھری سے کیوں نہیں مارتے۔؟ اس کا بھی سامان ہو گیا۔ انھیں دیر تک بندی خانے میں قید رکھا گیا۔ وقت رخصت خیرات کے لیے جو ستر ہزار روپیہ دیا گیا تھا۔ اس کا حساب کتاب ہوتا رہا۔ اور اسی دوران ان کا گلا گھونٹ کر ختم کر دیا گیا[۱۹]۔

اکبری عہد کے مذکورہ بالا عالموں کے کردار کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اب مجدد کے ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات عرض ہیں۔

مکتوبات امام ربانی میں خاص طور پر دو مکاتیب حضرت مجدد اور حضرت شیخ کے تعلق کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں یعنی مکتوب نمبر ۱۵ا دفتر اول، اور مکتوب نمبر ۲۹ (دفتر دوم) حضرت مجدد نے گوالیار کی نظر بندی کے وقت حضرت شیخ کا ہمدردی کا خط موصول ہونے پر لکھا۔ ان دونوں مکاتیب کے علاوہ دوسرے مکاتیب بھی اس سلسلہ میں بہت اہم ہیں[۲۰]۔

حضرت مجدد اور حضرت شیخ دونوں حضرت باقی باللہ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے۔ اور دونوں کا مقصد احیاء ملت اور ترویج شریعت تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی اس عہد کے سب سے

> زیادہ مشہور و معروف بزرگ تھے۔ شیخ محدث اور شیخ احمد میں بڑی محبت اور مودت تھی۔ دونوں خواجہ باقی باللہ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے اور دونوں کی زندگی کا مقصد احیاءِ ملت اور ترویجِ سنت و شریعت تھا[۲۱]۔"

لیکن حضرت مجدد اور شیخ محدث مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے حضرت شیخ طبعاً مقلد اور گوشہ نشیں تھے اور حضرت مجدد طبعاً مجتہد اور میدانِ عمل کے سپاہی۔ حضرت شیخ کے لیے بس اسی قدر کافی تھا کہ ملک کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ درسِ حدیث اور ترویجِ شریعت میں مصروف رہیں۔ لیکن حضرت مجدد کے لیے ملک میں الحاد و زندقہ عام ہو جانے اور بدعات و گمراہ کن رسومات کے بری طرح پھیل جانے کے باعث یہ بھی ضروری تھا کہ ان گمراہیوں کا سدِ باب کیا جائے، ملک بھر میں ان کے خلاف ایک ہمہ گیر مہم چلائی جائے اور اصلاحِ باطن اور تزکیہ نفوس کی طرف خصوصی توجہ کی جائے۔

اس لیے حضرت مجدد کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں جب کہ حضرت شیخ اس قسم کے کسی امتحان میں مبتلا نہیں ہوئے۔ انھوں نے کبھی سلاطین یا اربابِ حکومت سے تعلق رکھنا پسند نہ کیا، جب کہ حضرت مجدد نے بادشاہ اور اربابِ حکومت کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور ملک کو دینی و اخلاقی تباہی سے بچانے کے لیے ان اہم شخصیتوں کی اصلاح ضروری سمجھی تاہم ان دونوں بزرگوں میں آپس میں بہت اخلاص تھا۔ شیخ عبدالحق کو مکتوب ۱/۱۱۵ میں حضرت مجدد نے بتایا ہے کہ راہِ سلوک سات قدم ہے۔ دو قدم عالمِ خلق میں اور پانچ عالمِ امر میں ہیں مکتوب ۱/۲۹۱ میں بھی ان کے حوالے سے کہا ہے کہ خواجہ باقی باللہ بھی توحید وجودی کو ایک تنگ کوچہ سمجھنے لگے تھے۔ مکتوب ۲/۹۲ میں جو حضرت مجدد نے اپنی قید کے زمانے میں لکھا تھا مصائب کی لذت کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ غربت اسلام کے زمانے میں اہلِ اسلام کے لیے آپ کا وجود بہت غنیمت ہے۔ مکتوب ۳/۱۲۱ میں شیخ کے اعتراضات کے سلسلے میں کچھ افسوس کا اظہار ہے۔

حضرت شیخ کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> انھوں نے کبھی سلاطین یا اربابِ حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا وہ عمر بھر گوشۂ تنہائی میں رہے اور ہمیشہ کہتے رہے۔
>
> حقی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں
> خود گر قسیم کہ ملکِ گجراتم دادند!

> اکبری عہد میں جب ملت کی پریشانی اور ابتری کا دل پر اثر ہوا تو حجاز چلے گئے جب شیخ عبدالوہاب متقی نے مجبور کر کے ہندوستان واپس کر دیا تو یہاں آ کر گوشہ نشیں ہو گئے[۲۲]۔

اس کے برخلاف حضرت مجدد اصلاحِ بادشاہ کو اصلاحِ عالم فرماتے اور ہمہ وقت بادشاہ اور ارکانِ حکومت کی اصلاح کے لیے متفکر رہتے۔ شیخ فرید کے نام ایک مکتوب میں بادشاہ کی اصلاح کی اہمیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> بادشاہ نسبت بہ عالم ورنگ دل است نسبت بدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح است، واگر فاسد است فاسد۔ صلاحِ بادشاہ صلاحِ عالم است، فسادِ او فساد عالم۔[۲۳]
>
> جس طرح سے جسم کو دل سے نسبت ہے اسی طرح بادشاہ کو عالم سے نسبت ہے۔ اور جس طرح اگر دل ٹھیک ہے تو جسم ٹھیک اور دل خراب ہے تو جسم خراب اسی طرح اگر بادشاہ ٹھیک ہے تو عالم ٹھیک اور وہ خراب ہے تو عالم خراب۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد شیخ فرید کو (جو ارکانِ سلطنت میں سے تھے) آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں اور شاہی قرب سے فائدہ اٹھائیں اور تخلیے میں اور دل سے بادشاہ کو ترغیب دیں کہ وہ ترویجِ شریعت کے سلسلے میں کوشش کرے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

> متوقع از جناب شریف ایشان آن است کہ چوں استطاعت وقربت بادشاہ بروجہِ اتم دارند در خلا و ملا ترویج شریعت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا بکوشند ومسلمانان را از غربت برآرند واین حقیر قلیل البضاعت نیز می خواہد کہ خود را در ممدّ انِ جرگہ اسلام انداز دو دریں باب دست وپائے بزند۔ محتمل کہ بحکم من کثر سوادِ قوم فھو منھم ایں بے استطاعت را داخل آں جماعت کرام سازند۔
>
> چونکہ آپ بادشاہ سے بہت قریب ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں،

> اس لیے آنجناب سے یہ امید ہے کہ خلوتوں اور ملاقاتوں میں ترویجِ شریعت کے لیے سعی فرمائیں اور مسلمانوں کو اس غربت سے نجات دلائیں اور یہ حقیر بھی چاہتا ہے کہ اس سلسلے میں کوشش کرے اور جرگہ اسلام کے معاونین میں شامل ہوجائے اور شاید بحکم ”من کثر سوادقوم فھو منھم“ اس بے استطاعت کو اس جماعت میں داخل کر لیا جائے[۲۴]۔

اسی طرح دوسرے امراء اور عمائدینِ سلطنت کے نام مکاتیب تحریر فرمائے مثلاً مندرجہ ذیل مکاتیب:

(۱)......مکتوب نمبر ۶۵ (دفتر اول) بنام خان اعظم

(۲)......مکتوب نمبر ۶۷ (دفتر دوم) بنام خان جہاں

(۳)......مکتوب نمبر ۸۱ (دفتر اول) بنام لالا بیگ (گورنر بہار)

(۴)......مکتوب نمبر ۱۹۵ (دفتر اول) بنام صدر جہاں

-------- ایسے مکاتیب کے ذریعہ حضرت مجدد نے پہلے امراء اور اراکین سلطنت کی اصلاح کی کوشش کی پھر ان کے ذریعہ بادشاہ کی اصلاح کی راہ ہموار کی کیونکہ اس کی اصلاح درحقیقت ایک جہاں کی اصلاح ہے۔ محض ایک انسان کی اصلاح نہیں۔ تجدید ملت اور احیائے شریعت میں جب حضرت مجدد اس طرح منہمک تھے، حضرت شیخ محدث دہلوی حزم واحتیاط، پردہ پوشی اور مصلحت اندیشی کی راہ پر گامزن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جہانگیر بادشاہ ان سے بہت خوش تھا جب کہ حضرت مجدد سے ابتداء میں ناخوش رہا حضرت شیخ کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے:

> شیخ عبدالحق دہلوی کہ از اہلِ فضل وارباب سعادت است دریں آمدن دولت ملازمت دریافت، کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل براحوالِ مشائخ ہند، بنظر آمدہ، خیلے زحمتہا کشیدہ، مدتہا است کہ در گوشۂ دہلی بوضع توکل و تجرید بسری برد، مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست بانواع مراحم دل نوازی کردہ رخصت فرمودم[۲۵]۔

لیکن حضرت مجدد کے متعلق جہانگیر نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور جس قسم کے الفاظ استعمال

کیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آپ سے سخت بدل تھا، اور اس بددلی کی یہی ایک وجہ تھی کہ آپ نے مصلحت اندیشی کو پسِ پشت ڈال کر جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا۔ فراعینِ وقت کو فقراء کا یہ انداز نہایت گراں معلوم ہوتا ہے۔ جہانگیر آپ کے متعلق لکھتا ہے:

> دریں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد شیادے در سہرند دام زرق وسالوسی فروچیدہ بسیارے از ظاہر پرستاں بے معنی راصیدود کردہ وبہ ہر شہرے ودیارے یکے از مریدانِ خودرا کہ آئین دکان آرائی ومعرفت فروشی و مردم فریبی رااز دیگراں پختہ تر داند، خلیفہ نام نہاد، فرستادہ ومزخرافاتے کہ بہ مریدان ومعتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ، مکتوباتے نام کردہ دوران جنگ مہملات بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بہ کفروزندقہ منجری شود[۲۶]۔

> حال ہی میں مجھے بتایا گیا کہ سرہند میں شیخ احمد نامی ایک شیاد نے مکروفریب کا جال بچھا کر بہت سے ظاہر پرستان بے معنی کو اسیر کر لیا ہے۔ اور ہر شہر و دیار میں اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو دکان آرائی، معرفت فروشی اور مردم فریبی میں دوسروں سے زیادہ ماہر ہے، خلیفہ نام رکھ کر بھیجدیا ہے اور وہ بکواس جو اس نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کو لکھی ہے، اس کی جلد بنا کر اس کو ''مکتوبات'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو کفروزندقہ ہیں۔

جہانگیر کی اس تحریر سے اس کے غیظ وغضب کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے لیکن ساتھ ہی اس تحریر سے تذکرہ نگاروں کے اس خیال کی توثیق ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کا مشن محدود نہ تھا بلکہ پاک وہند کے گوشے گوشے میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی تھی شہر شہر اور قریہ قریہ میں حضرت مجدد کے خلفاء موجود تھے۔ نیز یہ کہ آپ کے مکاتیب نے فکرونظر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ جہانگیر نے مکتوبات شریف کی پہلی جلد کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کی نظر بندی سے قبل ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوگئی تھی۔

جہانگیر نے جن خیالات کا اظہار کیا، اہلِ نظر نے تو اس وقت بھی اس کی تائید نہ کی تھی، لیکن آج

اہل نظر اور اہل عقل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جہانگیر نے جو کچھ لکھا تھا وہ سخت بے ادبانہ اور گستاخانہ تھا آپ شیاد نہیں بلکہ سرہند کے پاکیزہ صفت بزرگ تھے۔ آپ نے دام زرق و سالوسی نہیں بچھایا تھا۔ بلکہ مسندِ رُشد و ہدایت بچھائی تھی۔ آپ کے مریدین ظاہر پرستان بے معنی نہیں تھے بلکہ روشن ضمیر با معنی تھے، ہر شہر و دیار میں آپ کے خلفاء دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی میں مصروف نہ تھے بلکہ ملک کے گوشے گوشے میں ان کی صدائے حق کا غلغلہ بپا تھا۔ اور آپ نے جو مکتوبات اعیانِ سلطنت اور ارکانِ مملکت کو بھیجے تھے یا اپنے شیخ طریقت اور دوسرے مخلصین و مریدین کو بھیجے تھے وہ مجموعۂ مہملات، مقدمات، لامحائل اور منجر بہ کفر و زندقہ نہ تھے بلکہ وہ شریعت و طریقت کے اہم مسائل کا بیش بہا خزینہ تھے۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ عرض یہ کرنا تھا کہ حضرت مجدد اور حضرت شیخ دونوں نے دین کا کام کیا تھا۔ بعض کام مشترکہ بھی تھے مثلاً حضرت مجدد نے مکتوبات ۲/۴ میں ہزار سال کے مجدد ہونے کا اشارہ کیا ہے شیخ عبدالحق نے بھی اپنے مکتوب نمبر ۲۲ میں خان خاناں کو اور اپنی کتاب مرج البحرین (صفحہ ۴۷۔ کراچی ۱۹۶۸ء) میں ایسے مجدد کے لیے اشارہ کیا ہے۔ شیخ عبدالحق نے خان خاناں کے نام اپنے مکتوب ۱۴۔۱۸ میں اور حضرت مجدد نے بھی اسی کے نام مکتوب نمبر ۱/ ۶۸ فقر و غنٰی پر بحث کی ہے۔

شیخ دہلوی نے مرج البحرین (صفحہ ۲۵) میں لکھا ہے کہ وہ ''رسالہ اثبات النبوۃ'' لکھ رہے ہیں۔ لیکن پھر وہ یہ رسالہ علیحدہ نہ لکھ سکے۔ لیکن حضرت مجدد نے اس نام کا رسالہ ۹۹۸ھ میں لکھ لیا تھا۔

تاہم حضرت مجدد اور حضرت شیخ کی طبیعتیں جداگانہ تھیں۔ اور اصلاح و تبلیغ کا طریقۂ کار بھی جداگانہ تھا۔ غالباً مزاج اور طریقۂ کار کے اسی اختلاف کی وجہ سے دونوں کے مابین کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن یہ اختلاف معاندانہ یا منافقانہ نہ تھا (دفتر سوم مکتوب ۱۲۱ دیکھیں)

حضرت شیخ نے جو کچھ محسوس کیا برملا ایک نجی خط میں اس کا اظہار فرما دیا جس کو دشمنوں نے خوب ہوا دی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

> عارضی طور پر شیخ محدث دہلوی کو مجدد صاحب کے نظریات سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے مجدد صاحب کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ اختلاف کی نوعیت کا اندازہ اس رسالے کے مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے، بعد کو جب حضرت مجدد نے اپنے خیالات کی وضاحت

> کی اور ان کے متعلق سب شبہات دور ہو گئے تو شیخ محدث کی رائے بھی بدل گئی۔ ان کا اختلاف نیک نیتی اور تحفظ شرع وسنت پر مبنی تھا۔ چنانچہ شکوک وشبہات رفع ہو جانے کے بعد انھوں نے انتہائی وسعتِ قلب کے ساتھ حضرت مجدد کے کارناموں کا اعتراف کیا[۲۷]۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت شیخ کے جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ دراصل ایک نجی خط تھا جس کا عوام وخواص سے کوئی تعلق نہ تھا جس طرح حضرت باقی باللہ کے نام حضرت مجدد کے ایک نجی خط کو (مکتوب ۱/۱۱) ظالموں نے ایسی ہوا دی کہ بالآخر آپ قید کر لیے گئے اسی طرح شیخ کے اس نجی خط کو بھی بدخواہوں نے خوب ہوا دی اور آپ اور آپ کی اولاد اور خلفاء کو خوب خوب بدنام کرنا چاہا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو پیا چاہے۔ آج یہ داستانِ نقش ونگار طاقِ نسیان بن کر رہ گئی ہے لیکن بعض محققین اس داستان کو پھر تازہ کر رہے ہیں محبت کی داستان ہو تو بار بار پڑھنے میں مزہ آتا ہے لیکن نہ معلوم تلخیوں کی بدمزہ داستانوں میں کیا مزہ آتا ہے خصوصاً جب کہ وہ داستان ختم ہو چکی ہو چنانچہ صاحب مناقب العارفین [۲۸] حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ نور الحق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ صلح وصفائی ہو گئی تھی اور دونوں میں اخلاص ومحبت کے ایسے تعلقات پیدا ہو گئے تھے کہ باید وشاید۔

حضرت مجدد کے رشد وہدایت کے طریقۂ کار نے شاید شیخ کو متاثر کیا یا وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت سے متاثر ہو کر تبلیغ وارشاد کے لیے اراکینِ سلطنت کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شیخ فرید بخاری نے اکبر کی تعزیت کے سلسلے میں جو خط لکھا ہے اس میں تبلیغ وارشاد کا حق ادا کر دیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت شیخ کے رویے میں اس تبدیلی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> اکبر کے انتقال کے بعد غالباً شیخ محدث نے شاہانِ (وقت) سے کچھ تعلقات رکھنے ضروری سمجھے تاکہ دین کی صحیح تعلیم کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچائی جا سکے۔ ممکن ہے کہ شیخ محدث کے رویّے میں اس تبدیلی کا سبب حضرت خواجہ باقی باللہ کی تعلیم ہو۔ خواجہ صاحب کا اصول یہ تھا کہ جھونپڑوں سے لے کر محلوں تک ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا کرنا چاہیے اور سلاطین سے علیحدہ رہنے کے بجائے ان کو متاثر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے [۲۹]

الغرض حضرت شیخ نے اصلاح حال کے لیے بساط بھر کوشش کی انھوں نے اس کے لیے قدم سے زیادہ قلم کو استعمال کیا جبکہ حضرت مجدد نے قدم اور قلم دونوں کے ذریعہ جہاد کیا ۱۰۵۲ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں حضرت شیخ کا وصال ہوا، اور دہلی ہی میں درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدفون ہوے۔ حضرت شیخ حضرت مجدد اور اپنے شیخ طریقت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے تقریباً تیرہ چودہ سال بڑے تھے۔ آپ نے مغلیہ سلطنت کے تین بادشاہوں کا دور دیکھا یعنی اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں، دور شاہجہانی میں وفات پائی آپ کی تصانیف کی تعداد (دو تین سو کے لگ بھگ ہے پاک و ہند کے مصنفین میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے عہد کی تاریخ سازی میں آپ کا پورا حصہ ہے۔

معاصرین میں قریب پونے دو سو علماء ایسے بھی ہیں جن کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار دین اور تصوف کے متعلق مکتوبات لکھے تھے اور ان کو اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے آمادہ کیا تھا چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مکتوبات کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے۔

پہلے دفتر میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ دوسرے میں ۹۹ اور تیسرے میں ۱۲۴۔ اس تیسرے میں پہلے ۱۱۴ مکتوبات تھے۔ بعد میں ۱۰ مکتوبات (حضرت مجدد کے وصال کے بعد) اور مل گئے اس لیے ان کو بھی شامل کر دیا گیا۔ لیکن اس تیسرے دفتر کا مکتوب ۱۲۳ جعلی ہوگا۔ یہ نور محمد تہاری کے نام ہے۔ کیونکہ اس کے بعض مضامین حضرت مجدد کے مشرب سے تعلق نہیں رکھتے۔ اسی لیے مکتوب کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے:

> بدانکہ ایں مکتوب در بعضے نسخ خطیہ یافتہ شد فالحقناہ و جعلناہ
> خاتمۃ المکاتیب و حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نسبت بایں مکتوب
> فرمودہ اند کہ آں مکتوب داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات نہ شدہ۔

مکتوبات کے بعض مضامین سے بعض کو اختلاف بھی ہوا ہے جیسا کہ ۳/ ۸۷ کے مضامین سے شیخ عبدالحق کو ہوا تھا۔ اور ان کے جواب میں حضرت مجدد نے ۳/ ۱۲۱ میں چند مقدمات کے ساتھ وضاحت کی ہے[۳۰]۔ حضرت مجدد کے ایک مرید حسن خان افغانی نے باغی ہو کر چند مکتوبات میں تحریف کی تھی اور محمد صالح گجراتی نے محمد عارف اور عبداللہ سورتی سے روپیہ فراہم کر کے اور سید محمد برزنجی مدنی کے پاس پہنچ کر ایسے مکتوبات کا رد لکھوایا جس کا نام ''ایرادات برزنجی'' رکھا گیا۔ پھر مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی، شیخ فرخ، شیخ محمد اشرف (نبیرگان حضرت مجدد) شاہ غلام علی، مخدوم محمد معین اور بعد میں وکیل احمد سکندر پوری وغیرہ نے

برزنجی اور دیگر معترضین کے جواب میں رسالے لکھے[۳۱]۔

مکتوبات شریف کا اندازہ کرنے کے لیے چند مضامین کے عنوانات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔

☆......اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں واحد ہے (۱/۲۶۶)

☆......مخلوق کے لیے خالق کی صفات ثابت کرنا شرک ہے (۱،۲)

☆......ماللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے (۱/۴۷)

☆......بتوں اور طاغوت سے استمداد اور کافروں کی رسمیں بجالانا شرک ہے------شیطانِ لعین کا فریب ہے (۳/۴۱)

☆......کوئی مخلوق خالق کا ظل نہیں (۔۳/۱۲۲)

☆......حق تعالیٰ اتحاد وحلول سے پاک ہے۔ (۱/۲۶۶)

☆......سجدۂ تعظیمی نہیں چاہیے۔ (۱/۲۹)

☆......اور بادشاہ کو بھی مناسب یہی ہے کہ اس امر (سجدہ کرانے) میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کرے۔ (۲/۹۲)

☆......جمیع انبیاء علیہم السلام کو اقرارِ بشریت ہے۔ (۱/۶۳)

☆......خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دائرۂ امکان میں ہیں۔ (۳/۱۲۲)

☆......کوئی ولی کسی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۱/۲۴۸)

☆......انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ اور اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ (۲/۴۴)

☆......فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور معصوم ہیں (۱/۲۶۶۔۲/۶۷)

☆......قرآن پاک نفسی اور لفظی دونوں حیثیت سے کلام الٰہی ہے (۲/۶۷)

☆......اگر نزاع (خلق قرآن) کا موجب حروف وکلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو وہ بے شک حادث ومخلوق ہیں۔ اگر کلام سے مراد مدلولات ہیں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ (۳/۸۹)

☆......بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے (۲/۶۷)

☆......قضائے معلق میں تغیر وتبدل کا احتمال ہے۔ لیکن قضائے مبرم میں نہیں (۱/۲۱۷)

☆......حضور انور ﷺ نے آخرت کے احوال کے متعلق جو خبر دی ہے وہ سب حق ہے (۲/۶۷)

☆......آخرت میں اللہ پاک کا دیدار عذابِ قبر و سوال منکر نکیر، پل صراط اور میزان وغیرہ سب برحق ہیں۔ (۳/۴۴)

☆......نفلی عبادات کا ایصال ثواب بہتر ہے (۲/۷۷ـ۳/۲۸)

☆......صحابہ کرام کی فضیلت (۱/۵۹ـ۲۰۷ـ۲۵۱ـ۲/۵۱ـ۳۶)

☆......اہلِ بیت کی محبت (۲/۳۶ـ۶۷)

☆......ارکان اسلام کی اہمیت (۱/۳۵ـ۱۶۱) وغیرہ وغیرہ بکثرت موضوعات پر تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

فی الحال چند مکتوبات الیہم[۳۲] (علماء اور صلحاء) سے متعلق حضرت مجدد کے افاداتِ عالیہ کے اشارات پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ان علماء کے ذمے کون سے کام متوقع تھے۔

مکتوبات کا پہلا دفتر ''درالمعرفت'' کے تاریخی نام سے موسوم ہے، یعنی ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوا۔ مولانا یار محمد جدید[۳۳] بدخشی طالقانی نے اسے مرتب کیا تھا۔ اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں، جن میں سے شروع کے ۲۰ مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۲ھ) کے نام ہیں یعنی حضرت مجدد کے بیعت ہونے کے بعد (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۲ھ) تک کے ہیں۔ لیکن پہلے مکتوب ہی (مکتوب ۱۱ـ۱۴) میں بھی ملا قاسم علی کی تربیت کیے جانے کا ذکر ہے۔ مکتوب نمبر ۱۹ میں نواب شیخ فرید بخاری ''مرتضیٰ خاں''۔ المتوفی ۱۰۲۵ھ سے دو آدمیوں کو فصلانہ دلانے کی سفارش ہے۔ اور مکتوب نمبر ۲۹۰ میں تفصیل ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے کس طرح حضرت مجدد نے سلوک کے مراحل طے کیے۔

میر محمد نعمان:

اس دفتر میں اور دوسرے دفتروں میں بھی سب سے زیادہ مکتوبات میر محمد نعمان بدخشی (۹۹۷ھ) تا ۱۸؍صفر ۱۰۶۰ھ) کے نام ہیں ان مکتوبات کے مضامین کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے:

دفتر اول مکتوب ۱۱۹۔ اس راستے میں دیوانہ پن چاہیے۔ جمعیت والوں کی صحبت چاہیے۔ سنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیق بدخشی (المتخلص بہ ہدایت جنھوں نے ۱۰۱۹ھ میں مبداء و معاد کو مرتب کیا تھا) نے ملازمت اختیار کر لی ہے اور فقراء کی وضع کو ترک کر دیا ہے (مکتوب ۱۳۲ـ۱۳۶ میں مولانا کو امراء کی صحبت کے سلسلے میں تنبیہ فرمائی ہے)۔

مکتوب ۱۲۰ میں اربابِ جمعیت کی صحبت پر زور دیا ہے۔ اس میں ایک اور مکتوب ۱۲۱ میں ہے ''خاموشی کیوں اختیار کر لی ہے''

مکتوب ۱۷۳ میں کلمہ لَا سے نفی کلی کرنے کا ذکر ہے ''لوگ رویتِ اخروی (دیدارِ حق) کے تصور سے خوش ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ مطلوب کا سرِ مو بھی غیب سے شہود میں نہ آئے''۔

مکتوب ۱۷۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں میر نعمان حصرت مجدد کی خدمت میں تھے۔

مکتوب ۱۹۰ میر نعمان کے کسی فرزند (محمد امین) کے نام ہے۔ اسمِ ذات کی تلقین ہے کلاہ، دامنی اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیری اور مریدی سے خارج ہے۔ خوابوں کا اعتبار نہیں شریعت کے احکام بجالانے میں ذکر کا نفع جانیں حرام اور مشتبہ سے بچیں۔

مکتوب ۲۰۴ میں نصیحت ہے کہ اہلِ دول کی باتوں کی پروانہ کریں۔ محمد صادق کابلی (التوفی ۱۰۸ھ) اعتکاف میں شریک ہو گئے تھے یعنی یہ مکتوب ۱۰۱۸ھ سے پہلے کا ہے۔

مکتوب ۲۰۹ میں ہے کہ سرائے فرخ میں رخصت کے وقت آپ نے اور محمد اشرف کابلی نے رسالہ مبداء و معاد (مرتبہ ۱۰۱۹ھ) کے بعض مقامات کی تشریح پوچھی تھی۔ اس وقت موقع نہیں تھا۔ اب عرض ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کرتی ہے اور حقیقتِ کعبہ سے متحد ہو کر حقیقتِ احمدی بن جاتی ہے۔ رسالہ مذکورہ میں بعض انبیاء اولوا العزم (علیہم السلام) کو کشف والہام کی بناء پر ایک دوسرے پر فضیلت عرض کی گئی تھی تو اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔

آپ نے سرائے فرخ میں طریقہ سکھانے کی اجازت چاہی تھی۔ آپ اور مولانا یار محمد قدیم دونوں[34] استخارہ کر کے دیکھ لیں۔ مریدوں میں وقار قائم رکھنا چاہیے (رسالہ مبداء و معاد ۱۰۱۹ھ میں مرتب ہوا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ مکتوب ۲۰۹ اس سال کے بعد لکھا گیا ہوگا)۔

مکتوب ۲۲۴ میں ہے کہ آپ کی باتوں سے مجھے رنج نہیں پہنچا، مجاز کو ہدایت دینا ضروری ہے، ورنہ آپ کو نہ لکھا جاتا۔ ایک خط مولانا یار محمد قدیم کو بھی بھیجا تھا۔ شاید ان کو بھی پسند نہیں آیا۔ مولانا محمد صالح کولابی،[35] تفصیل عرض کر دیں گے۔

مکتوب ۲۲۸۔ اجازت نامہ[36] آپ نے پھر مانگا ہے۔ طریقہ تعلیم کی آپ کو اجازت دی گئی ہے اگر

وہ کافی نہیں تو اجازت نامہ کیا کرے گا۔؟

مکتوب ۲۳۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طور پر دوسرا عرف و عادت کے طور پر جو عمل عبادت کے طور پر ہے، اس کے خلاف کرنا بدعت اور مردود ہے اور جو عرف و عادت کے طور پر ہے، اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکر ہے۔ لیکن ان پر عمل کرنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

مکتوب ۲۵۷ شیخ احمد فرملی[۳۷] کے ذریعہ آپ کا خط ملا۔ سلوک و معارف سے متعلق رسالے کے مسودے ابھی پڑے ہیں۔ (غالباً رسالہ معارف لدنیہ کے متعلق اشارہ ہے)۔

مکتوب ۲۶۱۔ اور ۲۸۱ میں ہے کہ آپ یہاں سرہند آ جائیں۔ نماز کے معارف (نمبر ۲۶۱) میں بیان کیے گئے ہیں۔ وہی مکتوب نمبر ۲۶۰ میں بھی ہیں جو فرزند گرامی محمد صادق علیہ الرحمۃ (م ۱۰۲۵ھ) کے نام ہے۔

مکتوب ۳۱۲۔ ملا محمود کے ذریعہ آپ کا مکتوب ملا۔ کعبہ سب جگہوں سے بہتر ہے اشارہ سبابہ کے بارے میں مرحوم مولانا علم اللہ محدث[۳۸] کا رسالہ بھیج رہا ہوں۔

مکتوبات کا دوسرا دفتر بہ اسم تاریخی ''نور الخلائق'' ۱۰۲۸ھ میں مولانا عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بھی میر محمد نعمان کے نام تین مکتوبات ہیں۔

مکتوب نمبر ۴ میں ذکر ہے کہ میر نعمان نے عرصے سے کوئی خط نہیں لکھا۔ علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین کا بیان ہے۔ اور آخر میں ایک ہزار سال[۳۹] کے مجدد کا ذکر ہے کہ اسی کے ذریعہ امت کو فیض پہنچتا ہے، خواہ اس وقت کے اقطاب، اوتاد، ابدال اور نجباء موجود ہوں۔

مکتوب نمبر ۶۲ دراصل عبدالرحیم خان خاناں (۱۰۳۶ھ) کے نام ہے۔ لیکن اس میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی خوبیاں میر محمد نعمان نے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا لکھی تھیں اور میرے ساتھ آپ کے اخلاص کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ بھی لکھا تھا کہ وہاں (دکن) کی صوبہ داری کسی اور کو دیدی گئی ہے، اس لیے آپ (خاندان خاناں) کی بحالی کے لیے دعا کیجیے۔ ان شاء اللہ بحالی ہو جائے گی[۴۰]۔

مکتوب ۹۲ میں ہے کہ خوارق کا ظہور ولایت کے لیے شرط نہیں۔ ہندوؤں نے مسجدوں کو گرا کر مندر تعمیر کیے ہیں۔ تھانیسر میں مسجد اور مقبرہ منہدم کر کے بڑا مندر بنایا گیا ہے۔ ایکادشی میں جب دن کو ہندو کھانا

نہیں کھاتے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس دن مسلمان بھی کھانا نہ کھائیں۔ بعض فقہاء نے بادشاہ کے لیے سجدہ تحیت جائز رکھا، لیکن بادشاہ کے لیے یہ مناسب ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کرے۔ بادشاہ جب ممالک کی سیر سے واپس آئے گا تو یہ فقیر وہاں[۴۱] (آگرہ میں) حاضر ہوگا۔ آپ نے لکھا ہے کہ بادشاہ خدا پرست اور احکامِ شرعیہ کے مطابق عدل کرتا ہے۔

مکتوب ۹۹ بعض سوالات کے جواب میں یہ مکتوب ہے۔ اہلِ زمانہ سے چھپا کر بعض باتیں کہی جاتی ہیں۔

دفتر سوم میں بھی میر محمد نعمان کے نام ۱۶ مکتوبات ہیں۔ یہ دفتر مولانا محمد ہاشم کشمی نے کأس الراسخین کے تاریخی نام کے ساتھ حضرت مجدد کی حیات ہی میں ۱۰۳۳ھ میں مرتب کیا تھا اور قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے مطابق ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل تھا لیکن بعد میں دس مکتوبات اور مل گئے اور ۱۰۴۰ھ میں اسے ''معرفۃ الحقائق'' کے تاریخی نام سے شائع کیا۔

مکتوب نمبر ۱ آپ نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے اقرب ہونے کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کی وضاحت کی جاتی ہے میر شمس الدین علی خلخالی کو بھی یہ بحث دکھا دیں آپ مکتوبات کا تیسرا دفتر مرتب کرنا چاہتے ہیں تو مناسب ہے۔ اس کی نقل یہاں بھیج دیں اگر آپ جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کشمی[۴۲] کو یہاں بھیج دیں۔ وہ جوان قابل اور آپ کا تربیت یافتہ ہے اپنے استفسار کو بھی اس کے حوالے کر دیں تاکہ وہ جواب لے جائے۔ مکتوب۔ ۴۔ ۹۔ ۱۰ میں بعض آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

مکتوب نمبر ۵ جب تک میں قید خانہ[۴۳] کے قفس میں قید نہ ہوا تھا تب تک شہود کے تنگ کوچے سے کلی طور پر نہ نکلا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے عین بلا میں عافیت دی اور نفس کی جفا میں کرم فرمایا''

مکتوب ۱۸۔ ۱۹ میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے۔ ۲۱۔ ۲۴۔ ۲۶۔ ۳۰۔ ۳۶۔ ۴۹ میں تصوف کے اسرار ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۲ میں ہے کہ ذکر ضروری ہے اور ثمرات ونتائج میں دعا، تضرّع، دوام التجا وغیرہ شامل ہیں۔ دیگر مسائل کا ذکر بھی ہے کہ نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے کہ جس طرح اس کے بغیر نماز شروع نہیں ہوتی اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک تمام عباداتِ نافلہ وبال میں داخل ہیں۔ آپ جب مجھ سے گوالیار میں نہیں مل سکتے پھر میری وجہ سے آگرہ میں کیوں ہیں۔ وطن کو جائیں۔

اپنی اہلیہ کو سمجھائیں کہ آخرت کے احوال کو مدنظر رکھ کر ذکر میں مشغول رہیں۔

مکتوب نمبر ۱۵ میں ہے کہ بعض لوگوں نے میری خلاصی کے لیے بے سود کوشش کی تکلیف میں اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۲ میں خواجہ محمد ہاشم کشمی سے فرمایا ہے کہ ملا فتح اللہ کے ذریعے آپ کا خط ملا لیکن میر محمد نعمان کا خط عرصے سے نہیں آیا۔ قریب دو ماہ سے ضعف طاری ہے۔ اگر موقع ملا تو بعض سوالات کا جواب لکھوں گا ورنہ دوستوں سے دعا اور فاتحہ کی التماس ہے۔

مکتوب ۱۰۲ میں بھی میر محمد نعمان کے خط نہ آنے کا ذکر ہے اور بعض نصائح ہیں۔

مولانا احمد برکی (م۔ ۱۰۲۶ھ):

دفتر اول کے مکتوب ۲۳۹ میں ان کے استفسارات کا جواب ہے اور رسالہ مبدا و معاد (مرتبہ ۱۰۱۹ھ) کی ایک عبارت کی تشریح بھی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ استخارہ کرنے کی تکرار سات مرتبہ تک ہے خوشی کا اظہار بھی ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو، اور آپ کے عزیزوں کو اور آپ کی جگہ برک (درمیان کابل و قندھار) کو ظالموں کے فتنے سے بچا لیا (حضرات القدس ۲/۳۲۳ بھی دیکھیں) اس مکتوب میں مولان محمد صالح (کولابی) کا بھی ذکر ہے کہ وہ آپ کے بیان کے موقع پر موجود نہ تھے۔

مکتوب ۱/۲۵۰ میں فرمایا ہے کہ ذوق و شوق کا تعلق جسد سے ہوتا ہے اور اب قلب و روح سے تعلق ہے اس لیے آپ کو ذوق و شوق نہیں ہے تو اس کا خیال نہ کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ حج کے راستے میں اگر امن کا ظن غالب ہے تو حج فرض ہے، ورنہ نہیں فقیہ ابو اللیث کا فتوٰی بیان فرمایا ہے۔

مکتوب ۱/۲۵۴ میں رسالہ مبداء و معاد کی کچھ اور عبارت کی تشریح ہے۔ (ملا پائندہ[44] اور ملا حسن کو سلام لکھا ہے)۔

مکتوب ۱/۲۷۴ شیخ یوسف برکی کے نام ہے۔ اس میں بھی مولانا احمد برکی کے متعلق ہے کہ وہ اس علاقے کے لیے مدار ہیں۔ ۱/۲۷۵ میں مولانا احمد برکی کو بھی یہی بات لکھی ہے (اور احمد برکی کی والدہ کے انتقال پر حضرت مجدد نے دعائے مغفرت فرمائی ہے چند مکتوبات کی نقل شیخ حسن یہاں سے لے گئے ہیں جو احمد برکی کے غیاب میں ان کے قائم مقام ہوں گے۔

دفتر دوم کے مکتوب ۱۴ میں ہے کہ صاحبزادہ محمد صادق اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم کے انتقال ۱۰۲۵ھ

پر آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ شیخ حسن یہاں کچھ دن اور رہتے تو اچھا ہوتا (معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب ۱/۲۷۴ جس میں شیخ حسن کے جانے کا ذکر ہے اس مکتوب سے کچھ پہلے ہی لکھا ہوگا یعنی ۱۰۲۵ھ ہی میں لکھا ہوگا۔ جبکہ مولانا احمد برکی کی والدہ کا انتقال ہوا تھا) خواجہ اویس کے احوال پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔

مکتوب نمبر ۲/۶۱ میں مولانا احمد برکی کے انتقال (۱۰۶۲ھ) پر تعزیت ہے شیخ حسن ان کی جگہ (خواجہ اویس کی سعی سے) پیر بھائیوں کو حلقے میں مشغول رکھیں۔ ہندوستان تم سے دور ہے۔ ایک سال میں ایک مرتبہ قافلہ وہاں سے آتا ہے اور خبر لاتا لے جاتا ہے۔ شیخ یوسف (وفات در جالندھر ۱۰۳۴ھ حضرات القدس ۲/۳۲۴) یہاں سے اپنے گھر گئے ہیں۔ مولانا حسن کو چاہیے کہ ریاست سے لذت حاصل نہ کریں۔

مکتوب ۲/۷۷ حسن برکی کو چند استفسارات کے جواب میں لکھا ہے۔ ''میں نے توحید شہودی کو اپنے رسالوں اور مکتوبات میں طریقت کی ضروریات میں سے لکھا ہے۔ آپ کو چاہیے تھا کہ اس کے متعلق ادب سے سوال کرتے جو لوگ سود سے پرہیز نہیں کرتے ان کو طریقہ سکھا سکتے ہیں۔ لیکن محرمات سے بچنے کی ترغیب دیں۔ نورانی ستون اور دم دار ستارہ[۴۵] جو مشرق سے نمودار ہوا تھا (جس کا ذکر مکتوبات ۲/۶۸ میں آچکا ہے) وہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے آپ نے اس کے متعلق دریافت کیا ہے تو میں ملا عبدالحی (ابن خواجہ چاکر حصاری[۴۶] جامع دفتر دوم جو پانچ سال حضرت مجدد کی خدمت میں رہے ہیں۔ مکتوب ۲/۸۴ کہوں گا)۔ اس (مکتوب ۲/۶۸) کی نقل بھیج دیں۔ تلاوت قرآن پاک اور نفلی عبادتوں کا ثواب مرحوم عزیزوں کو بخشنا بہتر ہے۔ اس کے بعد جو آخری مکتوب حسن برکی کے نام (۳/۱۰۵) ہے وہ یہ کہ یہ زمانہ بدعتوں سے بھرا ہے اور ضعف اسلام بہت ہو گیا ہے۔ آپ نے جو رسالہ بھیجا تھا، اس سے بہت خوشی ہوئی محمد ہاشم کشمی نے تیسرے دفتر کے بعض مکتوبات کی نقل آپ کو بھیجی ہے۔ مولانا احمد برکی کے فرزندوں کی تربیت میں کوشش فرمائیں۔ شکر ہے کہ لشکر کی ہمراہی سے خلاصی ہو گئی ہے یعنی یہ زمانہ ۱۰۳۳ھ کے شروع کا ہوگا۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری[۴۷] (م ۱۰۵۴ھ):

مکتوب نمبر ۱/۱۹۰ میں ذکر ہے حضرت مجدد نے کتنے عرصے میں حضرت خواجہ باقی باللہ[۴۸] سے کیا کیا فیوض و برکات حاصل کیے۔ بڑی تفصیل سے مختلف معارف بھی بیان کیے ہیں۔ یہی بات مکتوب ۱/۳۱۰ میں

بھی ہے۔

دفتر دوم جو ۱۰۲۸ھ میں مرتب ہوا تھا۔ اس کے مکتوب ۶۵ میں ہے کہ آخرت کا خیال چھوڑ کر بیہودہ کاروبار میں مشغول ہونا فضول ہے۔ شکر ہے کہ بفراغت رزق مل رہا ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں وبا طاعون پھر آ گئی تھی۔ اب نہیں ہے۔

مکتوب ۲/۴۷ میں معارف کا بیان ہے اور یہ کہ خلیفۃ اللہ کو (نیابت کے طور پر) تمام اشیاء کا قیوم بنا دیا جاتا ہے۔ محبّوں کے سردار موسیٰ علیہ السلام اور محبوبوں کے سردار حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ مقامات جو مقامِ محبت سے اعلیٰ ہیں (ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے) ان میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدر نشین ہیں۔

مکتوب ۲/۹۳ (سابقہ مکتوب بھی دیکھیں) اسم قیوم کی نسبت کیا چیز ہے اور وہ کیونکر حاصل ہوتی ہے۔

مکتوب ۲/۹۷ میری پیدائش کا مقصد کیا ہے (۶/۲) اس کی مزید تشریح ہے دفتر سوم جو ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوا میں ہے کہ میر محمد نعمان کو تیسرے دفتر کے مرتب کرنے کی اجازت ہے۔ محمد ہاشم جوان قابل ہیں۔ میرے پاس بھیج دیں (یہ وقت برہان پور کے قیام کا ہوگا۔ پھر محمد ہاشم ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرات القدس (۲/۲۳۹)۔

مکتوب نمبر ۳/۴۲۔ ملا فتح اللہ نے آپ کا خط پہنچایا۔ میر محمد نعمان کیوں خط نہیں لکھتے؟ قریب دو ماہ سے ضُعف طاری ہے۔ اگر صحت ہوئی تو جواب لکھوں گا (یہ مکتوب قید کے زمانے کا ہے)

مکتوب ۳/۵۲ قلب اور نفس کے فنا پر بحث ہے اور ۳/۵۷ میں تجلی افعال، تجلی صفات اور تجلی ذات کا ذکر ہے (مکتوب ۳/۸۲ میں خواجہ محمد ہاشم کشمی کو یار ثالث کہا ہے)۔

مکتوب ۳/۹۰ میں عارفوں کے مشاہدے کی حقیقت بیان کی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ عوارف المعارف کے بعض مقامات کی تحقیق ضبط تحریر میں آ چکی ہے۔ (تعلیقات عوارف کا نام آپ کی تصانیف کے ذیل میں آتا ہے لیکن کہیں دستیاب نہیں)

مکتوب ۳/۹۲ میں ہے کہ صوفیہ جو حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے۔ مکتوب ۳/۹۶ میں ولایتِ محمدی اور ولایتِ احمدی کا بیان ہے۔ ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کا اندھیرا غالب ہو گیا ہے۔

مکتوب ۳/ ۱۰۵ میں صرف اس طرح محمد ہاشم کا ذکر ہے کہ شیخ حسن برکی کا خط ان کو دے دیا تھا کہ جواب لکھتے وقت حاضر کر دیں، لیکن وہ خط گم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے تیسرے دفتر کے چند مکتوبات کی نقل ان (حسن برکی) کو بھیجی ہے (یہ خط لشکر سے خلاصی کے بعد لکھا گیا)۔

میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد بدخشی[۴۹] (م ۱۰۴۵ھ):

دفتر اول مکتوب ۳۲ میں بتایا ہے کہ ہر مقام کے لیے علوم و معارف جدا جدا ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابتداء ہی میں نسبت ظاہری ہو جاتی تھی اور پھر کمال ہو جاتا تھا۔ دوسروں کو اگر اس دولت سے (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت کے قدم پر) تربیت دینا چاہتے ہیں تو سلوک کی منزلوں کو طے کراتے ہیں۔ شیخ اللہ داد (م۔ ۱۰۴۹ھ) اس نسبت سے تعلق نہیں رکھتے حضرت خواجہ باقی باللہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر تم تجویز کرو تو شیخ اللہ داد کو ذکر کی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔ لیکن میں اس بارے میں متردد تھا۔

مکتوب ۱/ ۶۲ میں بتایا ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے دو چیزیں ہیں، جذبہ اور سلوک اور وہ جذبہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ اصل مقصود نہیں بلکہ سلوک کو آسانی سے طے کرانے کا وسیلہ ہے لیکن وہ جذبہ جو سلوک کے بعد ہو وہ اصل مقصود ہے۔ جذب و سلوک پر میرا رسالہ دیکھیں (لیکن یہ رسالہ اب ناپید ہے)۔

۱/ ۲۰۷ میں حضرت امیر معاویہ کی فضیلت کا ذکر ہے (۱/ ۵۸۔۵۹۔۶۶۔۸۰ میں بھی ہے) کشف والہام اور وجد و حال کو شرع کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ ۱/ ۲۱۶ میں خوارق کی حقیقت سمجھائی ہے۔ ۱/ ۲۲۹ میں فرمایا ہے کہ آپ مختلف لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادوں کی تربیت کے لیے (وصیت کے مطابق) ان شاء اللہ حاضر[۵۰] ہو جاؤں گا۔ بڑے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ کی تعلیم و تربیت میاں محمد قلیج کے بجائے آپ ہی کریں۔

مکتوب ۱/ ۲۴۷ میں ہے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے لیے خود اس کا وجود ہی سب سے بڑی دلیل ہے اور اس کے بعد ۱/ ۲۴۸۔ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تابعداری ہی سے کمال حاصل ہو سکتا ہے، اور حضور ﷺ سے جو تجلی ذاتی مخصوص ہے وہ کس معنی میں ہے۔

مکتوب ۱/ ۲۶۶ میں ہے کہ مرزا حسام الدین احمد نے بڑا احسان کیا کہ دونوں صاحبزادگان کی تربیت کا ذمہ لے لیا ہے۔ میں تین مرتبہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے گھر والوں پر توجہ دینے کے لیے فرمایا تھا۔ ان کی شرح رباعیات کی شرح میں وحدت وجود پر عرض کر چکا ہوں (۱/ ۲۴۶۔۱/ ۲۷۳

میں فیروز آباد دہلی کے قیام کا ذکر ہے جب یہ شرح بھی لکھی تھی)۔ ۱/۲۶۷ میں بھی بعض اسرار کا ذکر ہے۔

۱/۲۷۳ میں ہے کہ اگر میر محمد نعمان اور دوسرے حضرات نے واقعہ میں دیکھا ہے کہ حضور انور ﷺ مجلس مولود خوانی سے بہت خوش ہیں تو ان پر مولود کا نہ سننا اور ترک کرنا بہت مشکل ہے لیکن واقعات اور مقامات کا کوئی اعتبار ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی (یہ بھی بیان ہے کہ خواب میں حضور انور ﷺ کو دیکھنا اور اس صورت میں احکام کا اخذ کرنا اور آنحضرت کی مرضی اور نا مرضی کا معلوم کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شیطان درمیان میں آ گیا ہو۔ فیروز آباد (دہلی) میں کوئی کام ہمارے پیروں کے طریقے کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔

مکتوب ۲/۱۷ میں طاعون کا ذکر ہے، یعنی یہ مکتوب ۱۰۲۵ھ کا ہے۔ طاعون کی وباء پہلی امتوں کے لیے عذاب تھی، اور اس امت کے لیے شہادت ہے۔ شیخ ظاہر کرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں فوت نہ ہوگا وہ حسرت اٹھائے گا (خواجہ محمد صادق) کی وفات پر افسوس کا اظہار بھی فرمایا۔

مکتوب ۲/۲۶ میں ہے کہ آپ نے لکھا تھا کہ مخدوم زادہ کلاں (خواجہ عبید اللہ) اور جمال الدین حسین (ابن حسام الدین احمد) اس لیے حاضر خدمت نہیں ہوے کہ انہوں نے شیخ الہ داد سے تلقین حاصل کی ہے اور حاضر ہونے میں شرم محسوس کرتے ہیں، تو عرض ہے کہ شیخ الہ داد ہی کو چاہیے تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی وصیت کو ملحوظ رکھتے اور ان لوگوں کو تلقین حاصل کرنے کے لیے بھیج دیتے۔ ذکر کی تلقین ایسی ہی ہے جیسے بچوں کو الف بے پڑھاتے ہیں۔

مکتوب ۱/۳۲۔ ۱/۲۲۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرات القدس ۱/۲۶۱ بھی دیکھیں ۲/۴۲ میں جمال الدین حسین (ابن حسام الدین احمد کو سیر آفاقی اور سیر انفسی اور نہایت النہایت کے معارف تفصیل سے سمجھائے ہیں۔

۲/۴۵ میں ہے کہ عالم حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے اور سب کا سب عرض ہے۔

مکتوب ۳/۴۰ میں ہے کہ آپ (متعلقین) کے بغیر حج کو نہ جائیں۔ سیادت مآب (غالباً میر محمد نعمان کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ طبیب ان کے ضرر کا حکم دیتے ہیں تو یہ بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی البتہ ایک ظلمت محسوس ہوتی ہے بالکل یہی مضمون ۳/۱۱۵ میں بھی ہے) ۳/۲۷ میں ہے کہ لشکریوں کے ساتھ عین بلا

میں عافیت ہے اور فرزندوں اور احباب کو بھی جو ساتھ ہیں عافیت حاصل ہے۔ ۱۲۱/۳ میں ایک عزیز شیخ عبدالحق کے ان اعتراضات کا ذکر ہے جو حضرت مجدد کے ایک مکتوب پر جو اجمیر سے بھیجا گیا تھا۔ ۵۱

مولانا بدرالدین سرہندی ۵۲(الف):

مکتوب ۲۸۹/۱ قضا وقدر کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ (مفصل بیان ہے) مکتوب ۲۹۷/۱ میں حق تعالیٰ کے احاطے اور سریان کی تحقیق ہے مکتوب ۴۰/۲ میں بھی اسی طرح کی عالمانہ بحث ہے اور فرمایا ہے کہ حجابوں کا رفع ہونا شہود کے اعتبار سے ہے، وجود کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اور وہ جو اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں حق تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابوں کے خرق کی نسبت لکھا ہے تو اس خرقِ سے مراد، خرق شہودی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ایسے بینائی عطا فرمائے کہ وہ حجابوں کے باہر سے پوشیدہ اشیاء کو دیکھ لے، تو جس طرح یہاں کے حجابوں کا دور ہونا شہود کے اعتبار سے ہے اسی طرح وہاں بھی ہے۔ چنانچہ خرق عدمِ جواز کے منافی نہیں۔

مکتوب ۳۱/۳ میں بھی اسی طرح عالمانہ بحث ارواح، اجساد اور عالمِ مثال سے متعلق ہے پھر فرمایا ہے کہ ”آپ خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں کے ظہور سے اہل سنت و جماعت کے مقررہ اعتقادات کو نہ چھوڑیں اور اپنے خواب وہ خیال پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ اس فرقۂ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی...... آپ کو جدا ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہوگیا کہ وہ تمام احتیاطیں اور کوششیں جو فقیر نے سنت اور اہلِ سنت کی متابعت کے لیے کی تھیں۔ اور انھی بزرگوں کی تقلید میں نجات کو موقوف کہا کرتا تھا، شاید آپ نے فراموش کردیں، اور اپنے متخیلات کو اپنا راہ نما بنالیا ہے۔ ظاہری حالات کے مطابق میری اور آپ کی ملاقات اب بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ تاہم آپ اس طرح زندگی گزاریں کہ نجات کا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے یہ مکتوب قید کے زمانے کا ہوگا، گویا ایک سال ہوا تھا۔

حضرات القدس (۲۷۹/۲) میں مولانا بدرالدین نے لکھا ہے کہ انکی اس کتاب کی تصنیف کا باعث میر محمد نعمان ہیں۔ اس کتاب (۳۵۶/۲) میں لکھا ہے کہ وہ پندرہ سال کی عمر میں حضرت مجدد سے بیعت ہوے ۵۲(ب)۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری (م۔ ۱۰۴۲ھ):

مکتوب ۱۷۲/۱ میں بعض خصوصی اسرار اور ان کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ عارف اس مقام میں اپنے

آپ کو دائرہ شریعت سے کیوں باہر محسوس کرتا ہے اور اسے کس طرح شریعت پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

مکتوب ۱/۱۹۲ میں آپ نے اپنے سابقہ مکتوب ۱/۱۱ (جو خواجہ باقی باللہ کے نام تھا) کے اس مضمون کی وضاحت کی ہے کہ میں ایک ایسے رنگین مقام پر پہنچا جو حضرت صدیق اکبر کے مقام سے آگے تھا یعنی جو بات بھی واقع میں معلوم (صحیح یا غلط) وہ بے تحاشا اپنے پیر کو لکھ دینا ضروری ہے (پھر اصلاح ہو سکے گی)۔

مکتوب ۱/۲۴۲ میں اسم ذات اور نفی و اثبات کے ذکر کا بیان ہے، اور یہ کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے۔ اور کس وقت کون ساذکر کرنا چاہیے ۱/۲۵۲ میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعین کا مبداء صفت العلم ہے۔ بار نبوت و ولایت کے برداشت کرنے سے متعلق معارف (۱/۲۲۲) خواجہ محمد اشرف کابلی والے خط میں دیکھ لیں ۱/۲۵۶ میں قطب، غوث، اور خلیفہ کے معنی بتائے ہیں (۱/۲۵۲ میں ہے کہ ان کے متعلق بتانے کا اذن ابھی نہیں ہوا)۔

مکتوب ۱/۲۷۶ میں آیاتِ محکمانہ اور متشابہات کے اسرار بیان کیے ہیں۔ اور علمائے راسخین کا بھی ذکر ہے۔ ۱/۲۸۲ میں الیاس اور خضر علیہما السلام کی ملاقات اور احوال کا ذکر ہے، یہ بھی ہے کہ ولایت کے کمالات، فقہ شافعی سے اور نبوت کے کمالات، فقہ حنفی سے مناسبت رکھتے ہیں۔

مکتوب ۲/۱۶ میں طاعون اور قحط کے حادثے کا ذکر ہے (یعنی یہ خط ۱۰۲۵ھ کا مکتوب ہے)۔

مکتوب ۲/۸۸ میں طاعون کا ذکر ہے کہ ”اگر مولیٰ اپنے بندے کی گردن پر چھری چلائے تو بندہ کو چاہیے کہ اُس سے خوش ہو اور اس سے لذت حاصل کرے...... جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہیے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہو...... البتہ بلاؤں سے عافیت طلب کرنی چاہیے۔

مکتوب ۳/۶ میں ہے کہ ”آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارے میں لکھا ہے تو یہ خود اس گروہ کا جمال اور اُن کے زنگار کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں؟...... آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ذوق رہا ہے نہ حال۔ چاہیے تھا کہ ذوق وحال دوگنا ہوتا، کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے“ ان مکتوبات سے واضح ہے کہ مخاطب کا مقام بھی سلوک میں خاصا بلند ہے، لیکن مزاج میں تیزی تھی، اس لیے آگرہ میں گروہِ سپاہ میں جو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اس میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۳۴۔۳۳۹)۔

مولانا محمد صدیق بدخشی المتخلص بہ ہدایت[۵۳] (م ۱۰۵۱ھ):

ان کا ذکر ۷۲/۱ میں پہلی بار آیا ہے کہ وہ خواجہ جہاں کی طرف جا رہے ہیں۔ ۱۳۲/۱ میں ہے کہ افسوس ہوا کہ آپ نے فقراء کی صحبت چھوڑ کر دولتمندوں کی صحبت اختیار کر لی ہے (۱۱۹/۱ میں میر محمد نعمان کو بھی لکھا ہے کہ مولانا محمد صدیق کے متعلق معلوم ہوا کہ انھوں نے نوکری اختیار کی ہے، اور فقراء کی وضع چھوڑ دی ہے)۔ ۱۳۳/۱۔ ۱۳۴/۱ میں بھی فرصت کو غنیمت اور وقت کو عزیز سمجھنے کی نصیحت ہے، اور یہ کہ معاش کی عقل سے زیادہ معاد کی عقل کی ضرورت ہے۔ ۱۳۵/۱ میں فرمایا ہے کہ ولایتِ عامہ سے مراد مطلق ولایت ہے اور ولایتِ خاصہ سے مراد ولایتِ محمدیہ ہے۔ حضور انور ﷺ کو جسد کے ساتھ معراج ہوئی اور دنیا میں رویت صرف حضور انور ﷺ ہی سے مخصوص ہے۔ ۱۳۶/۱ میں ہے کہ آپ کا خط رمضان المبارک کے آخری عشرے میں پہنچا تھا۔ اب آپ کو اور خان خاناں اور خواجہ عبداللہ (ابن خواجہ باقی باللہ) کو خط لکھ رہا ہوں اور یہ کہ آپ کا لشکر میں جانا مجھے پسند نہیں اور فرصت کو غنیمت جانیں۔ مکتوب ۱۶۲/۱ میں رمضان المبارک کی فضیلت کا ذکر ہے (مکتوب ۱۳۶/۱ موخر ہوگا۔ کیونکہ اس میں رمضان کے آخری عشرے کے گزر جانے کا ذکر ہے)۔

مکتوب ۱۷۵/۱ میں حافظ محمود کو لکھا ہے کہ میرے عزیز بھائی مولانا محمد صدیق آگرے میں ہیں۔ ان کی ملاقات کو غنیمت جانیں ۱۷۶/۱ میں پھر محمد صدیق کو باطنی نسبت میں مشغول ہونے کی نصیحت کی ہے اور یہ کہ شعر گوئی وغیرہ چھوڑ دیں ۸۸/۱ میں قلب اور روح وغیرہ لطائف اور ان کے ظاہر و باطن کی کیفیت کا ذکر ہے ۱۹۹/۱ میں ملا محمد امین کابلی کو ہدایت ہے کہ وہ آگرہ میں مولانا محمد صدیق کی خدمت میں بیٹھیں۔ یہ وہ محمد امین تھے جو آگرہ سے سرہند حاضر ہوے تھے (مکتوب ۲۴۶/۱)

مکتوب ۲۱۲/۱ میں ہے کہ پیر اگر صاحبِ تصرف ہے تو وہ اپنے مرید کو مرتبۂ فوق تک پہنچا سکتا ہے (۱۸۸/۱ میں بھی فرمایا تھا) لطیفہ اخفی کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے۔

مکتوب ۲۴/۱ میں مولانا محمد صالح کولابی کو لکھا ہے کہ بحمد اللہ مولانا محمد صدیق اب ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوے ہیں اسی سلسلے میں مکتوب ۲۱/۲ میں تشریح آ جاتی ہے، مکتوب ۵۱/۲ میں بھی رویت کے متعلق بحث ہے۔ جیسے مکتوب ۳۵/۱ میں ہے اور رویت (شہود) کی کیفیت بھی بیان فرمائی ہے جیسی کہ مکتوب

۴/ ۸ میں بھی ہے۔

خواجہ محمد اشرف کابلی:

مکتوب ۱/ ۱۳۱ فارسی ادب کا شہہ پارہ ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> بدانند کہ طریقہ حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم اقرب طرق موصلہ است ونہایت ودیگراں در بدایت ایں بزرگواراں مندرج ونسبت ایشاں فوقِ ہمہ نسبتہا است ایں ہمہ بواسطۂ آنست کہ دریں طریق التزامِ سنت است واجتناب از بدعت مہما امکن عمل بہ رخصت تجویز نمی نمایند اگرچہ بظاہر درباطن نافع یابند وعمل بہ عزیمت از دست نمی دہند اگرچہ بصورت درسیرت متضرر دانند احوال ومواجید را تابع احکامِ شرعیہ ساختہ اند اذوق ومعارف را خادم علوم شرعیہ دانستہ جواہر نفیسۂ شرعیہ را در رنگ طفلاں بجوز ومویز وجد وحال عوض نمی کنند وبترہاتِ صوفیہ مغرور ومفتوں نمی گردند از نص بہ فص نمی گرایند واز فتوحاتِ مدنیہ فتوحاتِ مکیہ التفات نمی کنند[۵۴] حالِ ایشاں بردوام است ووقتِ ایشاں براستمرا آں تجلی ذاتی کہ دیگراں را کالبرق است ایں بزرگواران را دائمی است۔ حضوریکہ غیبت درقفائے آں باشد نزد ایں عزیزان از حیّز اعتبار ساقط است۔ **رجال لا تلهيم تجارة ولا بيع عن ذكر الله** امافہم ہرکس بہ مذاق ایں اکابر نہ رسد[۵۵]۔

پھر اسی مکتوب میں ہے کہ بعض متاخرین جونئی نئی باتیں پیدا کر رہے ہیں انھوں نے ان بزرگوں کے اصل طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ افسوس کہ نماز تہجد کو بڑی جمعیت سے (باجماعت) ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حضور انور ﷺ نے (تہجد میں) کبھی تیرہ، کبھی گیارہ، اور کبھی نو اور کبھی سات رکعت ادا کی ہیں تو اس میں وتر نے مل کر فردیت کا حکم پیدا کیا ہے۔

مکتوب ۱/۱۴۷ میں سیر الی اللہ اور فی اللہ کی بحث ہے اور یہ کہ جائز نیست کہ گسستن از پیوستن جدا شود و پیوستن بے گسستن ہویدا گردد۔

مکتوب ۱/۱۴۷ بھی دوسرے مکتوبات کی طرح فارسی ادب میں وقیع ہے۔ ہم صرف اس کے مضمون کے متعلق عرض کر سکتے ہیں کہ فرماتے ہیں۔

اس راہ کے دیوانے ----- وہ قُرب چاہتے ہیں جو بُعد نما ہو اور وہ وصل ڈھونڈتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑنے والے ہی راہ ہدایت پر ہیں۔ ۱/۱۸۷ میں ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے رابطہ سے زیادہ اقرب کوئی اور طریقہ نہیں۔ ۱/۲۰۵ میں ہے کہ اصل مقصود، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے۔

مکتوب ۱/۲۲۲ میں ہے کہ اوپر جانے والے لطائف، عالمِ امر کے ہیں اور نیچے آنے والے لطائف، عالمِ خلق کے ہیں۔ اور عالم امر کے لطائف جس قدر بلند ہوتے جاتے ہیں اسی قدر عالم خلق سے نسبت کم ہوتی جاتی ہے۔ خواجہ محمد طاہر بدخشی کے ہاتھ بھیجا ہوا خط مِل گیا۔ ۱/۲۳۵ کے مکتوب الیہم تین ہیں۔ (۱) ملا سمرقندی، عبدالغفور[۵۶] (۲) حاجی محمد بیگ فریکتی اور (۳) محمد اشرف کابلی (گویا یہ تینوں ایک ہی جگہ ہیں) اس میں ہے کہ اہل اللہ کی محبت دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے، اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے، اور باطنی جمعیت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

۱/۲۵۱ میں خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرت امیر معاویہ کی تعظیم کے بارے میں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انکے جھگڑوں کے بارے میں خاموش رہیں۔ شکر ہے کہ بادشاہ اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے جانتا ہے۔ ورنہ اس زمانے میں مسلمانوں پر سخت وقت ہوتا۔ اس مکتوب میں نبوت اور ولایت کی نسبتوں کا بھی ذکر ہے۔ (۱/۲۵۲ میں) شیخ بدیع الدین کو لکھا ہے کہ نبوت اور ولایت کے متعلق بحث محمد اشرف کابلی کے نام سابقہ مکتوب میں دیکھ لیں۔

مکتوب ۱/۲۵۶ مین بھی محمد اشرف والے مکتوب کا ذکر ہے۔

مکتوب ۲/۳۰ بھی مکتوب ۱/۲۳۵ کی طرح حاجی محمد بیگ فریکتی کے نام بھی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اپنے شیخ کی محبت و اخلاص میں اگر فتور نہیں تو پھر ہزاروں ظلمتیں بھی ہوں تو کوئی غم نہیں (اسی مکتوب میں محمد اشرف کی اہلیہ کے انتقال پر تعزیت اور عبدالغفور سمرقندی کو سلام

لکھا ہے)۔

مکتوب ۳/ ۵۴ میں خان جہان سے محمد اشرف کے لیے سفارش ہے۔

مکتوب ۳/ ۱۰۷ میں فرمایا ہے کہ جب نسبتِ رابطہ میں فتور آ جاتا ہے تو اطاعت میں لذت نہیں ہوتی۔ یہ فتور انقباض سے بھی ہوتا ہے، جو مذموم نہیں، لیکن اگر خطاء ولغزش سے ہو تو مذموم ہے۔ بہر حال دونوں حالتوں میں استغفار مفید ہے۔

حاجی خضر خاں[۵۷] (م ۱۰۳۴ھ):

آپ کے نام صرف ایک مکتوب ۱/ ۱۳۷ ہے جس میں ہے کہ عبادات میں لذت حاصل ہونا۔ اور ان کے ادا کرنے میں تکلیف کا رفع ہونا، اللہ پاک کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ نہایت النہایت میں یہ لذت فرائض میں حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ لذت ایسی ہے جس میں نفس کا کوئی فائدہ نہیں اور دنیا میں نماز کا رتبہ ایسا ہے جیسے آخرت میں رویت۔

مولانا شیخ محمد طاہر لاہوری[۵۸] (م ۱۰۴۰ھ) :

مکتوب ۱/ ۲۲۵ میں ہے کہ اس سلسلے میں وہ احوال ابتداء میں میسر ہوتے ہیں جو دوسروں کو انتہا میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ صرف احوال کی بناء پر طریقہ سکھانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے ۱/ ۲۲۷ میں فرمایا ہے کہ مریدوں میں اپنا وقار قائم رکھیں اور حدودِ شرعیہ کی اچھی طرح حفاظت کریں، اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں۔ مکتوب ۱/ ۲۵۵ میں ہے کہ بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں خواہ سیئہ، وہ رفعِ سنت کو مستلزم ہے۔ میاں شیخ احمد فرملی (۱/ ۲۵۷ میں بھی جن کا ذکر ہے) آپ کے قرب وجوار میں رہتے ہیں، اس لیے ان پر توجہ فرمائیں۔

مکتوب ۲/ ۱۳ میں صرف یہ بات ہے کہ شیخ محمد طاہر نے مجھے مرزا شمس الدین کا خط پہنچایا اور ۲/ ۱۷ میں ہے کہ شیخ طاہر کہتے تھے کہ طاعون کے زمانے میں (۱۰۲۵ھ میں) لاہور میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے تھے کہ جو شخص ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔

مکتوب ۳/ ۲۵ میں ہے کہ مبتدی کے لیے ذکر ضروری ہے۔ بشرطیکہ شیخِ کامل سے حاصل کیا ہو، ورنہ وہ ذکر اوراد کی قسم کا ہوگا۔ (اس میں تفصیل سے بحث ہے) غالباً مکتوب ۳/ ۱۰۸ بھی آپ ہی کے نام ہے

جس میں اصل الاصول کے معاملات کا ذکر ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں۔

ملا طاہر بدخشی (م ۱۰۴۷ھ):

مکتوب ۱/۱۲۲ میں ہے کہ مولانا یار محمد (بدخشی طالقانی) ہماری نقل وحرکت کی وجہ بتائیں گے۔ آپ ہندوستان کے سفر کا ارادہ کرتے ہیں تو جائیں اور اہل وعیال کی خبر لیں یعنی جون پور جائیں، اور ایسے لوگوں سے بچیں جو آگے ترقی نہیں کرتے، اور واقعات کا اعتبار نہ کریں۔

مکتوب نمبر ۱/۱۲۳۔ ۱/۱۲۴ دونوں میں فرمایا ہے کہ نفلی حج کے لیے دوسرے فرض چھوڑنا صحیح نہیں، اس کے لیے ''استطاعت'' شرط ہے۔ ۱/۱۷۱ میں شرعی حدود کی حفاظت، سنت سنیہ کی متابعت، مریدوں کے مال سے اجتناب وغیرہ پر زور دیا ہے۔ شیخ حمید بنگالی[۵۹] آپ کی طرف جانے والے ہیں۔ ۱/۲۱۷ میں قضائے مُبرم اور قضائے معلق کا بیان۔ اور صرف شریعت اور کتاب وسنت کی متابعت کا ذکر ہے۔ بعض طالبوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا ان کے کمال اور تکمیل کی علامت نہیں۔ ۱/۲۲۲ میں ہے کہ خواجہ طاہر (بدخشی) نے خواجہ محمد اشرف کابلی کا خط پہنچایا۔

افضل نماز ہے جس کو درست کرنا چاہیے۔ ۲/۲۷ میں ہے کہ میرا ایک ہی مکتوب آپ کو پہنچا حالانکہ میں نے تین مکتوبات آپ کو لکھے تھے۔ شیخ عبدالعزیز جون پوری کا خط آپ کے خط کے ساتھ ملا۔ وجودِ شہودی سے متعلق ان کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے۔ ۲/۸۶ ہے کہ غیر اللہ سے قطع تعلق کر کے اللہ سے رشتہ جوڑیں۔ شیخ عبدالحی[۶۰] یعنی جامع دفتر دوم آپ کی طرف جا رہے ہیں ان کے پاس علوم ومعارف بہت ہیں۔

مکتوب ۳/۹۱ میں معرفت اور ایمانِ حقیقی سے متعلق سوال کا جواب ہے (مفصل بحث ہے شیخ سجاول نے آپ کا خط پہنچایا) ۳/۱۲۴ میں حقیقتِ کعبہ پر بحث ہے۔

مولانا محمد صالح بدخشی کولابی (م ۱۰۳۸ھ):

مکتوب ۱/۱۶۱ میں ہے کہ منازلِ سلوک طے کرنے کا مقصود، ایمانِ حقیقی ہے مکتوب ۱/۱۷۷ میں جمال الدین حسین بدخشی کو لکھا ہے کہ مولانا محمد صالح کے فرزندوں کی خدمت کو سعادت سمجھیں، کیونکہ مولانا مقبولین میں سے ہیں۔ مکتوب ۱/۱۸۲ میں حضور انور ﷺ کی ایک حدیث کی تشریح ہے کہ حضور نے صحابہ کرام کے خطرات پر کیا فرمایا تھا۔ ۱/۲۲۴ میں میر محمد نعمان کو فرمایا ہے کہ محمد صالح یہاں کے حالات

مفصل بتائیں گے۔ ۱/۲۳۹ میں مولانا محمد صالح کا صرف یہ ذکر ہے کہ ملا احمد برکی کوئی خیال نہ فرمائیں مولانا محمد صالح ابھی موجود نہیں ہیں کہ ان کی مراد معلوم ہو سکے۔

مکتوب ۱/۲۴۱ میں فرمایا ہے کہ سلسلے کی ترقی کے لیے ابھی آپ وہیں (آگرہ) رہیں اور یہ کہ مولانا محمد صدیق بدخشی، ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ پھر مکتوب ۱/۲۴۴ میں بھی ہے کہ آپ ابھی وہیں رہیں کہ احباب کی جمعیت کا باعث ہو۔ فرزند محمد صادق (المتوفی ۱۰۲۵ھ) کو اللہ نے بہت نوازا ہے بلکہ میں بھی مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہوں ان کے ساتھ میرا ابھی دہلی آنے کا ارادہ ہے۔ فرزند کے نام بہت سے معارف ابھی لکھے ہیں (۱/۲۳۴) وہ ملاحظہ فرمائیے گا۔

مکتوب ۱/۲۴۵ میں ذکر نفی و اثبات اور کفرِ حقیقی اور اسلام مجازی سے متعلق استفسار کا جواب دیا ہے۔

مکتوب ۱/۳۰۶ میں تین فرزندوں کے انتقال پر ان کے مناقب کا ذکر ہے۔ (یعنی ۱۰۲۵ھ کا یہ مکتوب ہے)۔

مکتوب ۲/۳۳ میں فرمایا ہے کہ محبوب، محبّ کی نظر میں ہر حال میں محبوب ہے اور اس سے تکلیف پہنچنا عین راحت ہے (اسی طرح کا مضمون ۲/۱۶، اور ۳/۳۷ وغیرہ میں بھی ہے) ۳/۸۷ میں مرادی اور مریدی کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ اور اپنے مدارج پر شکر ادا کیا ہے۔ (...... میں نے فضل سے تربیت پائی ہے، اور اجتباء کے راستے پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میرا طریقہ سبحانی ہے۔ کیونکہ تنزیہ کے راستے سے گیا ہوں، اور اسم و صفت سے ذاتِ اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا......) ۳/۹۵ میں بھی ان اسرار کا بیان ہے جو حضرت مجدد کی ولایت سے مخصوص ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے یہ افادات چند علماء اور صلحاء سے متعلق ہیں۔ ایسے اور بھی بکثرت علماء تھے جن کے ذریعے آپ نے دین اور شریعت کی تبلیغ کو عام کرنے کی کوشش کی اور مکتوبات کے تین دفتر اس امر کے شاہد ہیں۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......سید ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت مطبوعہ کراچی، ص۔ ۴۶۰

۲......ملا عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ کلکتہ ۱۸۶۶ء، ص۔ ۲۱۰

۳......سید ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، ص۔ ۴۶۰

۴......ملا عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸ء، ص۔ ۲۱۱

۵......شیخ فرید بھکری ذخیرۃ الخوانین جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء، ص۔ ۶۸، ۶۹

۶......سید ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، ص۔ ۴۶۱، ۴۶۲

۷......سید مناظر احسن گیلانی: ہزارہ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ تذکرہ مجدد الف ثانی مطبوعہ لکھنو ۱۹۶۰ء، ص۔ ۸۷

۸......سید معین الحق معاشرتی و علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء، ص۔ ۱۹۱

۹......شیخ عبدالحق: اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء، ص۔ ۳۸۴

۱۰......سید ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، ص۔ ۴۶۲

۱۱......شیخ عبدالحق: اخبار الاخیار، ص۔ ۳۸۰

۱۲......تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۸۷

۱۳......سید ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، ص۔ ۴۶۲

۱۴......ملا عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، ص۔ ۴۶۱

۱۵......سید معین الحق: معاشرتی و علمی تاریخ، ص۔ ۲۳۱

۱۶......تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۸۷

۱۷......تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۸۷

۱۸......ایضاً، ص۔ ۸۷

۱۹......شیخ محمد اکرام: رود کوثر مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص۔ ۱۰۲، ۱۰۳

۲۰......ملاحظہ فرمائیں مکتوب نمبر ۲۴۹ (دفتر اول) جو حضرت مجدد نے حضرت شیخ کے دوست شیخ اسمٰعیل کے لیے مرزا داراب بن عبدالرحیم خان خاناں کو بطور سفارش تحریر فرمایا۔ مکتوب نمبر ۱۰۰ (دفتر سوم) جو حضرت شیخ کے فرزند اکبر شیخ نور الحق مشرقی کے نام تحریر فرمایا۔

۲۱......خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء، ص۔ ۲۲۳

۲۲......خلیق احمد نظامی حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ دہلی، ص۔ ۱۴۴

۲۳......مکتوبات امام ربانی۔

۲۴......حضرت مجدد، مکتوبات امام ربانی دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷

۲۵......جہانگیر: تزک جہانگیری (سرسید ایڈیشن) ۱۸۶۴ء، ص۔ ۲۸۲

۲۶......جہانگیر۔ تزک جہانگیری (سرسید ایڈیشن) ۱۸۶۴ء، ص۔ ۲۷۲

۲۷......خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق، ص۔۱۲۳۔ نواب صدیق حسن کے الفاظ بھی (۲۲۴) نقل کیے ہیں کہ ''وجہ ایں نقار آنست کہ حضرت شیخ رادر تقلید مذہب تعصب بسیار بود حضرت مجدد دراتباع سنت رد بدعات طریقت وشریعت صلابت تمام بایں رہ گذر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست''۔

۲۸......مولانا محمد حسن مجددی کی مقامات امام ربانی (مطبوعہ لاہور، ص۔ ۵۶) میں شیخ فتح محمد چشتی فتح پوری کی کتاب مناقب العارفین کا وہ حوالہ موجود ہے۔

۲۹......خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق، ص۔۱۴۶

۳۰......یہ مکتوب (۱۲۱/۳) مرزا حسام الدین احمد کے نام ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق نے اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد مرزا صاحب کو لکھا کہ ان ایام میں میاں شیخ احمد سلمہ کے بارے میں حد سے زیادہ صفائی باطن حاصل ہوگئی ہے۔ اصل فارسی مکتوب اخبار الاخیار (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ، ص۔۳۲۶) میں درج ہے۔

۳۱......حضرت مجدد پر اعتراضات کے سلسلے میں محمد اقبال مجددی کی کتاب ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص۔۱۴۵ تا ۱۶۴) ملاحظہ فرمائیں۔

۳۲......ان مکتوب الیہم کے حالات عموماً مولانا بدرالدین سرہندی کی حضرات القدس اور مولانا محمد ہاشم کشمی کی زبدۃ المقامات میں موجود ہیں اور وہ بالکل معاصرانہ تذکرے ہیں اور معروف ہیں اس لیے یہاں ان (حالات) کا پیش کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

۳۳......آپ کے نام صرف ایک مکتوب (دفتر اول نمبر ۱۶۰) ہے جس میں مشائخ کے تین گروہوں کا ذکر ہے آپ نے دفتر اول مرتب کیا تھا۔ لیکن اس کا تاریخی نام دُرالمعرفت حضرت محمد ہاشم کشمی نے برہان پور کے قیام کے زمانے میں بنایا تھا اور اسے حضرت مجدد نے پسند فرمایا تھا (زبدۃ المقامات اردو ترجمہ، ص۔ ۲۳۱)۔ زبدۃ المقامات (ص۔۲۱۴) میں ہے کہ پہلا دفتر دوسرے دفتروں کے مقابلے میں کم درجہ کا ہے۔

۳۴......مولانا یار محمد قدیم ۱۰۴۶ھ میں حج وزیارت سے واپس ہوئے۔ اکبر آباد میں فوت ہوئے۔ حضرات القدس کی تالیف کے وقت آپ حیات نہیں تھے۔ دیکھیں حضرات القدس دفتر دوم صفحہ ۳۱۳۔ اس کتاب میں (ص ۲۶۶) ''قدس سرہٗ اور آپ کے لیے فعل ماضی استعمال کیا ہے۔ اس لیے شاید یہ کتاب آپ کی وفات (۱۰۶۰ھ) کے بعد مکمل ہوئی ہے دفتر اول کے مکتوبات ۱۱۷۔۱۲۲۔۲۰۹۔۲۱۱۔۲۲۴۔ آپ سے متعلق ہیں۔

۳۵......مولانا محمد صالح کولابی نے حضرت مجدد قدس سرہ کے شب وروز کے اعمال وافعال رسالہ ''ہدایت الطالبین'' میں جمع کیے ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی (ٹنڈو سائیں داد۔ سندھ) کے پاس ہے ۱۰۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۶۰) (نوٹ) اس کا اردو ترجمہ ملک فضل الدین، ملک حسنین الدین،

ملک تاج الدین، تاجرانِ کتبِ قومی لاہور نے ۱۳۲۶ھ میں شائع کیا (محمد عالم مختار حق)

۳۶......حضرات القدس (دفتر دوم ص ۲۶۹) میں ہے کہ میر محمد لغمان کو اجازت نامہ ۱۰۱۸ھ میں دیا گیا لیکن اوپر کے مکتوب ۲۰۹ سے ظاہر ہے کہ اس وقت تک یعنی رسالہ مبدأ و معاد کی تالیف ۱۰۱۹ھ) کے بعد بھی، بلکہ مکتوب نمبر ۲۲۸ کی تحریر کے وقت تک اجازت نامہ نہیں دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ ۱۰۱۸ھ کے بجائے ۱۰۲۸ھ ہو۔

۳۷......دفتر اول کے مکتوب ۲۵۵ میں ملا محمد طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ) کو لکھا گیا تھا کہ شیخ احمد قرملی آپ کے قریب رہتے ہیں، اس لیے ان پر التفات فرمائیں۔ یعنی لاہور کے قریب تھے۔ ممکن ہے کہ وہ پہلے اکبر آباد میں رہتے ہوں، جہاں سے وہ میر محمد نعمان کا خط لائے ہوں جس کا ذکر مکتوب ۲۵۷ میں ہے۔

۳۸......مولانا علم اللہ محدث کے انتقال پر قطعۂ تاریخ مولانا محمد ہاشم کشمی کے دیوان ETHE2898 (لندن۔ ورق ۲۶۱ ب) میں موجود ہے۔ لیکن تاریخی مصرع ہی کو کاتب نے مسخ کر دیا ہے۔

برفت آنکہ درعلم بودہ علَم
و زو بود ارشاد اہلِ حدیث
بتاریخِ فوتش تلامیذ او
نوشتند لجہ اوستاد اہلِ حدیث

چوتھا مصرع غالبًا یوں ہے: نوشتند ''استاد اہل حدیث''۔ یعنی ۱۰۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ یہ اس لیے بھی صحیح ہے کہ اس مکتوب میں انھیں مرحوم کہا گیا ہے اور اس مکتوب کا دفتر اول ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوا تھا۔

۳۹......اس مکتوب میں ہزار سال کے مجدد ہونے کا اشارہ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنے مکتوب نمبر ۲۲ (بنام عبدالرحیم خان خانان) میں اور اپنی کتاب مرج البحرین (صفحہ ۴۷۔ کراچی ۱۹۶۸ء) میں ایسے مجدد کے لیے اشارہ کیا ہے۔ (عین ممکن ہے کہ شیخ دہلوی نے اسی مکتوب کے زمانے میں مرج البحرین لکھی ہو) شیخ دہلوی نے خان خانان کے نام مکتوب ۱۴۔ ۱۸ میں اور حضرت مجدد نے بھی اسی کے نام مکتوب ۶۸۔ دفتر اول میں فقر و غنا پر بحث کی ہے۔ شیخ نے مرج البحرین (صفحہ ۲۵) میں لکھا ہے کہ وہ ایک رسالہ اثبات النبوۃ لکھ رہے ہیں۔ لیکن وہ شاید علیحدہ شائع نہ ہوسکا۔ بلکہ انھوں نے اسے مدارج النبوۃ میں شامل کرلیا ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت مجدد نے اس نام کا رسالہ ۹۹۸ھ میں لکھ لیا تھا

۴۰......عبدالرحیم خان خانان کی دکن کی صوبہ داری ۱۰۲۷ھ میں بحال ہوئی، (اقبال نامہ جہانگیری، ص۔ ۱۱۲ کلکتہ ۱۸۶۵ھ) اور اس وقت میر محمد نعمان برہان پور میں تھے۔ دیکھیں حضرات القدس' ص۔ ۱۴۶، اور زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۶۶، برہان پور میں میر صاحب کی شہرت ہوئی تو لوگوں کے درغلانے پر بادشاہ نے ان کو آگرہ بلوالیا تھا۔

(حضرات القدس، ص۲۔۲۷۲)

۴۱...... بادشاہ جب اکبرآباد (آگرہ) پہنچا تو حضرت مجدد تشریف لے گئے۔ لیکن حاسدوں کی سازش سے قید کر لیے گئے۔ قید کا واقعہ تزک جہانگیری (ص۔۲۷۲۔۲۷۳، علی گڑھ ۱۸۶۴ء) میں جشن چہاردہمیں نوروز کے ذیل میں درج ہے۔ یعنی یہ جشن شنبہ ۴ ربیع الآخر ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۶۱۹ء منایا گیا۔ بادشاہ قریب ۵½ سال کے سفر کے بعد یکم اردی بہشت کو یعنی وسط اپریل ۱۶۱۹ء آگرہ پہنچا (دیکھیں بنی پرشاد کی تاریخ جہانگیر، ص۔۲۵۵)

۴۲...... خواجہ محمد ہاشم کشمی کی شادی میر نعمان کی صاحبزادی سے ہوئی (زبدۃ المقامات، ص۔۱۸) یہ صاحبزادی وہی بچی تھی جس نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی گود میں بیٹھے ہوئے ان کی ڈاڑھی کا ایک بال نوچ لیا تھا۔ اور وہ بال میر صاحب کے گھر میں بطور یادگار محفوظ رہا۔ (حضرات القدس ۱/۲۵۰)

۴۳...... قید اور رہائی کی تاریخوں کے لیے دیکھیں ہمارا باب ''حضرت مجدد اور جہانگیر'' اس باب میں قید کے متعلق دیگر تفصیل بھی مل سکے گی۔

۴۴...... یہ ملا پائندہ غالباً وہی ہیں جو بعد میں خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ ہوے۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان نے ان کا رسالہ مجمع البحرین ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع کیا تھا۔

۴۵...... یہ دُم دار ستارہ ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں نمودار ہوا ہوگا: جیسا کہ مکتوب ۲/۶۸ میں اشارہ ہے کہ ''ابھی صدی میں ۲۸ سال گذرے ہیں۔'' (قید ہونے سے پہلے)

۴۶...... مکتوب ۲/۵۰۔۸۵ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحی، نور محمد اور شمس الدین ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ عبدالحیٔ اس عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری (جامع دفتر دوم) سے مختلف ہوں۔ حصارِ شادماں دراصل توران کے شمال میں واقع ہے جہاں کے موخر الذکر رہنے والے تھے۔

۴۷...... برہان پور میں آپ کا مزار بھی ۱۹۶۷ء میں پھر تیار ہوا ہے۔ اور اس کی لوح پر سالِ وفات ۱۰۴۵ھ لکھا ہوا ہے، لیکن یہ شاید ۱۰۵۴ھ ہوگا، کیونکہ ۱۰۵۳ھ میں آپ نے مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ مرتب کی تھی۔ آپ کا فارسی دیوان انڈیا آفس لندن میں مخطوطہ نمبر ۲۸۹۸ ہے۔ مکتوبات معصومیہ (۱/۲۴۴) میں آپ کے انتقال پر تعزیت ہے۔

۴۸...... مکتوب ۱/۲۹۰ کے شروع میں خواجہ باقی باللہ کے نام کے ساتھ ''قدس اللہ تعالیٰ سرہ'' لکھا ہے اور آخر میں ''سلمہ اللہ تعالیٰ'' لکھا ہے۔ موخر الذکر دعائیہ کلمہ شاید اس لیے ہے کہ حضرت مجدد نے ان سے (انکی روح سے؟) اجازت چاہی تھی کہ ان کے کمالات اس مکتوب میں درج کریں تو ممانعت آئی۔

۴۹...... آپ فیضی اور ابوالفضل کے بہنوئی تھے حضرات القدس (۱/۶۵۶) میں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی روحانی تیغ

(بددعا) سے ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) مارا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے بہنوئی (حسام الدین احمد) کو ہمیشہ (اس روحانی تعلق کی وجہ سے) پریشان کیا کرتا تھا (دیکھیں مآثر الامراء جلد سوم نمبر ۹۳)۔

۵۰.....مکتوب ۱/۶۱ میں بھی دہلی اور آگرہ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا، پھر ۱۰۱۶ھ میں تشریف لے گئے۔

۵۱.....تمام اعتراضات کے لیے حضرات القدس ۲/ص ۸۷۔۱۰۸ دیکھیں۔

۵۲،(الف).....آپ کا انتقال ۱۰۵۴ھ کے بعد ہوا ہوگا۔ کیونکہ حضرات القدس (۲/۳۵۵) میں آپ نے لکھا ہے کہ شیخ آدم بنوری کا انتقال مدینہ طیبہ میں اس سال یعنی ۱۰۵۴ھ میں ہوا ہے۔

۵۲،(ب).....حضرات القدس (۲/۱۳۰۔۱۳۱) میں آپ نے خود ہی اپنی مختلف تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ اسی کتاب (۲/۲۷۰) میں ایک تصنیف ''سنوات الاتقیاء'' کا بھی ذکر بھی ہے۔ حضرت مجدد کے آخری ایام (قریب ۶۔۷ ماہ) کے حالات میں ''وصالِ احمدی'' لکھی تھی جو ۱۸۹۸ء میں مراد آباد سے مولانا اعزاز الدین احمد نے (مع اردو ترجمہ) شائع کی تھی، دوبارہ جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب نے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں اسے شائع کیا۔

۵۳.....۱۰۱۹ھ میں مولانا محمد صدیق نے رسالہ مبداء و معاد مرتب کیا تھا۔ حیات باقیہ جو دہلی سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی تھی اور جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں وہ انھی مولانا محمد صدیق کی تصنیف ہوگی۔ کیونکہ اس کتاب کے صفحہ ۵۳ میں ہے کہ میں نے جمعہ ۲ جمادی الاول ۱۰۱۰ھ کو حضرت خواجہ باقی باللہ سے سفر پر جانے کی اجازت چاہی پھر صفحہ ۵۶ میں ہے کہ یکشنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کو خدمت میں سفر کے بعد حاضر ہوا۔ حضرات القدس (۲/۲۹۸) میں ہے کہ مولانا محمد صدیق ہدایت عرصے سے عبدالرحیم خان خانان کے یہاں شعر و شاعری کرتے رہے۔ خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے پھر دکن گئے۔ واپسی پر خواجہ صاحب نے ان کو حضرت مجدد سے رجوع کرنے کے لیے فرمایا۔ حضرات القدس (۱/۲۱۸) میں بھی ہے۔ میں نے (مصنف) خواجہ باقی باللہ کے حالات مولانا محمد صدیق بدخشی سے حاصل کیے ویسے حیاتِ باقیہ کے آخر میں حضرات خواجہ کے وصال پر ایک ترکیب بند کی ہے۔ جس میں شاعر کا تخلص رشدی آتا ہے: ؎

رشدی ازاں نفس کہ رخ خودنہفت دوست
ساز طرب شکست و نوائے ترانہ مرد

اس لیے ہوسکتا ہے کہ رشدی اور ہدایت کی مناسبت سے محمد صدیق ہدایت کا تخلص پہلے رشدی رہا ہوا۔

۵۴.....مکتوب ۱/۱۰۰ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔

۵۵.....مکتوب ۱/۲۸۸ میں بھی فرمایا ہے کہ عاشورہ، شب قدر اور شب برات میں نوافل جماعت کے ساتھ نہ پڑھیں۔

۵۶.....زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۷۸) میں ہے کہ یہ (چار) حضرات اہلِ سپاہ میں تھے لیکن درحقیقت اجلاء اصحاب خانقاہ

میں سے ہیں۔ (۱) ......خواجہ محمد اشرف کابلی (۲) ......مولانا محمد فریکتی (۳) ......مولانا عبدالغفور سمرقندی (۴) ......حافظ محمود گجراتی۔

۵۷......شیخ آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) پہلے حاجی خضر خاں سے بیعت ہوئے تھے (حضرات القدس ۲/ ۳۵۵) اور خضر خاں پہلے حضرت مجدد کے والد ماجد سے (ایضاً۔ ۲/ ۳۱۶) اور عثمان جالندھری سے بھی (چہل مکتوب۔ شائع کردہ ملک فضل الدین لاہور۔ ص۔ ۱۲) بیعت ہوئے تھے۔ چہل مکتوب (صفحہ ۵۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہ داد بھی پہلے عثمان جالندھری سے مرید ہوئے تھے۔

۵۸......حضرات القدس (۲/ ۲۹۴ تا ۲۹۶) اور زبدۃ المقامات (ص۔ ۳۲۸) میں ان کے حالات درج ہیں۔ زبدۃ المقامات (ص۔ ۳۴۱) میں یہ بھی ہے کہ جن ایام میں حضرت مجدد دہلی میں تھے تو خواجہ حسام الدین احمد کی درخواست پر آپ نے عوارف المعارف کا درس دینا شروع کیا۔ شیخ نور محمد اور طاہر لاہوری کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ آپ تو صرف ظاہری مطلب بیان کر رہے ہیں۔ حضرات القدس (۲/ ۸۱) میں شیخ طاہر لاہوری کے متعلق ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے بعض انعامات سے محروم ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے انتخاب مکتوبات (اقبال اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۶۸ء ص۔ ۲۰) میں شیخ طاہر کا سالِ وفات غلطی سے ۴۲۶ھ/ ۱۰۳۰ء لکھ دیا ہے۔

۵۹......شیخ حمید بنگالی (م ۱۰۵۰ھ) منگل کوٹ (ضلع بردوان) کے رہنے والے تھے۔ مکتوبات ۱/ ۱۱۱۔ ۱۵۸۔ ۱۷۱۔ ۲۲۰۔ ۲۹۲۔ ۲/ ۴۶۔ ۴۳۔ ۸۴۔ آپ سے متعلق ہیں۔ جن میں مختلف معارف وعلوم بیان کیے گئے ہیں۔ مکتوب ۲/ ۸۴ میں حضرت مجدد نے شکایت کی ہے کہ سات آٹھ سال میں آپ کا یہ پہلا خط ملا۔

۶۰......شیخ عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری نے مکتوبات کا دوسرا دفتر ۱۰۲۸ھ میں مرتب کیا تھا۔ مکتوبات ۱/ ۲۷۷۔ ۲۹۱۔ ۳۰۴۔ ۲/ ۳۷۔ ۵۰۔ ۷۷۔ ۷۹۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ آپ سے متعلق ہیں۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی سے معاصر علماء ومشائخ کے اختلافات کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد انصار خاں

☆☆

حضرت مجدد ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ (م ۱۰۱۲ھ) سے بیعت ہوے اور چھ ماہ کی قلیل مدت میں وہ مدارجِ عالیہ نصیب ہوے کہ باید وشاید۔ حضرت مجدد، حضرت خواجہ باقی باللہ کے منظور نظر تھے۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کی بیعت سے قبل اور اس کے بعد کے واقعات کا جو ذکر فرمایا ہے[۱]۔ اس سے حضرت خواجہ کی نظر میں حضرت مجدد کے مقام ومرتبے کا پتا چلتا ہے۔ ایک خلیفہ کا اس طرح نوازا جانا حضرت خواجہ کے خلفاء اور مریدین کے لیے یقیناً ناقابل یقین ہوگا چنانچہ بعض ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جن سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے[۲]۔

حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں بعض ایسی باتیں تحریر فرمائی تھیں جن سے بادی النظر میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے استفاضہ روحانی سے انکار ہے۔ مثلاً یہ کہا کہ ”میں خدا کا مرید ہوں اور خدا کی مراد ہوں، میرا سلسلۂ طریقت براہ راست خدا سے ملتا ہے[۳]۔

اس جملے سے بظاہر نہ صرف حضرت خواجہ باقی باللہ بلکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وساطت و وسیلے کی بھی نفی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت حال اس کے خلاف ہے۔ حضرت مجدد نے اکثر مقامات پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے احسانات وانعامات کا ذکر کیا ہے[۴] اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وساطت و وسیلے اور کمال عشق ومحبت کا اظہار فرمایا ہے[۵] اور یہاں تک تحریر فرمایا ہے:

اے خدا مجھے تجھ سے اس لیے محبت ہے کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔

غالباً اسی قسم کی اشتباہ اور اشکال میں ڈالنے والی تحریروں سے خواجہ باقی باللہ کے خلفاء و مریدین حضرت مجدد سے بدگمان ہو گئے۔ چنانچہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی اور دوسرے مریدین ابتداً میں حضرت مجدد سے ناراض ہو گئے تھے لیکن جب ان کو حضرت مجدد کی کیفیات قلبیہ اور حضرت خواجہ سے ان کی معنویت کاملہ کا حال معلوم ہوا تو صلح وصفائی ہوگئی اور سب نے معذرت کی[6]۔

مشائخِ طریقت کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے جہاں ہزاروں معتقد ہوتے ہیں وہاں ایک دو باغی بھی ہوجایا کرتے ہیں' بغاوت ان کی شقاوتِ قلبی کا پتا دیتی ہے۔ حضرت مجدد کا ایک مرید حسن خان افغانی نہ معلوم کیوں باغی ہوگیا اور بہت سے مکاتیب چرا کے لے گیا۔ اس کی بہت سی نقلیں تیار کیں اور وہ بھی محرف اور اس طرح اچھے اچھوں کو حضرت مجدد سے بدگمان کر دیا۔ حضرت مجدد اور شیخ عبدالحق دہلوی کے درمیان جو رنجش کی صورت پیدا ہوئی اس میں بھی اس کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے[7]۔

حضرت مجدد کے مکتوبات شریف چونکہ علم باطن سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے علماء ظاہر کے لیے ان میں بہت سے اشکالات ہیں۔ حضرت مجدد کے پوتے شیخ محمد فرخ علیہ الرحمۃ نے اپنی تالیف ''کشف الغطاء عن اذہانِ اغنیاء'' میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ان اشکالات کا پیدا ہونا کوئی نئی بات نہیں، بے شمار مشائخِ طریقت کی تحریروں میں ایسے اشکالات موجود ہیں۔ چنانچہ آپ نے متعدد مشائخ کرام اور ان کی اس قسم کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے[8]۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف کی صرف ان باتوں پر اعتراض فرمایا ہے جو ان کے فکر وشعور سے قریب تر تھیں اور ایسی باتیں جن کا تعلق احوال قلبیہ سے تھا' ان کے متعلق صاف صاف تحریر فرما دیا کہ ایسی باتوں کی تصدیق یا تکذیب کے لیے میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

بہر کیف مکتوبات شریف کے ابہام واشکال نے بہت سوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے آپ کے عارفانہ کلام کو ظاہر پر محمول کر کے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اعتراضات کیے اور حکم لگائے[9]۔

حضرت مجدد کی مخالفت کو مندرجہ ذیل ادوار پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء تا ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء (قیام اکبر آباد سے خواجہ باقی باللہ کی بیعت تک)

(۲) ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء تا ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء (خواجہ باقی باللہ سے بیعت کے بعد سے ان کی وفات تک)

(۳) سنہ ۱۰۱۳ھ/سنہ ۱۶۰۴ء تا سنہ ۱۰۲۸ھ/سنہ ۱۶۱۸ء (خواجہ باقی باللہ کی وفات سے قلعہ گوالیار میں نظر بندی تک)

(۴) سنہ ۱۰۲۹ھ/سنہ ۱۶۱۹ء تا سنہ ۱۰۳۴ھ/سنہ ۱۶۲۴ء (قلعہ گوالیار سے رہائی کے بعد سے وفات تک)

(۵) سنہ ۱۰۳۵ھ/سنہ ۱۶۲۵ء تا سنہ ۱۰۹۰ھ (حضرت مجدد کی وفات سے صاحب زادگان کی وفات تک)

(۶) سنہ ۱۰۹۷ھ/سنہ ۱۶۸۵ء تا سنہ ۱۱۲۶ھ/سنہ ۱۷۱۴ء (صاحب زادگان کی وفات سے پیرگان کی وفات تک)

گیارہویں صدی ہجری میں مخالفت شباب پر تھی اسی عہد کی ایسی تحریریں جن سے اس مخالفت کا حال معلوم ہو سکے۔ یکم ذیقعدہ سنہ ۱۰۰۹ھ/سنہ ۱۶۰۰ء کے حالات کے ذیل میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں:

> ایک روز میاں شیخ احمد سرہندی کو جو آپ کے برگزیدہ خلفاء میں سے ہیں سرھند رخصت فرما رہے تھے، آپ کو مخاطب کر کے اخفائے نسبت کے بارے میں کچھ فرمایا، آپ نے فرمایا کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھیں لیکن حلقہ نہ کریں اور اس کے بعد علوم دین کا درس دیں۔ اکثر اوقات کتابوں کی تصحیح و مطالعہ فرماتے رہیں۔ کوئی بات کہیں تو عالمانہ انداز سے کہیں، صوفیانہ انداز سے کہنا ہو تو اظہار اتنی پیچیدگی سے کریں کہ سوائے مخاطب کے کوئی دوسرا نہ سمجھے اور اس تحریر سے کوئی بات اڑا نہ لے جائے جو موجب ذلت و رسوائی ہو[۱۰]۔

اس نصیحت و ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کو حضرت مجدد کے مقامات عالیہ کا علم تھا اور ساتھ یہ اندیشہ بھی تھا کہ ان کا برملا اظہار کیا گیا تو کہیں فتنہ نہ پیدا ہو جائے۔ خود حضرت مجدد کو بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ آپ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> سبحان اللہ! اس قسم کے عجیب معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں جن کو سن کر عجب نہیں کہ ابناء جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی مخالفت کے درپے ہو کر نامحرم اور محرم بن جائیں[۱۱]۔

حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد کے اندیشے غلط نہ تھے چنانچہ مخالفت کا آغاز ہوتا ہے اور اپنوں میں سب سے پہلے جس نے مخالفت کی وہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی تھے اور دوسرے برادران طریقت بھی آپ کے ہم نوا تھے۔

حضرت مجدد سے شیخ تاج کی رنجش کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ تاج کو حضرت مجدد سے بہت پہلے خلافت مل چکی تھی، جس زمانے میں حضرت مجدد مرید ہوئے خواجہ باقی باللہ نے شیخ تاج سے فرما رکھا تھا، کہ مریدین کے احوال سن کر ان کو بتادیا کریں لیکن حضرت مجدد کے احوال بنفس نفیس سماعت فرماتے تھے، یہ بات شیخ تاج کو معلوم نہ تھی، جب کئی روز تک حضرت مجدد نے شیخ تاج کو کچھ نہ بتایا تو ایک روز انہوں نے پوچھا۔

تم کو کیا ہو گیا، اپنے احوال کیوں نہیں بتاتے؟[۱۲]

حضرت مجدد نے عاجزی و انکساری سے فرمایا کہ میرے حالات اس لائق نہیں کہ بیان کئے جائیں۔ لیکن انہوں نے بتانے پر بار بار اصرار کیا تو پھر حضرت مجدد نے اپنا یہ خواب بیان فرمایا کہ آپ شیخ تاج کی طرف متوجہ ہیں اور تصرف سے شیخ کو ایسا بے خود کیا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، یہ خواب سنتے ہی شیخ کا رنگ زرد پڑ گیا اور چہرہ فق ہو گیا۔ (زبدۃ، ص، ۱۴۶)

۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد حضرت مجدد تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو مخالفت کا اظہار ہوا لیکن بعد میں مولانا محمد قلیج علیہ الرحمۃ کی معرفت حضرت مجدد کے نام صلح و صفائی کا خط بھیجا گیا اور دہلی کے پیر بھائیوں کو بھی ہدایت کی گئی کہ وہ دل سے کدورت نکال دیں۔ پھر جب ۱۰۱۳ھ میں حضرت مجدد خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے پہلے عرس میں شرکت کے لیے دہلی حاضر ہوئے تو شیخ تاج الدین سنبھلی نے خود آ کر معذرت کی اور دوسرے برادرانِ طریقت نے بھی اظہارِ معذرت کیا۔

شیخ تاج الدین اور حضرت مجدد کے درمیان رنجش و تلخی کے بارے میں خواجہ احمد حسین (صاحب ''جواہر مجددیہ'') نے یہ شبہہ ظاہر کیا ہے کہ شاید حضرت مجدد کے بعض مریدین کے اس طرز عمل نے برادرانِ طریقت کو بدگمان کیا کہ وہ حضرت مجدد کو خواجہ باقی باللہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے' اور خواجہ باقی باللہ کا وہ طرز عمل پیش کرتے۔ جو آپ نے از راہ عجز و انکسار حضرت مجدد سے اپنے تعلق و محبت کی بناء پر اختیار کیا تھا[۱۳] غالباً اس رنجش کا ازالہ حضرت مجدد کی ان تحریروں سے ہو گیا ہو گا جس میں آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے بے پایاں احسانات کا ذکر فرمایا ہے[۱۴]۔

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں دوسرے خلیفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۲ھ) تھے۔ جن کو حضرت مجدد کی بعض تحریروں سے اختلافات تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی حیات میں کسی مرید یا خلیفہ نے زبان نہ کھولی لیکن شکوک وشبہات اسی زمانے میں پیدا ہو گئے تھے جن کا اظہار بعد میں ہوا۔

شیخ محمد امین بدخشی (صاحب مناقب الحضرات) نے ایک مجلس کا چشم دید حال لکھا ہے جس میں وہ خود شریک تھے۔ دو تین علماء اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں حضرت مجدد کا ذکر نکل آیا۔ ایک عالم نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ شیخ محمد امین نے اس کے خیالات کی تردید کی مگر وہ نہ مانا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

> میں نے کہا کہ صفاء باطنی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو میں نے ان میں دیکھی ہے کسی میں نہ دیکھی۔ مگر وہ نہ مانا، میں نے کہا کہ اچھا قرآن کریم سے فال نکال لی جائے۔ جب فال نکالی گئی تو یہ آیت شریف سامنے آئی:
>
> **رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله**
>
> اس پر وہ مولوی شرمسار ہوا اور حیرت زدہ رہ گیا[۱۵]۔

انہیں ایام میں حضرت مجدد کا ایک مرید حسن خان افغانی نہ معلوم کیوں آپ سے برگشتہ ہو گیا اور مکتوبات شریف کے بہت سے مسودات ساتھ لے گیا۔ (اس وقت مکتوبات کتابی شکل میں مدون نہ ہوئے تھے) حسن افغانی نے ان مکاتیب میں تحریف وترمیم کر کے بہت سی نقول تیار کیں اور علماء وصوفیہ کو حضرت مجدد کے خلاف ہموار کیا۔ غالباً اسی حسن افغانی نے شیخ محدث دہلوی کے پاس جا کر باتیں لگائیں اور آپ کو حضرت مجدد سے بدگمان کیا۔

شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد کی بعض تحریروں اور معاندین کی ریشہ دوانیوں سے متاثر ہو کر حضرت مجدد کے بعض افکار وخیالات پر اعتراضات فرمائے اور یہ اعتراضات ایک نجی مکتوب میں حضرت مجدد کے سامنے پیش کیے جس میں ایک ایک کر کے تمام اعتراضات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مکتوب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت مجدد اور شیخ محدث کے درمیان باقاعدہ مراسلت بھی رہی۔ لیکن بعض بدخواہوں نے اس مکتوب کو بہت ہوا دی اور اس کی بڑی شہرت کی۔ چنانچہ یہ مکتوب عہد شاہجہانی کے ایک عالم مولانا عبداللہ خویشگی قصوری (م ۱۱۰۶ھ) نے اپنی تالیف ''معارج الولایت'' (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) میں نقل کیا ہے[۱۶]۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کتاب سے اپنی تالیف ''حیات شیخ عبدالحق'' میں یہ مکتوب نقل کیا ہے[17]۔ حضرت مجدد کے مخالفین نے پاک و ہند میں خوب اس کی تشہیر کی، ظاہر ہے کہ ایک فاضلِ وقت کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی مگر وہ ایک نجی بات تھی جو عالم آشکار کی گئی۔ شیخ محدث کی ہرگز یہ منشاء نہ تھی کہ اپنی تحریر سے مسلمانوں کو بدگمان کریں اور اپنے پیر بھائی حضرت مجدد کو رسوا کریں، جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اسی مکتوب کا سہارا لے کر مولانا عبداللہ خویشگی قصوری نے علماء ظاہر کی طرح بعض اعتراضات کیے ہیں[18]۔ یہ مکتوب سرزمینِ سندھ میں آیا اور یہاں بھی اس کی تشہیر کی گئی، اس سے مخالفت کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے کہ، کہاں دہلی اور سرہند اور کہاں سندھ۔ ۱۱۲۳ھ میں شہر ٹھٹھہ (پاکستان سندھ) میں ایک رسالہ ''ابحاث''، فاضل جلیل شیخ محمد معین تتوی علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزرا، اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسوب کیا جاتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس رسالے میں حضرت مجدد پر جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے وہ شیخ محدث علیہ الرحمۃ کے مکتوب میں موجود ہیں۔ مگر شیخ محمد معین علیہ الرحمۃ نے حسنِ ظن کی بناء پر (اور یہ حسن ظن ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے ہونا چاہیے) تمہیداً یہ لکھا ہے:

> اس علاقے میں لوگ اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسوب کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس میں بعض باتیں اس نسبت کی تکذیب کرتی ہے[19]

محترم حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ العالی نے اس قسم کا اظہارِ خیال شیخ محدث دہلوی کے اصل مکتوب کے بارے میں فرمایا ہے جو ''حیات شیخ عبدالحق'' میں نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے نقل در نقل سے بات کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتی ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

> لیکن بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب، شیخ محدث کے قلم سے کم اور دوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے[20]۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) نے معترضین کے لیے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔

علامہ ممدوح کی ایک دستخط شدہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

> بزرگوں کے کلام کا ان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے، اس کا کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ پس مشیخت پناہ عرفان درست گاہ شیخ احمد کے کام کا رد کرنا جہالت اور ناسمجھی کی بات ہے[۲۱]۔

صاحب "نزھۃ الخواطر" حکیم عبدالحئی نے بھی اس عبارت کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تحریر انہوں نے خود دیکھی ہے۔ مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرھندی علیہ الرحمۃ نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سے بھی یہ فرمایا تھا کہ قیام لکھنؤ کے زمانے میں انہوں نے کسی علمی خاندان میں مضافات لکھنؤ میں ایسی تحریر ملاحظہ فرمائی تھی۔

حضرت مجدد کے دوقومی نظریے کو مخالف قوتوں نے بھانپ لیا تھا چنانچہ ردعمل ہوا جس کی تفصیل یہ ہے:

(ا) پہلا ردعمل کفار و مشرکین ھند کی طرف سے ہوا مگر ان کا ردعملِ مسلمانوں کی طرح واضح نہیں ہوتا' بہت مخفی ہوا کرتا ہے۔ حکومت میں ان کا بڑا اثر تھا بلکہ حرم شاہی میں ان کی عورتیں موجود تھیں ہم راز تھیں، ایک ہندو کے ہاتھوں حضرت مجدد کی گرفتاری محض سُوءِ اتفاق نہیں کہا جاسکتا۔ ممکن ہے ان دل جلوں کی خوشنودی بھی مقصود ہو۔

(ب) اسلامی حکومت کا نفاذ عیش پرست اہلِ ریا کے لیے موت ہے اس لیے یہ لوگ بھی میدان میں آگئے کہ کہیں نفاذ حکومت اسلامی سے ان کی عیش سامانیاں خاک میں نہ مل جائیں، اسی طرح اعیانِ مملکت اور بادشاہ و وزراء بھی خوف زدہ ہوئے لیکن جن اعیانِ مملکت کو خدا نے توفیق دی تھی وہ حضرت مجدد کی تبلیغ وارشاد سے متاثر ہوکر حکومت اسلامی کے قیام کے لیے کوشاں تھے۔

بہرکیف اسلامی حکومت کے خوف سے اس عہد کے عیش پسند لوگوں نے حضرت مجدد کی مخالفت کی۔

حضرت مجدد کا سلسلۂ ارادت و بیعت خود ان کی زندگی میں دور و نزدیک پھیل چکا تھا۔ ہندو بیرونِ ہند کی ہر طرف سے لوگ اُمڈے چلے آرہے تھے اور فیض کے دریا بہا رہے تھے۔ اپنے پیر بھائی بھی اس مقبولیت سے متاثر ہوکر کچھ روٹھ سے گئے تھے۔ جب اپنوں کا یہ حال تھا تو پھر غیروں کا کیا حال ہوگا۔

حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں بعض ایسے روحانی کمالات کا ذکر فرمایا ہے جن کے سامنے سابقین کے کمالات ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہ بات عوام و خواص دونوں کو گراں گزری، ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ

ہرگز جانے والا بعد میں آنے والے سے بہتر نہیں ہے۔ حالانکہ خود حدیث شریف میں ہے کہ

> میری امت کا حال بارش کا سا ہے، نہیں معلوم اس کا اگلا حصہ بہتر ہے یا پچھلا[۲۲]۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمالات روحانی صرف سابقین کا حصہ نہیں بلکہ امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا نوازے گا، اس میں جذباتیت یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں، مولیٰ کریم کا اپنا ایک اصول ہے، بندے کو مجالِ دم زدن نہیں۔

حضرت مجدد کی اس قسم کی تحریروں سے جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور روحانی کمالات کا ذکر فرمایا ہے، ان حضرات کو دکھ پہنچا جنہوں نے بعض سابقین شیوخ سے اس قدر عقیدت قائم کر لی تھی کہ ان کے بارے میں سوائے کلمات عقیدت کے کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

رسالہ ''ابحاث'' میں حضرت مجدد پر جن بے حقیقت اعتراضات کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱...... آپ بزرگانِ سلف کا تخطیہ فرماتے ہیں۔

۲...... آپ فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم علیہ الرحمۃ سے کرامات کا کثرت سے اس لئے ظہور ہوا کہ ان کا نزول ناقص تھا۔

۳...... آپ نے فرمایا کہ میں اپنا مقام انبیاء سے بلند پاتا ہوں۔

۴...... آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اللہ کی مراد بھی' اور میرا سلسلہ ارادت بغیر وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے۔

۵...... آپ فرماتے ہیں کہ میں اس مقام پر پہنچا ہوں کہ وہاں کوئی شخص واسطہ نہیں ہے اور نہ کسی کو دخل، نہ رسول کو اور نہ کسی اور کو۔

۶...... اگرچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں لیکن شریک دولت بھی ہوں۔

۷...... اس خوانِ نعمت و دولت پر اگرچہ طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں ہر چند تابع ہوں لیکن رسالت سے بے بہرہ بھی نہیں۔

۸...... میرا ہاتھ نائب ید اللہ ہے

۹......اجتباء محض انبیاء سے مخصوص نہیں۔

۱۰......سالک کو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض ملتا رہتا ہے جب تک اس کی حقیقت، حقیقتِ محمدیہ سے متحد نہیں ہو جاتی، جب متحد ہو جاتی ہے تو توسط اٹھ جاتا ہے۔

۱۱......اربابِ صحو، ارباب سکر پر فضیلت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ نے مندرجہ بالا اعتراضات کے علاوہ ان اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے:

۱۲......آپ نے فرمایا کہ میں روحانی ترقی کرتے کرتے خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچا۔

۱۳......آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح صورتِ کعبہ مسجود صورت محمدی ہے اسی طرح حقیقت کعبہ مسجود حقیقت محمدی ہے[۲۳]۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد کو جو مکتوب ارسال فرمایا تھا اس ''ابحاث'' میں مندرجہ ذیل اعتراضات موجود ہیں، مثلاً۔

۱......حضرت غوث اعظم کے متعلق یہ کہنا کہ ان سے کرامات کا کثرت سے ظہور پذیر ہونا اس وجہ سے تھا کہ ان کا نزول ناقص تھا۔

۲......تمام کمالات محمدی بغیر کسی کے میری ذات میں موجود ہیں۔

۳......میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اللہ کی مراد بھی' اور میرا سلسلہ ارادت بغیر کسی وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

۴......میں رسول اللہ کا مرید بھی ہوں اور ساتھی بھی۔

۵......اگرچہ سلسلہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کی کفالت اللہ باقی نے کی ہے۔

۶......معصومیت انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں۔

۷......آپ کو ایک مرتبہ علم کے نصف حصے میں مقطعاتِ قرآنی کا علم حاصل ہوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

نواب صدیق حسین خان مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) نے تحریر فرمایا ہے:

> ابتداء میں شیخ عبدالحق دہلوی کو حضرت مجدد کے احوال واقوال سے انکار تھا۔ لیکن آخرکار انہوں نے رجوع فرمالیا اور خدا کا شکر ہے کہ ظاہر باطن دونوں طرح اعترافِ حقیقت فرمایا[۲۴]۔

''مکتوبات امام ربانی'' جلد سوم (۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء) کے بعض مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے اخلاص ومحبت کا کیا عالم تھا اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی قسم کی رنجش تھی تو وہ ختم ہو چکی ہوگی۔ حضرت مجدد نے ایام اسارت (۱۰۲۸ھ-۱۰۲۹ء) میں حضرت شیخ عبدالحق کے مکتوب گرامی کے جواب میں ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے جس کے آخر میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

> آپ کا وجود شریف اسلام کی اس غربت میں مسلمانوں کے لیے مغتنم ہے۔ سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم۔ والسلام[۲۵]۔

جناب شیخ محمد اکرام نے اس مکتوب کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

۱...... شیخ محدث نے جس طرح کا رسالہ لکھا تھا اور مشتہر کیا تھا اگر اس کو وہ غلطی سمجھتے تو اعتراف سہو بھی اعلانیہ ہونا چاہیے تھا[۲۶]۔

۲...... اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ رقعہ رسالے کی تالیف کے بعد لکھا گیا[۲۷]۔

۳...... بہت ممکن ہے کہ شیخ محدث کا یہ رقعہ کسی ابتدائی غلط فہمی یا عدم واقفیت کے دور ہونے کے بعد یا فقط ان کی عظمت کے زیادہ احساس پر لکھا گیا ہو[۲۸]۔

جہانگیر نے ''تزک جہانگیری'' میں گرفتاری کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے اور اس طرح حضرت مجدد کی نظر بندی کا جواز پیدا کیا ہے۔ دراصل جہانگیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض اپنی صفائی کے لیے ورنہ ہزاروں موت کی نیند سلا دیے گئے اور مورخ کا قلم آنسو بھی نہ بہا سکا۔ حضرت مجدد کے متعلق جہانگیر نے جو اظہار خیال کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے[۲۹]۔

۱...... شیخ احمد ایک جعل ساز کا نام ہے۔ جس نے سرہند میں مکروفریب کا جال پھیلایا ہے۔

۲...... بہت سے ناسمجھ ظاہر پرستوں کو اپنا شکار بنالیا ہے۔

۳...... ہر شہر و دیار میں اپنا ایک خلیفہ بھیج رکھا ہے[۳۰]۔

۴...... اپنے مریدوں اور معتقدوں کو جو لغو باتیں لکھ لکھ کر بھیجی ہیں ان کی ایک جلد بنا کر اس کا نام مکتوبات رکھا ہے[۳۱]۔

۵...... ان مہملات میں بہت سی ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو کفر و زندقہ پر منتج ہوتی ہیں۔ انہیں باتوں میں ایک یہ بات ہے جو اس نے ایک مکتوب میں لکھی ہے۔

مندرجہ بالا سخت ناشائستہ کلمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین نے جہانگیر کو خوب بھرا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں ان اعیانِ مملکت کا ضرور ہاتھ ہوگا جن کو حضرت مجدد کی تبلیغ و تعلیم سے تکلیف پہنچی۔ خصوصاً شیعہ حضرات کو اور ہاں ہندو امراء نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی کیونکہ حضرت مجدد کی مجاہدانہ تبلیغ و اصلاح کا ہدف شیعہ حضرات اور ہندوستان کے کفار و مشرکین تھے۔

یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ بہت سے لوگ حضرت مجدد کے مرید ہو چکے ہیں اور ہر شہر و دیار میں ان کے خلیفہ موجود ہیں۔ اس لیے جہانگیر نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اطلاع اس کے جاسوسوں نے دی یا مخالفین نے، بہر کیف یہ اطلاع اس کو ملی اور صحیح تھی، حضرت مجدد کی شہرت و مقبولیت سے خود جہانگیر کو اپنی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ چونکہ دنیادار بادشاہ اور عیش پرست سربراہانِ مملکت ہمیشہ دینداروں اور شریعت کے متوالوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ سر اٹھانے نہ پائیں اس لیے کہ اگر ایسا ہونے دیا تو پھر ان کی بادشاہت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ جیسا کہ تاجدار احرار حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، اہلبیت اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دنیا کی بادشاہتوں کو معرضِ خطر میں ڈال دیا اور پھر نابود کر دیا۔ بہر کیف یا تو سیاسی مصالح کی بناء پر یا حضرت مجدد کے مخالفین کے کہنے پر جہانگیر نے حضرت مجدد کے خلاف یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے خلفاء بڑی عیاری و مکاری کے ساتھ آپ کے مشن کی تکمیل کے لیے ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے گویا حضرت مجدد کا مقصود فتنہ انگیزی اور مکر و فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

دوسری بات جو اس کے ذہن نشین کرائی گئی تھی کہ مکتوبات مجموعۂ لغویات و مہملات ہیں۔ اتفاق سے مکتوبات کے مضامین اسرار و معارف روحانی پر مشتمل ہیں۔ ایک دنیادار بادشاہ کے لیے یقیناً یہ باتیں ناقابل فہم ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد نے جو مکتوب اپنی روحانی ترقیات و عروجات کے بارے میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے نام تحریر فرمایا تھا، جہانگیر نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ کسی مرید کے نام تحریر فرمایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خود مکتوبات کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ دشمن کے لگائے پر سب کچھ لکھ دیا اور انہی کی لگائی پر حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا حضرت مجدد غالباً قلعہ آگرہ میں حاضر ہوئے۔ دربار میں حاضری کے آداب کچھ اور، اور اس عبدِ کامل کے آداب کچھ اور۔ جہاں لوگ لرزتے کانپتے جاتے ہیں وہاں آپ بے باکانہ چلتے چلے گئے۔ جہاں لوگ سر جھکائے حاضر ہوتے ہیں وہاں وہ گردن فراز حاضر

ہوے۔ جہانگیر اس جرأت و ہمت کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کو دشمنوں کی لگائی پر اور یقین آ گیا۔ ہیرے کو پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حکم دیا گیا کہ ایک راجپوت ہندو یانی رائے سنگھ کو کہ حضرت مجدد کو قلعہ گوالیار میں لے جا کر بند کر دیا جائے۔ بہرکیف جہانگیر نے حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی اور اصلاحی کوششوں کو محدود کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن کس کی طاقت ہے کہ بوئے گل کو غنچہ شگفتہ سے پھوٹنے کے بعد روک سکے؟ وہ تو پھیل کر ہی رہتی ہے۔ عہدِ شاہجہانی میں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) مخالفین کو عروج حاصل ہوا[۳۲]۔ عہدِ عالمگیری میں یہ زور کچھ ٹوٹا اور حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کے نتائج لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

حضرت مجدد کے مخالفین نے ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کے منتسبین و متوسلین اور اولاد کو بہت پریشان کیا۔ تہذیب و شائستگی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ چنانچہ حضرت مجدد کے خلفاء یا صاحب زادگان جہاں جاتے تھے یہ ان کا تعاقب کرتے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت مجدد کے خلیفہ شیخ آدم بنوری علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۳ھ) کی ہندوستان سے جلاوطنی مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہو کیونکہ تذکرہ نگار جس شاہجہاں کو حضرت مجدد کا عقیدت مند بتاتے ہیں[۳۳] اسی کے حکم سے ملک بدر کیے گئے اور حرمین میں بھی ان کو مخالفین نے چین نہیں لینے دیا۔ چنانچہ علامہ قشاشی نے آپ کے خلاف ایک رسالہ ''اسرار المناسک'' تحریر فرمایا۔ علامہ شیخ محمد مراد دمشقی نے اپنی تالیف ''سلک الدرر فی وفیات اہل القرن الثانی عشر'' میں اس چپقلش کا ذکر کیا ہے[۳۴]۔

حضرت مجدد کے ایک خلیفہ شیخ طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ) جب لاہور تشریف لائے تو مخالفین پیچھے پڑ گئے، حضرت مجدد کے نام خلیفہ موصوف کے مکتوب گرامی سے اس کا علم ہوتا ہے۔ مخالفین نے حضرت مجدد کے مکتوبات میں اپنی طرف سے الحاق کر کے اعتراضات کئے لیکن جب اصل مکتوب مولانا عبدالسلام لاہوری کو دکھایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''شبہہ کی گنجائش نہیں''[۳۵]۔

اسی طرح جب خود حضرت کے پوتے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ (م ۱۰۹۶ھ) ابن حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ لاہور تشریف لائے تو مجادلہ اور مناقشہ کی صورت پیش آئی جس کے عینی شاہد شیخ سعدی لاہوری ہیں لیکن خواجہ سیف الدین نے مخالفین و معترضین کے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی اور ارشاد فرمایا:

> یہ کج (فہم) علماء حضرت مجدد کا کلام کیا سمجھ سکتے ہیں[۳۶]۔

شدید مخالفتوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی، آپ کے صاحبزادگان اور نبیرگان علیہم الرحمۃ نے نہایت تحمل و بردباری کا ثبوت دیا، انسانی سیرت کے جو ہر مخالفین سے درگزر کرنا اور مخالفین بھی وہ جو

تکفیر و تفسیق کے لیے کوشاں تھے کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے حضرت مجدد اور آپ کی اولاد امجاد کی عظمت کردار میں چار چاند لگ گئے۔

۱۰۹۳ھ میں عبداللہ خویشگی قصوری نے بھی حضرت مجدد کے اقوال پر اپنی توجیہات اور اعتراضات قلمبند کیے، چنانچہ وہ ''معارج الولایت'' (م ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) میں لکھتے ہیں۔

> اسی سبب سے (یعنی قائلین وحدۃ الوجود پر اعتراض اور متقدمین علماء و مشائخ پر حرف گیری) کی وجہ سے جہاں گیر بادشاہ نے شیخ کو گوالیار میں ایک عرصہ قید رکھا۔ چنانچہ شیخ نے قرآن کریم وہیں حفظ کیا۔ لیکن جب بادشاہ کو ان کی معصومیت کا علم ہوا تو آپ سے معذرت کی لیکن آپ نے فرمایا کہ معذرت کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسی قید میں دولت حفظ قرآن سے مستفید ہوا ہوں۔ چونکہ اس حقیر (عبداللہ خویشگی) کو مشائخ پر صحیح اعتقاد و عقیدہ ہے (اس لیے) اس کے باوجود کہ علماء عصر اور فضلاء دہر نے آپ کے بطلان کلام اور فساد کلمات کے خلاف فتوی دے دیا ہے۔ لیکن میں اپنی سمجھ اور طاقت و قدرت کے مطابق ان کی شطحیات کی توجیحات مع ارادات لکھتا ہوں[۳۷]۔

اس تحریر سے بعض باتوں کا علم ہوتا ہے۔ یہ باتیں اس لیے اور زیادہ اہم ہیں کہ مصنف کا تعلق عہد شاہجہانی سے ہے اور پھر یہ ایک ایسی کتاب میں ہیں جس میں مخالفانہ مواد فراہم کیا گیا ہے وہ باتیں یہ ہیں:

۱...... حضرت مجدد کے متعلق یہ غلط خیال قائم کر لیا گیا کہ آپ نظریہ وحدۃ الوجود کے مخالف اور متقدمین علماء و صوفیہ پر معترض ہیں اس لیے جہانگیر نے قید کیا۔

۲...... قلعہ گوالیار میں حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

۳...... کچھ عرصے بعد جہانگیر پر واضح ہو گیا کہ آپ ان الزامات سے بری الذمہ ہیں جو آپ پر لگائے گئے ہیں۔

۴...... اسی احساس کی بناء پر اس نے آپ کو رہا کیا اور معذرت کی۔

۵...... حضرت مجدد کے بعض معاصرین علماء و فضلاء نے آپ کی تحاریر کا رد لکھا۔

اسی زمانے یعنی ۱۰۹۳ھ میں (حضرت مجدد کے صاحب زادگان کے وصال کے بعد) محمد صالح گجراتی [۳۸] نے حضرت مجدد کی ہمہ گیر شہرت سے جل کر مکتوبات شریف کے بعض اقتباسات میں تحریف کر کے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام "اشتباہ" رکھا اور پھر اس کو سید محمد برزنجی کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا چنانچہ موصوف نے اس کا رد لکھا اور اس کا نام "ایراد البرزنجی رکھا"[۳۹]۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے پاس حضرت مجدد کے خلاف فتوی تکفیر اور پھر اس کے رد پر مشتمل ایک نادر مخطوطہ ہے جو ۱۱۹۴ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کے ایماء پر حضور اللہ نامی کاتب نے لکھا تھا۔ اس کے مطالعے سے بعض اہم باتوں کا علم ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۰۹۳ھ میں ہندوستان سے علمائے حرمین شریفین کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں حضرت مجدد کے مکتوبات کی تینوں مجلدات کے مختلف اقتباسات کے بارے میں ۳۳ سوالات کیے گئے تھے۔ (غالباً یہ وہی استفتاء آیا جو محمد صالح نے سید محمد برزنجی کو بھیجا تھا۔) سید محمد برزنجی نے ان سوالات کے جوابات لکھے اور ان اقوال کی بنیاد پر حضرت مجدد کے خلاف ۱۷ کفر کے فتوے لگائے۔ یہ سوالات و جوابات اس مخطوطہ میں موجود ہیں۔ سید محمد برزنجی نے اس فتوی میں اپنے ایک رسالے "قدح الرند وقدح الزند"[۴۰] کا بھی ذکر کیا ہے۔ سید محمد برزنجی کے فتوے پر ان تین علماء کے دستخط ثبت ہیں:

۱...... محمد بن عبداللہ القدامی المغربی المالکی نزیل مکہ

۲...... شیخ قاسم آفندی رومی ثم المکی

۳...... شیخ محمد ابی السروری البہوی الحنبلی

شیخ محمد بیگ نے سید محمد برزنجی کے فتوی تکفیر کا رد لکھا اور اس کا یہ نام رکھا:

"عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب"

مندرجہ ذیل علماء کرام نے اس پر اپنے تصدیقی و توثیقی دستخط ثبت فرمائے:

۱...... شیخ احمد بشیشی مصری ازہری شامی

۲...... مفتی مکہ عبداللہ آفندی عتاقی

۳...... مفتی سلطانی سید اسعد حنفی مدنی

۴......مفتی شافعی امام علی طبری

۵......امام مالکی عبدالرحمٰن بن محمد صالح

۶......قاضی زادہ شیخ عیدامام حنفی

۷......شیخ حسن تونسی مغربی

۸......شیخ قاسم حنفی

۹......قاضی مرشد حنفی

۱۰......سید علی آفندی

ان علماء وفضلاء نے تصدیق کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد کو بڑے القاب وآداب سے نوازا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرمین شریفین میں جہاں چند مخالف تھے وہاں بکثرت علماء حضرت مجدد کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور آپ کی علو مرتبت کے دل سے قائل تھے۔

محمد اقبال مجددی نے حضرت مجدد کے اقوال کے رد میں متعدد رسائل کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

۱......ابو علی حسن بن علی مکی عجمی، العصب الھندی لاستیصال کفریات احمد السرھندی۔ تالیف ۱۰۹۳ھ

۲......محمد بن رسول برزنجی۔ الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الفاجرہ۔۔۔۔ تالیف ۱۰۹۳ھ

۳......المتممۃ المسئلۃ المھمۃ (تالیف ۱۰۹۴ھ) مصنف نامعلوم

۴......کاسر المخالفین (دسویں یا گیارھویں صدی ہجری) مصنف نامعلوم

عبداللہ خویشگی قصوری نے حضرت مجدد کے خلاف چار فتووں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

”علمائے عرب وعجم نے ان کے (حضرت مجدد) رد میں چار فتوے لکھے ہیں“[۴۱]۔

خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۱۵ھ) ابن خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے بھی ایک استفتاء کا ذکر فرمایا ہے[۴۲]۔

المختصر حضرت مجدد کے مخالفین نے مخالفت اور مزاحمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن حضرت مجدد کا پیغام شدید مزاحمت کے باوجود پھیلتا ہی چلا گیا۔

حضرت مجدد، ان کے صاحب زادگان، نبیرگان، مریدین ومتوسلین اور خلفاء نے اعتراضات والزامات کے مثبت جوابات دیے۔ چنانچہ ملا بدرالدین سرھندی نے ”حضرات القدس“ میں اور محمد امین بدخشی نے

''مناقب احمدیہ و معصومیہ'' میں حضرت مجدد کے رد پر ردلکھا ہے۔ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ نے اس سلسلے کی بعض اہم تحاریر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ناسمجھوں نے حضرت مجدد کے کلام پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات تو خود آپ نے مکتوبات شریف میں تحریر فرمادیے ہیں۔ دوسروں کو ضرورت ہی نہیں کہ جواب لکھیں پھر بھی ان کے صاحب زادگان اور مخلصین نے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ مثلاً حضرت خواجہ محمد یحییٰ (ابن حضرت مجدد) شیخ محمد فرخ (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد) خواجہ عبدالاحد (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد) مرزا محمد بیگ بدخشی (مکہ شریف) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور دوسرے بہت سے احباب و مخلصین نے ردلکھا''[۴۳]۔

یہ تھے وہ اسباب و علل جنہوں نے حضرت مجدد کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کردیا تھا۔ بہرکیف مخالفین اپنی سی کوشش کرتے رہتے مگر چاند پر خاک کس نے ڈالی ہے؟

☆......☆......☆

حواشی

۱......محمد ہاشم کشمی۔ زبدۃ المقامات۔ ص۔ ۱۴۱

۲......خواجہ حسام الدین کے نام ایک مکتوب (جلد اوّل مکتوب نمبر ۳۲) سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض پیر بھائی حضرت مجدد سے برگشتہ تھے پھر انھوں نے رجوع کیا اور خواجہ حسام الدین سے سفارش کرائی، حضرت مجدد نے معاف فرمادیا اور تنبیہاً یہ تحریر فرمایا:

اماں یاراں را نصیحت فرمایند کہ در حضور و غیبت در مقام آزار نباشند

اس مکتوب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ اللہ داد حضرت مجدد سے کبیدہ خاطر تھے۔ موصوف نے بعد میں رجوع کرلیا اور خواجہ حسام الدین کو شفیع بنایا۔ اس پر حضرت مجدد نے تحریر فرمایا:

انقاع فرع ندامت است بہر تقدیر فقیر از جانب خود در مقام گزشت است

۳......حضرت مجدد۔ مکتوبات شریف۔ جلد سوم مکتوب نمبر ۸۷

۴......(الف) محمد ہاشم کشمی۔ زبدۃ المقامات۔ ص۔ ۱۳۵۔ ۱۴۵

(ب) حضرت مجدد۔ مکتوبات شریف۔ جلد اوّل۔ مکتوب نمبر ۲۶۶

۵...... حضرت مجدد۔ مکتوبات شریف۔ جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۲۱

۶...... ابوالبیان محمد داؤد پسروری۔ سیرت امام ربانی۔ مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء۔ ص ۹۲، ۹۳

۷...... محمد امین بدخشی۔ مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ۔ مخطوطہ لندن، ورق ۱۷۴۔

۸...... محمد فرخ۔ کشف الغطاء حسن اذہان الافسہا۔ قلمی ۱۲۴۹ھ ص۔ ا تا ۲۳

۹...... حضرت مجدد نے مخدوم زادگان کی رنجش خاطر، احباب کی مخالفت اور بدخواہوں کی فتنہ انگریزیوں کا مندرجہ ذیل مکاتیب میں ذکر فرمایا ہے:

الف) جلد اول۔ مکتوب نمبر ۳۱۔ ۲۶۰۔ ۲۹۱

ب) جلد سوم۔ مکتوب نمبر ۲۶

ج) جلد سوم۔ مکتوب نمبر ۵۶، ۱۲۱

۱۰...... کلمات طیبات۔ مطبوعہ دہلی ۱۳۲۳ھ۔ ص۔ ۳۹

۱۱...... مکتوبات امام ربانی۔ جلد سوم۔ مکتوبات نمبر ۸۸

۱۲...... بدرالدین سرھندی۔ حضرات القدس، مطبوعہ لاہور جلد دوم (ترجمہ اردو) ص۔ ۲۸، زبدۃ المقامات ص۔ ۱۵۸

۱۳...... محمد ہاشم کشمی۔ زبدۃ المقامات۔ ص۔ ۱۵۴

۱۴...... مکتوبات امام ربانی' جلد اول' مکتوب نمبر ۲۶۶

۱۵...... محمد امین بدخشی۔ مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ (مخطوطہ لندن ۱۱۴۰ھ) ورق ۱۷۴

۱۶...... عبداللہ خویشگی قصوری۔ ''معارج الولایت'' قلمی جلد ۲۵ مکتوب ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ ورق ۵۱۳ تا ۶۵۵ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور (بحوالہ ''احوال وآثار'' ص۔ ۱۰۲)

۱۷...... حیات شیخ عبدالحق۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۵۲ء۔ ص۔ ۳۱۲ تا ۳۴۴۔

۱۸...... حیات شیخ عبدالحق۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء۔ ص ۳۱۲ تا ۳۴۴

۱۹...... محمد معین نقوی، بہجۃ الانظار فی براۃ الابرار (قلمی) مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی علیہ الرحمۃ۔ ورق۔ ۶

۲۰...... غلام مصطفیٰ خان' ڈاکٹر۔ حضرت مجدد الف ثانی' ایک تحقیقی جائزہ۔ مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء ص۔ ۲۰

۲۱...... وکیل احمد سکندر پوری۔ الکلام المنجی بردایرادات البرزنجی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۵

۲۲...... ترمذی شریف۔ بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی مولفہ سید زوار حسین شاہ۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ۔

۲۳...... بدرالدین سرھندی۔ حضرات القدس۔ مطبوعہ لاہور۔ ص۔ ۱۰۱۔

۲۴...... نواب صدیق حسن خان۔ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار' مطبوعہ بھوپال ۱۲۸۹ھ۔ ص۔ ۱۱۱

نوٹ: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی عارضی غلط فہمی اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے اور استدلالاً خواجہ حسام الدین کے نام شیخ عبدالحق دہلوی کے مکتوب کو پیش کیا ہے اشتیاق حسین قریشی۔ علماء ان پالیٹکس کراچی ۱۹۷۲ء۔ ص ۹۰

۲۵......مکتوبات امام ربانی۔ جلد دوم۔ مکتوب نمبر ۲۹
شیخ محمد اکرم، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰؁ء۔ ص۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷

۲۶......نوٹ: ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب تصنیف تھے۔: ’’غالب نامہ، شبلی نامہ، آب کوثر، رودِ کوثر اور کوثر موج کوثر، دربار ملی‘‘ ان کی تصانیف ہیں۔

۲۷......ایضاً

۲۸......ایضاً

۲۹...... جہانگیر، شہنشاہ، تزک جہانگیری۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ص۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵

۳۰......صاحب ’’سیرت امام ربانی‘‘ نے لکھا ہے کہ شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے لیے لشکر میں بھیجا گیا تھا جس سے آصف خان چراغ پا ہو گیا تھا۔ (ص۔ ۱۲۲)

۳۱......مکتوبات امام ربانی کی جلد اوّل ۱۰۲۵؁ھ میں اور جلد ثانی ۱۰۲۸؁ھ میں مدون ہو چکی تھیں۔ یہاں جہانگیر نے مکتوبات امام ربانی جلد اوّل کے مکتوب نمبر ۱۱ کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ نے شیخ طریقت خواجہ باقی باللہ کے نام تحریر فرمایا تھا اور اس میں اپنے روحانی عروجات کا ذکر کیا تھا۔ جس سے مخالفین نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ خود کو خلفاء اربعہ کے مساوی یا ان سے ارفع سمجھتے ہیں۔ جہانگیر نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔

۳۲......لیکن صاحب ’’جواہر معصومیہ‘‘۔ خواجہ احمد حسین نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (ابن حضرت مجدد الف ثانی) سے شاہجہان کی عقیدت و محبت کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۰۳۶؁ھ اور ۱۰۶۳؁ھ میں خواجہ معصوم کے حضور میں شاہجہان کی حاضری کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (جواہر معصومیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۴۱؁ھ ص۔ ۳۶۔ ۳۸)

۳۳......اس میں شک نہیں کہ شاہ جہان ایام شہزادگی میں حضرت مجدد کا معتقد تھا۔ چنانچہ ’’زبدۃ المقامات‘‘ تالیف ۱۰۳۷؁ھ کے ایک بیان سے اس کی شہادت ملتی ہے لیکن تخت نشینی کے بعد کسی مستند تذکرے یا تاریخ سے اس کی عقیدت و محبت پر روشنی نہیں پڑتی۔ صاحب ’’دبستان مذاہب‘‘ نے سب ہی کا ذکر کیا ہے مگر حضرت مجدد کا ذکر نہیں۔ یہ عہد شاہجہانی کا ایک مستند ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ محمد صادق نے ’’طبقات شاہجہانی‘‘ میں مختصر ذکر کیا ہے۔ (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔ ورق۔ ۳۵۱)

۳۴......خواجہ احمد حسین۔ جواہر مجددیہ۔ مطبوعہ لاہور۔ ص/ ۸۶۔

۳۵......شیخ بدر الدین سرہندی۔ حضرات القدس۔ جلد دوم۔ ص۔ ۲۹۲۔

۳۶......محمد عمر بن ابراہیم نیشاپوری۔ ظواہر (قلمی) ۱۱۱۲؁ھ ورق ۱۷۱، ۱۷۲ بحوالہ آثار عبداللہ خویشگی قصوری۔ ص۔ ۱۸۴۔

۳۷......عبداللہ خویشگی قصوری: ’’معارج الولایت‘‘ ورق۔ ۵۸۷ بحوالہ آثار عبداللہ خویشگی۔ ص۔ ۱۵۰

۳۸......سید محمد برزنجی نے اپنے رسالے ''الناشرۃ الفاجرہ'' میں لکھا ہے کہ محمد صالح نے حضرت مجدد کے رد میں ایک نہیں چند رسائل دررد آن نوشتہ لکھے۔ یہ رسائل ۱۰۹۳ء سے قبل لکھے گئے۔ (احوال وآثار عبداللہ خویشگی۔ ص۔ ۱۶۱)

۳۹......ابوالبیان محمد داؤد پسروری۔ سیرت امام ربانی مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۵ء ص۔ ۱۹۸۔

نوٹ: مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے ایرادالبرزنجی کے جواب میں ھدیہ مجددیہ (فارسی) اور الکلام المنجی برایرادات البرزنجی (عربی) اور ''اشتباہ'' کے جواب میں ''انوار احمدیہ'' تحریر فرمایا۔ اسی نام سے محمد سلیمان عاجز کی ایک کتاب حضرت مجدد کے حالات پر ۱۹۶۳ء میں حیدرآباد سندھ سے شائع ہوئی تھی اور اسی نام سے مولوی نذر محمد سومرو مرحوم نے تین جلدوں میں سندھی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کی دوسری جلد حضرت مجدد کے حالات پر ہے اس کا نام ''الانوار الحامدیہ فی حالات مشائخ نقشبندیہ'' مطبوعہ کراچی ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء۔ ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء میں حسن بن مرار التودسی المکی نے حضرت مجدد کی حمایت میں اس نام سے رسالہ لکھا۔ ''العرف الناری فی حضرت الشیخ احمد السرھندی۔''

۴۰......مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے ''انوار احمدیہ'' میں لکھا ہے کہ برزنجی نے اپنا فتوی ''قدح الرند وقادح الزندنی رد جہالات اھل سرھند'' جب محمد صالح گجراتی کے پاس بھیجا تو اس نے بعض اضافوں کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا۔ (غالباً فارسی میں) اور اس کا نام ''مکاشفۃ الاسرار'' رکھا۔

(انوار احمدیہ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ء۔ ص ۴۰۳)

۴۱......عبداللہ خویشگی قصوری۔ معارج الولایت فی مدارج الہدایت (۱۰۶۴ھ/۱۰۹۴ھ) ورق۔ ۵۹۹ بحوالہ احوال وآثار عبداللہ خویشگی۔ ص۔ ۱۸۵

۴۲......عمادالدین محمد۔ وسیلۃ القبول۔ حصہ اوّل مکتوب نمبر ۱۱۸ ص۔ ۱۹۸۴

۴۳......شاہ غلام علی۔ ''رسالہ دررفع اعتراضات درکلام حضرت مجدد علیہ الرحمۃ'' (قلمی) مابعد ۱۲۴۰ھ حکیم فیض عالم صدیقی راجوری کی کتاب ''اختلاف امت کا المیہ''۔ (ص۔ ۴۷۹۔ ۴۸۶ حصہ دوم۔ مطبوعہ گجرات ۱۹۷۲ء) میں حضرت مجدد کے افکار وخیالات اور آپ کی مبارک سیرت پر نہایت غیر مورخانہ، غیر معقول اور غیر شائستہ بحث کی ہے۔ موصوف نے ''رود کوثر۔ روضۃ القیومیہ اور تزک جہانگیری'' سے زیادہ استفادہ کیا ہے یہ کتابیں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ پنجم

آج بھی اے رحمتِ دارینج کے سچے غلام
باڑا۔ شرق و غرب میں بٹتا ہے تیرا صبح و شام

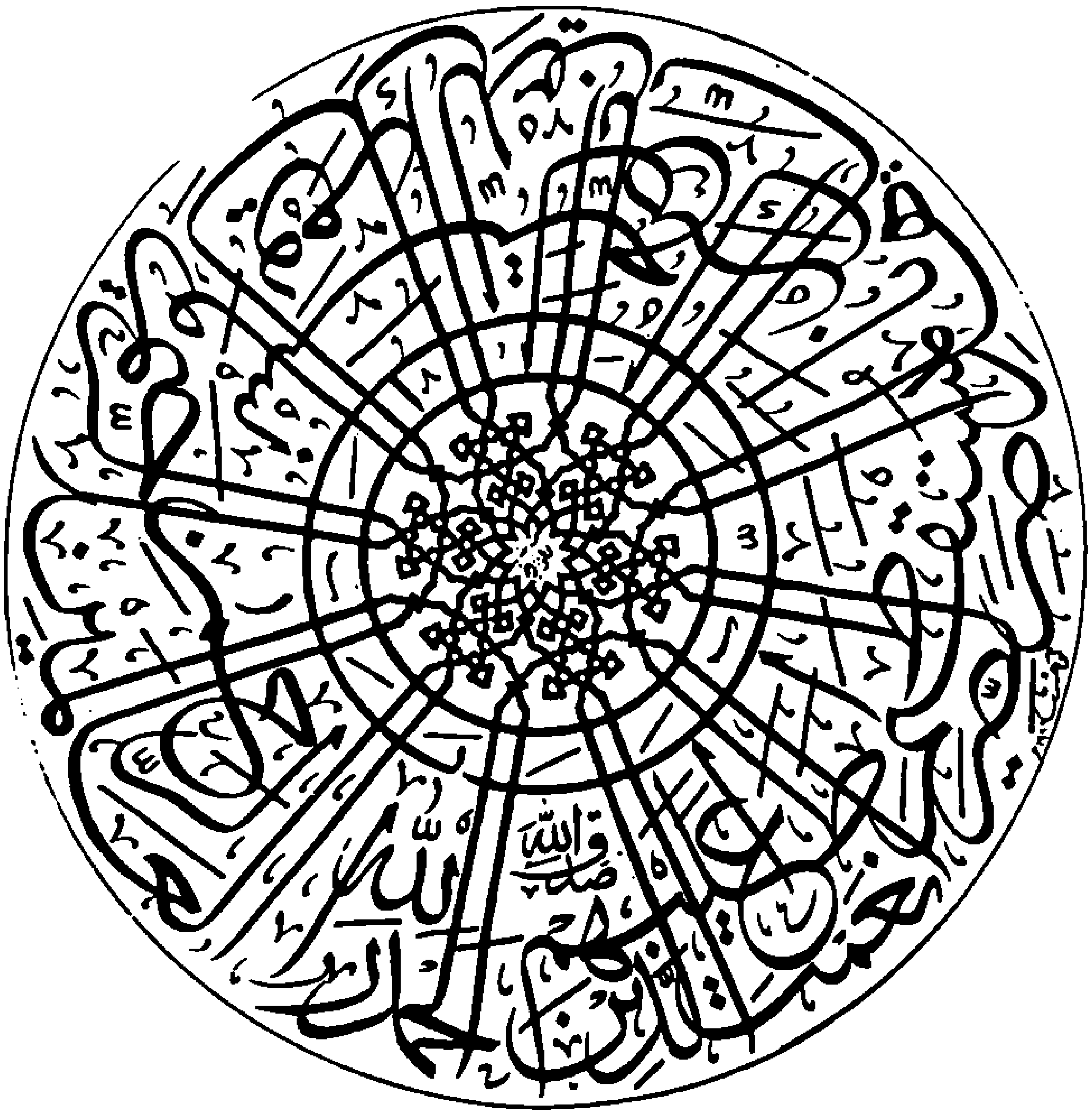

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ طریقت اور عارف کامل تھے...... ۱۱ر رمضان المبارک ۱۱۱۳ھ کو کالا باغ (مالوہ) میں ولادت ہوئی[۱]...... والد ماجد کا اسم گرامی مرزا جان تھا جو کہ متعدد علوم وفنون میں یگانہ اور دور عالمگیری میں عہدہ قضاء پر مامور تھے[۲]...... آپ کی ولادت پر والد ماجد نے حسبِ دستور بادشاہ وقت اورنگزیب عالمگیر کو نومولود کا نام تجویز کرنے کی پیشکش کی، انہوں نے فرمایا کہ چونکہ بیٹا' باپ کی جان ہوتا ہے اور نومولود کے والد کا نام مرزا جان ہے اس لیے بچے کا نام مرزا جان جان رکھا جائے[۳]...... چنانچہ آپ کا نام مرزا جان جان رکھا گیا' لقب شمس الدین حبیب اللہ تھا جبکہ تخلص مظہر فرماتے تھے...... تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بعد میں جانِ جان بگڑ کر جانِ جاناں ہوگیا اور پھر یہ اتنا مقبول ہوگیا کہ خود حضرت مرزا مظہر جان جاناں لکھنے لگے[۴]......

ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی فنون سپہ گری' رسائل فارسی محاورہ وغیرہ اور دیگر مروجہ فنون بھی والد ماجد ہی سے حاصل کیے...... قرآن کریم' علم تجوید وقرأت حافظ قاری عبدالرسول دہلوی سے پڑھے[۵]...... حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے علم حدیث وتفسیر پڑھی[۶]...... ۱۱۳۰ھ میں والد ماجد نے وصال فرمایا......

حصول علم ظاہر کے بعد علوم باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے ۱۱۳۱ھ میں حضرت سید نور محمد بدایونی علیہ الرحمۃ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں شرف بیعت حاصل کیا[۷] ' چار سال مرشد کی صحبت میں گزار کر ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۲ء میں فرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے[۸]...... اسی سال مرشد کریم کا وصال ہوگیا مگر

آپ کی عقیدت واردات اتنی قوی تھی کہ چھ سال تک مزار مرشد سے کہیں نہیں گئے [9] ......اس دوران باطنی فیوض وبرکات سے خوب مالا مال ہوئے۔

حضرت نور احمد بدایونی حضرت شیخ سیف الدین علیہ الرحمۃ کے مرید وخلیفہ تھے اور وہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے مرید وخلیفہ تھے جبکہ خواجہ محمد معصوم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے بیعت واجازت رکھتے تھے۔

حضرت نور احمد بدایونی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے حافظ سعد اللہ شاہ اور حضرت عابد سنامی سے بھی اکتساب فیض کیا اور سلاسل طریقت قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں اجازات حاصل کیں [10]، ۱۱۵۵ھ میں باقاعدہ رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا [11] ......

آپ کی ذات ظاہری وباطنی کمالات سے مالا مال تھی...... آپ کی مجلس انوار الٰہیہ سے محیط اور فیضان مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مجمع تھی، وہاں نقشبندی نسبت کا حضور واستغراق بھی تھا جس میں دل ازخود شیفتہ ہوتے اور قادری حالات کی چمک کا اس محفل میں ظہور ہوتا تھا، نسبت چشتیہ کے اذواق واشواق سے اس بزم میں محبتِ الٰہی اور بڑھ جاتی تھی، نسبت نقشبندیہ مجددیہ کی لطافت وبے رنگی سے مجمع مقدس میں قلب کو تازگی اور صفائی بخشی جاتی، آپ کا سکوت ومراقبہ ماسوا اللہ کے نقوش دلوں سے محو کر دیتا تھا...... آپ کی گفتگو کا موضوع شریعت وطریقت اور باطنی نسبت کی کیفیات کے فوائد ہوتا تھا نیز حدیث اور تفسیر کے ذکر سے اس میں صفائی اور طمانیت کا اضافہ ہوجاتا تھا...... علماء کی حکایات بیان کر کے دلوں کو کیفیات الٰہیہ سے سرشار کرتے، علمی مسائل میں واضح تحقیقات کر کے لوگوں کی تسلی کرادیتے، صوفیۂ علیہ کے حقائق ومعارف کو مکمل توضیح کے ساتھ بیان فرماتے اور اسرار کی باریکیاں سامعین کو دل نشین کراتے [12] ...... آپ کی ذات مقبول بارگاہ الٰہی اور مرجع خاص وعام تھی، عوام تو عوام خواص ومشائخ بھی آپ سے رجوع کرتے تھے، آپ کی صحبت کے انوار وبرکات سالکان میں ظاہری وباطنی کمالات پیدا کردیتے تھے، چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> مشائخ کرام آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ فیض جو صرف آپ کی صحبت سے طالبانِ حق کو حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے مشائخ کی صرفِ ہمت وتوجہ سے حاصل نہیں ہوسکتا [13] ......

آپ انتہائی مہذب با اخلاق اور دوسروں کے دُکھ درد میں حصّہ لینے والے انسان تھے۔ توکل اس حد تک تھا کہ دولت مندوں سے ملنے یا اُن کے پیش کیے ہوئے تحفے قبول کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے ...... پابندی کے ساتھ جمعرات کو جامع مسجد جاتے تھے۔ اور یہیں ان کے شیدائی امرا اور رؤسا ملاقات کا شرف حاصل کرتے تھے لیکن اگر وہ کچھ پیش کرنا چاہتے تو صاف انکار کر دیتے ...... کسی امیر نے اُن کے رہنے کے لیے ایک حویلی اور خانقاہ اور غریبوں کے لیے آمدنی کے کچھ ذرائع خدمت میں پیش کیے مگر آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ جب مکان چھوڑ کر ہی جانا ہے تو اپنا ہو یا دوسرے کا سب برابر ہے اور ہر شخص کی روزی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو ہر حالت میں پہنچتی ہے ...... ایسا ہی ایک واقعہ شاہ غلام علی دہلوی نے بھی بیان کیا ہے۔ ایک دفعہ محمد شاہ بادشاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خان کی معرفت کہلوایا کہ خدا نے ہمیں ملک عطا کیا ہے جو علاقہ آپ کی سمجھ میں آئے قبول فرمائیے آپ نے جواب دیا۔

> ”خدا نے فرمایا ہے کہ قل متاع الدنیا قلیل۔ متاع ہفت اقلیم قلیل
> فرمودہ است۔ نزد شما ہفتم حصّہ آں قلیل یک اقلیم ہندوستان است
> ۔ پیش شما چیست کہ سرِ فقرا یقبول آں فرود آید[14] ......

ان کی خوش گفتاری معجز بیانی اور آداب مجلس کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے...... ایک ہم عصر بھگوانداس ہندی نے ان کی معجز بیانی کی داد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

وہ شعر اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سُننے والے کے دل میں اُتر جاتے تھے بہت سے لوگ تو ان کی سحر کار زبان سے اشعار سُننے اور محظوظ ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے[15] ......

آپ اتباعِ کتاب و سنّت میں اس قدر سخت تھے کہ ایک دفعہ والد اُنہیں اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالرحمٰن قادری کی خدمت میں لے گئے اتفاق سے سُکر و سماع کی حالت میں شاہ عبدالرحمٰن عصر اور مغرب کی نماز نہیں پڑھ سکے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر والد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو کہا تو وہ انکار کر دیں گے۔

مگر خیریت گزری والد نے کچھ نہیں کیا۔

حضرت مظہر کی پوری زندگی سنّتِ نبوی کی ایک زندہ مثال تھی۔ سلام کرنے میں بھی وہ سنّتِ رسول کا خیال کرتے تھے اور بقول شاہ غلام علی۔

> ''مردم را با ادب سلام موافق سنّت رسول خدا تاکید می نمودند واز دست بر سرِ داشتن وخم شدن منع می فرمودند''۱۷ ......

آپ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے۔

> ''ایمان مجمل کہ ایمان آوردم بخدا و رسول خدا وآنچہ پیغمبر از خدا آوردہ است' دوست دارم دوستانِ خدا ورسول را' و بے زارم از دشمنانِ خدا ورسول' بہ جہت نجات کافیست''۱۸ ......

آپ کو بحیثیت صوفی بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ ہندوستان کے اکثر حصّوں میں مرید موجود تھے لوگ دوردور سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آتے تھے۔ انہیں اپنے مریدوں کے اصرار پر اکثر دہلی سے باہر جانا پڑتا تھا شاید جتنے روہیلے آپ کے مرید تھے کسی اور کے نہیں تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ جیسے مجتہد العصر اور عظیم المرتبت انسان حضرت مظہر کی عظمت کے قائل تھے۔ اُن کی نظروں میں کس قدر وقعت اور عزّت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ ایک خط میں یہ القاب لکھتے ہیں۔

> ''بنام مرزا صاحب خدائے عزوجل آں قیم طریقہ احمدیہ بہ اعی سنّتِ نبویہ را وہرگاہ داشتہ مسلمین را متمتع ومستفید گرداند''۱۹ ......

ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔

> ''مرزا صاحب متع اللہ المسلمین بافاوات قیم الطریقۃ الاحمدیہ وردئے ریاض الطریقہ بتوجیہات النفس الزکیۃ۔ آمین''۲۰ ......

حضرت شاہ ولی اللہ نے اُن کی عظمت کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا ہے۔

> ''آنچہ قدر ایشان ما مردم می دانیم شما چہ دانید۔ احوالِ مردم ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد ومنشاء فقیر است۔ وبلادِ عرب را نیز دیدہ ام وسیر نمودہ۔ احوال مردم ولایت اوثقات آن جا شنیدہ ایم وتحقیق کردہ کہ عزیزے بر جادہ شریعت وطریقت واتباع کتب وسنّت ہم چنیں استوار مستقیم باشد۔ ودر ارشاد طالبان شانے عظیم ونفس قوی دارد۔

> درین جز زمان مثل ایشان در بلاد عظیم دریافتہ نمی شود مگر در گذشتگان بلکہ در ہر جز زمان وجود ایں عزیزان کمتر بودہ است۔ چہ جائے ایں زماں کہ پُر فتنہ وفسادات''[۲۱]......

خواجہ میر دردؔ بھی اُن کے معترف تھے۔ وہ کہا کرتے تھے

> ''ہر کہ اصحاب ایشاں می بینم از نیست عزیزانِ بہرہ باب است۔ اما درجات وحالات ومقامات وتفاوت دارند''۔

آپ نے اپنی متصوفانہ زندگی میں وہ مقام حاصل کرلیا تھا کہ بقول اُن کے

> ''روزے حضرت سیّد (نور محمد بداوٗنی) کفش بندہ درست کردہ نہادند فرمودند شمارا بجناب الٰہی قبول تمام است''[۲۲]......

آپ اپنے ایک اور استاد حاجی محمد افضل کے بارے میں لکھتے ہیں

> ''حضرت حاجی محمد افضل بہ تعظیم بندہ راست می ایستادند۔ کہ تعظیم کمالات نسبت شما میکنم''۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہندوستان میں اسلام کی کشتی کو طوفان سے بچایا اور پوری زندگی کی قربانی دیکر مذہبی اور اخلاقی اقدار کی حفاظت کی اُن میں آپ کا نام سرفہرست ہے۔

حضرت مظہر کی نہایت مصروف زندگی تھی...... ایام شباب میں ہی آپ کا زیادہ وقت ذکر اور مراقبہ میں صرف ہوتا تھا...... مسلسل تیس سال تک مختلف بزرگوں سے کسب فیض کیا اور تقریباً اتنا ہی زمانہ آپ نے مسندِ ارشاد و تلقین پر متمکن ہو کر طالبانِ خدا کی تعلیم و تربیت فرمائی...... تبلیغ وارشاد کے سلسلے میں آپ کو مختلف مقامات کا سفر بھی کرنا پڑا' سیاسی نشیب وفراز اور دہلی کی فضا کی تبدیلی اور یہاں سے ترک اقامت کی فکر کے باوجود آپ مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے تھے...... آپ نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو جو خطوط لکھے تھے اُن سے آپ کے ذوق مطالعۂ کتب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بعض مکاتیب تو صرف کتابوں کے ذکر سے مملو اور کتب پر نقد و تبصرہ پر مشتمل ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کسی مستقل تصنیف کی طرف توجہ نہیں کرسکے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

دبستانِ تحقیق کے اس بے سواد میں کتاب تصنیف کرنے کی استعداد نہیں ہے[۲۳]......

آپ کے مختلف مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک عظیم کتب خانہ کے بھی مالک تھے...... "اتباعِ سنت" کے سلسلے کی اکثر کتابیں سفر و حضر میں آپ کے ہمراہ رہتی تھیں...... حضرت مظہر ان کی بہت حفاظت کرتے تھے مصنفین کے خود نوشت خطی نسخوں اور ایسے قلمی نسخے جن کی خود مصنفین نے تصحیح کی تھی، آپ کے کتب خانے میں تھے اور آپ ان کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔

حضرت مظہر نے وصیت کی تھی کہ میرا کتب خانہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دے دیا جائے۔

اگرچہ ان حالات میں آپ کا تصنیف و تالیف کی طرف رجحان بہت کم رہا، لیکن شعر گوئی کا ذوق آپ میں فطری تھا، اس لیے اس جذبے کی تسکین کے لیے کبھی کبھی شعر کہا کرتے تھے۔

حضرت مظہر اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے یہ وہ زمانہ ہے جب اردو شاعری میں "صنعت ایہام" کا روگاج بہت زیادہ ہو گیا تھا، شاعری الفاظ کا کھیل بن گئی تھی، آپ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو ایہام سے پاک کرنے کی کوشش کی، اردو شعراء کے تمام قابل اعتماد تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ اس اصلاحی کوشش میں حضرت مظہر کو اولیت حاصل ہے۔

بقول مولوی عبدالحق:

> اردو شاعر پر ان کا بڑا احسان ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایہام کی دلدل سے نکال کر خوش گوار فضا میں پہنچا دیا، ان کے کلام اور ان کے ذوق کے اثر سے دلی شاعری کا رنگ بالکل بدل گیا، یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے شعراء ایہام گوئی ترک کر کے سیدھے رستے پر پڑ لیے، علاوہ ان کے شاگردوں کے دوسروں نے بھی ان کا اتباع کیا۔ یہاں تک کہ کہنہ سال اور کہنہ مشق شاعر حاتم بھی پرانی روش سے دست بردار ہو گیا۔ اور اس نے اپنے کلام سے اس قسم کے اشعار خارج کر کے ایک مختصر دیوان ۔۔۔ مرتب کیا۔ اس کے بعد ہمارے شعراء ایہام گوئی سے بیزاری ظاہر کرنے لگے[16]۔

چنانچہ حضرت مظہر باقاعدہ ایک تحریک کی صورت میں اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان مصلحانہ کوششوں میں سرگرم عمل رہے۔ جہاں حضرت مظہر کے دامن تربیت سے بہت سے طالبان خدا نے روحانی فیض پایا وہاں شعراء کے ایک گروہ نے جن کی تعداد بقول صاحب سفینۂ ہندی:

شاگردانش بسیار بودند

آپ نے جن شعراء کی باقاعدہ تربیت کی ان سب کے حالات تو تذکروں میں نہیں ملتے البتہ آپ

کے شاگردوں میں سے انعام اللہ خان یقین، محمد فقیہ دردمند، محمد باقر حزین، ہیبت قلی خان حسرت، احسن اللہ بیان اور یک رنگ وغیرہ کے حالات سے اردو شعراء کے تذکرے خالی نہیں ہیں صاحب گلشن ہند اور گارساں دتاسی نے آپ کے نظم ونثر میں خوش بیان ہونے کا ذکر کیا ہے

حضرت مظہر کی درج ذیل تصانیف کا ذکر ملتا ہے:[۲۴]

(۱) دیوان مظہر (فارسی)

(۲) خریطۂ جواہر (فارسی کے معروف اور غیر معروف شعراء کے کلام کا انتخاب)

(۳) مکاتیب کے مختلف مجموعے

(۴) مجموعۂ اُردو اشعار

(۵) متفرق اور مختصر نثری تحریریں

(۶) ملفوظات

مکتوبات کے علاوہ حضرت مظہر کی چند نثری تحریریں بھی ملتی ہیں، لیکن یہ تمام تر فارسی میں ہیں پروفیسر محمد اقبال مجددی نے مقامات مظہری کے مقدمہ میں درج ذیل تحریروں کا ذکر کیا ہے[۲۵]......

(۱) خودنوشت حالات بری سفینۂ خوش گو (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء)

(۲) خودنوشت احوال مشمولہ سروِ آزاد (۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء)

(۳) دیوان فارسی کا دیباچہ (۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء)

(۴) تقریظ رسالہ کلمات الحق (۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء)

(۵) وصیت نامہ (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء)

(۶) تنبیہات الخمسہ

(۷) سلوک طریقہ

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے مقامات مظہری کی پندرہویں فصل کو حضرت مظہر کے بعض کشوف وکرامات کے لیے مخصوص کیا ہے یہاں ہم اسی سے بعض کشوف وکرامات پیش کر رہے ہیں۔

☆......اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کو مقامات الٰہیہ کا صحیح کشف عنایت فرمایا تھا۔ آپ کی معلومات نفس الامر کے موافق تھیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ارشاد فرماتے تھے کہ تمہاری تمام

معلومات اور وجدانیات صحیح ہیں اور ان میں سرمو بھی تفاوت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کے اصحاب میں سے کسی کو کشف ہوتا تو اپنی سیر کے مقامات میں عین دیکھتا نہیں تو حالات کے ہر مقام میں اُسی مقام کے مناسب جیسا کہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے، اپنے باطن میں معلوم کرتا۔

☆......حضرت مظہر فرماتے تھے کہ میں مقامات کی بشارت بیان کرنے میں بڑے تامل سے کام لیتا تھا۔ یہاں تک کہ سالک کے باطن میں اس مقام کے انوار واضح طور سے دیکھ لوں۔ اس کے بعد بھی میں الہام کا متوقع رہتا۔ پھر میں اس کے حالات کے تغیرات پر سوال کرتا۔ اگر وہ الہام کے موافق ہوتے اور اس کے باطن میں جدید حالات و کیفیات رونما ہوتے تو میں اسے اس مقام کی بشارت دیتا کہ تجھے اس مقام سے مناسبت پیدا ہوگئی ہے جو صرف واقفیت کی حد تک ہے، نہ یہ کہ اسے متقدمین جیسی نسبت حاصل ہوئی ہے تاکہ مساوات لازم نہ آئے۔ اگر تو ہمیشہ ذکر اور مراقبہ کرے اور قضائے الٰہی کے سامنے اپنی رضامندی پیش کرے گا تو اس مقام کی فتوحات سے فائدہ اٹھائے گا۔

☆......حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کہ جس کا شکر ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ یہ ہے کہ مجھے مقامات الٰہیہ کا کشف، نفس الامر کے مطابق حاصل ہے اور اس خاندان کے جتنے بزرگ اس وقت طالبوں کے ارشاد میں مصروف ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امتیاز بخشا ہے کہ میں اس طریقے کے سالکوں کی نہایات تک تسلیک کر سکتا ہوں۔

☆......بعض افغانوں نے آپ کی بشارات سے انکار کیا۔ آپ نے اپنے نور فراست سے معلوم کر لیا اور فرمایا اگر تم باور نہیں کرتے تو قدمائے دین میں سے ایک کو مقرر کرو تاکہ اس کی روح ظاہر ہو کر ان بشارات کی شہادت دے۔ انہوں نے عرض کی اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق فرمائیں تو دعویٰ صدق کے نزدیک تو ہو جائے گا۔ آپ نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر فاتحہ پڑھی اور اپنے اصحاب سمیت جناب مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اس توجہ میں اہل مراقبہ پر رقت طاری ہوئی۔ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ نے ظاہر ہو کر منکروں کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ مرزا مظہر کی تمام بشارات صحیح ہیں۔

☆......شاہ عبدالحفیظ آپ کی خدمت سے مقامات عالیہ پر فائز ہوئے تھے۔ کہتے ہیں، میں نے آپ سے استفادہ کیا ہے مجھ سے فرمایا طاقت حاصل کرنے کے لیے تمہیں ہر مقام کی دوبارہ توجہ دیتے ہیں

پھر تھوڑی دیر کے لیے ولایت قلبی کی توجہ کی۔ میں نے امتحان کے طور پر اس مقام کو چھوڑ کر اس مقام سے دوسرے مقام پر توجہ کی۔ میں آپ کے حضور بیٹھا تھا کہ آپ نے مجھے تنبیہ کی کہ میں نے تو تمہیں دل کی طرف متوجہ رہنے کے لئے کہا تھا، تم نے دوسرے مقام کی طرف توجہ کیوں کی؟ اس روز سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا کشف بہت صحیح ہے۔

☆......ایک دن ایک فاحشہ عورت کی قبر کے سرہانے متوجہ ہو کر بیٹھے، فرمایا کہ اس کی قبر میں دوزخ کی آگ شعلہ زن ہے۔ اور یہ عورت اس آگ میں کبھی قبر کے سرہانے اور کبھی قبر کے پائیں جاتی ہے مجھے اس کے ایمان میں تردد ہے۔ آپ نے ختم کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی روح کو بخشا وہ ایمان لے آئی۔ ختم کلمہ طیبہ کا ثواب بخشنے کے بعد آپ نے فرمایا، الحمدللہ وہ ایمان لے آئی ہے، کلمہ طیبہ نے اپنا کام کر دیا، اور عذاب سے نجات مل گئی۔ حضرت شاہ غلام علی کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ اپنے لیے یا دوسرے کے لیے پڑھے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

☆......ایک روز نواب امیر خان کی قبر پر مراقبہ کیا، فرمایا ان کے بخشے جانے کی وجہ ان کی سیادت اور خلقت میں ان کی رسوائی اور طعن ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے نسبت ہی اس دنیا میں شرف کا باعث ہے اور لعن وطعن کرنے والوں کے اعمال کا ثواب مطعون کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

☆......ایک بے ادب شخص نے آپ کے ان مکشوفات کا انکار کیا اور امتحان کے طور پر کہا کہ یہ قبر میرے ایک دوست کی ہے اس کا حال معلوم کریں آپ نے سکوت کے بعد فرمایا جھوٹ کیوں بولتے ہو یہ قبر تو ایک عورت کی ہے۔ تیرے دوست کی قبر تو نہیں ہے۔ اس نے عذر کیا اور کہا کہ میں نے آپ کے کشف کا امتحان لینے کے لیے ایسا کیا ہے۔

☆......آپ کی دعا اور ہمت سے بہت سے حاجت مندوں کے کام ہوئے ہیں اور قریب مرگ بیماروں کو شفا ملی ہے فرماتے ہیں ''ہم تو فقیر ہیں ہمیں مقدور مداوا نہیں۔ اپنے پیران کبار کے توسل سے امراض سلب کرتے ہیں۔ اور عنایت الٰہی سے انہیں شفا مل جاتی ہے۔''

☆......آپ فرماتے ہیں میرا مزاج بہت نازک ہے اور میرا غضب بہت شدید' یہ بات ہدایت وارشاد کے شایانِ شان نہیں' میں نے کئی سال دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے غضب کی تلوار کو کند کیا، البتہ غضب

کی شدت ختم نہ ہوئی اور جس پر غصہ کرتا ہوں اُسے سزا ضرور ملتی ہے اور اس کی باطنی نسبت تباہ ہو جاتی ہے۔

آپ کے کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں صرف انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ سب سے عمدہ کرامت اتباع حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں استقامت ہے اور طالبوں کی ہدایت اور انہیں مراتب قرب خدا سبحانہ تک پہنچانا ہے اور آپ سے ایسی کرامات کا ظہور، سورج سے زیادہ درخشاں اور روز گزشتہ سے زیادہ واضح ہے[۲۶] ......

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے لکھا ہے کہ آپ پر اپنے انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا شوق غالب آ گیا تھا، اور اس جہاں والوں پر ملال کا اظہار فرمانے لگے تھے' ہر وقت اپنے مشہود کے استغراق میں اضافہ ہوتا جاتا تھا وظائف و عبادات زیادہ کر دیئے تھے...... ان ایام میں اہل طریقہ کا زیادہ ہجوم رہنے لگا تھا...... وہ فوج درفوج آ کر اس طریقہ میں داخل ہونے لگے تھے' ذکر کے حلقوں اور ''مراقبات مع جمعیت تمام'' کی وجہ سے مخلصوں کی حاضری بڑھ گئی دونوں اوقات میں سو سے زیادہ افراد آپ کی صحبت مبارک میں حاضر ہوتے اور آپ کی توجہاتِ شریفہ سے یہ کمال تمام انوار و برکات میں ترقی کرتے تھے۔

ایک مخلص مُلا نسیم کو ان کے وطن رخصت کرتے وقت فرمانے لگے، اب ہماری اور تمہاری ملاقات کا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ آپ کے اس کلمہ نے بھی جو آپ کے قریب انتقال پر دال تھا، دلوں پر اثر کیا اور لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ایک مخلص مُلا عبدالرزاق کو لکھتے ہیں کہ

> میری عمر اب اسّی (سال) سے زیادہ ہو گئی ہے (انتقال کا) وقت نزدیک آ پہنچا ہے تمہیں دعائے خیر میں یاد رکھنا چاہیے۔

اسی طرح دوسرے عزیزوں کو بھی ایسی باتیں لکھیں جو اس ناگزیر واقعے کی خبر دیتی ہیں ایک روز کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے اظہار کے لیے شکر کرنا لازم ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل کی تمام آرزوئیں پوری کی ہیں مجھے حقیقی اسلام سے مشرف کیا، علم کا بہت بڑا حصہ بخشا، نیک عمل کی استقامت کرامت فرمائی، طریقہ کے لوازم یعنی کشف، تصرف اور کرامات عنایت کیے، صلحاء کو حصول

فیوض کے لیے میرے پاس بھیجا' ان کو مقامات طریقہ پر پہنچا کر اپنی راہ کی ہدایت کے لیے مقرر کیا، دنیا اور اہل دنیا سے الگ رکھا، دل میں غیر کی آرزو نہ آنے دی، اور ہاں ایک آرزو باقی ہے اور وہ ظاہری شہادت ہے، جس کا قرب الٰہی میں اعلیٰ درجہ ہے میرے بزرگوں میں سے اکثر نے شربت شہادت نوش کیا ہے لیکن میں بہت ناتواں ہوں اور ضعف غایت درجہ ہے اس وقت جہاد کی قوت میسر نہیں ہے بظاہر اس مرتبے کا حصول دشوار نظر آتا ہے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا یہ موت ہی ہے جو اللہ سے ملاقات کا موجب ہے یہی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا سبب، دیدار اولیاء کا حصول، عزیزوں کے دیدار سے مسرور کرتی ہے۔ میں کبرائے دین کی ارواح طیبہ کی زیارت کا مشتاق ہوں حضرت مصطفیٰ اور حضرت خلیل خدا علیہما الصلوٰۃ والتسلیمات کے دیدار کی سخت آرزو ہے۔

امیر المومنین صدیق اکبر، امام حسن مجتبیٰ، سید الطائفہ حضرت جنید، حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں میرے دل میں ان اکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے خاص محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس آرزو کو منصۂ ظہور پر جلوہ گر کر دیا اور آپ کو شہادت کے درجہ پر پہنچا دیا اس طرح ظاہری شہادت باطنی شہادت میں، جسے صوفیہ کی اصطلاح میں مرتبہ فناء فی اللہ کا حصول ہے، میں ضم ہوگئی اللہ تعالیٰ آپ کے درجاتِ قرب کو اعلیٰ علیین تک پہنچائے۔

۷ محرم ۱۱۹۵ھ ہجری کو کچھ رات گزری تھی کہ چند آدمیوں نے آپ کے دروازے پر دستک دی خادم نے جا کر عرض کی کہ کچھ لوگ زیارت کے لیے آئے ہیں' فرمایا آنے دو' تین آدمی اندر آئے ان میں سے ایک ایرانی نژاد مغل بھی تھا' آپ خواب گاہ سے باہر تشریف لائے اور ان کے درمیان بیٹھ گئے' اس نے پوچھا کہ مرزا جان جانان آپ ہیں؟ فرمایا ہاں' دوسرے دونوں نے بھی تائید کی کہ مرزا جان جانان یہی ہیں۔ اس بدبخت نے ۔۔۔ گولی داغ دی اور گولی آپ کے بائیں طرف دل کے قریب لگی۔ آپ میں ضعف اور بڑھاپے کی ناتوانی کی وجہ سے طاقت نہیں تھی زمین بوس ہو گئے...... لوگوں کو اطلاع ہوئی' جراح کو بلایا گیا صبح نواب نجف خان نے ایک فرنگی جراح کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ جن بدبختوں نے یہ گناہ کبیرہ کیا ہے معلوم نہیں' اگر معلوم ہو جائے تو ان سے ضرور بدلہ لیا جائے گا' فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی شفا دینا ہے تو زخم ہر صورت میں مندمل ہو جائے گا' کسی دوسرے جراح کی حاجت نہیں ہے' جو شخص اس امر کا

مرتکب ہوا ہے، اگر معلوم بھی ہو جائے تو ہم اُسے معاف کر دیں گے، تم بھی اُسے معاف کر دینا۔

اس کے بعد آپ تین روز بقیدِ حیات رہے، ہر روز ضعف زیادہ ہو جاتا تھا انتہائی ضعف کی وجہ سے آپ کی آواز مبارک بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

ایک روز نصف دن گزرنے کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے، چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند نے بھی اس حالت میں فاتحہ پڑھی تھی، عصر کے وقت فرمایا، دن ابھی کتنا باقی ہے، عرض کی کہ ابھی چار گھڑی باقی ہے، فرمایا، ابھی مغرب دور ہے، مغرب کی نماز کے وقت، دو تین مرتبہ سانس میں شدت پیدا ہوئی اور آپ کی روح مبارک نے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

آپ کی وفات پر بہت سی تاریخیں کہی گئیں، ان میں سے دو تاریخیں لکھی جاتی ہیں، پہلی اس آیہ شریفہ سے:

اُولئک مع الذین انعم اللہ (۱۱۹۵ھ)

دوسری حدیث شریفہ کے اس جملے سے جو حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک کے بارے میں صادر ہوا تھا، وہی آپ کی تاریخ وفات ہے:

عاش حمیداً مات شہیداً (۱۱۹۵ھ)

آپ کی وفات کی رات ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ نصف قرآن مجید آسمان کی طرف اڑ گیا اور دینِ متین کی برکات میں فتور آ گیا ہے، اس خواب کی تعبیر سے آپ کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ فرماتے تھے میرے انتقال کے بعد طریقہ کے مقامات موقوف ہو جائیں گے اور اس خاندان والوں کی نسبت نے اگر نہایت ترقی بھی کی تو وہ فقط ولایات تک پہنچے گی۔

ایک اور شخص نے خواب دیکھا کہ گویا آفتاب عالم تاب آسمان کے عین درمیان درخشاں تھا کہ زمین پر آ رہا اور دنیا کو تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے یہ سچ ہے کہ آپ کا وجودِ مسعود دنیا میں امن اور خلقِ خدا کے لیے بہبودی کا باعث تھا[۲۸]

حضرت مظہر علیہ الرحمۃ کے بے شمار مریدین وخلفاء تھے، بعض خلفائے کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

○...... حضرت شاہ غلام علی دہلوی
○...... حضرت میر مسلمان
○...... حضرت مولوی احمد اللہ
○...... حضرت شیخ عبدالرحمٰن
○...... حضرت میر علیم اللہ گنگوہی
○...... شیخ مراد اللہ عرف غلام کاکی
○...... شیخ محمد احسان
○...... شیخ غلام حسن
○...... شیخ محمد منیر
○...... مولوی عبدالخالق
○...... شاہ رحمت اللہ
○...... محمد حسن عرب
○...... محمد قائم کشمیری
○...... حافظ محمد
○...... مولوی قطب الدین
○...... مولوی غلام یحییٰ
○...... مولوی غلام محی الدین
○...... مولانا نعیم اللہ بہرائچی
○...... مولوی حکیم اللہ بنگالی
○...... میر روح الامین
○...... شاہ محمد شفیع
○...... ملا عبداللہ
○...... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی
○...... حضرت مولوی فضل اللہ
○...... حضرت شیخ محمد مراد
○...... مولوی قلندر بخش
○...... میر نعیم اللہ
○...... مولوی ثناء اللہ سنبھلی
○...... میر عبدالباقی
○...... خلیفہ محمد جمیل
○...... شاہ بھیک محمد
○...... شاہ محمد سالم
○...... محمد واصل
○...... محمد حسین
○...... شیخ غلام حسین تھانیسری
○...... مولوی عبدالکریم
○...... مولوی عبدالحکیم
○...... نواب ارشاد خان
○...... غلام مصطفیٰ خان
○...... اخون نور محمد قندھاری
○...... ملا نسیم
○...... ملا عبدالرزاق
○...... ملا جلیل
○...... ملا تیمور وغیرہم[۲۹] ......

حضرات اہل اللہ کی صحبت ان کے تذکرے اوران کے ملفوظات وارشادات میں سکون ہی سکون ہے‘ ہدایت ہی ہدایت ہے...... ان کی صحبت سے ہزاروں بن گئے اوران حضرات قدسیہ کے ملفوظات سے آج

بھی ہزاروں بن رہے ہیں...... حضرت مظہر علیہ الرحمۃ کے ملفوظات بھی ہدایت کا نشان ہیں بعض ملفوظات شریف پیش کیے جا رہے ہیں۔

☆......تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو، حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت دل و جان سے کرو...... اپنے احوال کا کتاب و سنت سے تقابل کرو اگر موافق ہیں تو قبولیت کے لائق خیال کرو اور اگر مخالف ہیں تو مردود سمجھو

☆......عقیدۂ اہل سنت و جماعت کا التزام کر کے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرو اور علماء کی صحبت اختیار کر کے اخروی ثواب حاصل کرو اگر ممکن ہو تو حدیث پر عمل کرنے میں مداومت کرو ورنہ کبھی کبھی حدیث پر عمل ضرور کرنا چاہیے تاکہ تم اس کے نور سے محروم نہ رہو

☆......دل کو دونوں جہانوں کی اغراض سے پاک کرلو تمہارا عمل ہی کیا ہے کہ تم اُسے بیچ سکو! کس کی استطاعت ہے کہ وہ اپنے کو اس سے منسوب کرے۔

☆......باطنی صفائی کے لیے خلوت لازم ہے کیوں کہ درویشی کا سرمایہ صفا کی موجودگی ہی ہے

☆......دنیاوی اسباب میں سے بہت کم اختیار کرو کیوں کہ قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا

☆......عبادت اور ذکر خدا میں سرگرم عمل رہو

☆......آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

☆......مشائخ کی محبت میں اپنی عقیدت کو مضبوط کرو کیوں کہ دوستانِ خدا کی دوستی اللہ کے قرب کا موجب ہوتی ہے

☆......اپنے پیر کے حضور غیر کا خیال نہ لاؤ،

☆......جب پیر کی صحبت میسر ہو تو نوافل نہ پڑھو

☆......جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی زندگی صبر و توکل سے بسر کرو

☆......غیر کا تصور دماغ سے نکال دو، اپنے کام خدا پر چھوڑ دو

☆......موت پر یقین اور اسے سچا وعدہ سمجھ کر اسے خلوت کا سرمایہ جانو

☆......اگر تمہارے دل میں تردد نہ ہو تو گوشہ نشینی اختیار کرو

☆......رزق جس کے لیے وقت مقرر ہے خود ہی پہنچ جائے گا' اگر عیال کی فکر دامن گیر ہو تو اسباب[۲] کا مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

☆......قناعت اختیار کرو، حرص اور طمع کو دل سے نکال دو

☆......یار اور اغیار سے ناامید ہو جاؤ۔

☆......ہونا اور نہ ہونا اور ہر ایک کو برابر جانو اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھو

☆......اپنے آپ کو سب سے کم تر اور قاصر شمار کرو

☆......طلبِ مولیٰ کی راہ میں کبر کو دماغ سے اور غرور کو ہاتھ سے چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی مقام پر کہا گیا ہے کہ درویشی وہ ہوتی ہے کہ جو کچھ تو اپنے دماغ میں رکھتا ہے اُسے نکال دے، اور اگر تیرے سر پر (مصیبت) آن پڑے تو تو جنبش نہ کرے

☆......گزشتہ اور آنے والے دن کے اندیشہ کو نکال دے اپنی اطاعت اور عبادت پر فخر نہ کرے

☆......دید قصور اور نیستی کو اپنا سرمایہ بناؤ، نفس کی مخالفت جس قدر کرسکو وہ بہتر ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ تنگ آ جائے کہ جس سے اطاعت کی خوشی اور شوق جاتا رہے کبھی اس کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے کیوں کہ مومن کے نفس کی رضامندی ثواب کا موجب ہے

☆......اگر شکر گزاری کی نیت سے کھانا مزے دار بنائے تو بہتر ہے کیوں کہ بدمزگی کی صورت میں تہہ دل سے شکر ادا نہیں ہوتا

☆......لذیذ طعام میں بے مزہ پانی کی آمیزش کرنا نعمت الٰہی کو خاک میں ملانے کے برابر ہے۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مرغوب کھانا تناول فرماتے تھے، اگر رغبت نہ ہوتی تو تناول نہ فرماتے۔

☆......ہمارے نفس حضرت جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما کی طرح نہیں ہیں کہ کڑواہٹ کو بھی مٹھاس ہی خیال کریں اور کہیں کہ:

الصبر تجرع المرارة بلا عبوسة الوجه

(ناک منہ چڑھائے بغیر تلخی کو پی لینے کا نام صبر ہے)

☆......وہ شکر جو محض زبان سے کیا جائے، صبر کی ایک قسم ہے جس کا اثر روح تک ہوتا ہے۔

☆......اولیاء کے مزارات کی زیارت کو فیض جمعیت کا دریوزہ بناؤ

☆......مشائخ کرام کی ارواح طیبہ کو فاتحہ اور درود سے ثواب پہنچا کر جناب الٰہی میں انہیں وسیلہ بناؤ کیوں کہ اس امر سے ظاہری و باطنی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ البتہ مبتدیوں کو تصفیۂ قلب کے بغیر اولیاء

کی قبور سے فیض حاصل ہونا مشکل ہے اسی لیے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ کی یاد میں مصروف ہونا اولیاء کی قبروں کی مجاورت سے بہتر ہے۔

☆......عرس اور چراغاں کی متعارفہ رسوم کا مقید نہ ہونا، کیوں کہ ایسا کرنے سے خیمہ وفرش کی ضرورت پڑے گی اور لوگوں کے ہجوم میں حفظ مراتب جاتا رہے گا۔

☆......حاجت مندوں کی خفیہ طور پر نقدی سے مدد کرنے سے جلدی ثواب ملتا ہے[۳۰]......

۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ
۲۲؍اکتوبر ۲۰۰۴ء

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
L-317/5-B-2، نارتھ کراچی
(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

☆......☆......☆

حواشی

۱......شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری (مترجم اردو، محمد اقبال مجددی) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء ص۔۴۷۵
(نوٹ: مقامات مظہری میں سنہ ولادت ۱۱۱۳ھ درج ہے جبکہ خلیق انجم نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے ''مرزا مظہر جان جاناں'' میں ۱۱۱۰ھ تحریر کیا ہے۔ اقبال)

۲......عطاء الرحمٰن قاسمی، دہلی میں دفن خزینے، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۳ء ص ۳۴۴

۳......ایضاً، ص ۳۴۴

۴......خلیق انجم (مقدمہ) مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء ص۔ ۱۳

۵......ایضاً، ص ۱۴

۶......مقامات مظہری، ص ۳۰۳

۷......خلیق انجم (مقدمہ) مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء، ص ۱۴

۸......ایضاً

۹......ایضاً

۱۰...... معمولات مظہری، ص۔ ۱۵، بحوالہ ایضاً ص ۱۴

۱۱...... کلمات طیبات، ص ۱۴، بحوالہ ایضاً ص ۱۵

۱۲...... مقامات مظہری، ص ۳۰۹

۱۳...... ایضاً ص ۳۱۰

۱۴...... خلیق انجم (مقدمہ) مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، ص ۱۷

۱۵...... معمولات مظہری، ص ۷، بحوالہ ایضاً ص ۱۸

۱۶...... محمد اقبال مجددی، مقدمہ مقامات مظہری، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۴

۱۷...... خلیق انجم، (مقدمہ) مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، ص ۳۵

۱۸...... ایضاً ص ۳۶

۱۹...... ایضاً ص ۳۶

۲۰...... ایضاً ص ۳۶

۲۱...... کلمات طیبات، ص ۲۰۰، بحوالہ ایضاً ص ۳۶

۲۲...... مقدمہ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، ص ۳۷

۲۳...... مقدمہ مقامات مظہری، ص ۱۳۸

۲۴...... ایضاً ص ۱۳۹

۲۵...... ایضاً ص ۱۵۱

۲۶...... مقامات مظہری، ص ۳۶۵ تا ۳۷۳

۲۷...... ایضاً ص ۳۷۸

۲۸...... ایضاً ص ۳۷۹

۲۹...... ایضاً ص ۳۸۸

۳۰...... ایضاً ص ۳۴۹

☆......☆......☆

الحسد یاکل الحسنات
کما تاکل النار الحطب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی دہلوی

علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری مظہری

☆

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پاک وہند کے اولیائے کبار سے ہیں۔ زینتِ ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) آپ کے وجود کو انتہائی غنیمت شمار کرتے تھے اور وہ حضرت محدث دہلوی کا بے حد احترام کرتے تھے۔ کیوں نہ ہو دونوں حضرات ہی اس وقت آسمانِ علم وعرفان کے شمس وقمر تھے۔ اگر دنیا بھر کے اہلِ علم اپنی علمی تشنگی بجھانے کیلیے شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے گرد جمع ہو رہے تھے تو سلوک وجذبہ کے منازل طے کرنے کے خواہشمند دنیا کے گوشے گوشے سے شاہ غلام علی علیہ الرّحمتہ کی خانقاہ مظہریہ میں جمع ہوتے رہتے تھے۔ گویا دونوں حضرات ہی شریعت وطریقت کے امام، مرجعِ خواص وعوام اور ظاہری وباطنی فیوض وبرکات کے بحرِ رواں تھے جن سے ملّتِ اسلامیہ کے دین وایمان کی کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی رہتی تھی۔

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا آبائی وطن پنجاب کی ریاست پٹیالہ ہے۔ اگرچہ عمر کی بائیس منزلیں طے کرنے کے بعد آپ ہمیشہ کے لیے دہلی کے ہو رہے تھے لیکن دہلی میں رہتے ہوئے بھی اپنا پنجابی ہونا بھلا نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا:

من ہموں یک مرد پنجابی نالائق کہ بودم ہستم[۱]۔

آپ ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء کو بٹالہ میں پیدا ہوئے۔[۲] والدِ محترم نے آپ کا نام علی والدہ ماجدہ نے عبدالقادر اور عمِ بزرگوار نے عبداللہ رکھا۔ تینوں نام غیبی ہدایات کے مطابق رکھے گئے۔ چنانچہ آپ سے قریبی تعلق رکھنے والے سر سیّد احمد خان صاحب نے اِس سلسلے میں یہ وضاحت فرمائی ہے:۔

آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک دفعہ آپ کے والد ماجد نے جناب

> حضرت امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمہارے ہاں عنقریب لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کو میرے ہمنام کرنا۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ انہوں نے عبدالقادر آپ کا نام رکھا اور آپ کے عمِ بزرگوار نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اشارت سراپا بشارت سے عبداللہ آپ کا نام رکھا اور اسی سبب سے آپ کا اصلی نام عبداللہ اور عرف غلام علی تھا۔[۳]

کتنے ہی حضرات نے آپ کی ولادت کی منظوم تاریخیں کہیں لیکن ایک صاحبِ دِل کی کہی ہوئی یہ تاریخ ملاحظہ ہو:۔

چوں نجم چرخِ ہُدیٰ حضرتِ غلام علی
شدہ ظہور فگن در جہاں، جہاں بشگفت
من ولادِ شریفش چو جست رافتِ دل
"مہِ سپہرِ ہدایت شدہ طلوع" بگفت[۴]
(۱۱۵۶ھ)

آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ موصوف کا شمار اپنے وقت کے بزرگوں میں ہوتا تھا اور حضرت شاہ ناصر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ارادت رکھتے تھے۔ والدِ ماجد چونکہ علمِ دوست اور صوفی منش تھے اِس لیے شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن یہ کِسے معلوم تھا کہ یہ نونہال ایسا تناور ہوگا کہ اس کی شاخیں نہ صرف پورے ملک میں پھیل جائیں گی۔ بلکہ بیرونِ ممالک کے کتنے ہی افراد اس کے سائے میں سکونِ قلب و جگر پائیں گے۔ یہ کِسے معلوم تھا کہ یہ بچّہ بڑا ہو کر آسمانِ علم و عرفان پر مہرِ درخشاں بن کر چمکے گا اور اپنی ضیاء باری سے ایک دنیا کو منوّر کر کے بقعۂ نور بنا دیگا۔ اسی لیے شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرّحمۃ کی ابتدائی زِندگی کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کس مدرسے میں تعلیم حاصل کی؟ کِن حضرات سے کسبِ علم و فن کیا؟ کسی تذکرے نے اِن

امور کے چہرے پر پڑے ہوئے پردے کو نہیں اٹھایا۔ علمِ دوست حضرات نے جانفشانی سے کام لیا تو ممکن ہے کہ آپ کے ابتدائی دور کے بہت سے واقعے اور کتنے ہی حالات منظرِ عام پر آ جائیں۔

جب آپ کے توسنِ عُمر رواں نے حیات مستعار کی تقریباً اٹھارہ منزلیں طے کر لیں تو اچانک والد محترم نے آپ کو دہلی طلب کیا۔ وہ اپنے جگر گوشے کو اپنے مرشدِ برحق، شاہ ناصر الدین قادری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ تعمیلِ ارشاد کی غرض سے شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ عازمِ دہلی ہوئے۔ ۱۱؍ رجب ۱۱۷۴ھ کو دہلی میں وارد ہوئے۔ والدِ ماجد باغ باغ ہو گئے لیکن یہ خوشی زیادہ دیر نہ رہ سکی کیونکہ چند ساعتوں کے بعد ان کے مرشدِ کامل کا وصال ہو گیا اور انہوں نے جو خواب دیکھا تھا اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس واقعے کو کاتبِ ملفوظات نے خود آپ کی زبانی یوں نقل فرمایا ہے:

> بعد ازاں حضرت ایشاں فرمودند کہ امروز روزِ وصال حضرت شاہ ناصر الدین قادری ست کہ مزارِ پُر انوارِ ایشاں در حضرت دہلی محلہ حبش پورہ واقع ست یزارو یتبرک بہ مُرشدِ والد بزرگوار ایں ذرہ بے مقدار بودند کہ در شب گزشتہ ایں روز ایں سرای فانی رختِ بر بستہ بودند و من ہم ہموں روز از وطنِ خود آمدہ بودم چوں دریں مکان کہ حضرت دہلی است رسیدم والدم بسیار خوش شدند کہ مرا از مرشدِ خود بیعت نمایند۔ اتفاقاً بعد از چند ساعات جناب مُرشد ایشاں اِرتحال فرمودند۔ ۵

> اِس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آج حضرت شاہ ناصر الدین قادری کا روزِ وصال ہے کہ جن کا مزار پُر انوار دہلی شریف کے محلّہ حبش پورہ میں واقع ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ موصوف اِس ذرّۂ بے مقدار کے والد بزرگوار کے مُرشد تھے کہ اس روز (۱۱؍ رجب) سے پہلی رات کو اس سرائے فانی سے رختِ سفر باندھ کر چلے گئے اور میں اُسی روز اپنے وطن سے آیا تھا۔ جب اپنے اس مکان میں پہنچا جو دہلی شریف میں ہے تو والد محترم بہت

خوش ہوئے کیونکہ مجھے اپنے مرشد سے بیعت کروانا چاہتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ چند گھڑیوں کے بعد اُن کے مُرشد رحلت فرما گئے۔

شاہ ناصرالدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال فرمانے کے باعث والدِ محترم نے آپ کو مجبوراً اختیار دے دیا کہ جس سے چاہو شرفِ ارادت حاصل کرلو۔ جواہر علویہ کے حوالے سے پروفیسر محمد اقبال مجددی نے اِس واقعے کے بارے میں لکھا ہے:۔

> آپ کے والد نے فرمایا کہ ہم تو تمہیں اپنے پیر سے بیعت کروانا چاہتے تھے لیکن خدا کی رضا یہی تھی۔ اب تم جہاں اپنی باطنی کشائش معلوم کرو وہاں بیعت کرلو۔ [۶]

سرسید احمد خاں صاحب نے اس سلسلے میں یُوں وضاحت فرمائی ہے:۔

> ۱۱۷۴ھ میں آپ کے والد ماجد نے اس ارادے سے دہلی میں بلوایا کہ اپنے پیر شاہ ناصرالدین قادری سے جن کا مزار عید گاہ کے پیچھے ہے بیعت کرادی جائے۔ آپ کے پہنچنے سے پہلے شاہ ناصرالدین صاحب نے اِنتقال کیا اور چوں کہ اللہ تعالیٰ کو اور ہی کچھ پردہ غیب سے ظاہر کرنا تھا۔ یہ بات نقابِ خفاء حیز (التوا میں رہی۔ تب آپ کے والدِ ماجد نے اجازت واختیار دیا کہ جس سے چاہو بیعت کرلو۔ [۷]

جب آپ عمرِ رواں کی تقریباً بائیس منزلیں طے کرچکے تو حُسنِ اتفاق اور بخت کی یاوری سے مرزا مظہر جانِ جاناں رحمتہ اللہ علیہ جیسے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ماہِ تاباں کی ضیاباریوں سے واقف ہوئے۔ چنانچہ ۱۱۷۸ھ میں دوبارہ دہلی آئے اور حضرت میرزا علیہ الرّحمتہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر بے ساختہ پکار اُٹھے:۔

از برائے سجدۂ عِشق آستانے یافتم
سر زمینے بُود منظور آسمانے یافتم

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو میرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے اِرادات مندوں میں شامل ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک روز حضرت میرزا صاحب نے اپنے ایک مرید

سے ناراض ہوکر' جو کشف و کرامت کا طالب تھا، فرمایا کہ جو اِن شعبدوں کا طلب گار ہے اُسے چاہیے کہ ہماری خانقاہ سے چلا جائے۔ جب شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا عِلم ہُوا تو حضورِ مرشد عرض گزار ہوئے کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے اِرشاد ہُوا۔ ہاں میں نے یہی کہا ہے۔ یہ عرض گزار ہوئے کہ اِس سے آنجناب کی مرضی کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے یہاں تو بغیر نمک کے پتھر کی سِل کو چاٹنا پڑتا ہے یعنی استقامت کی پرورش کی جاتی ہے لیکن جو کشف و کرامت کا طالب ہو وہ کسی اور جگہ چلا جائے۔ شاہ غلام علی علیہ الرّحمۃ عرض گزار ہوئے کہ حضور! میں تو بغیر نمک کے پتھر کی سِل چاٹنا چاہتا ہوں۔ ارشادِ گرامی ہُوا کہ تم اِس خانقاہ میں رہ سکتے ہو۔[۸]

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اور باطنی کمالات سے مالا مال اور یگانۂ روزگار تھے جس عِلم و فن کی جانب توجہ فرمائی اُسی کے امام بن کر رہے۔ اُردو شاعری کے اندر وہ کمال حاصل تھا کہ ریختہ کے نقاشِ اوّل قرار پائے اور دبستانِ دہلی کے امام کہلائے۔ باطنی استعداد کو دیکھیے تو آپ پر نقشبند ثانی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ ایسی باکمال ہستی کے ہاتھوں تربیّت پاتے اور سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے۔ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ بے حد مُسرور تھے اور قدم قدم پر زبانِ حال سے بے ساختہ یُوں پکار اُٹھتے تھے:۔

سجدہ گاہِ عِشق ہو مطلوب تھا وہ آستاں
ڈھونڈتا تھا میں زمین اور مِل گیا ہے آسماں

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ صاحبِ استعداد تھے تھوڑے ہی عرصے میں کہیں سے کہیں جا پہنچے' گویا۔

ع جلا کُندن نے پائی یہ زرِ خالص دمک اُٹھا

آپ نے کس درجہ کسبِ فیوض و برکات کیا اور کس منصبِ عالی پر فائز ہوئے اس سلسلے میں سرسیّد احمد خان صاحب نے اپنی رائے یوں قلم بند کی ہے:۔

> بعد بیعت کے سالہا سال آپ نے پیرو مُرشد اپنے کی خدمت میں اوقات بسر کی اور وہ زہد و مجاہدہ اور ریاضت کی کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ دِن بدن عروج کمال اور مشاہدۂ جمال شاہد بے زوال اور مکاشفہ اور

> ترقیات فائقہ ہوئی، یہاں تک کہ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور صاحبِ ارشاد ہوئے اور تلقین وارشاد کا سلسلہ رُوبروے اپنے پیرومرشد کے جاری فرمایا۔ اگرچہ آپ نے بیعت سلسلہ قادریہ میں کی تھی لیکن ذکرواذکار وشغل واشغال طریقۂ علیہ نقشبندیہ مجددیہ میں جاری کیا اور ہر طریقہ کی اجازت حاصِل کی اور اپنے پیرومرشد کے انتقال کے بعد سجادۂ نشین ہوئے اور حقیقت میں میرے اعتقاد بموجب اپنے پیر پر بھی فوق لے گئے۔ [۹]

سرسیّد احمد خان صاحب کے بیانات ایک عینی شاہد کی گواہی سے کم نہیں۔ اگرچہ برٹش گورنمنٹ سے معاشقہ ہوجانے کے بعد تو موصوف پوری طرح جون ہی بدل چکے تھے لیکن اپنے ابتدائی ایّام میں وہ سُنّی مسلمان اور شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب تھے۔ حضرت سے اپنے روابط کے بارے میں انہوں نے خود لکھا ہے:

> میرے تمام خاندان کو اور خصوصاً جناب والد ماجد کو آپ سے نہایت اعتقاد تھا اور میرے جناب والد ماجد اور میرے بڑے بھائی جناب احتشام الدّولہ سیّد محمد خاں بہادر مرحوم کو آپ ہی سے بیعت تھی اور آپ کی میرے خاندان پر اس قدر شفقت اور محبت تھی کہ میرے والد ماجد کو اپنے فرزند سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ [۱۰]

اور اپنے قُرب کے بارے میں موصوف یہاں تک رقمطراز ہیں:۔

> میں نے اپنے دادا کو تو نہیں دیکھا۔ آپ ہی کو دادا حضرت کہا کرتا تھا۔ [۱۱]

مولوی رحمان علی (المتوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) نے شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تذکرے میں لکھا ہے:۔

> مولانا غلام علی دہلوی، علوی بزرگ، میرزا مظہر جان جاناں کے مُرید، عارفِ کامل اور علوم ظاہر وباطن کے جامع تھے۔ [۱۲]

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کی مقدس یادگار تھے۔ سارا وقت ذکرِ الٰہی اور

تربیتِ سالکین کے لیے وقف تھا۔ اگرچہ ایک جہاں آپ کا گرویدہ تھا لیکن آپ کو دنیاوی مال ومتاع اور آرام وراحت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا [۱۳]۔ اکابر نقشبندیہ کی طرح اتباعِ سنّت کا کمال اہتمام تھا۔ آپ کو دیکھ کر اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا مفہوم بخوبی سمجھ میں آجاتا تھا۔ مناسب نظر آتا ہے کہ آپ کے معمولات وغیرہ کا نقشہ سر سیّد احمد خان صاحب کے لفظوں میں پیش کر دیا جائے۔ موصوف ایک چشم دید شاہد کے بطور رقمطراز ہیں:۔

> آپ کی اوقات شریف نہایت منضبط تھی۔ کلام اللہ آپ کو حِفظ تھا اور تحقیق قرأت بھی بہت خوب تھی۔ نمازِ صبح اوّل وقت ادا فرما کر دس سیپارے کلام اللہ کے ختم فرماتے اور بعد اس کے حلقہ مُریدین جمع ہوتا اور تا نمازِ اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا۔ بعد ادا کرنے نمازِ اشراق کے تدریس حدیث اور تفسیر کی شروع ہوتی۔ جو لوگ اِس جلسے کے بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا چاہیے کہ اس میں کیا کیفیت ہوتی تھی اور پڑھنے پڑھانے سننے سنانے والوں کا کیا حال ہوتا تھا۔

جہاں نامِ رسولِ خدا آتا آپ بے تاب ہو جاتے اور اس بیتابی میں حاضرین پر عجیب کیفیّت طاری ہوتی تھی۔ سبحان اللہ! کیا شیخ تھے، باقی باللہ اور عاشقِ رسول اللہ۔ علم حدیث اور تفسیر نہایت مستحضر تھا۔ اگرچہ باعتبار علوم نقلی خاتم المحد ثین والمفسّرین سے تعبیر کیا جائے تو بھی بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجمعِ علوم پیدا کیا تھا کہ ہر ایک علم ظاہری اور باطنی میں درجہ کمال بہ انتہائے کمال حاصل تھا۔

> بعد اس درس وتدریس کے آپ کچھ تھوڑا سا کھانا کہ عبادتِ معبود کو کافی ہو تناول فرما کر بہ اتباعِ سنّتِ نبوی قیلولہء استراحت میں آرام کرتے۔ تھوڑی دیر بعد اوّل وقت نمازِ ظہر ادا فرما کر پھر درس وتدریسِ حدیث وتفسیر وفقہ اور کتبِ تصوف میں مشغول ہوتے اور نمازِ عصر تا نمازِ مغرب حلقہ مریدین جمع ہوتا اور ہر ایک آپ کی توجہ سے علوِ مدارج حاصل کرتا۔
>
> ہمیشہ تمام رات آپ شب بیداری فرماتے تھے۔ شاید کہ گھڑی دو گھڑی بمقتضائے بشریت غفلت آجاتی ہو۔ سو وہ بھی جانماز پر۔ برسوں آپ

> نے چار پائی پر استراحت نہیں فرمائی۔ اگر نیند کا بہت غلبہ ہوا۔ یونہی اللہ اللہ کرتے پڑے رہے۔ آپ کی خانقاہ میں عجب عالم ہوتا تھا۔ بوریہ کا فرش رہتا تھا اور اسی کے سرے پر ایک مصلّٰی، کبھی بوریا کا اور کبھی اور کِسی چیز کا پڑا رہتا تھا اور وہیں ایک تکیہ چمڑے کا رکھا رہتا۔ آپ دِن رات اسی مصلّے پر بیٹھے رہتے اور عبادتِ معبود کیا کرتے اور سب طالبین گِرداگرد آپ کے حلقہ باندھے بیٹھے رہتے۔ حق یہ ہے کہ ایسا برشتہ جان شیخ دیکھنے میں نہیں آیا اور میں تو اِس بات پر عاشق ہوں کہ باوجود اتنی آزادی اور خود رفتگی کے سرِ مُو احکامِ شریعت سے تجاوز نہ تھا اور جو کام تھا، وہ بہ اتباعِ سنّت تھا۔ لقمہ مشتبہ سے نہایت پرہیز کرتے اور مالِ مشتبہ ہرگز نہ لیتے۔ جو شخص خلافِ شرع اور سنّت ہوتا اس سے نہایت خفا ہوتے اور اپنے پاس اُس کا آنا گوارا نہ کرتے۔[۱۴]

کاش! موجودہ گدّی نشین حضرات، جو آج مسندِ رُشد و ہدایت پر فائز ہیں۔ وہ غور کر سکیں کہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے معمولات سے اُن کے اپنے معمولات کوئی مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟..... کیا ان کے اوقات بھی اِسی طرح منضبط ہیں؟ کیا تلاوتِ قرآن مجید کا وہ خود ایسا روزانہ اہتمام کرتے ہیں؟..... کیا حدیث و تفسیر کی تدریس ان کے روزانہ مشاغل میں شامل ہے؟..... کیا عشقِ رسول ان کے رگ و پے میں اسی طرح سمایا ہوا ہے؟..... کیا وہ بھی ظاہری اور باطنی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں؟ کیا وہ بھی صرف اتنا ہی کھاتے ہیں کہ طاقتِ عبادت آئے اور زندگی قائم رہے؟..... شبِ بیداری کا وہ کس حد تک روزانہ اہتمام کرتے ہیں؟..... دنیاوی آرام و راحت سے وہ کس درجہ کنارا کش ہیں؟..... ان کی اپنی زندگی میں سادگی کا کس حد تک اہتمام ہے؟..... اِتّباعِ سنّت کا وہ کس درجہ اہتمام فرماتے ہیں؟..... لقمہ مشتبہ کھانے سے وہ کس درجہ گریز کرتے ہیں؟..... جو کچھ نذرانوں کی صورت میں وصول کرتے ہیں وہ اپنی ذات کے لیے وصول کرتے ہیں یا مخلوقِ خدا کی خدمت اور اعلائے کلمتہ الحق کے لئے؟..... کتاب و سنّت کی خلاف ورزی کرنے والوں سے ان کا تعلق کیسا ہوتا ہے؟..... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو وہ کس حد تک ادا کرنے کا اہتمام فرماتے رہتے ہیں؟

رشدوہدایت کی گدّیوں پر براجمان ہونے والے اگر حقیقت میں رشدوہدایت کے متوالے بن جائیں تو ملک وملّت کی فضاؤں میں ایک نورانی انقلاب آجائے ....کشتِ ایمان سرسبز ہوجائے.....رحمت کے دروازے چوپٹ کھل جائیں.....جہنم کے دروازے بند ہوجائیں.....شیاطین منہ چھپانے لگیں.....قوم کے بھلے دن آنے لگیں.....ترقی وکامرانی پھر ملّتِ اسلامیہ کا مقدر ہوکر رہ جائے .....شعائرِ اسلام کی حُرمت ہونے لگے.....غیر شرعی اُمور کے ارتکاب کی علی الاعلان کِسی کو جرأت نہ ہو.....گمراہوں اور بدمذہبوں کا دیوالہ نکل جائے.....غیراسلامی نظریات کو اسلامی مملکت میں پھلنے پُھولنے کا کوئی موقع میسّر آہی نہ سکے.....کیا اِن حضرات نے صُورتِ حال کا مطالعہ کرکے یہ جرأت مندانہ اعلان کیا ہے:۔ ؎

اگر چہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حُکمِ اذاں' لَا اِلٰـــــہَ اِلَّا اللہ

شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ اَلفَقرُ فَخرِی کا منہ بولتا ثبوت اور صبر وقناعت کا پیکر تھے۔ آپ کے خانقاہی نظام کے بارے میں سرسیّد احمد خان صاحب نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:۔

> سُبحان اللہ! کیا آزادی تھی کہ مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ! کیا اطاعتِ سنّت تھی کہ سرِ مُو بھی فرق نہ تھا۔ توکل تو اس درجہ پر تھا کہ کبھی کِسی طرح کا خیال دِل میں نہ آتا۔ اَمراء اور بادشاہ دِل میں آرزو رکھتے تھے کہ ہم خانقاہ کے فقراء کے لئے کچھ وظیفہ مقرّر کریں' ہرگز آپ منظور نہ فرماتے۔ ایک دفعہ نواب امیرالدّولہ' امیر محمد خاں والیِ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرّرِ وظیفہ کی' اُس کے جواب میں آپ نے صِرف یہ شعر لکھ بھیجا:۔
>
> ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
> بامیر خاں بگوی کہ روزی مقررست[۱۵]

خانقاہ میں رہنے والے فقرائے طالبین وسالکین اور خود شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بود وباش، خورد ونوش وغیرہ میں یکسانیّت کا ذِکر کرتے ہوئے سر سیّد احمد خان صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:۔

> حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو سے کم فقیر نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمّہ تھا اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبّہ مقرّر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب الغیب سے سب کام چلاتا تھا۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اِس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ جو اس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ اور تحفہ آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقراء پر صرف کرتے اور جیسا گزی گاڑھا موٹا تمام فقیروں کو میسّر ہوتا ویسا ہی آپ بھی پہنتے اور جو کھانا سب کو میسّر ہوتا وہی آپ کھاتے بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کرسکے۔ [۱۶]

کیا ہمارے موجودہ پیرانِ عظام کے پاس جو نذرانے آتے ہیں اور جن ذرائع سے بھی اُنہیں آمدنی ہوتی ہے وہ طالبین ہی کے لئے وقف ہوتی ہے؟..... کیا یہ حضرات بھی اَلْفَقْرُ فَخْرِی کو اپنا سرمایۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں؟..... کیا اِن کی بُو دوباش اور خورونوش کے اہتمام میں فقیری کی بُو موجود ہوتی ہے؟..... کیا یہ حضرات بھی ویسا ہی کھاتے اور پہنتے ہیں جو فقراَ کو میسّر آتا ہے؟..... کہیں دنیائے جیفہ کے مال ومتاع پر تو اِن حضرات کی نظر نہیں ہوتی؟..... یہ حضرات بھی طالبین کے تزکیہ نفس اور اُن کے دِلوں کی صفائی کرنے میں ہی مشغول رہتے ہیں یا مریدوں کے دلوں کو صاف کرنے کے بجائے محض ان کی جیبیں صاف کرنے پر ہی نظر مرکوز رہتی ہے؟ اِن حضرات کے مریدین ومتوسلین کو اپنے بزرگوں سے کہیں یہ شکایت تو نہیں ہوتی۔

ہم کو تو میسّر نہیں مِٹّی کا دِیا بھی!
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی مرجعیت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف متحدہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے آ کر طالبین وسالکین نے انہیں گھیرے میں لیا ہوا تھا اور اِس شمع ولائت پر پروانہ وار نثار رہتے تھے بلکہ بیرونی ممالک کے کتنے ہی حضرات اپنی روحانی پیاس بجھانے اور اپنی روحانی وعرفانی کھیتی کو اِس بحرِ رواں

کی طغیانیوں سے سیراب کر کے سرسبز وشاداب بنانے کی خاطر عازمِ دہلی ہوتے اور خانقاہِ مظہریہ میں آ کر آپ کے قدموں میں پڑے رہتے۔ فقرائے خانقاہ کی خدمت گزاری کو سرمایۂ افتخار سمجھتے اور شب وروز علم وعرفان کے انمول موتی اور رشد وہدایت کے لعل وگہر جمع کرنے میں مصروف رہتے، جو یہ مردِ حق آگاہ ہر وقت لٹاتا رہتا تھا..... خلقِ خدا پروانہ وار دنیا کے ہر گوشے سے آپ کی جانب اِس طرح دوڑ رہی تھی جس طرح پیاسا کنوئیں کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ملفوظات کے مرتب یعنی حضرت رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مشاہدہ یوں قلمبند فرمایا ہے:۔

> مجمع معتقدانِ با اخلاص ومخلصانِ با اختصاص بیشمار ست کہ مردمان از سمر قند وبخارا وغزنی وتاشقند (تاشقند) وحصار وقندھار وکابل وپیشوا (پشاور) وملتان وکشمیر ولاہور وسرہند وامروہہ وسنبھل وبریلی ورامپور ولکھنو وجائس وبہرائچ وگورکھپور وعظیم آباد و ڈھاکہ وبنگالہ وحیدر آباد پونا وغیرہا بطلب حق...... جلّ وعلا اوطانِ خود گذاشتہ آمدہ بودند[۱۷]۔
>
> خالصِ اعتقاد رکھنے والے خاص مخلص لوگوں کا بیشمار مجمع ہے یعنی لوگ سمر قند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، بریلی، رامپور، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونا وغیرھا دیار وامصار سے لوگ حق جلّ وعلا کی طلب میں اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر (آپ کی خدمت میں) آئے ہوئے ہیں۔

سر سیّد احمد خاں صاحب نے آپ کی مرجعیّت کے بارے میں اپنا مشاہدہ یوں قلمبند کیا ہے:۔

> آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہاں میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے ان کی بیعت اختیار کی۔ میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مِصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدماتِ خانقاہ کو سعادتِ ابدی سمجھے

اور قریب قریب کے شہروں کے مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دَل کی طرح امنڈتے تھے۔ ۱۸

اس سلسلے میں خود حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ نے یُوں فرمایا ہے:۔

> باطرافِ بعیدہ فیض ما رسیدا ست در حضرت مکّہ معظّمہ حلقہ ما می نشیند و در حضرت مدینہ منوّرہ حلقہٗ ما می نشیند و در بغداد شریف و در روم و در مغرب حلقہٗ ما می نشیند و بطریق مطایبہ فرمودند بخارا خود خانہ پدرِ ما است۔ ۱۹
>
> دُور دراز ممالک تک ہمارا فیض پہنچ گیا ہے مکّہ معظّمہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اور مدینہ منوّرہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اِسی طرح بغداد، روم اور مغرب (مغربی ممالک) میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اور مزاحیہ انداز میں فرمایا کہ بخارا تو ہمارا آبائی گھر ہے۔

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا فیض یُوں تو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا اور آپ کے سبب سِلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو بہت فروغ ہوا لیکن اِس فیض کو پھیلانے میں مولانا خالِد رومی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) کی مساعیٔ جمیلہ کو بڑا دخل ہے۔ موصوف کا شمار آپ کے نامور خلفاء میں ہوتا ہے اور وہ علمِ وعرفان کے مجمع البحرین یا جامع جمیع کمالات علمیہ وروحانیہ تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) نے ملفوظاتِ چہل روزہ میں لکھا ہے کہ ایک روز شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا....

> بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی قسمت تھی کہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جیسا مرید میسر آیا اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی قِسمت تھی کہ انہیں شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ جیسا مرید مل گیا لیکن یہ میری قسمت ہے کہ مجھے حضرت مولانا خالِد رومی رحمتہ اللہ علیہ جیسا مرید میسّر آیا ہے۔ ۲۰

حضرت مولانا خالد رومی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے اس عظیم الشان کارنامے کا خود بھی بخوبی احساس تھا چنانچہ انہوں نے شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے جانشین یعنی شاہ ابو سعید مجددی دہلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے نام ایک خط میں اس خوش بختی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی نشرواشاعت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مولانا نور بخش توکّلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے اُس خط سے ایک اقتباس کا ترجمہ یُوں پیش کیا ہے:۔

> غریب ومہجور خالد کردی شہروزی عرض کرتا ہے کہ یک قلم تمام مملکت روم وعربستان اور دیارِ حجاز وعراق اور عجم کے بعض ملک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجددیہ کے جذبات وتاثرات سے سرشار ہے اور حضرت امامِ ربّانی مجدد الفِ ثانی قدس سرّہ السامی کا ذکر اور ان کے محامد رات دِن محفلوں اور مجلسوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں ادنیٰ واعلیٰ کے اس طرح زبان زد ہیں کہ کبھی کسی قرن اور کسی اقلیم میں گمان نہیں کہ گویا زمانہ نے اِس زمزمہ کی نظیر سنی یا دیکھی ہو اور گردش کرنے والے آسمان نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔ [۲۱]

میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۱۹۵ھ) کی طرح شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی خانقاہِ مظہریہ کو رُشد وہدایت کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ اگر عِلمی لحاظ سے شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت پوری دنیا میں اہلِ عِلم کے مرجع تھے تو سلوک وتصوّف سے دِلچسپی رکھنے والوں کی منزلِ مقصود شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی تھے۔ آپ نے خانقاہِ مظہریہ سے فیض کا ایسا دریا بہایا۔ جس نے ایک دنیا کو سیراب کر کے رکھ دیا۔ رُشد وہدایت کے وہ گہرہائے آبدار بکھیرے کہ مخلوقِ خدا کو مالا مال کر دیا۔ قلوب ونفوس کو دنیا کی آلائشوں سے پاک کر کے انہیں خالق کی محبت اور نورِ معرفت سے لبریز کر دیا۔ غرضیکہ آپ عمر بھر عِلم وعرفان کی عِطر بیزی وعِطر ریزی ہی کرتے رہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی خطرے میں نہ لائے۔ اُمرا وحکّام اور بادشاہِ وقت تک کو تلقین کرتے کہ خوفِ خدا وخطرۂ روزِ جزاء ملحوظ خاطر رہے کسی غلط کام کو دیکھتے تو منع کرنے میں بادشاہ کی پرواہ بھی نہ کرتے اور **افضل الجهاد عِندَ سُلطَانٍ جَائِرٍ** پر عمل کرتے۔

آخر **کُلّ نَفسٍ ذائقة المَوت** کے تحت آپ کو بھی اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب

رختِ سفر باندھنا پڑا۔ شاہ ابوسعید مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا کیونکہ معلوم ہو رہا تھا کہ عمرِ رواں کو توسن اپنے سفر کی چوراسی منزلیں طے کرنے کے بعد پوری طرح تھک چکا ہے اور رحمتِ خداوندی کے سائے میں آرام کرنا چاہتا ہے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ۲۲ر صفر المظفر ۱۲۴۰ھ کو اِس مردِ حق آگاہ نے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

؎ کیا تیزیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی
جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی باقیاتِ صالحات میں، آپ کے خلفائے عظام اور تصانیف عالیہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہُ العزیز اور ان کے خلفاء کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی جو خدمت قسامِ ازل نے شاہ غلام علی اور ان کے خلفاء کے نام لکھی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ کے تمام خلفاء کا ذِکر کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن چند مشہور ہستیوں کے اسمائے گرامی پیشِ خدمت ہیں:۔

۱...... حضرت شاہ ابوسعید مجددی رامپوری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء)
۲...... حضرت شاہ احمد سعید مجدّدی رحمتہ اللہ علیہ (۲ر ربیع الاول ۱۲۷۷ھ)
۳...... حضرت مولانا خالد کردی رومی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء)
۴...... حضرت مولانا سیّد اسمٰعیل مدنی رحمتہ اللہ علیہ
۵...... حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی (المتوفی ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء)
۶...... حضرت مولانا غلام محی الدّین قصوری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء)

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے فیض کا دریا ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ ہر وقت آپ علم و عرفان کے دریا بہاتے رہتے تھے اِس لئے طالبین و سالکین کا ہمہ وقت آپ کے پاس جمگھٹا رہتا تھا۔ ایک دنیا آپ کی جانب اُمڈ پڑی تھی۔ لوگ شبانہ روز یوں کشاں کشاں آپ کی جانب لپک رہے تھے جیسے پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ آپ رُشد و ہدایت کے موتی بکھیرتے رہتے اور آنے والے حسبِ استطاعت اپنی اپنی جھولیاں بھرنے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے بعض ملفوظات بھی جمع کیے گئے جو دستیاب ہیں۔ جہاں آپ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اسی طرح صاحبِ قلم بھی تھے۔ آپ کی بعض

تصانیف اور ملفوظات کے مجموعے حسبِ ذیل ہیں:۔

۱......مقاماتِ مظہری: اِس میں اپنے پیرومرشد میرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے حالات وکمالات لکھے ہیں۔ پروفیسر اقبال احمد مجدّدی سلمہٗ کا غالب گمان ہے کہ یہ ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء میں لکھی گئی تھی۔

۲......ایضاح الطّریقت:۔ یہ رسالہ ۱۲۱۲ھ کی تصنیف اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اصول، افکار، اور اصطلاحات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۳......احوالِ بزرگاں:۔ ۱۲۲۵ھ کے بعد یہ رسالہ لکھا جس میں بعض اولیائے کبار کے مختصر حالات ہیں۔

۴......مقاماتِ مجددالف ثانی:۔ یہ رسالہ حضرت مجددالفِ ثانی قدسِ سرہ کے حالات وکمالات پر مشتمل اور بڑی افادیت کا حامل ہے۔ مختلف حضرات کے پاس اس کے قلمی نسخے تو موجود ہیں، جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے۔ کاش یہ ایمان افروز مجموعہ طبع ہوکر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوجائے۔

۵......طریق بیعت واذکار:۔ یہ مختصر رسالہ رسائل سبع سیارہ میں شامل ہے۔

۶......طریقہ شریفہ شاہ نقشبند:۔ یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سیارہ میں شامل اور مجموعہ مکاتیب شریفہ میں موجود ہے۔

۷......احوال شاہ نقشبند:۔ یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سبع سیارہ اور مجموعہ مکاتیبِ شریفہ میں شامل ہے۔

۸......رسالہ اذکار:۔ یہ چھوٹا سا رسالہ بھی رسائل سبعہ سیّارہ میں موجود ہے۔

۹......رسالہ مراقبات:۔ یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سبع سیارہ اور مکاتیب شریفہ میں شامل ہے۔

۱۰......ردِّ اعتراضات: شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی بعض کشفی باتوں سے اختلاف ہوا اور وہ اعتراضات کر بیٹھے جن سے بعد میں انہوں نے رجوع بھی کرلیا تھا جیسا کہ اللہ والوں کی شان ہے۔ بعض لوگ شیخ محقق کے ان اعتراضات کی آڑ میں اپنی طبیعت کی کجی کے باعث مجدّد اعظم قدس سرہ، کو مطعون کرتے تھے۔ اِس لیے آپ نے حضرت شیخ محقق علیہ الرّحمتہ کے اعتراضات کا علمی جواب لکھا۔ یہ تحقیقی رسالہ بھی سبعہ سیارہ میں شامل اور اپنی شان میں سب سے نرالا ہے۔

۱۱......ردِّ مخالفین حضرتِ مجدد:۔ نفسِ مضمون نام سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ بھی رسائلِ سبعہ سیّارہ میں شامل ہے۔

۱۲......رسالہ مشغولیہ:۔ یہ مختصر رسالہ تا حال شائع نہیں ہوا ہے۔

۱۳......کمالاتِ مظہری:۔ یہ رسالہ ۱۳۳۷ھ/۱۸۲۱ء کی تصنیف ہے۔

۱۴......سلوکِ راقیہ نقشبندیہ:۔ اِس کا ایک قلمی نسخہ مدینہ منوّرہ میں بتایا جاتا ہے۔

۱۵......مکاتیبِ شریفہ:۔ یہ آپ کے ایک سو چھبیس مکتوبات کا مجموعہ ہے جنہیں آپ کے جلیل القدر خلیفہ یعنی حضرت شاہ رؤف احمد مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ ۱۳۳۴ھ میں مدراس سے ۱۳۷۱ھ میں لاہور سے اور ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں استانبول (ترکی) سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۶......دُرالمعارف:۔ یہ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جنہیں حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۲۳۱ھ میں قلمبند کیا تھا۔ آخر میں بعض ملفوظات ایسے بھی شامل کیے گئے ہیں جو بعد میں سنے گئے تھے۔ یہ مجموعہ صاحبِ ملفوظات اور مرتّب کے فضل و کمال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ مبارک مجموعہ مختلف مقامات سے شائع ہوتا رہا ہے اور ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء میں استانبول (ترکی) سے بھی شائع ہوا ہے جو محبوب المطابع دہلی کے مطبوعہ نسخے کا عکس ہے۔

۱۷......ملفوظاتِ طیبہ:۔ یہ چہل روزہ ملفوظات ہیں جنہیں آپ کے خلیفہ' مولانا غلام محی الدین قصوری رحمتہ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا اور یہ مجموعہ اُردو ترجمے کے ساتھ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

غرضیکہ شاہ غلام علی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ نے رُشد و ہدایت کی جو شمع روشن کی تھی وہ ان شاءاللہ تعالیٰ قیامت تک روشن رہے گی اور بندگانِ خدا ہمیشہ اس روشنی سے مستفید و مستفیض ہوتے رہیں گے۔ خلفاء اور تصانیف کے لحاظ سے اس مردِ حق آگاہ کا فیض آج کے دِن تک پوری آب و تاب سے جاری و ساری ہے۔ اِس شمعِ ہدایت سے اکتسابِ فیض کرنے والوں کی آج بھی کمی نہیں ہے۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

☆......☆......☆

حواشی

۱...... رؤف احمد رافت، شیخ: درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء، ص۔ ۳۵

۲...... حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سال ولادت ۱۱۵۸ھ لکھا ہے ۔ (ضمیمہ مقامات مظہری، ص۔ ۱۴۰) اور اسی لیے ولادت کا مادۂ تاریخ مظہرِ جود (۱۱۵۸ھ) لکھا ہے لیکن اس ضمیمہ کو صفحہ ۱۳۹ پر جس جواہر علویہ کی تلخیص بتایا ہے اس کے مصنف حضرت رؤف احمد مجددی علیہ الرحمۃ نے درالمعارف کے صفحہ ۱۵۴ پر آپ کی ولادت کا سال ۱۱۵۶ھ ہی لکھا ہے

۳...... سرسیّد احمد خاں: آثارالصنادید، طبع چہارم دہلی، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء، ص۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳

۴...... (ا) رحمان علی: تذکرہ علماء ہند (مترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء، ص۔ ۳۶۴

(ب) سرسیّد احمد خان: آثارالصنادید، طبع چہارم، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۳

۵...... رؤف احمد مجددی، الشیخ: درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ص۔ ۹۷

۶...... اقبال احمد مجددی، پروفیسر: مقدمہ ملفوظات شریفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، ص۔ ۱۵

۷...... سرسیّد احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۳

۸...... رؤف احمد مجددی، شیخ: درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ص۔ ۹

۹...... سرسید احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۴

۱۰...... سرسید احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۷

۱۱...... ایضاً، ص۔ ۴۶۸

۱۲...... رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند، اردو ترجمہ، ص۔ ۳۶۴

۱۳...... اقبال احمد مجددی، پروفیسر: مقدمہ ملفوظات شریفہ، ص۔ ۱۷

۱۴...... سرسیّد احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵، ص۔ ۴۶۵۔ ۴۶۷

۱۵...... (ا) سرسید احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۴

(ب) محمد ایوب قادری، پروفیسر: (اردو ترجمہ) تذکرہ علماءِ ہند مطبوعہ کراچی، ص۔ ۳۶۵

۱۶...... سرسیّد احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۴۶۵

۱۷...... رؤف احمد مجددی، شیخ: درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ص۔ ۶۵

۱۸...... سرسیّد احمد خاں: آثارالصنادید، مطبوعہ دہلی، ص۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵

۱۹...... غلام محی الدین قصوری، شیخ: ملفوظات شریفہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، ص۔ ۱۶۲

۲۰...... ایضاً

۲۱...... نور بخش توکلی، مولانا: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

منتخب ملفوظات

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی

مرتبہ
حضرت شاہ رؤف احمد مجددی، خلیفۂ شاہ غلام علی دہلوی

☆

۱...... ۱۳ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ، بُدھ

فقیر حضور فیض گنجور کی محفل میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں آپ زبان عنبر افشاں سے سورہ الکٰفرون کی تفسیر بیان فرما رہے تھے کہ بات ناسخ و منسوخ کے بارے میں چل نکلی کہ مشرکین تقدیر کے پلٹنے اور اوامر کے بدلنے کی نسبت اللہ جلّ شانہٗ کی جانب کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ بنی آدم مریض کی طرح، انبیائے کرام عطّار کے مانند اور آسمانی کتابیں نسخے ہیں۔ پس ہر زمانے میں موسم اور مزاج کی رعایت سے طبیب نسخہ تجویز کرتا ہے کیونکہ معالج کی غرض بیمار کی تندرستی سے ہے۔ پس حق تعالیٰ ہر زمانے میں انسانوں کی ہدایت کا نسخہ اولوالعزم پیغمبروں کے ذریعے بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے پیغمبر علیہ من الصّلوٰۃ ومن التسلیمات اکملہا جلوہ آرائے گیتی ہوے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ہر وقت کے مناسب احکام نازل ہوے۔

اِس کے بعد امامِ ربّانی حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ذِکر شروع ہوگیا آپ نے فرمایا کہ حضرت مجدد قدس سرّہٗ کی کیا تعریف کی جائے کہ اِن کا تنہا وجود ہزار سالہ اولیاء اللہ کے بالمقابل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ خواجہ خواجگان، پیر پیراں، فانی فی اللہ خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1] نے فرمایا ہے کہ:

شیخ احمد آفتابیست کہ مِثل ما ہزاراں ستارگاں در سایہ جنت ایشاں گم اند[2]
شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہمارے جیسے ہزاروں ستارے اُن کے سایے کی جنت میں گم ہیں

اور شیخ احمد کے معارف انبیائے کرام کے معارف کی طرح قابلِ مطالعہ ہیں۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ [2] نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غور وفکر کر رہا تھا کہ اچانک وہ آیتِ مبارکہ میرے دِل میں وارد ہوئی جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ التحیات والتسلیمات کے شک کو دور کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پس مرشدِ گرامی نے فرمایا کہ اِس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معتقد ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہے اور جو آپ کا منکر ہے وہ فرعون کا پیروکار ہے۔ نعوذ باللہ منہا.... اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ میاں شیخ احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے بارے میں میرے دِل کی حالت بدل گئی ہے، میرے دِل میں اب کوئی بشری پردہ نہیں رہا بلکہ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایسے بزرگوں سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے..... لفظ غِشاوَہ سے معلوم ہوا کہ شیخ محقق علیہ الرحمۃ کے اعتراضات حقیقت پر مبنی نہیں تھے بلکہ از راہِ بشریت ونفسانیت تھے۔ یہ نکتہ شیخ محقق کے تمام اعتراضات کا جواب ہے۔

اِسی دوران میں خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ [3] اور عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ [4] کا ذِکر آ گیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:۔

اولادِ شیخ احمد پارہ ہائے جواہر اند
شیخ احمد سرہندی کی اولاد جواہر پارے ہیں۔

اِس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات آخر تک حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ [5] نے لکھا ہے کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کارِ تجدید میں شریک ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تجدید میں شرکت کا ہمارے بغیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہٗ نے اِن کے بارے میں فرمایا ہے کہ میرا اور تمہارا معاملہ صاحبِ شرحِ وقایہ کی طرح ہے جیسا کہ معاملہ ان کا اپنے جدِ امجد کے ساتھ تھا۔ یعنی جب ان کے دادا جان وقایہ تحریر فرماتے تو صاحبِ شرحِ وقایہ اُسے حفظ کر لیتے۔ اسی طرح جو معارف مجھ پر مکشوف ہوئے وہ تم نے حاصل کر لیے ہیں:۔

تو یک نکتہ زیں لوح نگذاشتی
ہر آنچہ نہادم تو بر داشتی[۶]

اس کے بعد مجلس شریف میں اتفاقاً میر غیاث الدّین کا ذِکر آ گیا جو حاجی غلام معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء سے تھے۔ مرشدِ برحق نے زبانِ فصاحت سے فرمایا کہ وہ صاحبِ ذوق وشوق تھے اور میر غیاث الدّین کا یہ شعر پڑھا:۔

قوسِ ابرو بنما ترکشِ مژگاں بکشا
ناوک بر جگرِ زاہدِ شکّاک انداز[۷]

۲......۲۴/رجب المرجب ۱۲۳۱ھ، جُمعۃ المبارک

یہ غلام اس قبلہ انام کے حضور حاضر ہوُا۔ مرشدِ برحق نے اِرشاد فرمایا کہ ایک روز حلقہ میں بیٹھے ہوے میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پُر انوار سے ایک نوری چادر ظاہر ہوئی اور اس نے آ کر تمام حلقہ کو اپنے احاطے میں لے لیا۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز عالم مشاہدہ میں دیکھا کہ دو مزار برابر واقع ہیں۔ اُن میں سے ایک مرقدِ منوّر تو حضرت نظام الدّین اولیاء کی ہے اور دوسری قبرِ مطہر حضرت مرشدی ومولائی شہید عطر اللہ ارواحہما کی۔ پس ایک پیراہن میرے سامنے آیا اور میں نے سمجھا کہ یہ حضرت نظام الدّین اولیاء قدس سرہ کی عنایت ہے اور مُجھ سے پوچھا گیا کہ تمہارا پیر نظام الدّین ہے میں نے جواب دیا۔ کہ میرے پیر ومرشد حضرت میرزا مظہر ہیں۔ پھر کہا گیا کہ کیا تمہارا پیر نظام الدّین ہے؟ مَیں نے جواباً کہا کہ میرزا مظہر۔ تیسری مرتبہ کہا کہ تمہارے پیرِ صُحبت خواجہ نظام الدین ہیں۔ میں خاموش ہوگیا۔ اگر میں ان کے پیر ہونے کا اقرار کرلیتا تو وہ پوشاک مجھے پہنادی جاتی۔

اِس کے بعد اسی اثنا میں ایک مغربی آدمی حاضرِ بارگاہ ہوُا جس نے آپ کے اسمِ مبارک کی شہرت سُن کر اتنی منزلیں طے کیں اور دشوار گزار مراحل سے گزرا تھا۔ اُس نے بغداد شریف میں مولانا خالد رومی سلّمہُ اللہ تعالیٰ۔ (یہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے) سے بھی ملاقات کی تھی اور اس کے بعد آپ کی خِدمت میں حاضر ہوُا تھا۔ ان ممالک میں مولانا کے ارشاد وہدایت کا

شہرہ یوں بیان کیا کہ:۔

> قریب صد ہزار مرداں حلقہ ارادت بگردنِ اخلاص نہادہ اندو دستِ بیعت بدامنِ مولانا زدہ اندو یک ہزار عالم تبحر داخل طریقہ شدہ دستِ بستہ پیشِ مولٰینا ایستادہ اند۔
>
> تقریباً ایک لاکھ افراد نے ارادت کا حلقہ اپنے اخلاص کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور دست بیعت مولانا کے دامن سے وابستہ کیا ہوا ہے اور ایک تبحر ہزار عالم اُن کے طریقہ میں داخل ہو چکے ہیں جو مولانا کے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ سن کر فرمایا کہ اس خوش خبری سے میرا دِل مچھر کے پَر برابر بھی مسرور نہیں ہُوا۔ آخر فخر کس بات پر جبکہ افتخار پر مسرّت مقدم ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ عباد الرحمٰن اِس دَور میں بہت مل جاتے ہیں لیکن عباد اللہ بہت ہی قلیل ہیں کہ اُن کی عبادت و بندگی خالص ذاتِ خدا کے لیے ہے نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ انہیں روزی دیتا ہے۔ پالتا ہے اور اپنی انواع واقسام کی عنایات سے مشرف فرمایا ہے اور فرقۂ اُولیٰ (عباد الرحمٰن) کے خلاف کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی صفاتِ کاملہ کے باعث کرتے ہیں۔ ان دونوں قِسم کے نظریات میں بڑا فرق ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں عبداللہ (گروہِ عباد اللہ سے) ہوں لیکن آج کل کچھ عرصے سے میرے اندر عبداللہیّت ظہور کر رہی ہے۔

۳...... ۲۵ رجبُ المرجب ۱۲۳۱ھ، ہفتہ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہُوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی قدس سرّہٗ نے لکھا ہے کہ دنیا کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گمراہی پر نہیں ہے۔ ہر ایک راہِ ہدایت پر گامزن اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے اور وہ اپنے اس قول پر اِس آیۃ کریمہ سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [٨]۔ اور اسی مضمون کو مولانا رُوم نے یوں بیان کیا ہے:۔

پس بدی مطلق نباشد در جہاں   بد بہ نسبت باشد ایں راہم بداں [٩]

اور حافظ شیرازی یوں فرماتے ہیں:۔

پیر ما گفت خطا در قلم صنع نرفت
آفریں بر نظرِ پاک خطا پوشش باد[۱۰]

اِس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ مجھ پر اور میرے پیروں پر جو مکشوف ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔

۴......۲۶ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ، اتوار

فدوی اس محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے چند عنایت نامے (خطوط) تحریر فرمائے۔ اُن میں سے ایک مولانا خالد رُومی سلمہُ اللہ تعالیٰ کے نام اور دوسرا مرزا رحیم اللہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے لئے رقم فرمایا گیا تھا۔ پہلے نامۂ فیض شامہ کا مضمون یہ ہے کہ:

> تمہارے ارشاد و ہدایت کا حال سُن کر دل کو مسرّت حاصل ہوئی۔ چاہیے کہ اتنے طالبین کے آنے اور اپنے گرد لوگوں کے جمِّ غفیر سے غرور پیدا نہ ہو جائے بلکہ عاجزی و نیستی کو ہر لحظہ اور ہر لمحہ ملحوظ رکھو اور خلقِ خدا کے اِس درجہ رجوع اور کثرتِ ارشاد کو اپنے پیرانِ کبار کی امداد و توجہ کا کرشمہ شمار کرو اور ہر دم اور ہر ساعت اپنے پیرانِ عظام کی جانب متوجہ رہو اور اُن حضرات کی نظرِ عنایت کے امیدوار رہو، والسلام۔

اور دوسرا مکتوبِ گرامی جو مرزا رحیم اللہ سلمہُ اللہ تعالیٰ کے نام ارقام فرمایا تھا، اس کا مضمون یہ ہے کہ:

> ضروری ہے کہ جو بھی طالب حاضرِ خدمت ہو اور تمہاری جانب رجوع کرے اسے تلقین کرنی چاہیے اور ہدایت و ارشاد میں تخصیص نہیں ہونی چاہیے۔ ہر طالب کو دوست رکھو خواہ وہ ہوشیار ہو یا مست، والسّلام۔

۵......۲۵ شعبانُ المعظّم ۱۲۳۱ھ، اتوار

محفلِ فیضِ منزل میں حاضر ہُوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت خواجۂ خواجگان، پیرِ پیران، خواجہ بہاء الدّین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے وصیّت فرمائی تھی۔ کہ میرے جنازے کے ساتھ چلنے والے قرآنِ کریم اور دُرود پاک نہ پڑھیں، اُن کی بے ادبی نہ ہو۔ ہاں یہ شعر ضرور پڑھیں:۔

مفلسانیم آمدہ در کوئی تو   شیٔ للہ از جمالِ روئی تو

دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوئی تو

اِس کے بعد آپ کے حضور ذکرِ خفی کی بات چل نکلی۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جب دِل کی جانب توجہ کی جاتی ہے تو وہ ذاکر ہو جاتا ہے اور انتظار پیدا ہو جاتا ہے اِس کے بعد لطیفہ رُوح کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اس میں بھی ذِکر جاری ہو کر توجہ الیٰ اللہ پیدا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ عالمِ امر کے جملہ لطائف میں سے ہر لطیفہ میں یہی حاصل ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ انتظار و توجہ ہے۔ اس کے بعد انتظار کم ہو جاتا ہے اور توجہ کمزور اور مُردہ سی ہو جاتی ہے۔ اِس کا مطلب انتظار و توجہ کا رخصت ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس وقت اِن کا ادراک نہیں ہوتا، بایں وجہ اس حالت کو ذکرِ خفی یا دحقیقی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اِس کے بعد لطیفہ نفس، عناصرِ ثلاثہ، پھر عنصرِ خاک، اِن کے بعد ہیئتِ وحدانی میں اِسی طرح ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہے مرحمت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

٦......٢٦/شعبانُ المعظّم ١٢٣١ھ، پیر

حضور کی مجلسِ عالی میں حاضر ہُوا۔ مُرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ:

> معارفیکہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ را مکشوف شدہ اند، سہ قسم اند، یک قِسم از کسے نفرمودہ اند، و در سلکِ قسم از تحریر و تقریر منتظم نہ نمودہ اند و یک قسم خاص با اولا دامجادِ خود بیان ساختہ اند و یک قسم علی العموم بیاران و متوسلانِ خود ارشاد کردہ و ہم تحریر و تسطیر نمودہ اند چنانچہ سہ جلد مکاتیب شریف و ہفت رسائل مملوا ازانست۔

جو معارف حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لیے مکشوف ہوے ان کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے معارف وہ ہیں جو کسی سے بیان نہیں فرمائے اور نہ تحریر و تقریر کی لڑی میں پروئے۔ دوسرے قِسم کے معارف وہ ہیں جو خاص اپنی اولادِ امجاد ہی سے بیان فرمائے اور تیسری قسم کے معارف اپنے دوستوں اور متوسلین سے بیان کیے اور ضبطِ تحریر میں بھی لائے چنانچہ آپ کے مکتوباتِ امام ربانی کی تینوں جلدیں اور سات

رسائل ان معارف سے بھرے پڑے ہیں۔

مرشدِ برحق نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیعت کے احوال اور حصولِ نسبت کے بارے میں فرمایا کہ سب سے پہلے یہ اپنے والدِ ماجد سے خاندان عالیشان چشتیہ میں بیعت ہوئے اور اس خاندان کی اجازت وخلافت پائی' بلکہ والدِ بزرگوار سے دوسرے طریقوں یعنی سہروردیہ' کبرویہ' قادریہ' شطاریہ اور مداریہ کی اجازت بھی حاصل کی' اس کے بعد خواجہ فانی فی اللہ' باقی باللہ' رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں پہنچے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک کو بڑے کمال کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور خلافت پائی۔

> روزی در مسجد مبارک حلقۂ صبح می نمودند کہ حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خرقہ جناب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بامرِ جدِّ بزرگوارِ خود عارف وکاشفِ اسرارِ خفی وجلی حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ آوردہ برسرِ ایشاں انداختند اِیشاں در بحرانوارِ نسبتِ قادریہ غرق شدند۔ دراں وقت بخاطرِ ایشاں گذشت کہ من خلیفہ خاندانِ نقشبندیہ ام الحال کہ نسبتِ قادریہ مرا احاطہ نمودہ است مبادیٰ کبرائی ایں طریقہ رنجیدہ شوند فی الحال مشاہدہ نمودند کہ حضرت غوث الاعظم مع حضرت شاہ کمال کیتھلی وحضرت خواجہ بہاء الدّین نقشبند مع اکابران تا بحضرت خواجہ باقی باللہ وحضرت خواجہ معین الدّین چشتی وحضرت شیخ شہابُ الدّین سہروردی وحضرت شیخ نجم الدّین کبریٰ ہمہ ہا تشریف آوردند وحضرت خواجہ می فرمودند کہ ایشاں من اند وحضرت غوث الاعظم می فرمُودند کہ ایشاں را در ایّام طفولیّت زبان خود کمال کیتھلی چشانیدہ بود، پس ایشاں از من اند۔ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی فرمودند کہ اِیشاں وآبائ ءواجدادِ ایشاں متوسل سِلسلہ من اند ہمیں نہج ہمہ بزرگواراں ارشادی کردند۔ آخر الامر ہمہ اکابران در مقبول ساختن ایشاں اتفاق نمودند وبریک از نسبت شریفہ خود سرفراز فرمود خلیفہ خو گردانید، ایشاں در مراقبہ صبح تا بوقتِ ظہر ایں احوال، مشاہدہ

نمودند وبایں، دولتِ عظمیٰ سرفراز شدہ پس دریں طریق مجددیہ نسبت ہر خاندان شریف جلوہ گرست گویا چہار دریائے بے پایاں موج خیزاند دو دریائے نسبت نقشبندیہ ویک بحر نسبت قادریہ ویک لجہ ایست کہ نِصف آں از چشتیہ ونِصف دِیگر از سُہروردیہ وکبرویہ است نِسبت نقشبندیہ غالب است بر جمیع نسبتہا، پس ازاں قادریہ باز چشتیہ، باز سُہروردیہ۔

ایک روز مسجدِ مبارک میں صُبح کے وقت حلقہ کیے ہوے تھے کہ شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کا خرقہ اپنے جدِّ امجد، واقفِ اسرارِ خفی وجلی حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کے حکم سے لاکران کے سر پر ڈال دیا. اسی وقت یہ (حضرت مجدد الفِ ثانی) نسبتِ قادریہ کے انوار کے سمندر میں غرق ہوگئے اس وقت حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کے دِل میں خیال آیا کہ مَیں تو خاندانِ نقشبندیہ کا ایک خلیفہ ہوں اور اس وقت نسبتِ قادریہ نے میرا احاطہ کیا ہوُا ہے۔ اس صورتِ حال سے کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے طریقے کے اکابر ناراض ہوجائیں۔ اُسی وقت آپ نے دیکھا کہ حضرت غوث اعظم مع شاہ کمال کیتھلی اور حضرت خواجہ بہاء الدّین نقشبند سِلسلہ نقشبندیہ کے خواجہ باقی باللہ تک اکابر کو لے کر اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ شہاب الدّین سُہروردی اور حضرت شیخ نجم الدّین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہم تمام بزرگ تشریف فرما ہوگئے۔ خواجہ بہاء الدّین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ میرے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو بچپن میں شاہ کیتھلی نے اپنی زبان چُوسنے کا موقع دیا تھا۔ پس یہ میرے ہیں حضرت خواجہ معین الدّین چشتی نے فرمایا کہ یہ اور اِن کے آباؤ اجداد میرے سلسلے میں منسلک ہیں۔ لہٰذا یہ میرے ہیں۔ غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے یہی ارشاد فرمایا۔ آخر کار ہر بزرگ انہیں اپنی بارگاہ کا

مقبول بنانے پر متفق ہو گئے، اور اپنی نسبتِ عالی سے اِنہیں سرفراز کر کے اپنا خلیفہ ٹھہرایا حضرت مجدد الفِ ثانی اس روز صبح سے ظہر تک مراقبہ میں رہ کر اِن احوال کا مشاہدہ فرماتے رہے اور اِس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ اِسی لیے سلسلہ عالیہ مجددیہ میں ہر سلسلے کی نسبت جلوہ گر ہے گویا چار بے پایاں دریا طغیانی پر آئے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے دو دریا نسبت نقشبندیہ کے ایک نسبت قادریہ کا اور ایک دریا ایسا مِلا جُلا ہے کہ اس میں نِصف نسبت چشتیہ ہے اور باقی نِصف میں نِسبت سہروردیہ وکبرویہ وغیرہ ہیں، نِسبتِ نقشبندیہ باقی تمام نِسبتوں پر غالب ہے۔ اس کے بعد قادری، پھر چشتی اور پھر سُہروردی نِسبت ہے۔

۷......۲۷ رشعبان المعظم ۱۲۳۱ھ، منگل

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اِس وقت آپ کے حضور کفرِ طریقت کا ذِکر چل پڑا۔ پس مرشدِ برحق نے فرمایا کہ کفرِ طریقت یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے۔ غیریت مٹ جائے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔ اِسی کے بارے میں شیخ منصور حلاج علیہ الرحمۃ نے یُوں فرمایا ہے:۔

كَفَرْتُ بِدِیْنِ اللهِ وَالْكُفُرُ وَاجِب"
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِح"

یہ بھی فرمایا کہ منصور حلّاج نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے طوق پہنے ہوئے پانچ سو رکعت پڑھی تھیں اور فرماتے تھے کہ نمازِ عشق کی دو رکعت ہوتی ہیں، جن کے لیے خون کے سوا اور کسی چیز سے وضو کرنا درست نہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کا علم حاصل ہوا ہے۔ ایک وہ عِلم ہے جسے میں نے دنیا والوں پر ظاہر کیا ہے اور دوسرے کو چھپا کر رکھا ہے، اگر اس علم میں سے ذرا سا بھی ظاہر کر دوں تو لوگ میری گردن اڑا دیں گے۔ اکثر صوفیہ نے اِس علمِ ثانی کو وحدت الوجود کا علم اور ہمہ اوست کے اسرار کہا ہے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس سے منافقین کے حالات مراد ہیں جو

نبی کریم ﷺ نے ان سے بیان فرمائے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ مذکورہ باتوں کے علاوہ اور ہی اسرار ہیں۔

اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ وہ توحید وجودی کے اسرار ہوں یا توحید شہودی کے یا دیگر مقامات کے بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کا حصہ تھا جو انہیں مرحمت فرمایا گیا۔ اس کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا :-

؎ جانِ من و جانانِ من   دینِ من و ایمانِ من
سُلطانِ من سُلطانِ من   چیزی بدہ درویش را

اِس کے بعد آپ کے حضور فخر العارفین حضرت نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ چشت اہلِ بہشت کہتے ہیں کہ اِن جیسا ولی اُمتِ محمدیہ میں دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو ایک خصوصیّت مرحمت فرمائی گئی تھی اور اُن میں سے ہر خصوصیّت نے اِن میں ظہور کیا تھا۔ (یعنی اس خصوصیت میں سے انہیں تھوڑا بہت حصّہ ضرور ملا تھا)۔

☆......☆......☆

حواشی

۱...... اسمِ گرامی سید رضی الدین محمد باقی عرف خواجہ باقی باللہ ہے۔ آپ کو خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں ولادت ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء کو کابل میں ہوئی۔ والد کا اسمِ گرامی قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ آپ صحیح النسب حسینی سیّد ہیں۔ خواجہ امکنکی رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت پائی۔ ۲۵ جمادی الاخرٰی ۱۰۱۲ھ کو وفات پائی۔

۲...... محرم ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوے۔ تاریخ ولادت شیخ اولیاء ہے۔

۳...... ولادت ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ کو سِلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔ علم وفضل میں یگانۂ روزگار اور اسرارِ والد کے آئینہ دار تھے۔ ۲/ جمادی الاخرٰی ۱۰۷۰ھ کو وصال ہوا۔

۴...... ولادت ۱۱ رشوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔ پیدائشی ولی تھے۔ اپنے والد محترم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جانشین ہوے۔ ۱۰۴۷ھ میں شہنشاہ اورنگ زیب (رحمتہ اللہ علیہ) آپ سے بیعت ہوا اور اگلے سال روشن آرا بیگم اور دوسرے شاہی خاندان کے افراد بھی۔ فضل وکمال میں اپنے والد محترم کا نمونہ تھے۔ آپ کے باعث دین کو بڑی تقویت پہنچی۔ ۹/ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو وصال ہوا۔

۵...... قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرّحمۃ ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ مرشدِ گرامی میرزا مظہر جانِ جاناں رحمتہ اللہ علیہ آپ کو علم الہدیٰ کہتے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جیسے بحر العلوم کی زبان سے بیہقی وقت کا لقب پایا۔ یکم رجب ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔ عربی میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی جس کا نام اپنے مرشد کے اسمِ گرامی کی مناسبت سے تفسیر مظہری رکھا۔ یہ تفسیر قابلِ اعتماد اور ایمان افروز تفاسیر سے ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ کا اہلِ سنّت وجماعت پر بڑا احسان ہے۔

۶...... تو نے اِس تختی سے ایک نکتہ بھی نہیں چھوڑا جو کچھ میں نے رکھا وہ تُو نے اُٹھالیا۔

۷...... بھنوؤں کی کمان دِکھا اور مژگاں کے ترکش کو کھول کر شک کرنے والے زاہد کے جگر پر تیراندازی کر۔

۸...... کوئی چوپایہ ایسا نہیں جس کو وہ پیشانی سے پکڑے ہوے نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

۹...... دنیا میں بدی مطلقاً نہیں ہوئی۔ بُروں سے نسبت رکھنے کے باعث لوگ بُرے ہوجاتے ہیں۔

۱۰...... ہمارے پیرومرشد نے کہا کہ قدرت کے قلم میں خطا نہیں ہے۔ اس پاک نظر پر جو خطاؤں کو چُھپاتی ہے آفرین ہے“

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا خالد نقشبندی

تحقیق: ڈاکٹر مہندخت معتمدی

ترجمہ: الحاج محمد یونس باڑی مظہری

☆☆

خاندان اور وطن...... نیرِ علم وعرفاں ابوالبہا ضیاء الدین حضرت مولانا خالد بن احمد بن حسین عثمانی میکائیلی کردی نقشبندی قدسَ سرہُ الربانی کا سلسلہ نسب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں اس نسل میں ایک ممتاز شخصیت کا ظہور ہوا جن کو پیر میکائیکل عرف شش انگشت (چھنگا) علیہ الرحمۃ کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیر میکائیکل رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ یہ گھرانہ ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ ان لوگوں کا مزاج ایسا تھا کہ گرمی کے موسم میں پہاڑوں پر رہنا پسند کرتے اور سردی کے موسم میں میدانی علاقوں میں سکونت اختیار کر لیتے۔ بعض اردگرد کے شہروں اور قصبوں میں مستقل سکونت اختیار کرتے رہے۔ یہ میکائیلی قبائل کہلاتے تھے۔ حضرت مولانا خالد نقشبندی قدس سرہٗ کا تعلق میکائیلی قبائل ایک کی شاخ سے ہے۔

وطن: حضرت مولانا خالد قدس سرہٗ کا وطن مالوف شہر ''زور'' کا نواحی قصبہ ''قرہ داغ'' ہے یہ شہر ہمدان اور اربل کے درمیان کوہستانی علاقہ میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر ضحاک کے بیٹے نے آباد کیا تھا۔ یہاں ''کرد'' قوم آباد ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ علم وادب کا گہواہ تھا۔ اس دور میں وہاں امرائے باباں حکمران تھے۔ یہ علم وادب کے بڑے قدردان تھے۔ علماء فقہا اور طالب علموں کی پرورش میں پیش پیش رہتے شعر وسخن سے بڑا لگاؤ تھا انکی فیاضانہ داد ودہش نے دور دور سے شعرا اور ادیبوں کو کھینچ لیا۔ کچھ اس مردم خیز زمین میں ہی پیدا ہوے اور اسی خاک کی عزت بن کر رخصت ہو گئے۔ ان کی طویل فہرست ہے۔ چند نام

یہ ہیں۔ سالم، محوی، بیخود، احمد مختار اربلی وغیرہ، ان حضرات کی تصنیفات فارسی، کردی، اور عربی ادب میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔

والدین و ولادت...... حضرت مولانا خالد قدس سرہٗ کی ولادت باکرامت ۱۱۹۳ھ بمطابق ۱۷۷۹ء میں ہوئی والد ماجد عالم دین اور صاحب دل تھے والدہ ماجدہ بھی میکائلی قبائل کے ایک پارسا خاندان کی نیک سیرت بی بی تھیں۔ خاندان کے بعض دوسرے لوگ بھی پڑھے لکھے تھے۔ نیک لوگوں کے سایہ میں یہ پروان چڑھتے رہے۔

تعلیم...... حضرت قدس سرہٗ کی جب پڑھنے کی عمر آئی تو قرآن مجید سے ابتدا ہوئی۔ پھر ابتدائی درسی کتابیں اپنے خاندان والوں سے پڑھیں۔ بہتر صلاحیتیں ظاہر ہونے لگیں تو آپ کے والد ماجد مولانا احمد بن حسین علیہ الرحمۃ نے مقدمات صرف ونحو اور بعض درسی کتب اور اعلیٰ تعلیم (Advance Studies) کے لئے آپ نے بڑے شہروں کا رخ کیا۔

اس زمانے کا یہی دستور تھا کہ طالب علم اپنے شوق اور رجحان کے مطابق علم حاصل کرنے کے لیے جلیل القدر علماء اور مطلوبہ شعبہ کے نامور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا خواہ اس کے لئے دور دراز سفر کرنا پڑے اپنے شعبۂ علم میں کامل دسترس کے بعد استاد تصدیق کرتے کہ یہ شاگرد اب اس قدر اپنے مضمون پر حاوی ہو گیا ہے کہ دوسروں کو درس دے سکتا ہے۔ اس سند میں وہ اپنے استاد اور ان کے استادوں کی تصدیقات کا حوالہ دیتا ہے جن کا سلسلہ صحابہ کرام تک پہنچتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ حضرت خالد قدس سرہٗ نے کئی علماءِ کاملین سے مختلف شعبوں میں پڑھا تکمیل کے مدارج طے کر کے تصدیق وتوصیف کی اسناد حاصل کیں یہ اس دور کی اعلیٰ ترین ڈگریاں مانی جاتی تھیں۔

حضرت مولانا خالد قدس سرہٗ کے بعض ہمعصر نامور دانشوروں اور علماء نے آپ کے علم وفضل بزرگی کو خوب سراہا اور آپ کے مناقب پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ مثلاً علامہ ابراہیم فصیح حیدری رحمۃ اللہ علیہ نے ''**المجد والقالد فی مناقب الشیخ خالد**'' میں اور شیخ محمد قزلجی نے ''**التعریف بمساجد السلیمانیہ و مدارسها**'' میں اور شیخ محمد خان نے اپنی کتاب ''**الشیخ معروف النودهی**'' میں انہوں نے آپ کے اساتذہ کرام کے نام بھی لکھے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ان اساتذہ تک پہنچے

جواس وقت اپنے اپنے فن میں یکتائے زمانہ تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مولانا قدس سرہ اپنے موضوع میں اس قدر ماہر، فاضل اور کامل ہیں کہ سب میں استاد کے مرتبہ کے اہل ہو گئے۔ اسی لیے حکمران بھی اپنے مدارس میں پڑھانے کے لیے ان سے درخواست کرتے اور بہترین آسائشوں کی پیش کش کرتے تھے۔

اساتذہ...... جن اساتذہ نے آپ کو سندیں دی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سید عبدالکریم برزنجی مدرس مسجد عبدالرحمٰن پاشا (سرچمن سلیمانیہ) ...... سید عبدالرحیم برادر سید عبدالکریم...... شیخ عبداللہ خرپانی...... ملا عبدالرحیم زیارتی...... ملا ابراہیم بیارہ ای...... ملا جلال الدین خورمالی...... ملا محمد غزائی...... ملا صالح ترہ ماری...... ملا محمد بالکی مشہور بہ ابن آدم...... شیخ محمد قسیم سنہ ای آخر الذکر سے ''اجتہاد'' کی اجازت حاصل ہوئی گویا مولانا خالد قدس سرہ کو تفقہ فی الدین کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کا اہل تسلیم کر لیا گیا اور مجتہد کا مرتبہ دیا گیا۔

حضرت مولانا خالد قدس سرہٗ کو ان کتابوں کو پڑھانے میں شہرت تھی ''شرح شمسی، مطول، کلام، حاشیہ جلال الدین دوّانی مختصر المنتہی، تہذیب المنطق وغیرہ جن علوم میں آپ کی فضیلت مسلم تھی وہ یہ ہیں صرف ونحو، معانی و بیان و بدیع، منطق و آداب، بحث و مناظرہ، حکمت و ہیئت، حساب و ہندسہ، عروض وقافیہ، اصولِ فقہ، اصول دین، حدیث وتفسیر وتصوف، ان علوم میں کمال کے اس مرتبے پر تھے کہ ہم عصر علماء اور دانشور کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ کردستان میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔

مولانا خالد قدس سرہٗ قطب عالم حضرت مولانا عبداللہ غلام علی قدس سرہ سے بیعت وارادت رکھتے تھے حضرت مرشد عظیم کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد شاہ عبداللطیف علیہ الرحمۃ قادریہ سلسلہ کے عظیم بزرگ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خواب میں بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک فرزند عطا فرمائے گا اس کا نام ''علی'' رکھنا ایسا ہی ہوا۔ جب فرزند صاحب علم ہو گئے تو انہیں ''علی'' پکارا جانا بے ادبی محسوس ہوئی تو آپ نے اپنا نام ''غلام علی'' تجویز کر لیا۔ والد ماجد شاہ عبداللطیف علیہ الرحمۃ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی طور پر ہدایت کی کہ صاحبزادہ گرامی کا نام ''عبداللہ'' رکھیں تعمیل حکم کی گئی۔ بعض تذکروں میں عبداللہ غلام علی بھی لکھا جاتا ہے۔

جب حضرت عبداللہ سن بلوغ کو پہنچے تو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مرشد کی خدمت میں دہلی بھیج دیا لیکن جب یہ دہلی پہنچے تو والد کے مرشد کا انتقال ہو چکا تھا، ناچار ان کے خلفاء سے بیعت ہو گئے اور

قادریہ سلسلہ میں ریاضات ومجاہدات میں مشغول ہوگئے۔ ایک شب ان کو حضور شاہ نقشبند رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوگیا۔ اب تو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی طرف دل کھنچنے لگا۔ جب نسبتِ نقشبندیہ مقدسہ کی کشش بڑھ گئی تو آپ نے سوچا اگر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ رضامند ہوں تو میں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ نے فوراً مشاہدہ فرمایا کہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں ''مقصود تو خدائے تعالیٰ ہے (اس طرف) جائیں کوئی حرج نہیں'' ان دنوں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سبب سے بڑے پیشوا حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ العزیز تھے حضرت عبداللہ غلام علی علیہ الرحمۃ نے ان کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرلی۔ عنایات ازلی نے دست گیری فرمائی مقاماتِ عالیہ پر سرفراز ہوگئے مرشدِ عالی مرتبہ نے تصدیق فرمائی اور خلافت کے منصب پر فائز فرمادیا...... یہ تھے حضرت مولانا خالد کردی کے مرشد جن کے لیے بیت اللہ شریف راہنمائی کی گئی تھی۔ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم، حضور شاہ نقشبند اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی توجہاتِ قدسیہ میسر تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا خالد نقشبندی قدس سرہ، کو ایسی علمی صلاحیتوں سے نوزا کہ کئی علوم میں یکتائے روزگار ہوگئے۔ ان کو اپنے دور کی عظیم علمی شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے ان کو ''یعلم الکتاب والحکمۃ'' کا فیض ملا اور تمام عمر درس وتدریس میں گزاردی۔ پھر جب قلم اٹھایا تو تدریسی تجربات کی روشنی میں علماء اور طالب علموں کی مشکلات حل کرنے کی کوشش فرمائی، ادق علمی مسائل، عمیق نکات اور ژولیدہ عبارات کی اس طرح وضاحت فرماتے کہ علماء ودانشمند حیران رہ جاتے ہیں۔ ''مولانا خالد نقشبندی وپیروان طریقت او'' میں آپ کی اٹھارہ کتابوں کی فہرست موجود ہے ان میں بیشتر تعلیقات وتشریحات پر مبنی ہیں۔ مشکل مسائل کی شرحیں اور حاشیے ہیں۔ ایک کتاب صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اور ۴ کتابیں تصوف میں اور آپ کے خطوط کا ایک مجموعہ بھی ہے۔

مولانا کا شعر وسخن کا ذوق نہایت اعلیٰ ہے۔ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مولانا جامی قدس سرہ، کے اتباع میں ۲ قصائد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے ان میں جذبات کی شیفتگی خیالات کی وارفتگی اور حُسنِ بیان کا لطف ہے مولانا موصوف نے پہاڑوں کی صاف ستھری اور پاکیزہ فضاؤں میں ہوش سنبھالا تھا اس ماحول کا خوشگوار اثر ان کے کلام میں نظر آتا ہے پہاڑوں کی سی بلندی خیال میں، فضاؤں کی پاکیزگی

بیان میں، سبزہ زاروں کی شگفتگی مزاج میں، روشن ماحول کی لطافت کلام میں، پائی جاتی ہے دورانِ سفر امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے روضہ پر حاضر ہوئے منقبت پیش کی اس میں جوش عقیدت جھلک اٹھا حضرت بایزیدِ سطامی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے منقبت پیش کر دی جس میں تصوف کے معاملات تھے حضرت مولانا کو عربی، فارسی اور کردی زبانوں پر پوری قدرت حاصل تھی تینوں زبانوں میں نثر اور نظم میں آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔

اولا د امجاد...... حضرت مولانا خالد قدس سرہ، نے ۳ شادیاں کی تھیں ان سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی مگر ان دنوں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی جس سے تین صاحبزادے لقمۂ اجل بن گئے۔ آخری صاحبزادے مولانا نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے ان کی پرورش و تعلیم و تربیت ان کے چچا نے فرمائی یہ طریقت کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے اجدادِ کرام کی روش پر چلے۔ شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۷۵ھ میں انتقال فرمایا اور ان کی مَسنَد ان کے صاحبزادے شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سنبھالی۔

حضرت مولانا خالد کی (تیسری زوجہ سے) ایک صاحبزادی فاطمہ تھیں۔ وہ اعلیٰ استعداد اور عقل و شعور کے اعتبار سے بے مثل تھیں یہ حافظ قرآن تھیں اور علومِ متداولہ سے بہرور تھیں آپ بھی طریقہ نقشبندیہ سے وابستہ تھیں اور عورتوں کو آپ سے استفادہ ہوتا تھا۔ عربی، فارسی، کردی اور ترکی زبانوں میں شعر بھی کہتی تھیں۔

حضرت مولانا خالد نقشبندی قدس سرہ، کے وصال کے بعد دمشق میں ان کے سجادہ (خانقاہ) پر جو تکیہ خالدیہ کے نام سے مشہور تھا شیخ اسمٰعیل اتارانی رونق افروز ہو گئے۔ چند ہی روز بعد ان پر طاعون کے اثرات ظاہر ہو گئے تو انہوں نے شیخ عبداللہ کو سلیمانیہ سے بلوا کر یہ منصب سونپ دیا اور خود داعی اجل کو لبیک کہا۔ لیکن طاعون نے ان کو بھی گھیرا اور وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گئے ان کے بعد شیخ عبدالفتاح رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسند سنبھالی اور بڑی گرمجوشی سے مریدین کی تربیت فرماتے رہے تھے اور مولانا خالد کے اہل خانہ کی ذمہ داریاں بھی نبھاہ رہے تھے کہ فرمانروائے وقت سلطان عبدالمجید خان کے عہد میں درس کا نظام بدلا شیخ عبدالفتاح کو یہاں سے ہٹا کر شیخ محمود کو مسند پر بٹھا دیا گیا شیخ عبدالفتاح بغداد چلے گئے وہاں سے استنبول تشریف لے گئے اور یہاں ہی خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت مولانا خالد نقشبندی کے احوال و آثار خصوصاً طریقت میں ان کی تعلیمات پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بعض مشہور کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے (ان میں اہم ترین کام ڈاکٹر مہندخت معتمدی کا تحقیقی مقالہ ''مولانا خالد نقشبندی و پیروانِ او،، ہے۔

١......اصفی الموارد فی سلسال احوال مولانا خالد
٢......الفیض الوارد علی روضه مرثیه مولانا خالد رحمة اللّٰه علیه
٣......المجدالتالد فی مناقب مولانا خالد رحمة اللّٰه علیه
۴......سل الحسام الهندی لنصرة مولانا خالدا لنقشبندی
۵......الاساور العسجد یه فی المآثر الخالدیه
٦......الحدیقة الندیة والبهجة الخالدیة
۷......انشر الوری باخبار مولانا خالد نقشبندی الکردی
٨......القول الصواب بردما سمی بتحر یر الخطاب
٩......السهم الصائب لمن سمی الصالح، بالمبتد ع الکاذب
١٠......البهجة السنیة فی آداب الطریقة العلیه الخالدیه
١١......حصول الانس فی انتقال حضرة مولانا خالدالی حظیرة القدس
١٢......ریاض المشتاقین فی مناقب مولانا خالد ضیاء الدین رحمة اللّٰه علیه
١٣......مسلی الواجد ودهثیر النواجد فی تشطیر مرثیه مولانا خالد
١۴......بغیته الواجد فی مکتوبات حضرة مولانا خالد
١۵......نور الهدایته والعرفان فی السرالرابطة والتوجه و ختم الخواجگان
١٦......الفیوضات خالدیه
١۷......جمع القلائد و مجمع الشوائد فی فرائد مولانا خالد
١٨......الرحمة الهابطه فی ذکر اسم ذات والرابطه
١٩......انوار القدسیه فی مناقب الساداة النقشبندیه

۲۰......الحدائق والوردیته فی حقائق اجلاء النقشبندیه

ان مستقل کتابوں کے علاوہ مشائخ اور علماء کے تذکروں میں بھی کہیں کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار سے حضرت مولانا خالد قدس سرہ کا ذکر خیر موجود ہے۔ ایسی ۳۰ کتابوں کی فہرست تحقیقی کتاب ''مولانا خالد نقشبندی و پیروانِ او میں ص ۱۲۹ پر موجود ہے۔

ضمیمہ

☆☆

خلفا......حضرت مولانا خالد نقشبندی قدس سرہٗ کے مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے آپ کے سلسلہ کو بڑی قبولیت حاصل تھی مدینہ منورہ میں سید اسمٰعیل برزنجی کردی رحمۃ اللہ علیہ مولانا قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ شیخ عبداللہ فردی رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس میں خلیفہ تھے شیخ اسماعیل انارانی دمشق میں خلیفہ تھے۔ شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ سلیمانیہ میں خلیفہ تھے۔ ملا رسول مہاباد میں تھے۔ شیخ محمد عثمان سراج الدین کردستان میں تھے۔ اس خانقاہ کو مرکزیت حاصل تھی شیخ عثمان سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے چار صاحبزادے اور پھر ان کے پوتے مسند ارشاد پر رونق افروز ہوتے رہے اور کردستان میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ خالدیہ کو بہت عروج حاصل ہوا۔ ایک مکتوب (۴) خلفائے استنبول کے نام ہے کئی خطوط ایسے ہیں جن میں مکتوب الیہم کے نام نہیں لکھے گئے لیکن ان کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی خلفاء کے نام ہوں گے۔ جبکہ بعض مکاتیب کے مکتوب الیہم کے نام ہیں لیکن یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ خلفاء تھے یا مریدینِ خاص یا مخلصین زیر تربیت۔

چند خطوط خلافت نامے کہے جاسکتے ہیں۔ مثلاً شیخ ابراہیم آفندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ حسن قوزانی رحمۃ اللہ کے لیے ان خطوط میں طریقت کے اسرار سمجھائے ہیں نصیحتیں کی ہیں اور بعض حضرات کی سختی سے گرفت کی ہے۔ اہل طریقت کے لیے بہت سبق آموز ہیں۔

(ماخوذ از ''مولانا خالد نقشبندی و پیروانِ طریقتِ او'' (تہران: ۱۳۴۸) تحقیق و تصحیح و ترجمہ دکتر مہندخت معتمدی، (ص ۱۹۔ ۱۳۱) عطیہ خواجہ محمد عبداللہ جان مدظلہ العالی۔ پشاور، پاکستان)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگار خانہ

(بعض مقالہ نگار کا مختصر تعارف)

مرتبہ

صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری مجددی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نگارخانہ

☆☆

سردار علی احمد خان قادری

جناب سردار علی احمد خان قادری انگریزی ادب میں مہارت کے حوالے سے منفرد شہرت رکھتے ہیں، آپ ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع پٹیالہ کے قریب ''سامانہ'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کے امتحانات پاس کیے، کئی محکموں میں ملازمت کی، آج کل ''موچل انشورنس کمپنی'' کے جنرل منیجر ہیں...... تحریکِ پاکستان کے زمانے میں گرانقدر خدمات انجام دینے پر گولڈ میڈل سے نوازے گئے...... قیام پاکستان کے بعد بھی خدمت خلق کے جذبے سے سرشار کئی سماجی و بہبودی تنظیموں سے وابستہ ہیں، گارڈن ٹاؤن لاہور کی جامع مسجد اور ۱۷ کنال پر پھیلا ہوا قبرستان آپ ہی کا کارنامہ ہے...... انگریزی ادب سے گہرا لگاؤ ہے سروجنی نائیڈو کی انگریزی نظموں کا اردو میں ترجمہ کر کے شہرت حاصل کی جس کے متعدد ایڈیشن دہلی سے شائع ہو چکے ہیں، آپ خود بھی اشعار کہتے ہیں جو کہ انگریزی، فارسی، اردو، ہندی اور پنجابی زبانوں کے بہترین اشعار میں شمار ہوتے ہیں، سلسلہ قادریہ میں بابا روح اللہ قادری سے شرف ارادت اور حضرت معین الدین رحمۃ اللہ سے فیض حاصل کیا، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہم الرحمۃ سے بے انتہا عقیدت و محبت رکھتے ہیں، آپ کی نگارشات میں حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی ''مناہج السیر فی مدارج الخیر'' کا انگریزی ترجمہ ممتاز ہے جبکہ دیگر تصانیف میں دی نقشبندیز (انگریزی)، حضرت برہان الدین غریب نواز کے ملفوظات (انگریزی) برصغیر کے دبستان مصوری، ہندوستانی سے پاکستان، تذکرہ میر درد دہلوی، نوائے بلبل (انگریزی)، برصغیر میں راجپوتوں کے آباد کردہ شہر، دہلی زیارت و آثار اور ملہمات نمایاں ہیں، آپ کی ۲۰۔ کتب اردو اور انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں، تقریباً دس برس رسالہ استقلال کے اعزازی مدیر بھی رہ چکے ہیں۔

قاضی ظہور احمد اختر

قاضی ظہور احمد اختر ضلع شیخوپورہ کے علاقہ پھلرون میں پیدا ہوئے...... پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا اور محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی...... حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری صاحب سے شرف بیعت حاصل ہے...... آپ کی کتب میں ''آئینۂ دیوبند'' اور ''آفتاب سرہند'' معروف ہیں...... آپ حال ہی میں محکمہ تعلیم پنجاب سے سبکدوش ہوئے ہیں......

مولانا کوثر نیازی

۱۔ میانوالی (پنجاب) میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔

۲۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے انگلش، عربی، فارسی اور اردو کے مضامین میں گریجویشن اور آنرز کیں۔

۳۔ آپ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک صحافی تھے۔ روزنامہ ''تسنیم'' ہفت روزہ ''کوثر'' ماہنامہ ''تعمیر انسانیت'' کے ایڈیٹر رہے۔ پہلے سیاسی اور کثیر اشاعت ہفت روزہ ''شہاب'' کے بانی ایڈیٹر رہے۔ روزنامہ جنگ میں اپنا ہفت روزہ کالم لکھتے رہے ہیں جو کہ بیک وقت راولپنڈی، لاہور، کراچی، کوئٹہ اور لندن سے شائع ہوتا ہے۔ پاکستان اور غیر ممالک میں یہ سب سے زیادہ پڑھا جانے والا کالم ہے۔

۴۔ اسلامی فلسفے، تاریخ، سیاست اور تحقیق پر دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے کئی ایک کا عربی، فارسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے ان کتابوں کو بڑی تعداد میں لوگ پڑھتے ہیں۔

۵۔ اردو شاعری میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ آپ کی شاعری کے دو مجموعے ''زرگل'' اور ''لمحے'' اردو ادب کے شہ پاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۔ ابتداء میں جماعت اسلامی میں شامل ہوئے اور اس کے سرکردہ راہنماؤں میں سے تھے، لیکن کچھ اختلافات کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۶۹ء میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور اس کے مرکزی سیکریٹری اطلاعات چنے گئے۔

۷۔ ظلم و جبر کے خلاف لڑتے ہوئے ابھی آپ جیل ہی میں تھے کہ ۱۹۷۰ء میں آپ کو قومی اسمبلی کا رکن چنا گیا اور آپ نے پورے مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ ۱۹۷۷ء میں دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب کیے گئے۔

۸۔ ۱۹۷۱ء میں صدر کے حج، اوقاف اور اطلاعات امور کے مشیر بنائے گئے۔

۹۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک حکومت پاکستان کے سینئر وفاقی وزیر رہے اور آپ کے پاس مذہبی امور، اطلاعات ونشریات، اقلیتی امور، اور غیر ملکی پاکستانیوں سے متعلق امور کی وزارتیں رہیں۔

۱۰۔ ۱۹۷۵ء میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے چیئرمین چنے گئے جس کا ہر سال کسی نہ کسی مسلم ملک میں اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۱۔ سعودی عرب جانے والے پاکستان کے سرکاری حج وفود کی ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۷ء تک تقریباً ہر سال قیادت کرتے رہے۔ انگلستان، مصر، لیبیا، کویت، متحدہ عرب امارات، شام، عراق، ایران اور ترکی جانے والے سرکاری وفود کے بھی قائد رہے۔ آپ نے دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا ہوا ہے اور سفرنامے بھی لکھے ہیں جو کہ پاکستان میں مقبول عام ہیں۔

۱۲۔ ۱۹۷۷ء میں آپ پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔

۱۴۔ ۱۹۸۵ء میں قومی اسمبلی کے اراکین کے ۱۷۱ ووٹوں میں سے ۱۵۱ ووٹ لے کر سینیٹ کے رکن منتخب ہوئے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

ڈاکٹر محمد ایوب قادری ۱۹۲۶ء کو بدایوں (بھارت) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر کے کراچی کو مسکن بنایا...... ''اردو ادب کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی۔ مختلف محکموں میں ملازمت اختیار کی پھر ۱۹۵۳ء میں اردو کالج کراچی سے وابستگی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی میں بطور اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر خدمات انجام دیتے رہے...... اردو ادب اور تاریخ کی دنیا میں آپ کا ایک ممتاز مقام ہے۔ آپ سے مقالہ ڈاکٹریٹ کے علاوہ سولہ تصانیف یادگار ہیں جن میں اکثر کے تراجم، تعلیقات اور حواشی آپ کی علمی صلاحیتوں پر گواہ ہیں۔ جن میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، غالب اور عصر حاضر، فرحت الناظرین، مآثر الامراء، سیر العارفین، طبقات الکبریٰ، جنگ نامہ آصف الدولہ اور تاریخ کالا پانی نمایاں ہیں۔ آپ کا ۲۵ رنومبر ۱۹۸۳ء کو کراچی میں وصال ہوا۔

پروفیسر محمد اسلم

پروفیسر محمد اسلم مرحوم پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ تاریخ کے اُستاد کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، انہوں نے ایم۔ اے کرنے کے بعد مانچسٹر یونیورسٹی، ڈرہم یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالات جمع کرائے مگر کہیں سے بھی یہ اعزاز نہ مل سکا اور ایم۔ فل ہی کا درجہ دیا جاتا رہا...... آپ نے متعدد کالجوں میں تدریس کا فریضہ ادا کیا پھر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے وابستہ ہو کر پچیس سال یہیں گزار دیئے، آپ اس شعبہ کے صدر بھی رہے...... آپ نے تین سو کے لگ بھگ مضامین و مقالات تحریر کیے جن میں سے ۲۶ مقالات دو مجموعوں ''تاریخی مقالات'' اور ''سرمایہ عمر'' میں چھپ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی ۱۹ کتابیں ہیں جن میں سے بعض ہائی کلاسز کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان میں دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر، ملفوظاتی ادب کی تاریخی حیثیت، سفرنامہ ہند اور رسالہ صاحبیہ (حالات ملا شاہ بدخشی) نمایاں ہیں...... ۶/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔

☆......☆......☆

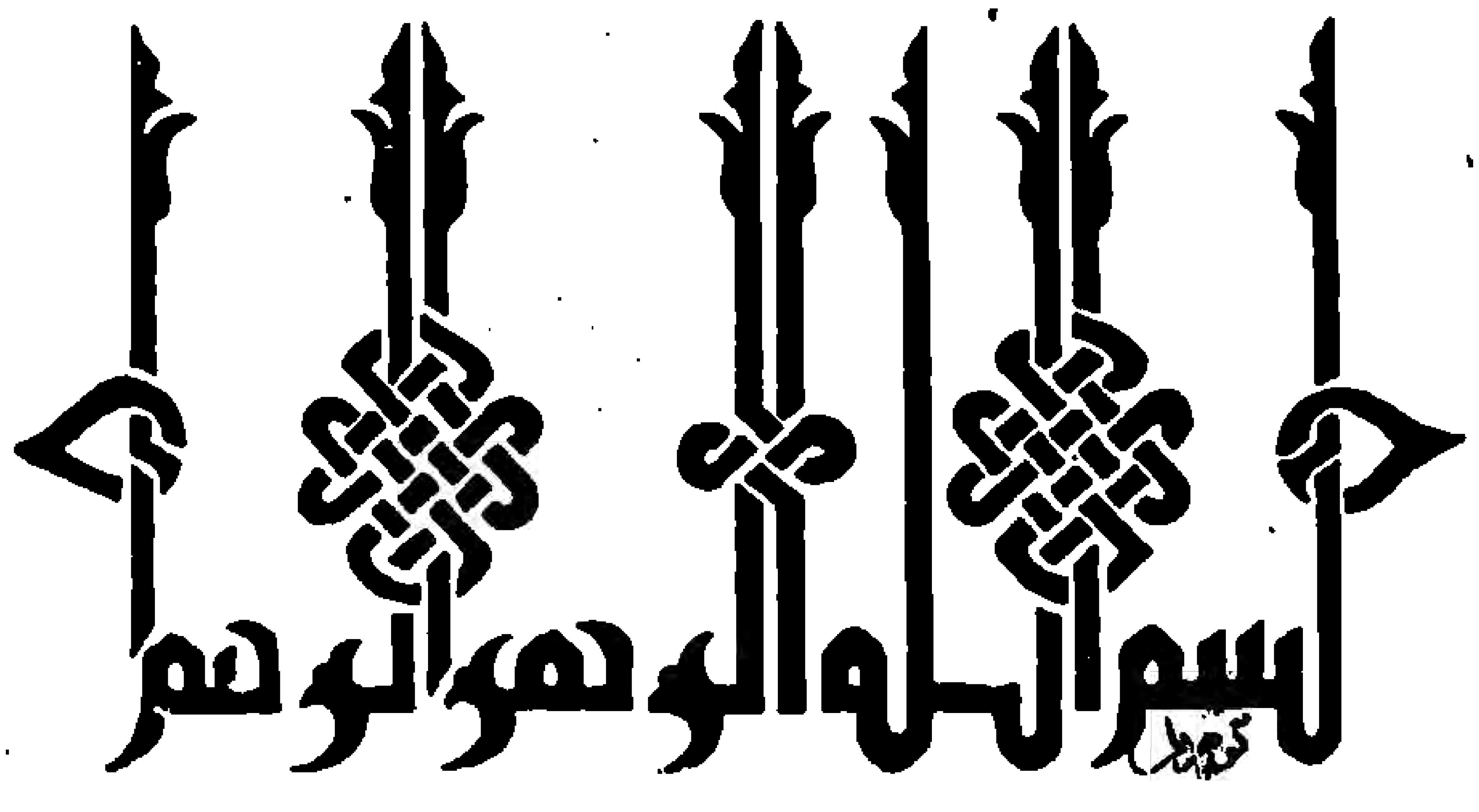

۶۲۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقعات

۲۵۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

۱......مزار مبارک حضرت خواجہ محمد معصوم وفرزندان علیہم الرحمۃ (سرہند شریف)

۲......مزار مبارک حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (سرہند شریف)

۳......مزار مبارک خواجہ نقشبند ثانی فرزند دوم خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ (سرہند شریف)

۴......مزار مبارک خواجہ محمد زبیر نبیرہ خواجہ نقشبند ثانی علیہما الرحمۃ (سرہند شریف)

۵......مزار مبارک خواجہ سیف الدین نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی علیہما الرحمۃ (سرہند شریف)

مزار مبارک حضرت خواجہ محمد معصوم و فرزندان علیہم الرحمہ

سرہند شریف۔ بھارت

مزار مبارک خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ فرزند گرامی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
سرھند شریف۔ بھارت

مزارِ مُبارک خواجہ محمد نقشبند ثانی فرزندِ دوم خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ

(م۔ ۲۹ محرم الحرام سن ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء) اس گنبد میں آپ کے فرزند محمد عمر، بیٹی اور زوجہ محترمہ کی بھی قبریں ہیں

مزارِ مبارک خواجہ محمد زبیر نبیرۂ خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہما الرحمہ

(م ۔ ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ) سنِ تعمیر ۱۱۵۳ھ (سرہند شریف)

مزار مبارک خواجہ سیف الدین نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ایک منظر

سرہند شریف ۔ بھارت

مختصر تعارف

جہان امام ربانی

اقلیم پنجم

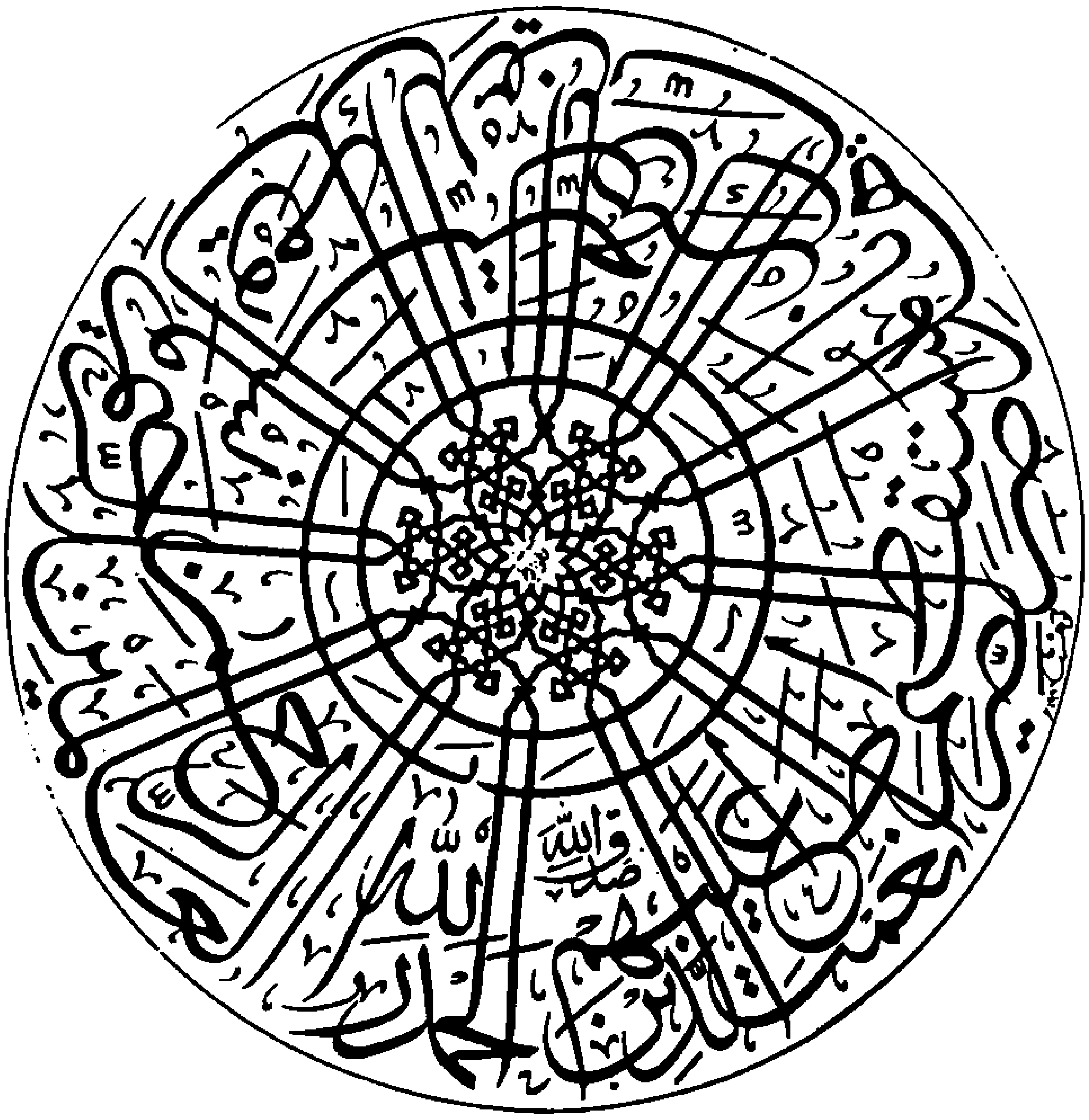
صدق الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اقلیم پنجم

☆☆

✿...... نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	امام احمد رضا محدث بریلوی
✿...... مناقب	قاری غلام صابر قدیری، غلام مصطفیٰ مجددی
✿...... ابتدائیہ	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
✿...... تأثرات	ابوالکلام آزاد، ابوالاعلیٰ مودودی محمد سعید احمد مجددی، شاہ حسین گردیزی داؤد غزنوی، عبداللہ روپڑی

کشورِ اوّل

✿...... تعارف امام ربانی مجدد الف ثانی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
✿...... تصانیف امام ربانی مجدد الف ثانی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	پروفیسر خورشید حسین بخاری
✿...... تکملہ، تصانیف امام ربانی کا تحقیقی جائزہ	محمد عالم مختار حق
✿...... مکتوبات امام ربانی...... ایک تحقیقی جائزہ	حکیم محمد موسیٰ امرتسری
✿...... مکتوبات کی فہم و تفہیم میں حضرات مجددیہ کی کوششیں	پروفیسر محمد اقبال مجددی

…… مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ عبدالحق انصاری

…… مکتوبات امام ربانی
حضرت ضیاء المشائخ کی نظر میں ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی

…… مقدمہ شرح مکتوبات امام ربانی مولوی نصر اللہ ہوتکی

…… قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی
(مکتوبات شریف کا ایک مترجم) محمد عالم مختار حق

کشورِ دوم

…… زبدۃ المقامات اور
حضرات القدس کا تقابلی مطالعہ پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

…… سلسلۂ مجددیہ کا ایک ترک مصنف ڈاکٹر امین وشیر

…… حضرت مجدد الف ثانی اور مارکسی مؤرخین ڈاکٹر جمال محمد صدیقی

…… حضرت مجدد الف ثانی کے دفاع میں
لکھی جانے والی کتابیں پروفیسر محمد اقبال مجددی

…… حضرت مجدد کے اقوال پر مبنی دو تصانیف
تعلیمات مجددیہ اور ارشاداتِ مجددیہ وقار انبالوی

کشورِ سوم

…… حضرت مجدد الف ثانی مغرب میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

…… افکارِ مجدد الف ثانی کا ایک مآخذ پروفیسر محمد اقبال مجددی
(امام شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی)

…… الاجابة الربانیه اور الاشارات السنیه (ایک تعارف)	ڈاکٹر شیخ ممتاز سدیدی

کشورِ چہارم

…… حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
…… حضرت امام احمد رضا اور حضراتِ نقشبندیہ	صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد
…… امام ربانی اور امام اہلِ سنت	علامہ ڈاکٹر محمد مکرم احمد (مفتی اعظم دہلی)
…… حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
…… فلسفۂ اقبال پر حضرت مجدد کے اثرات	ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی
…… تصانیفِ اقبال میں ذکرِ مجدد	ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی

کشورِ پنجم

…… امام اعظم، حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں	علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری
…… حضرت غوث اعظم، حضرت مجدد کی نظر میں	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
…… حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی	مرزا مظہر جان جاناں
…… حضرت غوث اعظم، شاہِ نقشبند اور حضرت مجدد	صوفی صدیق ضیاء انجینئر
…… حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت غوث الاعظم	مولانا محمد اقبال سعیدی
…… نگارخانہ	
…… مرقعات	

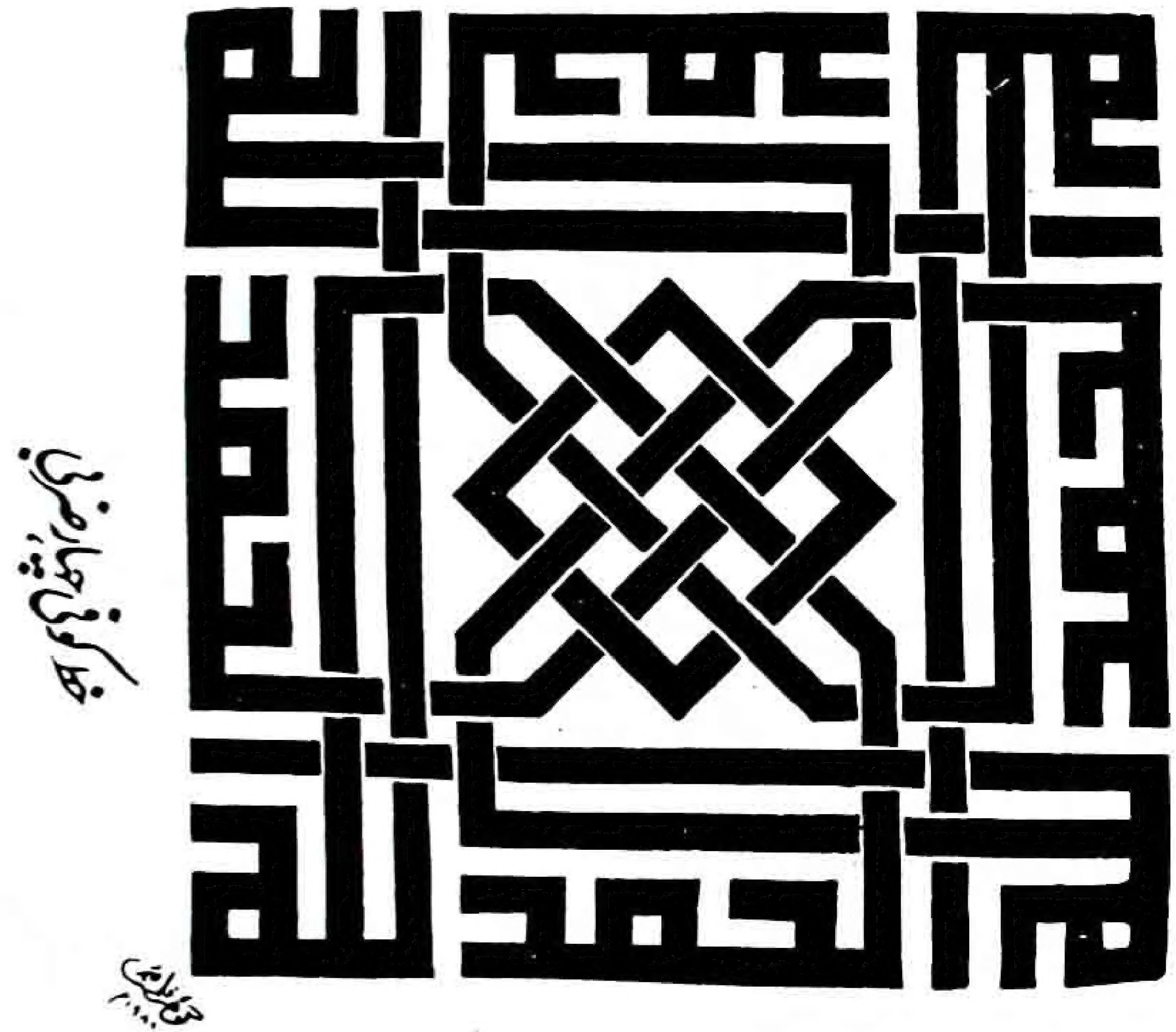

الحمد لله